خلاصہ قرآنی تفسیر: ذہنی سکون کا راستہ - باب 2 البقرہ

Shaykh Pod BOOKS

Shaykh Pod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

خلاصہ قرآنی تفسیر :ذہنی سکون کا راستہ - باب 2 البقرہ

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2025 کے ذریعہ شائع کردہ

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

خلاصہ قرآنی تفسیر :ذہنی سکون کا راستہ - باب 2 البقرہ

دوسرا ایڈیشن۔ 24 جنوری 2025۔

کاپی رائٹ © 2025 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

مندرجات کا جدول

مندرجات کا جدول

اعترافات

مرتب کرنے والے کے نوٹس

تعارف

باب 2 - البقرہ، آیت 1

باب 2 - البقرہ، آیات 2-5

باب 2 - البقرہ، آیات 6-7

باب 2 - البقرہ، آیات 8-10

باب 2 - البقرہ، آیات 11-12

باب 2 - البقرہ، آیت 13

باب 2 - البقرہ، آیات 14-16

باب 2 - البقرہ، آیات 17-18

البقرہ، آیات 19-20 -

باب 2 - البقرہ، آیات 21-22

باب 2 - البقرہ، آیات 23-24

باب 2 - البقرہ، آیت 25

باب 2 - البقرہ، آیات 26-27

باب 2 - البقرہ، آیات 28-29

باب 2 - البقرہ، آیات 30-34

[باب 2 - البقره، آیات 39-35]
[باب 2 - البقره، آیات 46-40]
[باب 2 - البقره، آیات 48-47]
[باب 2 - البقره، آیات 50-49]
[باب 2 - البقره، آیات 52-51]
[باب 2 - البقره، آیت 53]
[باب 2 - البقره، آیت 54]
[باب 2 - البقره، آیات 56-55]
[باب 2 - البقره، آیت 57]
[باب 2 - البقره، آیات 59-58]
[باب 2 - البقره، آیت 60]
[باب 2 - البقره، آیت 61]
[باب 2 - البقره، آیت 62]
[باب 2 - البقره، آیات 6 3-64]
[باب 2 - البقره، آیات 66-65]
[باب 2 - البقره، آیات 73-67]
[باب 2 - البقره، آیت 74]
[باب 2 – البقره، آیات 77-75]
[باب 2 - البقره، آیت 78]
[باب 2 - البقره، آیات 82-79]
[باب 2 - البقره، آیت 83]
[باب 2 - البقره، آیات 86-84]

باب 2 - البقره، آیت 87

باب 2 - البقره، آیت 88

باب 2 - البقره، آیات 89-91

باب 2 - البقره، آیات 92-93

باب 2 - البقره، آیات 94-96

باب 2 - البقره، آیات 97-99

باب 2 - البقره، آیت 100

باب 2 - البقره، آیات 101-103

باب 2 - البقره، آیت 104

باب 2 - البقره، آیت 105

باب 2 - البقره، آیات 106-107

باب 2 - البقره، آیت 108

باب 2 - البقره، آیات 109-110

باب 2 - البقره، آیات 111-112

باب 2 - البقره، آیت 113

باب 2 - البقره، آیت 114

باب 2 - البقره، آیت 115

باب 2 - البقره، آیات 116-117

باب 2 - البقره، آیات 118-119

باب 2 - البقره، آیت 120

باب 2 - البقره، آیت 121

باب 2 - البقره، آیات 122-123

باب 2 - البقره، آیت 124

باب 2 – البقره، آیت 125

باب 2 - البقره، آیت 126

باب 2 - البقره، آیات 127-129

باب 2 - البقره، آیات 130-134

باب 2 - البقره، آیات 135-138

باب 2 - البقره، آیت 139

باب 2 - البقره، آیات 140-141

باب 2 - البقره، آیات 142-145

باب 2 - البقره، آیات 146-147

باب 2 - البقره، آیات 148-150

باب 2 - البقره، آیات 151-152

باب 2 - البقره، آیات 153-157

باب 2 – البقره، آیت 158

باب 2 - البقره، آیات 159-160

باب 2 - البقره، آیات 161-162

باب 2 - البقره، آیات 163-167

باب 2 - البقره، آیات 168-171

باب 2 - البقره، آیات 172-173

باب 2 - البقره، آیات 174-176

باب 2 - البقره، آیت 177

باب 2 - البقره، آیات 178-179

باب 2 - البقره، آيات 180-182

باب 2 - البقره، آيات 183-185

باب 2 - البقره، آيت 186

باب 2 - البقره، آيت 187

باب 2 - البقره، آيت 188

باب 2 - البقره، آيت 189

باب 2 - البقره، آيات 190-194

باب 2 - البقره، آيت 195

باب 2 - البقره، آيات 196-203

باب 2 - البقره، آيات 204-206

باب 2 - البقره، آيت 207

باب 2 - البقره، آيات 208-209

باب 2 - البقره، آيات 210-212

باب 2 - البقره، آيات 213-214

باب 2 – البقره، آيت 215

باب 2 - البقره، آيات 216-218

باب 2 - البقره، آيات 219-220

باب 2 - البقره، آيت 221

باب 2 - البقره، آيات 222-223

باب 2 - البقره، آيات 224-225

باب 2 - البقره، آيات 226-233

باب 2 - البقره، آيات 234-235

باب 2 - البقرہ، آیات 237-236

باب 2 - البقرہ، آیات 239-238

باب 2 - البقرہ، آیات 242-240

باب 2 - البقرہ، آیات 245-243

باب 2 - البقرہ، آیات 251-246

باب 2 - البقرہ، آیات 254-252

باب 2 - البقرہ، آیت 255

باب 2 - البقرہ، آیات 257-256

باب 2 – البقرہ، آیت 258

باب 2 - البقرہ، آیت 259

باب 2 – البقرہ، آیت 260

باب 2 - البقرہ، آیات 266-261

باب 2 - البقرہ، آیات 274-267

باب 2 - البقرہ، آیات 281-275

باب 2 - البقرہ، آیات 283-282

باب 2 – البقرہ، آیات 286-284 از 286

اچھے کردار پر 500 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔ اور ہمارے بھائی حسن کا خصوصی شکریہ، جن کے سرشار تعاون نے شیخ پوڈ کو نئی اور دلچسپ بلندیوں پر پہنچا دیا ہے جو ایک مرحلے پر ناممکن لگ رہا تھا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com - پر دی جا سکتی ہیں

تعارف

ذیل میں قرآن مجید کے باب 2 البقرہ پر مکمل طور پر حوالہ اور سمجھنے میں آسان خلاصہ تفسیر)تفسیر (ہے۔ یہ خاص طور پر ان اچھی خصوصیات پر روشنی ڈالتا ہے اور ان پر بحث کرتا ہے جن کو انسان کو اپنانا چاہیے اور جن برے خصائص سے انہیں بچنا چاہیے تاکہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 1

الٓمٓ ﴿١﴾

"الف، لام، میم۔"

اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کر سکتی ہے کہ قرآن کریم عربی حروف اور الفاظ پر مشتمل ہے جن سے عربوں نے سب سے پہلے اسے سنا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن مجید کی سچائی کو قبول کرنے کے سوا کوئی بہانہ نہیں تھا کیونکہ وہ اس کے معجزاتی الفاظ کو پوری طرح سمجھ چکے تھے، وہ الفاظ جو وہ عربی زبان کے ماہر ہونے کے باوجود معنی، خوبصورتی اور عملی اطلاق میں نہیں مل سکتے تھے۔ خود کو سب سے خوبصورت مقررین کے طور پر۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

یہاں تک کہ اگر کوئی ایک خوبصورت اور تال میل والا عربی جملہ بناتا ہے تو وہ کبھی بھی اس کی گہری بصیرت سے میل نہیں کھا سکتا ہے جو انسانی فطرت، نفسیات اور رویہ کے جوہر میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اس کی آسانی سے سمجھنے کی صلاحیت سے میل نہیں کھا سکتے تھے، یہاں تک کہ ان پڑھ لوگوں کی طرف سے اور عملی طور پر کسی کی زندگی میں لاگو کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ انسانوں کی فطرت کو مخاطب کرتا ہے، یہ لازوال مشورہ ہے جو ہر شخص، جگہ اور نسل کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت بھی نہیں ملتی اور نہ ہی مل سکتی ہے۔ اس کی الہی ابتدا کا ایک اور ثبوت۔

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں جبکہ اس کی تعلیمات کو آسان طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان امور میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ قرآن پاک ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے منع کرتا ہے تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں سلامتی اور امن پھیلے۔ قرآن پاک زیادہ تر نظموں اور کہانیوں کے برعکس مبالغہ آرائی یا جھوٹ نہیں بولتا۔ قرآن پاک کی تمام چھوٹی اور لمبی آیات ہر شخص کے لیے فائدہ مند ہیں، خواہ وہ جنس، عمر، سماجی حیثیت یا کسی بھی چیز سے تعلق رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا گیا ہے تو مختلف اسباق کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس قرآن پاک سچائی کے متلاشی کو برداشت نہیں کرتا۔ قرآن کریم اپنے انتباہات اور وعدوں کی تائید ناقابل تردید دلائل اور شواہد کے ساتھ کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث

کرتا ہے جسے خلاصہ سمجھا جا سکتا ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے عملی طور پر نافذ کرنے کا ایک آسان طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ کسی کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، سیدھے آگے اور گہرے طریقے سے۔ یہ ہر اس شخص کے لیے صحیح راستہ واضح اور دلکش بناتا ہے جو دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا خواہاں ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے، کیونکہ یہ انسانی فطرت کو نشانہ بناتا ہے، جو کہ لازوال ہے، اور اس لیے ہر دور، معاشرے اور نسل پر لاگو کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی پریشانی کا علاج ہے جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی روشنی میں سمجھا اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر مسئلے کا حل ہے جس کا کوئی فرد یا معاشرہ کبھی بھی سامنا کر سکتا ہے۔ واضح طور پر دیکھنے کے لیے صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کیا وہ انصاف اور امن پھیلانے میں کامیاب ہوئے۔ صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی قرآن پاک نے اپنی پاکیزگی برقرار رکھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ کسی اور کتاب میں یہ معیار نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“۔”

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور لازوال معجزہ ہے جو اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ لیکن صرف وہی جو حق کی تلاش کرتا ہے، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو، اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اپنی خواہشات کے متلاشی اس میں سے محض چیری چنیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں صحیح رہنمائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 1:

"الف، لام، میم۔"

علم کا بنیادی جزو حروف ہے۔ اس لیے یہ آیت بھی علم کی اہمیت پر دلالت کر سکتی ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق دنیوی اور دینی دونوں علم حاصل کرنا اور اس پر عمل جہالت ہی گناہوں اور گمراہی کا باعث بنتی ہے کیونکہ علم کے بغیر کرنا اسلام میں سب پر فرض ہے۔ گناہوں سے بچا نہیں جا سکتا اور نہ ہی صحیح رہنمائی ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر حاصل کیا .کسی کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اپنے علم پر عمل کریں، کیونکہ علم خود اس وقت تک مفید نہیں ہوتا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔ جس طرح کسی منزل کا نقشہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی عملی طور پر منزل تک پہنچنے کے لیے نقشے کو استعمال نہ کرے، اسی طرح علم عمل کے بغیر کامیابی کا باعث نہیں بنتا۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

"...اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

باب 2 - البقرہ، آیت 2-5

ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ٢

ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ٣

وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِٱلْءَاخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ٤

أُو۟لَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ٥

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔"

جو غیب پر یقین رکھتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

،کتاب، قرآن پاک ، صحیح رہنمائی کے لیے پچھلے باب میں کی گئی دعا کا جواب ہے۔ باب 1 الفاتحہ آیات 6-7:

"ہمیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔"

لہٰذا مسلمانوں کے پاس اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے قرآن کریم کا جواب دینے کے سوا کوئی بہانہ نہیں بچا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اسے باقاعدگی سے اور صحیح طریقے سے پڑھنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اس پر عمل کرنا شامل ہے، بغیر کسی کی خواہشات کے مطابق آیات کا انتخاب کرنا۔ یہ ان لوگوں کا رویہ ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قرآن مجید کی ابتداء میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ خوبصورتی، عملی اطلاق، صحیح رہنمائی اور انسانی فطرت کے ہر پہلو کا احاطہ کرنے میں بے مثال اور بے مثال ہے۔ جیسے انسانی فطرت لازوال ہے اسی طرح قرآن پاک کی تعلیمات بھی بے وقت ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک انسان کو دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جیسا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو بلند ترین، وہ جانتا ہے کہ اس کے پیدا کردہ لوگوں کے لیے کیا بہتر ہے۔

مرکزی آیت میں جس ہدایت کا ذکر ہے اسے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ،ہے کہ قرآن پاک ہر شخص کی رہنمائی کرے گا، خواہ وہ کسی بھی صورت حال کا سامنا کر رہا ہو اس وقت اس کے لیے کیا بہتر ہے، وہ چیز جو فرد سے فرد اور صورت حال کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ ایک اور نشانی ہے جو قرآن کریم کی معجزانہ نوعیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک ہی جنت کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ درحقیقت لوگوں کو دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کے لیے رہنمائی کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کسی

بھی صورت حال کا سامنا کرتے ہیں، وہ جس وقت میں رہتے ہیں یا کوئی اور بیرونی عنصر۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن دونوں جہانوں میں یہ صحیح رہنمائی صرف ان لوگوں کو میسر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کیونکہ صرف وہی لوگ قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے خواہ ان کی خواہشات ہوں یا دوسروں کی خواہشات۔

اللہ سے ڈرنے والے سچے دل سے اس کی اطاعت کریں گے اور اس کی نافرمانی سے بچیں گے۔ اگر وہ گناہ میں پڑ جائیں تو وہ سچے دل سے توبہ کریں گے۔ اس میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور اس میں ملوث افراد شامل ہیں، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ بن جائے، دوبارہ اسی یا اسی طرح کے گناہ کی طرف نہ لوٹنے کا وعدہ کرنا اور ان حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں اس وقت تک خلاف ورزی کی جاتی ہے جب تک کہ آخر الذکر مزید مسائل کا باعث نہ بنے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنانے کا ایک پہلو، یعنی تقویٰ، اس خوف سے حلال چیزوں سے پرہیز کرنا ہے کہ یہ حرام کی طرف لے جا سکتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2451 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حلال دنیاوی چیزوں میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ تقویٰ کے منافی ہے۔ دنیاوی چیزوں میں مشغول ہونا فضول چیزوں کی طرف لے جاتا ہے، جو قیامت کے دن انسان کے لیے بہت زیادہ افسوس کا باعث ہو گی، خاص طور پر جب وہ ان لوگوں کو ملنے والے انعام کو دیکھ رہے ہوں جنہوں نے اپنے وسائل کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا۔ نیز، بیہودہ چیزیں اکثر گناہ کی چیزوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول باتیں اکثر جھوٹ، غیبت اور دوسروں کی غیبت کا باعث بنتی ہیں۔

اگرچہ قرآن پاک تمام بنی نوع انسان کے لیے نازل ہوا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کی صحیح رہنمائی کرے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل اور یوم جزا غیب کا حصہ ہیں۔ غیب وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک پانچ حواس سے نہیں کیا جا سکتا۔ غیب کی چیزوں پر یقین رکھنا ایمان کا ایک لازمی حصہ ہے کیونکہ ظاہری چیز پر یقین کرنے کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے قیامت کا تجربہ کیا اور جہنم اور جنت جیسے غیب عناصر کو دیکھا اس کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرتے ہیں اور اپنے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرتے ہیں۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتے ہیں، انہیں قیامت کے لیے تیاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس لیے وہ قرآن پاک کو نظر انداز کر دیں گے۔ یہ رویہ ان لوگوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے کافی ہے جو واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کے احتساب اور جو نہیں مانتے۔ اس کے علاوہ، جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، وہ اپنی خواہشات کے مطابق قرآن پاک میں سے کوئی چیز نہیں لیں گے، اور نہ ہی وہ جان بوجھ کر اس کی تعلیمات کی غلط تشریح کریں گے تاکہ اپنے گمراہ کن طریقوں کو درست ثابت کریں۔ اس کے بجائے وہ اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات سے قطع نظر قرآن پاک کی تمام تعلیمات کو نافذ کرنے کی کوشش کریں گے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

باب 2 البقرہ، آیات 2-3:

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ کوئی بھی کسی چیز پر اس وقت تک یقین نہیں کرے گا جب تک کہ وہ اسے اپنی پانچ حواس سے نہ سمجھ لے اور اسے سمجھ نہ لے کیونکہ اس دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتی ہیں لیکن لوگ ان پر یقین کرتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ .مثال کے طور پر، بہت کم لوگ ان دوائیوں کے عمل کے طریقہ کار کو سمجھتے ہیں جو وہ لیتے ہیں پھر بھی وہ ان کا استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ اپنی صحت میں کوئی واضح بہتری دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں وہ دوا لینا بند نہیں کرتے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اس سے ان کی مدد ہوتی ہے، چاہے یہ مدد ان کے لیے نظر نہ آئے۔

یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ وہ لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لائیں اور ان سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ غیب کی چیزوں کو سمجھیں کیونکہ وہ اکثر اس دنیا میں لوگوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ ایک مومن کے طور پر شمار ہونے کے لئے صرف ان پر پختہ یقین کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ پانچ حواس کے ذریعے غیب چیزوں کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اندر ایسی نشانیاں اور شواہد رکھے ہیں جو ان کے وجود اور حقیقت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جب کوئی دیکھتا ہے کہ بارش کے ذریعے زمین میں دفن ہونے کے بعد مردہ بیج کس طرح زندہ ہوتا ہے، اسی طرح انسان نامی مردہ بیج کو جیسے ، دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی کائنات کے اندر بالکل متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے سورج سے زمین کا فاصلہ، پانی کا چکر، سمندروں اور سمندروں کی کامل کثافت، جو بحری جہازوں کو اپنے اندر زندگی کو برقرار رکھتے ہوئے ان پر سفر کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ زمین کی کثافت اور دیگر متوازن نظاموں سے یہ اندازہ لگایا جائے گا کہ لوگوں کے غیر متوازن اعمال، جہاں لوگوں کو اس میں ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ دنیا بھی کسی دن متوازن ہو جائے گی :قیامت کا دن۔ اگر کوئی کائنات کے اندر دن اور رات، موسموں اور دیگر نظاموں کی کامل مطابقت کا مشاہدہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ یہ سب بے ترتیب نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ آسمانوں اور زمین کے اندر افراتفری کا باعث بنتا، جیسا کہ ہر خدا مختلف چیزیں چاہتا ہے۔ کائنات کے اندر لاتعداد کامل متوازن نظام ایک واحد خالق کی نشاندہی کرتے ہیں :اللہ، برگزیدہ۔ باب :الانبیاء، آیت 22 21

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

باب 2 البقرہ، آیات 2-3:

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں گے، جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو قائم کریں، جس میں ان کو ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ پورا کرنا شامل ہے، جیسے کہ انہیں وقت پر ادا کرنا۔ پانچوں فرض نمازوں کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایمان اور نماز کو ایک دوسرے کے ساتھ استعمال کیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے بغیر ایمان نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان لوگوں کی دعائیں رائیگاں نہیں گئی جنہوں نے پہلی نماز کی طرف رخ کیا۔ صحیح بخاری نمبر 40 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

"اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک درمیانی جماعت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔ اور ہم نے نماز کا رخ اس لیے نہیں بنایا جس کی طرف تم ہوتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔ اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور اللہ آپ کو آپ کے ایمان سے محروم نہ کرے گا..."

دوسری جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے نماز نہ پڑھنے کو کفر سے جوڑا ہے۔ باب 75 القیامۃ، آیت 31:

"اور وہ ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی اس نے نماز پڑھی تھی۔"

آخر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود ایک حدیث میں بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ فرض نمازوں کا ترک کرنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 2-3:

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

لہٰذا جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، وہ اپنی فرض نمازیں قائم کریں گے اور وہ ہر اس نعمت کو استعمال کریں گے جو انہیں اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کو جو دنیاوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ قرض ہے، تحفہ نہیں۔ تحفہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ان کو استعمال کرنے کے لیے آزاد ہیں جیسا کہ وہ چاہیں، جبکہ قرض اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہیں ان طریقوں سے استعمال کرنا چاہیے جو مالک کے بتائے ہوئے ہیں :اللہ، عالی۔ یہ طرز عمل ان کے اللہ تعالیٰ پر، قرآن کریم، دیگر آسمانی کتابوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یوم آخرت پر ایمان اور یقین کے زبانی اعلان کا عملی ثبوت ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 4:

"اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

ایمان کے یقین کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچے دل سے اطاعت کریں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر 4 میں اشارہ کیا گیا ہے، ایمان کا یقین قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ آیت 4 میں صرف یقین کے بجائے آخرت کے یقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شخص آخرت پر عملاً تیاری کیے بغیر ایمان لا سکتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر جبکہ آخرت پر یقین رکھنے والا عملاً اس کی تیاری کرے گا۔ اس کے علاوہ، آخرت پر یقین کا مطلب ہے کہ کوئی شخص قیامت کے دن کو اس کی حقیقت کے مطابق مانتا ہے۔ جبکہ قیامت کے دن پر ایمان لایا جا سکتا ہے جب کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح انصاف کیا جائے گا اور قیامت کے دن کی شدت کے حوالے سے ایک مڑا ہوا اور فاسد عقیدہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ چونکہ ان کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ ہیں، لہٰذا انہیں آسانی سے معاف کر دیا جائے گا، بغیر کسی نقصان کے۔ اللہ تعالیٰ کی ان کی مسلسل نافرمانی۔ یہ وہی ٹیڑھا عقیدہ تھا جو پچھلی امتوں کا تھا اور قرآن پاک میں اس پر تنقید کی گئی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

"لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے..."

دوسرے مسلمان جہنم کی سنگینی کو کم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی سزا اتنی سخت نہیں ہے۔ وہ اس کا موازنہ ایک دنیوی قید خانہ سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہنے میں خود کو بیوقوف بناتے ہیں۔ دوسرے مسلمان غلط طور پر یہ مانتے ہیں کہ جیسا کہ وہ آج مسلمان ہیں، ان کے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونے کی ضمانت دی گئی ہے اور اس لیے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر وہ جہنم میں جائیں گے تو وہ صرف ایک محدود مدت کے لیے ہی جائے گا۔ اسی طرح کا دعویٰ پچھلی قوموں نے بھی کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

اور وہ کہتے ہیں کہ آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔ "کہو، "کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے، کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا، یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دیتا اور جتنا کوئی اللہ کی نافرمانی پر اڑے رہے گا، اتنا ہی زیادہ امکان ہے کہ وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ اس کے علاوہ جہنم کا ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے تو اس سے زیادہ دیر تک وہاں رہنے سے کیسے مطمئن ہو سکتا ہے، چاہے وہ آخرکار رہا ہو جائے۔ اس باطل عقیدہ کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم اور اس کی شدت کو قرآن پاک میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔

دوسرے مسلمان جھوٹے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گناہوں پر قائم رہ سکتے ہیں اور کوئی اور ان کی طرف سے شفاعت کرے گا اور ان کو بچائے گا، جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگرچہ اس کی شفاعت ایک حقیقت ہے، پھر بھی کچھ مسلمان جہنم میں جائیں گے۔ اس کی تصدیق ان احادیث سے ہوئی ہے جن میں قیامت کے دن ان کی شفاعت کا ذکر ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ہے۔

مسلمانوں میں آخرت کے حوالے سے اور بھی بہت سے من گھڑت اور بگڑے ہوئے عقائد ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ اس کی طرف آیت نمبر 4 سے اشارہ کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ آیات 2-4:

’’یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر یقین رکھتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ اسلام کا خلاصہ ہے اور اسے کس طرح کسی کی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہونا چاہیے اور وہ کس طرح آپس میں تعامل کرتے ہیں اور ان کو دی گئی ہر نعمت کا استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص اسلام کو اس طریقے سے عملی جامہ پہنائے گا وہ ہر صورت حال میں صحیح رہنمائی کرے گا۔ آسانی کے وقت، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں گے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ بدلے میں مزید برکتوں کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

’’اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا‘‘۔

مشکلات کے وقت، وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں گے، اس بات کو قبول کرتے ہوئے کہ وہ اس بات کا انتخاب کرتا ہے جو اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ بدلے میں، دونوں جہانوں میں بے شمار انعام کا باعث بنے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کو عملی جامہ پہنانے والا دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے کے لائق ہے۔ لیکن جو اس طرزِ عمل سے عاجز ہو اور اللہ تعالیٰ سے یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ اسے دونوں جہانوں میں کامیابی عطا فرمائے گا وہ ایک خواہش مند مفکر کے سوا کچھ نہیں اور اسلام میں اس رویے کی کوئی اہمیت نہیں۔ دونوں رویوں کے درمیان اس فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ماضی کی قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی تھیں لیکن عملی طور پر اس کی پیروی کرنے میں ناکام رہیں۔ ان کے نقش قدم پر وہ اگلے جہان میں ان کے ساتھ نہیں ملیں گے۔ محبت کو عمل سے سہارا دینا چاہیے ورنہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔

جو اپنے عقیدے پر عمل کرتا ہے وہ صحیح رہنمائی کرتا ہے اور وہ دونوں جہانوں میں جسم اور دماغ کا سکون حاصل کرتا ہے۔ یہ آخری کامیابی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 5:

"وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جڑا ہوا ہے، کیونکہ صحیح سلوک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا الہام، علم، صلاحیت اور موقع اس کی رحمت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کو یاد رکھنا غرور کو اپنانے سے روک دے گا اور اس طرح دونوں جہانوں میں اس کا اجر اور صحیح ہدایت برباد کر دے گا۔

باب 2 البقرہ آیات 2-5:

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر یقین رکھتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں جہانوں میں صحیح رہنمائی اور کامیابی صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ رہنمائی کے ان دو ذرائع پر کاربند رہیں اور کسی ایسی چیز سے پرہیز کریں جو ان کے مطابق نہ ہو۔ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔ جب تک ہدایت کے ان دو ذرائع کو پہلے نافذ نہ کیا جائے، دوسری اچھی چیزوں پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے ۔ دوسرے چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ یہ گمراہی کی طرف جاتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 7-6

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٦

خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَـٰرِهِمْ غِشَـٰوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٧

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے برابر ہے خواہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان'' نہیں لائیں گے۔

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ مکمل ایمان کو اپنائے۔ ،اس میں داخلی اعتقاد شامل ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جسمانی اعمال سے ہوتی ہے جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہو اندرونی طور پر ایمان لانا اور اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے کفر کرنا ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی سے کامیابی نہیں ملتی۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش جسمانی اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ پرورش حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان جو اپنے اندرونی عقیدے کو جسمانی اطاعت کے ساتھ پروان چڑھانے میں ناکام رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہنے سے انسان اپنے حواس کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگا رہتا ہے۔ اس سے ان کا ایمان بتدریج مر سکتا ہے یہاں تک کہ ان کی موت کے وقت کچھ بھی باقی نہ رہے۔ یہ صریح نقصان ہے۔

اہم آیات ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جنہوں نے پہلے ہی اپنا ذہن بنا لیا ہے۔ وہ اپنی خواہشات اور لوگوں کی خواہشات کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں اور نہ واضح دلائل اور دلائل سے دلچسپی رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ حق کی پیروی کی خواہش رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہوگا۔ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں کھلے ذہن کو اپنانا چاہیے جس کے ذریعے وہ سچائی کو جب ان کے سامنے واضح ثبوت کے ساتھ پیش کیا جائے تو اسے قبول کریں۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اپنی خواہشات پر قائم رہنا اور حق کو جھٹلانا :ان کا مقصد، جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کر کے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، انہیں ذہنی سکون سے مزید دور لے جائے گی۔ دونوں جہانوں میں جسم، خواہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات، جیسے دولت اور قیادت کو حاصل کرنے اور اس پر قائم رہنے کا انتظام کریں۔ یہ چیزیں دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی روحانی قلب کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حق کو رد کرنے کی ایک بڑی وجہ اندھی تقلید ہے، جس میں مکہ کے غیر مسلم ڈوب گئے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 170:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم” اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ “حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

ایک شخص کو چوپایوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے وہ عقل اور ذہانت کا استعمال کرنا چاہیے جو انہیں عطا کی گئی تھی تاکہ وہ اپنے لیے سچائی کا اندازہ لگا سکے۔ اسلام میں اندھی تقلید پر بھی تنقید کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ واضح ثبوت اور فہم کی بنیاد پر اسلام قبول کریں، نہ کہ کسی کے خاندان کی اندھی تقلید۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ” جو میری پیروی کرتے ہیں“۔

آخر میں سچ یہ ہے کہ جھوٹے دیوتاؤں کا ہر پرستار صرف اپنی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔ عبادت کرنے والے کو پوری طرح معلوم ہے کہ ان کا جھوٹا دیوتا انہیں زندگی گزارنے کے لیے کوئی ضابطہ اخلاق نہیں دے گا۔ اس لیے وہ اس ضابطہ اخلاق کو اپنی خواہشات کے مطابق اخذ کریں گے۔ یہ انہیں جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے، جب کہ وہ اپنے آپ

کو مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ یہ ان تمام مذاہب پر لاگو ہوتا ہے جو یا تو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں یا لوگوں کے ذریعے تبدیل کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کیا ہے، یہ واحد ضابطہ حیات ہے جو اس کی طرف سے ماخوذ ہے اور اس کی پیروی انسان کو حیوانات کے درجے سے بلند کر دیتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 6:

بے شک جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے برابر ہے خواہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

کسی کو دوسروں کو اچھے کام کرنے کی نصیحت کرتے رہنا چاہیے اور برے کاموں سے خبردار کرتے رہنا چاہیے، چاہے وہ ان پر دھیان نہ دیں۔ یہ آیات کسی مسلمان کو دوسروں کو نصیحت اور تنبیہ کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کوئی شخص آخرکار ان کی نصیحتوں اور تنبیہات پر عمل کرے گا یا نہیں۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کو نصیحت اور تنبیہ کرنے کا اپنا فرض ادا کرتے رہنا چاہیے، خاص طور پر ان لوگوں کو جو ان کے زیر نگرانی ہوں۔ انہیں اپنی صحبت سے گریز کرنا چاہئے لیکن اچھی نصیحت اور برائی سے تنبیہ پر قائم رہنا چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اچھی چیزوں میں ان کی مدد جاری رکھنی چاہئے، کیونکہ یہ انہیں اپنے برے راستوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

مزید برآں، کسی شخص کو لوگوں پر سرپرست کے طور پر کام نہیں کرنا چاہئے اس طرح یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ انہیں صحیح رہنمائی قبول کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے قول و فعل سے دوسروں کو نصیحت کرے، مثال کے طور پر رہنمائی کرے، لیکن اس کا فرض یہ نہیں کہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر مجبور کرے۔ اس رویہ کو اپنانا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے اور جو شخص ان کی اچھی نصیحتوں کو سننے میں ناکام رہتا ہے ان کے ساتھ تلخ

اور غصے کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ تلخی کسی کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے بھی روک سکتی ہے۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

"پس آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)کو یاد دلاتے رہیں، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیات 6-7:

”ان کے لیے برابر ہے خواہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے...

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے، حق کو رد کرنے کی ضدی ذہنیت پر قائم رہنا، جیسا کہ یہ انسان کی خواہشات کے خلاف ہے، حق کو باطل، فائدے سے نقصان اور اچھے کو برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ نتیجے کے طور پر، وہ اس دنیا میں اندھا ہو کر بھٹکتے رہیں گے، نہ تعریف کریں گے اور نہ ہی اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کریں گے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ اس کے بجائے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اس کی نافرمانی پر قائم رہیں گے جو انہیں دی گئی تھیں۔ اس سے دونوں جہانوں میں مشکلات پیدا ہوں گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 7:

”اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

:باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں پر جبراً ہدایت نہیں ڈالتا، کیونکہ یہ اس دنیا، آزمائشوں اور آزمائشوں کی دنیا کے مقصد کو ٹھکرا دے گا۔ اس کے بجائے، وہ لوگوں کو سچائی کو سمجھنے کی صلاحیت دیتا ہے اور اسے ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر وہ اس حق کو اپناتے اور اس پر عمل کرتے ہیں جو ان کا مقصد پورا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے تو یہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں بہتر ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن جو ان کے مقصد کو مسترد کرتا ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اسے اس راستے پر چلنے کی اجازت دی جائے گی جس کا انہوں نے انتخاب کیا ہے۔ وہ اس دنیا میں مصائب کا سامنا کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے روحانی قلب، ذہنی سکون کے گھر کو کنٹرول کرتا ہے، اور آخرت میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 4 النساء، آیت 115:

جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو چکی ہے، اور " مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے، تو ہم اسے اس کے منتخب کردہ راستے پر چھوڑ دیں گے، ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے، جو کہ بری جگہ ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 6-7:

ان کے لیے برابر ہے خواہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور" کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے...

اسلامی تعلیمات میں دی گئی انتباہات اور نصیحتوں پر دھیان دینے اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اسلام کی طرف سے سکھائی گئی اچھی خصوصیات کو اپنا کر اپنے روحانی دل کو پاک کریں گے، جیسے صبر، اور ان کی منفی خصوصیات جیسے کہ لالچ کو دور کر دیا جائے گا۔ روحانی قلب کی تطہیر پھر انسان کو اپنے باقی حواس مثلاً سماعت اور بصارت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی طرف لے جاتی ہے جو دونوں جہانوں میں مزید برکات کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف، اسلامی تعلیمات میں دی گئی تنبیہات اور نصیحتوں کو نظر انداز کرنا، یہاں تک کہ اگر کوئی اسلام پر یقین رکھتا ہے، تو صرف ایک فاسد روحانی دل کی طرف لے جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے جسم اور حواس کے باقی حصوں کے ذریعے فاسد اعمال کی طرف جاتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 52 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ شخص دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات سے محفوظ نہیں رہے گا۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ" آتا ہے۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 8-10

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَبِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾

يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾

فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ ٱللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُواْ يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے’’ ہیں، لیکن وہ مومن نہیں ہیں۔

وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیتے اور اس کا شعور نہیں رکھتے۔

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ‘‘اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

یہ آیات مدینہ میں رہنے والے منافقین کی طرف اشارہ کرتی ہیں جنہوں نے دنیاوی وجوہات جیسے دولت اور تحفظ حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہونے کا بہانہ کیا۔ مسلمانوں کو ان کی خصوصیات پر دھیان دینا چاہیے اور ان سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ ان جیسا برتاؤ نہ کریں، جیسا کہ لوگوں کے ایک گروہ کی طرح برتاؤ کرنے والا ان کا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔

اچھی صحبت اختیار کرنے کی اہمیت پہلی آیت میں بیان کی گئی ہے جہاں ایک فرد کسی گروہ کی طرف سے بات کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی اپنے ساتھیوں کی خصوصیات اور رویہ اپناتا ہے خواہ منفی ہو یا مثبت، لطیف ہو یا ظاہر۔ صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس لیے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ روحانی دل کی بیماری جو کہ لالچ اور حسد جیسی منفی خصوصیات کی شکل اختیار کر لیتی ہے، حقیقت میں متعدی ہوتی ہے اور آسانی سے ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی بیمار روحانی دل والے کا ساتھ دیتا ہے تو یہ صرف وقت کی بات ہے کہ اس کا روحانی دل بھی بیمار ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے اور اس وجہ سے دونوں جہانوں میں مشکلات پیش آتی ہیں۔

ان کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ اپنی زبان سے اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اپنے عمل میں اسے ظاہر کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کے زبانی اعلان کو اعمال کے ساتھ ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے اس کے پاس قیامت کے دن ظاہر کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہو گا اور اس کے نتیجے میں وہ منافقین کے انجام میں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ حقیقی عقیدہ میں داخلی عقیدہ شامل ہوتا ہے جس کی حمایت بیرونی اعمال سے ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 8-9:

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیتے اور اس کا شعور نہیں رکھتے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں منافقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکہ دینے کی کوشش کی لیکن حقیقت میں انہوں نے دھوکہ ہی دیا۔ خود کو، جیسا کہ ان کا رویہ صرف خود کو نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے... راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟''

واضح رہے کہ منافقین نے اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس رویے کو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش قرار دیا۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاص کے ساتھ اطاعت گزاری کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنے کے مترادف ہے۔ باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ''

یہ اسلامی علم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسے کہ قرآن کریم کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی روشنی میں، کیونکہ وہ عملی اسلامی رول ماڈل ہیں جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کسی کی زندگی کے پہلو باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اس کے علاوہ، کسی بھی حالت میں دھوکہ دہی سے برتاؤ کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اس رویے سے انہیں جو بھی دنیاوی چیز حاصل ہوتی ہے وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتی ہے، خواہ وہ اس نتیجہ کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ باب 9 توبہ آیت 55:

"پس ان کا مال اور اولاد تمہیں متاثر نہ کرے۔ اللہ صرف ان کے ذریعے دنیاوی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے۔

نفاق کی پہلی نشانی جو اہم آیات میں بیان ہوئی ہے وہ جھوٹ ہے۔ جھوٹ ایک بری صفت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ جو جھوٹ بولتا ہے لوگوں کو ہنسانے کے لیے، اس کا مقصد ان کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی کی ایک حدیث نمبر 2315 میں اس پر تین بار لعنت آئی ہے۔ صرف اسی حدیث سے جھوٹ کے خطرات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جھوٹ بولنے اور ان پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس شخص کا اس دنیا اور آخرت میں کیا گزرے گا اس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی ذہین کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ جھوٹ کو حقیر سمجھنا فیشن بن گیا ہے، لیکن ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں پریشانی ہی ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 8-9:

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیتے اور اس کا شعور نہیں رکھتے۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر اسلام میں اپنے عقیدے کا اعلان کرتے ہوئے منافق کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرے اور عملی طور پر اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ دونوں جہانوں میں اجر اور برکت حاصل کریں گے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید نہیں ہے، یہ صرف خواہش مندانہ سوچ ہے، جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہمیشہ اس کی عملی اطاعت سے جڑی ہوتی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی رضا کے لیے عطا کی گئی ہیں۔ دوسری طرف، خواہش مند سوچ ہمیشہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کے ساتھ منسلک ہوتی ہے، اور پھر بھی یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں دونوں جہانوں میں رحمت اور برکتیں عطا کی جائیں گی۔ دونوں کے درمیان فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے والا یہ سمجھنے سے قاصر رہے گا کہ ان کا یہ رویہ انہیں اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے جانے کے قریب لے جاتا ہے کیونکہ وہ پرورش میں ناکام رہتے ہیں۔ ان کے ایمان کا پودا نیک اعمال کے ساتھ نتیجتاً ان کے روحانی قلب میں منفی خصوصیات جو کہ کینسر کی طرح چلتی ہیں، مزید بڑھیں گی، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 10:

‘‘ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے۔’’

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جتنا زیادہ اڑے رہیں گے، دونوں جہانوں میں انہیں اتنا ہی زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ وہ یہ قسمیں کھاتے رہیں گے کہ وہ مخلص مومن ہیں جو اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے محبت کرتے ہیں، لیکن ان کی ناپاک نیت اور جھوٹے رویے کی وجہ سے وہ یہ بھی نہیں سمجھ پائیں گے کہ جو دنیوی نعمتیں انہیں حاصل ہوئیں وہ ان کے لیے مصیبت کا باعث کیوں بن گئیں۔ .لیکن اس شخص کے لیے اس دنیا سے باہر جو کچھ ہے وہ اس سے بھی زیادہ تباہ کن ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 10:

‘‘اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔’’

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا انسان کو اس رویے اور انجام سے بچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انسان اچھی خصوصیات کو اپناتا ہے اور منفی کو دور کرتا ہے جس کے نتیجے میں ایک پاک روحانی دل اور مخلص ظاہری اعمال ہوتے ہیں۔ یہ شخص دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اور باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آتا ہے۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 11-12

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾

اور جب ان)منافقوں (سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح’’ کرنے والے ہیں۔

‘‘بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

آیت 11 برائی پر اعتراض کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہر مسلمان کو علم اور صحیح اخلاق کے مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ اگر کسی کو دوسروں کی برائی پر اعتراض کرنے سے مزید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو کم از کم اپنے دل میں برائی سے نفرت کرنی چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اپنی طاقت کے مطابق زبانی یا جسمانی طور پر برائی پر اعتراض کریں۔ یہ درجات سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جسمانی طور پر برائی پر اعتراض کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ لڑنا چاہیے، کیونکہ اس سے معاشرے میں فساد بڑھے گا۔ اس کے بجائے انہیں پرامن طریقوں سے بدعنوانی کو کم کرنے اور ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔ ایک مسلمان کو کبھی بھی اس بات پر یقین نہیں کرنا چاہئے کہ دوسروں کی برائیوں کو نظر انداز کرنا اس وقت تک قابل قبول ہے جب تک کہ وہ خود سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ ایک سڑا ہوا سیب دوسروں کو اس وقت تک متاثر کرے گا جب تک کہ پورا معاشرہ برائیوں میں نہ آجائے۔ دوسروں کو نیکی کی نصیحت اور برائی سے تنبیہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ تب ہی انسان دوسروں کے برے اعمال کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

’’اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ رب اور شاید وہ اس سے ڈریں۔"

نفاق کا ایک اور پہلو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے یعنی فساد پھیلانا۔ جب کوئی ایسا منافقانہ رویہ اختیار کرتا ہے جس سے ان کا اندرونی وجود ان کے بیرونی اعمال کے خلاف ہوتا ہے تو یہ ہمیشہ ان کے اور دوسروں کے لیے مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر، دو چہروں والا شخص مختلف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنی گفتگو اور افعال کو ڈھال لیتا ہے۔ اپنے منافقانہ رویے کے نتیجے میں ، وہ صرف اپنے اور دوسروں کے لیے مسائل پیدا کریں گے، کیونکہ ان کی اکثر باتیں جھوٹ اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں۔

ایک منافق غلط طور پر یہ مان سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں اور دو رخی رویہ اختیار کر کے صلح کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کی نیت دنیاوی فائدے جیسے دولت اور عزت پر مبنی ہے، اس لیے ان کا طرز عمل اصلاح کی بجائے فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ منافق دنیاوی فائدے کے لیے حق اور صحیح پر آسانی سے سمجھوتہ کر لے گا اور نتیجتاً وہ غلط سمجھے گا کہ حق پر سمجھوتہ کر کے وہ دوسروں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ جھوٹ ہمیشہ مصیبت کا باعث بنتا ہے، ان کا یہ رویہ معاشرے میں فساد پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین حق اور انصاف پر سمجھوتہ کرتے ہوئے مسلمانوں اور مکہ کے غیر مسلموں کے درمیان صلح کرانا چاہتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ چیزوں کی اصلاح کر رہے ہیں، حالانکہ ان کا رویہ اس سے معاشرے میں مزید ناانصافی اور کرپشن پھیلے گی۔ باب 2 البقرہ، آیات 11-12:

”اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“

مزید برآں، ان آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر وہ معاشرے میں اصلاح چاہتے ہیں تو انہیں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ معاشرے کو مختصر اور طویل مدت میں کیا فائدہ پہنچے گا اور کیا نہیں۔ جب لوگ اپنی کم نظری، علم کی کمی اور فطری تعصبات کی بنیاد پر انتخاب کرتے ہیں، تو وہ معاشرے میں صرف بدعنوانی پھیلانے کا باعث بنیں گے، چاہے وہ اس کی اصلاح کرنا چاہیں۔ باب 38 سعد، آیت 26:

”پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو کیونکہ یہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گا۔“

یہ بھی نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص کو ایک اچھی نیت کو جوڑنا چاہیے، جو کہ معاشرے کے اندر تعلقات کو درست کرنے کے لیے، صحیح اعمال کے ساتھ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔ بعض اوقات وہ مسلمان جو دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں ان کی نیت اچھی ہوتی ہے لیکن اسلامی علم اور طرز عمل سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ مزید مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں، تاکہ وہ اپنی نیک نیت کو صحیح اعمال کے ساتھ جوڑیں اور اس لیے اپنے اندر اصلاح کا باعث بنیں۔ معاشرے میں کرپشن پھیلانے کی بجائے

ایسا ہی رویہ جو معاشرے خصوصاً خاندانوں میں فساد اور انتشار پھیلانے کا سبب بنتا ہے، اکثر ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جو اپنے خاندان میں اتحاد پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن جہالت اور ان میں پائی جانے والی منفی خصوصیات کی وجہ سے وہ صرف اپنے خاندان میں فساد اور انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ .مثال کے طور پر، بہت سے بزرگ اپنے خاندان کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی بات کرتے ہیں، جیسے کہ ان کے بچے۔ نتیجے کے طور پر، ان کے خاندان، جیسے کہ ان کے بچے، اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی جذبات رکھتے ہیں، چاہے وہ انہیں بمشکل جانتے ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، یہ احساسات ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہی بزرگ جو اپنے رشتہ داروں کے درمیان جدائی کا سبب بنتے ہیں پھر اپنے خاندان کے درمیان اختلافات پر آہ و بکا کرتے ہیں۔ یہ رویہ صرف دوسروں کے بارے میں مثبت انداز میں بات کرنے سے بچنا چاہیے، جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 4860 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے، اور اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے معاشرے میں اتحاد کا ذریعہ بننا چاہیے۔ انتشار اور بدعنوانی کا ذریعہ نہیں۔

اس کے علاوہ، اگر کوئی لوگوں کے درمیان اتحاد کا ذریعہ نہیں بن سکتا، تو وہ کم از کم یہ کر سکتا ہے کہ وہ معاشرے میں فساد اور انتشار کا ذریعہ نہ بنیں۔ بدعنوانی اور انتشار کا ذریعہ بننے سے کہیں بہتر ہے کہ غیر جانبدارانہ موقف اختیار کیا جائے جس میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکے اور نہ ہی معاشرے کو فائدہ پہنچے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، اس طرح کا برتاؤ، جس کے ذریعے کوئی شخص اپنے زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں سے دور رکھتا ہے دراصل اپنے لیے صدقہ ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 11-12:

’’اور جب ان)منافقوں (سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

منافقین جس طرح اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بالواسطہ طور پر معاشرے میں فساد پھیلا رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیے بغیر معاشرہ کبھی بھی امن اور انصاف حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیشہ غلط کاموں کو روکے گا چاہے قانون اسے روک نہ سکے۔ مثال کے طور پر، یہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جو ایک شخص کو دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتا ہے، خاص طور پر جب وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ پولیس سے بچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کے بغیر، ایک شخص دوسروں پر ظلم کرنے اور جرم کرنے کا موقع اس وقت تک لے گا جب تک کہ اسے یقین ہو کہ وہ قانون سے بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ فقدان معاشرے میں ہمیشہ فساد اور ناانصافی پھیلانے کا سبب بنے گا۔ لہٰذا اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقین اور دور جدید میں پائے جانے والے منافقین معاشرے میں صرف ناانصافی اور فساد پھیلا رہے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں تاکہ وہ معاشرے میں انصاف اور امن پھیلانے میں اپنا کردار ادا کریں، خواہ وہ قومی سطح پر معاشرے کو متاثر نہ کر سکیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 12:

’’بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

یہ آیت اندھا اور جاہلانہ رویہ اختیار کرنے کے خلاف تنبیہ کرتی ہے جس کے تحت انسان اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھنے اور سمجھنے میں ناکام رہتا ہے۔ جو شخص اسلامی علم کے ذریعے اور دوسروں کے اعمال اور نتائج کو دیکھ کر اپنے اعمال کے نتائج کو جاننے میں ناکام رہتا ہے، وہ آخر کار اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ برائی کرتے ہیں لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معاشرے میں نیکی پھیلا رہے ہیں۔ اس شخص کو اس دنیا میں اپنی مسلسل نافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ اپنی نافرمانی کو اپنے مسلسل تناؤ، اضطراب اور ذہنی پریشانیوں سے جوڑنے میں ناکام رہے گا۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"...لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے [یعنی تقدیر] کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

اگر وہ توبہ کرنے میں ناکام رہے تو آخرت میں ان کا سامنا اس سے بھی بدتر ہو گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقره، آیت 13

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ءَامِنُوا۟ كَمَآ ءَامَنَ ٱلنَّاسُ قَالُوٓا۟ أَنُؤْمِنُ كَمَآ ءَامَنَ ٱلسُّفَهَآءُ ۗ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلسُّفَهَآءُ
وَلَـٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم" ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ "بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

اس آیت کا آغاز دوسروں کو اچھی باتوں کے بارے میں نصیحت کرنے اور بُری باتوں سے تنبیہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس فرض کو اسلامی علم اور آداب کے مطابق احسن اور نرمی سے ادا کرنا چاہیے۔ یہ فرض، اور بہت سے دوسرے، صحیح طور پر اس وقت ادا ہوتے ہیں جب کوئی سچے دل سے دوسروں کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ جو یہ رویہ اپنائے گا وہ دوسروں کو صحیح نصیحت کرے گا ۔

اس کے علاوہ، قرآن پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان لانے والوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ جو کوئی بھی ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرے گا وہ واضح طور پر ایسے لوگوں کو دیکھے گا جنہوں نے اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنایا، جن میں ان نعمتوں کا استعمال کرنا شامل تھا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے دی گئی تھیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر یہ واضح ہے کہ عقیدہ کی کوئی دوسری قسم، جیسا کہ زبانی طور پر کسی کے عقیدے کا اعلان اور اس پر عمل کرنے میں ناکامی، اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔ باب 4 النساء، آیت 115:

’’اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہو اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور طریقے کی پیروی کرے تو ہم اسے وہی دیں گے جو اس نے لیا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ ہے‘‘۔

لہٰذا مسلمانوں کو اپنے عقیدے کے مطابق ایمان لانا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا، جس کے نتیجے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ اس میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل پیرا ہونا شامل ہے۔ کسی کو دوسری چیزوں پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے، چاہے وہ نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ انسان دوسرے چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، وہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ یہ ان لوگوں پر بالکل واضح ہے جو دوسروں کو دیکھتے ہیں جو ہمیشہ اچھے کام کرنے کے خواہشمند ہیں جو ہدایت کے دو ذرائع سے نہیں لئے گئے ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی

کہ ہر وہ عمل جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں رد کر دی جائیں گی۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عوام کہا جاتا ہے تاکہ اس بات کو اجاگر کیا جا سکے کہ ایمان کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا کوئی مشکل کام نہیں جسے چند خاص لوگ ہی پورا کر سکتے ہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے جیسا کہ اسے انسانوں کی فطرت کے مطابق بنایا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

‘‘اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو ان کی طاقت کے مطابق کام کرنے اور اپنے اوپر بوجھ نہ ڈالنے کی تلقین کرتے ہوئے اسلام کی آسان فطرت پر زور دیتے۔ اس کی نصیحت صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی جس کو وہ برداشت نہ کر سکے اور اسے پورا نہ کر سکے، اس لیے اپنی طاقت کے مطابق کام کرنے سے اپنے فرائض کی ادائیگی اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور جسم دونوں جہانوں میں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 13:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ "بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

جیسا کہ اسلام لوگوں کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی طرف بلاتا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، یہ ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرنے کے خلاف ہے۔ اپنے آپ کو خوش کرنے والا .یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے روحانی قلب پر کنٹرول کرتا ہے، سکون قلب کا گھر ہے، اس لیے وہ ذہنی اور جسمانی سکون حاصل نہیں کرے گا، چاہے وہ دنیاوی چیزوں سے استفادہ کرنے میں ناکام رہیں۔ وہ ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔
باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

جو لوگ اس سچائی کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں، ان لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس سچائی کو سمجھتے ہیں اور صحیح طریقے سے کام کرتے ہیں احمقوں کی طرح - احمق جو اپنی زندگی کو جنگلی جانوروں کی طرح چھوڑنے کے بجائے اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوئے گزارتے ہیں۔ ان کی علم اور سمجھ کی کمی انہیں حقیقی احمق بنا دیتی ہے، کیونکہ وہ جانوروں کی طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں، جن کا مقصد صرف اپنی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ تناؤ، اضطراب ذہنی عارضے اور خودکشی کے رجحانات کے سوا کچھ نہیں ہوتے، چاہے ان کے پاس تفریح اور تفریح کے لمحات ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اگر وہ توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے میں ناکام رہتے ہیں، ان لوگوں کی طرح جنہوں نے ایمان لایا اور اپنے ایمان کو درست کیا، تو ان کی مصیبت آخرت تک بھی پھیلے گی۔ یہ سب سے بڑا ہارا ہوا اور احمق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 13:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم" ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ "بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

اہم آیات ایک ایسی حقیقت کی بھی نشاندہی کرتی ہیں جس نے ابتداء سے ہی لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ جب بھی کوئی شخص کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو اپنے اردگرد کے لوگوں کے راستے سے مختلف ہو، تو اس پر شدید تنقید کی جائے گی، چاہے وہ راستہ برا کیوں نہ ہو۔ اس تنقید کی اکثریت دراصل اپنے ہی رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے آتی ہے۔ اخلاص کو اپنانے اور اپنے رشتہ داروں کو بہتر راستے پر چلنے کی ترغیب دینے کے بجائے، وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر چلیں، خواہ وہ راستہ کمتر ہو یا برا ہو۔ ایک مسلمان جو اسلام کے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہے وہ

اپنے مسلمان رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی اس کا تجربہ کرے گا۔ لیکن ان کو اس منفی ردعمل سے کبھی بھی باز نہیں آنا چاہیے، کیونکہ یہ ایک عام ردعمل ہے، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام نے بھی تجربہ کیا ہے۔ انہیں اپنے خلوص نیت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اس وقت تک تنقید کا سامنا کرنا چاہیے جب تک وہ ایمان کی مٹھاس نہ چکھ لیں۔ یہ، اب تک، کسی بھی تنقید سے آگے نکل جاتا ہے اور ان کا سامنا ہو سکتا ہے یا ان لوگوں کو جو وہ اپنے رویے میں تبدیلی کی وجہ سے کھو سکتے ہیں۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 13:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔"

یہ آیت جہالت سے بھی خبردار کرتی ہے۔ جاہل یہ سمجھے گا کہ خواہشات کو پورا کرنے سے ذہنی سکون اور کامیابی حاصل ہوتی ہے، جب کہ خواہشات پر قابو رکھنا اور ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے بجائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، اس سے ذہنی سکون یا کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اس حقیقت کو سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لوگوں کی تقدیر کو کنٹرول کرتا ہے۔ جو شخص سچے دل سے اس کی اطاعت کرے گا وہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی پائے گا، خواہ اس کی کامیابی اس دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ جبکہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کو دونوں جہانوں میں مصائب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی علم ان دونوں نتائج کے درمیان واضح طور پر فرق کرنے

کی اجازت دے گا، کیونکہ وہ ماضی کی مثالیں سیکھیں گے جو اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں اور انہیں اپنی موجودہ زندگی میں بھی مزید مثالوں کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت عطا کی جائے گی۔ جبکہ جاہل رہنا کسی کو صحیح راستہ پہچاننے سے روک دے گا اور اس کی بجائے مویشیوں کی طرح اندھا ہو کر دوسروں کی پیروی کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ وہ اس میں فرق کرنے میں ناکام رہیں گے کہ حقیقی طور پر کیا اچھا ہے برے سے اور کامیابی کو ناکامی سے۔ نتیجے کے طور پر، وہ برے راستے کا انتخاب کریں گے جو دونوں جہانوں میں ناکامی کا باعث بنتا ہے جبکہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ انہوں نے اچھا اور کامیاب راستہ چنا ہے۔ وہ ان لوگوں کا مذاق اڑائیں گے جنہوں نے یہ سمجھ کر کامیاب راستہ اختیار کیا کہ وہ بیوقوف ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ احمق ہیں۔ باب 23 المومنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔''

اور باب 2 البقرہ، آیت 13:

''بلاشبہ، یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے۔''

مزید برآں، حقیقی عقیدہ کا تقاضا ہے کہ وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کرے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ لیکن جو شخص صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والوں کو احمق سمجھے گا۔ لیکن درحقیقت وہ بے وقوف ہیں کیونکہ انہوں نے ایک ایسا راستہ چنا ہے جس سے دونوں جہانوں میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ ان کی مثال اس مریض سے ملتی جلتی ہے جسے ان کے ڈاکٹر نے سخت غذا پر عمل کرنے کو کہا ہے۔ یہ احمق ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کر دے گا کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ اپنی غیر صحت بخش خوراک کو جاری رکھیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ ان گنت

ذہنی اور جسمانی صحت کے مسائل جیسے کہ ذیابیطس، موٹاپا اور بے اعتمادی کا شکار ہوں گے۔ جبکہ ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرنے والا اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے اور ترک کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے لیکن یہ انہیں اچھی اور صحت مند ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 13:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم" ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ "بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

یہ رویہ دنیاوی علم رکھنے والے مسلمانوں پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ان کا دنیوی علم انہیں اس سوچ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اپنے دنیاوی علم اور عقل کو اپنی زندگی میں لاگو کر سکتے ہیں۔ یہ رویہ اسلامی علم کے حصول اور اس پر عمل کرنے والوں کو بے وقوف قرار دینے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ دنیوی علم اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں استعمال کیا جائے، کوئی بھی کم نہیں، یہ کسی کو صحیح ہدایت حاصل کرنے کے لیے ہرگز کافی نہیں ہوگا۔ دنیاوی علم اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کیسے کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کر سکیں۔ یہ صرف اسلامی علم، قرآن پاک سے حاصل کردہ علم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلامی اور مفید دنیوی علم دونوں کا مطالعہ کرے اور اس پر عمل پیرا ہو کر کسی کو ترک نہ کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 13:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم" ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ "بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے یقین کے یقین کو اپنائیں تاکہ وہ اس رویہ کو اپنانے سے بچیں جس کا ذکر زیر بحث آیت میں کیا گیا ہے۔ جو لوگ یقین کے یقین کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں وہ یہ دیکھنے میں ناکام ہو جائیں گے کہ کسی کے ایمان کی حقیقت کتنی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دونوں جہانوں میں نفع دے گا۔ یقین کا یقین انسان کو یہ سمجھنے کی اجازت دیتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کرنے سے جو ،فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ اکثر قابل نہیں ہوتے، جیسے دولت یا اختیار حاصل کرنا۔ اس کے بجائے ان فوائد کا مشاہدہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے، جیسے دماغ اور جسم کا سکون۔ یقین کے یقین سے ہی انسان ان غیر ظاہری فوائد کی قدر کرے گا اور اس لیے ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کوئی اپنے ایمان کو مضبوط کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ان غیر ظاہری فوائد کو دیکھنے میں ناکام رہے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت نہیں کریں گے۔ وہ اس کے بجائے ان لوگوں کو دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان غیر ظاہری فائدے حاصل کرنے کے لیے بے وقوف ہوں، حالانکہ وہ بے وقوف ہیں۔

باب 2 - البقره، آیات 14-16

وَإِذَا لَقُوا۟ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ إِلَىٰ شَيَـٰطِينِهِمْ قَالُوٓا۟ إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُونَ ١٤

ٱللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِى طُغْيَـٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ١٥

أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلضَّلَـٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَـٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ١٦

اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ لیکن جب وہ اپنے شریروں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق کرنے والے تھے۔

]لیکن [اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی میں دراز کرتا ہے]جب کہ [وہ اندھے بھٹکتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، سو ان کے سودے سے نہ کوئی فائدہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

پہلی آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ منافقت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوسروں کو ان اچھی خوبیوں کی یاد دلاتا ہے جن کے بارے میں ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے۔ منافقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل یاد دلاتے رہتے تھے کہ وہ کٹر مومن تھے جو اسلام کے لیے وقف تھے۔ بات کرنے والے اور کرنے والے کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے والا ان اچھی خوبیوں کے بارے میں بات کرنے میں اچھا ہوتا ہے جن کے بارے میں وہ قیاس کرتے ہیں، جیسے کہ وہ لوگ جو ہمیشہ دوسروں کو یاد دلاتے رہتے ہیں کہ وہ ایک اچھا مسلمان بننے کی پوری کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ حمایت نہیں کرتے۔ اعمال کے ساتھ ان کے زبانی اعلانات۔ جبکہ عمل کرنے والے کم بولتے ہیں اور عمل زیادہ کرتے ہیں۔ انہیں دوسروں کو ان خوبیوں کی یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے جو وہ قیاس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے تئیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں پوری کوشش کرنے کی بات کرنے کے بجائے وہ انہیں عملی طور پر پورا کرتے ہیں۔ بات کرنے والے تو کاہل ہی ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ برداشت یا پورا نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا مسلمانوں کو اس منافقانہ رویے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کتنی محنت کر رہے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرح عملی طور پر انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ رکھنے والا دوسروں کی تعریف سے مرعوب ہو جاتا ہے، نتیجتاً وہ دوسروں کو ان اچھی خوبیوں کی یاد دلانے میں اچھے ہوتے ہیں جن کے بارے میں وہ قیاس کرتے ہیں اور ان کے اچھے اعمال جو انھوں نے کیے ہیں۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرنے کے بجائے لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے اچھے کام کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ اپنے نیک اعمال کا بدلہ ان لوگوں سے حاصل کرے گا جن کے لئے انہوں نے یہ کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس رویہ سے بچیں اور اپنی نیت کو مسلسل دیکھتے رہیں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ صرف

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اس صحیح رویے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی قسم کی شکرگزاری یا تعریف کی امید نہیں رکھیں گے۔ درحقیقت، وہ دکھاوے سے بچنے کے لیے اپنے اچھے اعمال اور خوبیوں کو پوشیدہ رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 14:

اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ لیکن جب وہ اپنے شریروں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق کرنے والے تھے۔

یہ آیت بری صحبت کے خلاف تنبیہ کرتی ہے، کیونکہ ایک شخص لازماً اپنے ساتھیوں کی خصوصیات کو اختیار کرے گا خواہ وہ اچھی ہو یا بری، لطیف ہو یا ظاہر۔ صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس دنیا میں ان کا ساتھ دے کر صادقین کے لیے اپنی محبت کا ثبوت دینا چاہیے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ رہیں گے، کیونکہ وہ لازمی طور پر نیکی کی خصوصیات کو اپنائیں گے جو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

یہ آیت نفاق کی ایک اور خصوصیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے یعنی دو چہروں والا ہونا۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنا رویہ اور تقریر بدلتا ہے۔ یہ سلوک ہمیشہ دونوں جہانوں میں رسوائی کا باعث بنتا ہے، خواہ انسان کو اس طرح کے برتاؤ سے ظاہری طور پر کچھ دنیوی فائدہ حاصل ہو۔ جن لوگوں کو وہ خوش کرنا چاہتے ہیں وہ ان کو ناپسند کرتے ہیں اور جو بھی مادی فائدہ انہیں حاصل ہوتا ہے وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنے گا، چاہے یہ نتائج ان پر واضح نہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 15:

]لیکن [اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں دراز کرتا ہے]جب کہ [وہ اندھے ہو "
"کر بھٹکتے ہیں۔

آیت 15 لوگوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتا، جیسے کہ بجلی کا گرنا، اور نہ ہی عذاب فوراً نازل ہوتا ہے۔ کسی کو اس حقیقت کو کبھی بھی اس بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اپنے طرز عمل کے نتائج کا سامنا نہیں کریں گے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے، جس کے نتیجے میں ان کو دونوں جہانوں میں صرف انہی نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 16:

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، سو ان کے سودے سے نہ کوئی فائدہ ہوا’’
‘‘اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

آیت 16 خبردار کرتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرتے ہیں وہ صحیح ہدایت کے درمیان فرق کرنے میں ناکام رہیں گے، جس سے دونوں جہانوں میں دماغ اور جسم کا سکون ہوتا ہے، گمراہی سے، جو دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور عذاب کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، تو وہ دنیا کو اپنے قدموں پر رکھنے کے باوجود، اپنی پریشانیوں کے منبع کو سمجھے بغیر، ایک مشکل اور دباؤ والی زندگی گزارتے رہیں گے۔ اس کے بجائے، وہ اپنی تناؤ بھری زندگی کے لیے دوسری چیزوں کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، بچوں، دوستوں اور رشتہ داروں، اور اس کے نتیجے میں وہ ان چیزوں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیں گے۔ لیکن اس سے اس دنیا میں ان کے تناؤ اور اضطراب میں اضافہ ہی ہوگا کیونکہ یہ چیزیں ان کی پریشانیوں کا ذریعہ نہیں تھیں۔ اپنے رویے کی وجہ سے وہ اس دنیا میں درپیش مشکلات پر قابو نہیں پا سکیں گے، جیسے کہ کسی محبوب کی موت، جو انہیں ذہنی اور جسمانی مسائل میں مزید گھرا کر دے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 16:

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، سو ان کے سودے سے نہ کوئی فائدہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔"

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہوئے نیت اور عمل میں کدورت کے ذریعے اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں چاہیے کہ وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں دماغ اور جسم کا سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 16:

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، سو ان کے سودے سے نہ کوئی فائدہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔"

مسلمانوں کو ہدایت کے دو ذرائع عطا کیے گئے ہیں: قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ وہ دونوں واضح کرتے ہیں کہ کسی کو ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کرنا چاہئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ جو لوگ ہدایت کے ان دو ذرائع سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کو نظر انداز کرتے ہیں، خواہ وہ ان پر ایمان رکھتے ہوں، وہ ہدایت کو گمراہی سے بدل دیں گے، کیونکہ ان کی جہالت ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گی۔ جیسا کہ آیت 16 کے آخر میں خبردار کیا گیا ہے، یہ رویہ گمراہی کا باعث بنے گا۔ اس نتیجہ سے صرف اس وقت گریز کیا جاتا ہے جب کوئی شخص ہدایت کے دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 17-18

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ ٱلَّذِى ٱسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ ٱللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِى
ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ بھڑکائی، پھر جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں " کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - لہٰذا وہ)راستہ کی طرف (واپس نہیں آئیں گے۔

آگ جلانے والے کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو سکتا ہے جنہوں نے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ایمان کی آگ بھڑکائی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 1:

’’یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ جو غالب اور قابل تعریف ہے۔‘‘

لیکن غیر مسلموں نے حق کو جھٹلایا حالانکہ یہ ان پر واضح تھا۔ مکہ کے غیر مسلموں کے بارے میں، جیسا کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے نہیں تھے۔ چونکہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اس لیے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں ورنہ وہ اس جیسی کوئی چیز پیدا کر دیتے اور یہ ثابت کرتے کہ یہ خدائی نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

مدینہ منورہ میں رہنے والے اہل کتاب کے حوالے سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کو واضح طور پر پہچان لیا جیسا کہ ان دونوں کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [اپنے] بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

لیکن حقیقت دونوں گروہوں پر واضح ہونے کے باوجود، انہوں نے اپنی حاصل کردہ دنیاوی چیزوں جیسے کہ دولت اور قیادت کے کھو جانے کے خوف سے اسے سختی سے رد کر دیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اسلام انہیں اپنے طرز عمل کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دے گا، جو انہیں مزید دنیاوی چیزیں حاصل کرنے سے روک دے گا، اور یہ انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں۔ چونکہ دنیاوی فائدے کی ان کی خواہشات ان پر حاوی ہوگئیں، اس لیے وہ حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرسکے اور اپنی سماجی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی مخالفت کا انتخاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں متمول لوگوں کی اکثریت نے سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار اور مخالفت کی۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نور کو ختم کر دیا تاکہ وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اسلام کی آگ کو باقی رہنے دیا تاکہ اس نے ان کو تباہ کر دیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 17:

’’لیکن جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہ دیکھ سکیں۔‘‘

باب 61 الصف، آیات 8-9:

"وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو یہ ناپسند ہو۔

جب روشنی ہٹا دی جاتی ہے تو کوئی اپنے اردگرد کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ نتیجے کے طور پر، وہ ان چیزوں کے درمیان فرق نہیں کر سکیں گے جو انہیں فائدہ پہنچانے والی چیزوں سے ان کو نقصان پہنچاتی ہیں .اور نہ ہی وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے سیدھی راہ پر گامزن ہو سکیں گے۔ نتیجتاً، یہ شخص اپنی زندگی ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلے میں اندھا دھند بھٹکتے ہوئے گزارے گا، ذہنی سکون سے عاری زندگی گزارے گا، چاہے اس کے قدموں میں دنیا ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ وہ حق کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی قبول کرتے ہیں، اس لیے وہ ان نعمتوں کا استعمال نہیں کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .اس سے دونوں جہانوں میں ان کی مشکلات میں اضافہ ہی ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 17:

لیکن جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا]تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - لہٰذا وہ)راستہ کی طرف (واپس نہیں آئیں گے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس نتیجے سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی سچائی کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ واضح طور پر ان چیزوں کے درمیان فرق کا مشاہدہ کریں گے جو انہیں فائدہ پہنچانے والی چیزوں سے ان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں دماغ اور جسم کا سکون ہوگا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیات 17-18:

"ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - لہٰذا وہ)راستہ کی طرف (واپس نہیں آئیں گے۔"

یہ آیات ایک مسلمان کے لیے ایمان کی روشنی سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی اہمیت کی بھی نشاندہی کرتی ہیں۔ اسلام کی صحیح نمائندگی اپنے عمل اور تقریر سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کو سیکھتا

اور اس پر عمل کرتا ہے۔ جب کوئی مسلمان اس طرح کا برتاؤ نہیں کرے گا تو وہ اسلام کو غلط طریقے سے پیش کرے گا۔ پوری دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے کے اپنے فرض میں ناکامی ایک ایسی چیز ہے جس سے ایک مسلمان اس دنیا میں یا قیامت کے دن نہیں بچ پائے گا۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر مسلمان کے کندھوں پر اس وقت آتا ہے جب وہ اسلام کو اپنا عقیدہ اور طرز زندگی قبول کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ، اہم آیات یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ جو حواس اور صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنے کا واحد طریقہ ایمان کی روشنی اور رہنمائی ہے۔ جب ایمان کی روشنی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے حواس اندھے ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اسے دونوں جہانوں میں مشکلات ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ قومی سطح پر بھی اس کا مشاہدہ کرنا بالکل واضح ہے۔ جب کوئی معاشرہ عقیدے کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی اہمیت کو کم کرتا ہے، تو یہ ہمیشہ ناانصافی اور اس کے ارکان کی خیر خواہی کا باعث بنے گا۔ اس معاشرے میں قانون کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، جس لمحے لوگوں کو لگتا ہے کہ وہ حکام سے بچ سکتے ہیں، وہ کچھ دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے غلط کام کریں گے۔ صرف اللہ کا خوف، جو ایمان کی روشنی کا براہ راست نتیجہ ہے، اس رویہ کو روک سکتا ہے۔ ایمان کے بغیر، کوئی شخص اپنی خواہشات اور تعصبات کی طرف جھک جائے گا اور اس کے نتیجے میں وہ دوسروں کے ساتھ کبھی بھی انصاف پسند نہیں ہوں گے۔ اس سے معاشرے میں ناانصافی پھیلے گی۔

اس کے علاوہ جب کسی کے حواس اندھا ہو جائیں گے تو پھر وہ سوشل میڈیا، ثقافت، فیشن اور معاشرے کی اندھی تقلید کرے گا۔ یہ چیزیں ان کے لیے خدا بن جائیں گی، وہ خدا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا حکم دے گا۔ پھر وہ اپنی پوری زندگی ان خداؤں کو خوش کرنے کی کوشش میں گزاریں گے اور اس کے نتیجے میں وہ ان چیزوں کو نظر انداز کر دیں گے جو ان کی خوشی کا باعث بنتی ہیں۔ اس سے دونوں جہانوں میں ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کو نقصان پہنچے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 18:

"بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - پس وہ]راستہ کی طرف [واپس نہیں آئیں گے۔"

جب کہ جب کوئی اپنی صلاحیتوں اور حواس کو ایمان کی روشنی میں استعمال کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کرے گا، جو صرف ان کے لیے بہترین چیز کا حکم اور منع کرتا ہے۔ وہ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت جیسے متعدد خداؤں کے بجائے صرف ایک خدا کے مالک ہوں گے اور اس کی اطاعت کریں گے۔ اس سے ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی میں اضافہ ہوگا، بالکل ایسے ملازم کی طرح جو متعدد سپروائزرز کے بجائے صرف ایک سپروائزر کو جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوگا۔

باب 2 البقرہ، آیات 17-18:

"ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - لہٰذا وہ (راستہ کی طرف) واپس نہیں آئیں گے۔"

ایمان کی روشنی کے بغیر انسان کی زندگی بے مقصد اور بے مقصد ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے مقصد کو سمجھے بغیر اس دنیا میں آنکھیں بند کر کے بھٹکتے رہیں گے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

اپنے رویے کی وجہ سے، وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت شامل ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اس کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کوئی اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے، تو وہ ایک ایجاد کی طرح ہو جاتے ہیں جو اپنے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام رہتی ہے، چاہے اس نے بہت زیادہ دنیاوی کامیابی حاصل کی ہو۔ نتیجے کے طور پر، وہ ایک خالی اور بے معنی زندگی گزاریں گے۔ اگر وہ حق کو پہچاننے اور قبول کرنے میں ناکام رہے تو جب وہ قیامت تک پہنچیں گے تو ان کو بالکل اسی طرح ضائع کر دیا جائے گا جس طرح ایک شے جو تخلیق کے اپنے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 19-20

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ ٱلصَّوَٰعِقِ حَذَرَ
ٱلْمَوْتِ ۚ وَٱللَّهُ مُحِيطٌۢ بِٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٩﴾

يَكَادُ ٱلْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَٰرَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا۟ فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۟ ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ
لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

یا]یہ [آسمان سے بارش کی طرح ہے جس کے اندر اندھیرا، گرج اور بجلی ہے۔ وہ موت کے خوف" سے کڑکتی آوازوں کے خلاف کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں۔ لیکن اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

بجلی ان کی بینائی تقریباً چھین لیتی ہے۔ جب بھی وہ ان کے لیے راستہ روشن کرتا ہے، وہ اس میں چلتے ہیں۔ لیکن جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ کھڑے رہتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بینائی چھین لیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

یہ آیات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان منافقین کی طرف اشارہ کرتی ہیں جنہوں نے دنیاوی فائدے حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے کا ڈرامہ کیا، جیسا کہ مال غنیمت۔ گرج اور بجلی اسلام اور اس سے منسلک ذمہ داریوں کا حوالہ دے سکتی ہے، جیسے کہ ان نعمتوں کو استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس پر درود ہو۔ جیسا کہ منافقین اسلام کی ذمہ داریوں کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے ان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی، بالکل اسی طرح جو کوئی اپنے کانوں کو انگلیوں سے روک لیتا ہے جو ان سے کہی گئی باتوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب بھی آسمانوں سے قرآن مجید کی نئی آیات نازل ہوئیں، جس طرح آسمان سے بارش نازل ہوئی، گویا ان پر موت نازل ہوئی، جیسا کہ ان آیات نے ان کی خواہشات کو براہ راست چیلنج کیا۔
باب 9 توبہ آیت 64:

”منافقین ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کی باتوں کو بتا دے“۔

اور باب 63 المنافقون، آیت 4:

“...وہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیخ ان کے خلاف ہے”

باب 2 البقرہ، آیات 19-20:

”وہ موت کے خوف سے کڑکتی آوازوں کے خلاف کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں ...بجلی ان کی بینائی تقریباً چھین لیتی ہے“۔

اس قسم کے لوگ دوسروں کو یہ یقین دلانے کے لیے بے وقوف بنا سکتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور قدرت سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 19:

‘‘لیکن اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ’’

ان کے برے ارادوں کے نتیجے میں ان کے اچھے اعمال اس دنیا میں ضائع ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں ذلیل و خوار کرے گا۔ باب 25 الفرقان، آیت 23:

"اور ہم ان کے اعمال کے قریب پہنچ جائیں گے اور انہیں پراگندہ خاک بنا دیں گے۔"

جیسا کہ انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا ہے، جب انہیں اسلام کی روشنی دکھائی جاتی ہے تو وہ اس کے آسان پہلوؤں کو پورا کرتے ہیں۔ لیکن جب بھی انہیں اسلام قبول کرنے کی ناگزیر آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں آگے بڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 20:

بھی یہ ان کے لیے]راستہ [روشن کرتا ہے، وہ اس میں چلتے ہیں۔ لیکن جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ کھڑے رہتے ہیں..."

یہ اس مسلمان کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے کہ جب ان پر آسانی ہوتی ہے لیکن جب ان پر مشکلات آتی ہیں تو وہ ناراض اور نافرمان ہو جاتے ہیں، گویا ان کو تمام مشکلات صرف اس لیے چھوڑ دی جائیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ باب 22 الحج، آیت 11:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی" ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔"

اس سے قطع نظر کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے یا نہیں، اسے دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ یہی دنیا کی زندگی کا مقصد ہے۔ باب 67 الملک، آیت 2:

"وہ [جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے..."

ایک شخص کو آسانی کے ساتھ آزمایا جاتا ہے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے طریقوں سے استعمال کرکے اس کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور ایک شخص کو مشکلات کے وقت آزمایا جاتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ اس میں کسی کی بات یا عمل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں رہنا شامل ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہر حال میں کامیاب ہوگا۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک مسلمان کو یقین کے ساتھ اس حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یقین کا یقین ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں ثابت قدم رہنے میں مدد دے گا۔ ایمان کا یقین قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے تاکہ انسان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کے نتائج

،کو سمجھ سکے۔ آسانی اور مشکلات کے اوقات اور ایسا کرنے میں ناکامی کے نتائج۔ باب 16 النحل آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اور باب 20 طہ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 19:

"یا]یہ [آسمان سے بارش کی طرح ہے جس کے اندر اندھیرا، گرج اور بجلی ہے۔ وہ موت کے خوف سے کڑکتی آوازوں کے خلاف کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں۔ لیکن اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔''

ایک مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کر کے اس آیت میں بیان کردہ رویہ کی نقل کر سکتا ہے، گویا اس نے سننے، سمجھنے اور سننے سے انکار کرتے ہوئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی ہیں۔ ہدایت کے ان دو ذرائع پر عمل کریں۔ ایک مسلمان کو

یہ سمجھنا چاہیے کہ جاہلیت کا تصور نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی نہیں ٹھہرے گا۔ درحقیقت ،یہ رویہ دنیاوی حالات میں بھی برقرار نہیں رہتا، کیونکہ جس شخص نے کوئی ذمہ داری اٹھائی ہے جیسے کہ لائسنس یافتہ ڈرائیور بننا، وہ اس سے منسلک قوانین کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا پابند ہے، جیسے رفتار کی حد کا احترام کرنا۔ .اسی طرح جس نے اسلام قبول کیا، اس نے ان ذمہ داریوں کو قبول کیا جو اس کے ساتھ ہیں، جیسا کہ ہدایت کے دو ذرائع سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری۔ لہٰذا اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرنا اور پھر جہالت کا دعویٰ کرنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ، جاہل خوش مزاج رویہ انہیں دنیا یا آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے نہیں روک سکے گا۔ جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے میں ،اشارہ کیا گیا ہے، یہ ایک ناگزیر اور ناگزیر حقیقت ہے جس کا ہر ایک فرد کو سامنا ہوگا۔ باب 2 البقرہ آیت 19:

‘‘لیکن اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ’’

مزید برآں، جہالت صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ جاہل کے پاس اس کی اطاعت کرنے کا علم نہیں ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت ہی دنیا میں بدحالی اور آخرت میں مشکلات کا باعث بنتی ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 20

بجلی ان کی بینائی تقریباً چھین لیتی ہے۔ جب بھی وہ ان کے لیے راستہ روشن کرتا ہے، وہ اس میں" چلتے ہیں۔ لیکن جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ کھڑے رہتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بینائی چھین لیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

اگرچہ اس قسم کا شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور صرف دنیوی فائدے کے لیے اور صرف آسودگی کے وقت اس کی اطاعت کرتا ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے۔ .وہ ان کی صلاحیتوں کو برقرار رکھنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ وہ صحیح رہنمائی کو پہچان سکیں اور قبول کر سکیں، جیسا کہ انہوں نے ظاہری طور پر ایمان کی روشنی کو قبول کیا ہے، اس شخص کے برعکس جس کا ذکر پچھلی آیات میں کیا گیا ہے، جس نے ایمان کی روشنی سے انکار کیا اور اس کے نتیجے میں ان کی قوتیں اور حواس سیل کر دیا گیا .باب 2 البقرہ، آیات 17-18:

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو’’ روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہ دیکھ سکیں۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں - لہٰذا وہ)راستہ کی طرف (واپس نہیں آئیں گے۔"

لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے مواقع کو ختم ہونے سے پہلے ہی اٹھانا چاہیے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، خواہ وہ کتنے ہی برے اعمال کیوں نہ کیے ہوں۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے کے لیے تیار ہوں تو ان کے لیے مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔ سچی توبہ میں گناہوں پر پشیمان ہونا، ان کی طرف واپس نہ آنے کا پختہ عہد کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور جن پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید مسائل پیدا نہ ہوں، اور اس میں تمام حقوق کی ادائیگی شامل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔ جس طرح اللہ

تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انسان کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے اس کے حواس اور قوتیں اس طرح چھین لے کہ وہ اس دنیا میں اندھا بھٹکتا رہے، اسی طرح وہ اس قابل ہے کہ گناہگار کو معاف کر دے اور اس کی رہنمائی کرے اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 20:

”بجلی تقریباً اُن کی بینائی چھین لے گی ...اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کی سماعت اور بینائی چھین سکتا تھا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

باب 2 - البقرہ، آیات 21-22

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٢١

ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ فِرَٰشًا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءً وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ٢٢

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم’’ پرہیزگار بن جاؤ۔

جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے بارش برسائی اور اس کے ذریعہ تمہارے لیے رزق کے طور پر پھل نکالے۔ پس اللہ کے ساتھ برابری نہ کرو جب کہ تم جانتے ہو۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام، دوسرے بہت سے مذاہب کے برعکس، تمام لوگوں کے لیے ایک مذہب ہے، خواہ ان کی جنس، نسل یا کسی دوسری دنیاوی رکاوٹ سے تعلق ہو جو لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ پھر ان آیات میں جو چیز ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے اس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے :اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، جس میں نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب 2 البقرہ، آیت 21:

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے‘‘۔’’

اور باب 49 الحجرات، آیت 13:

اے لوگو، بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ" تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے..."

جیسا کہ سب کا خالق ایک ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ اس کی کتنی ہی سچی اطاعت کرے۔

ہر چیز کے خالق اللہ کی عبادت میں صرف چند روزانہ، ماہانہ اور سالانہ عبادات شامل نہیں ہیں۔ درحقیقت اس میں شامل ہے کہ ہر حال میں خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے اور وہ ہر نعمت کو کس طرح استعمال کرتا ہے، جو داخلی ہے، جیسے صحت، اور وہ نعمتیں جو بیرونی ہیں، جیسے کہ مال اور وقت۔ شیطان کے سب سے بڑے ہتھیاروں میں سے ایک یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کو الگ

کر دیا جائے تاکہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر یقین کرنے میں بے وقوف بنایا جائے، اس میں صرف چند رسومات شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی ان کے روزمرہ میں کیا کرتا ہے۔ سرگرمیاں یا وہ ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔

یہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بے شمار نعمتوں سے پیدا کیا اور مسلسل عطا کیا ہے، اس کی سچی اطاعت کے لیے کافی ہے۔ انسان کو کبھی بھی کسی دوسرے انسان کا غلام نہیں بننا چاہیے، وہ شخص جو ان جیسا تخلیق ہو۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی دوسرے کی اطاعت کرے۔ نہ ہی کسی کو لوگوں کی دنیاوی ایجادات مثلاً سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کا غلام بننا چاہیے۔ یہ تب ہو سکتا ہے جب کوئی شخص ان چیزوں کی پیروی کو خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتا ہے۔ جیسا کہ تمام لوگ برابر ہیں، ایک کو صرف اپنے خالق اللہ کی اطاعت اور اطاعت کرنی چاہیے۔ ایک سے زیادہ مالکوں کو لینے والا ایک دباؤ اور مشکل زندگی گزارے گا، بالکل اسی طرح جو ملازم ایک سے زیادہ سپروائزروں کو جواب دیتا ہے۔ جبکہ جو شخص صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ آرام و سکون والی زندگی پاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کا مطالبہ نہیں کرتا جن کو انسان برداشت نہیں کر سکتا اور جس چیز کا وہ حکم دیتا ہے وہ اس کے سوا کسی اور کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اور باب 39 از زمر، آیت 29:

" اللہ تعالیٰ نے ایک مثال پیش کی ہے :ایک آدمی]یعنی غلام [جھگڑا کرنے والے شریکوں کی ملکیت ہے اور دوسرا خاص طور پر ایک آدمی کا ہے - کیا وہ مقابلے میں برابر ہیں؟ الحمد للہ !لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

جب کوئی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ نیکی کا راستہ اختیار کریں گے جس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 21:

”اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

اور باب 16 النحل آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اہم آیات میں گزرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ انسان کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے سے پہلے کے لوگوں کا مشاہدہ کریں، انہوں نے جو انتخاب کیا، مطلب یہ ہے کہ کیا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے یا نہیں، اور ان کے انتخاب کے نتائج۔ صرف یہی بات سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ دونوں جہانوں کی فلاح، سکون اور کامیابی صرف تقویٰ اختیار کرنے میں مضمر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت شامل ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 21:

’’اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کے حکم کے ساتھ ماضی کے لوگوں کا تذکرہ بھی لوگوں کو یہ یاد دلاتا ہے کہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو اختیار نہ کریں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی اپنے صالح آباؤ اجداد کی تقویٰ پر اس امید پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن کسی نہ کسی طرح ان کے برابر ہو جائیں گے۔ تمام لوگوں کو خلوص نیت سے اطاعت کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اس باطل اور گمراہ کن عقیدہ کو ختم کر دیا ہے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کے لیے جوابدہ ہو گا اور اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اپنے نیک اسلاف کی طرح نیکی اختیار کریں۔ باب 53 عن نجم، آیت 39:

’’اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔‘‘

جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مسلمان اس وقت تک صالح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی حلال چیز سے اس خوف سے پرہیز نہ کرے کہ وہ اسے حرام کی طرف لے جائے۔ احمقانہ رویہ کو ختم کرنے کے لیے یہ حدیث کافی ہے کہ جب تک کوئی چیز حلال ہے وہ کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی خاص عمل کرنے کی اجازت ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، اسلام میں زیادہ کھانا گناہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بھی ایک عقلمند شخص زیادہ کھانا نہیں کھاتا ہے کیونکہ اس سے صحت کے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لوگوں کے گناہوں کی اکثریت حلال اعمال سے شروع ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، دوسروں کی غیبت اور غیبت اکثر بیہودہ باتوں سے ہوتی ہے، جو اسلام میں حلال ہے۔ لوگ اکثر جرم کی زندگی میں گر جاتے ہیں جب وہ بعض لوگوں سے دوستی کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے دوستی کرنا گناہ نہیں ہے، پھر بھی یہ بہت سے لوگوں کا باعث بن سکتا ہے۔ انسان کے لیے اپنی نعمتوں کو ضائع کرنا آسان ہے، جیسے کہ اس کا مال، جب وہ ان کو حلال اور غیر ضروری چیزوں پر استعمال کرتا ہے۔ اس کی مثالیں کہ کس طرح ایک حلال چیز غیر قانونی چیزوں کا باعث بنتی ہے عملی طور پر لامتناہی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے حتی الامکان اس جال سے بچیں۔ یہ یقینی

بنائے گا کہ وہ حلال چیزوں کے ساتھ تعامل کو کم سے کم کریں گے جو ممکنہ طور پر انہیں غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 22:

’’جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے بارش برسائی اور اس کے ذریعہ سے تمہارے لیے رزق پیدا کیا‘‘۔

جب کوئی آسمانوں اور زمین کے اندر کامل متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے سورج کا زمین سے کامل فاصلہ، پانی کا چکر جو کہ تخلیق کو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ فصلوں کو اگانے کے لیے ضروری پانی اور پانی حاصل ہو ، سمندروں کی کامل کثافت۔ اور سمندر، تاکہ بحری جہاز ان کے اوپر چل سکیں جب کہ ان کے اندر سمندری زندگی پروان چڑھتی ہے، زمین کا کامل ڈھانچہ، جس کے تحت کمزور ہوتے ہوئے اس کے اوپر عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ اس کے اندر سے فصلیں اور پودے پھٹ سکتے ہیں، اور بہت سے نظام، انہیں احساس ہو گا کہ یہ بالکل متوازن نظام تصادفی طور پر نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ایک سے زیادہ خدا موجود ہو سکتے ہیں، کیونکہ ہر ایک مختلف چیز کی خواہش کرے گا، جو آسمانوں اور زمین کے اندر ان بالکل متوازن نظاموں میں افراتفری کا باعث بنے گا۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

جب کوئی خلوص دل سے آسمانوں اور زمین کے اندر ان کامل متوازن نظاموں پر کھلے ذہن کے ساتھ غور کرے گا تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ اس کی طرف آیت 22 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 22:

''پس اللہ کو برابر نہ ٹھہراؤ جب کہ تم جانتے ہو۔ ''

لیکن چونکہ اس سچائی کو تسلیم کرنا بہت سے لوگوں کے طرز زندگی کو براہ راست چیلنج کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو دی گئی ہیں ان کو خوش کرنے کے لیے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، یا تو براہ راست جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہوئے یا بالواسطہ طور پر اپنی خواہشات کی اطاعت کرتے ہوئے یا دوسروں کی خواہشات، جیسے سماج، فیشن اور ثقافت۔ لیکن یہ صرف انہیں دونوں جہانوں میں مصائب، تناؤ اور اضطراب کے راستے پر لے جاتا ہے، کیونکہ دنیاوی چیزیں جو وہ اپنے رویے سے حاصل کرتی ہیں، ان کے لیے تناؤ کا باعث بنتی ہیں، جیسے کہ ان کا خاندان، دولت، کیریئر اور کاروبار۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان چیزوں کو شریک کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان چیزوں کی اطاعت اور پیروی کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہو جائیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 23-24

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن
دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل کیا" ہے تو اس جیسی ایک سورہ بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو۔ ، اگر آپ کو سچا ہونا چاہئے۔

لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکو گے - اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے - تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

عام طور پر شک کی جڑ جہالت ہے۔ جب کوئی قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا تو وہ کمزور ایمان کے ساتھ رہ جائے گا۔ کمزور ایمان اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور دھمکیوں پر شک کرنے کا باعث بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں کوئی شخص اس کے وعدوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی دھمکیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں۔ صحیح رہنمائی والے اسلامی علم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے شکوک و شبہات سے بچتے ہیں۔ اس کی طرف اس باب کی ابتدائی آیات میں اشارہ ہوچکا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 2-5:

’’یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ پختہ ایمان رکھنے والے اور اپنے ایمان پر صرف ضد کرنے والے میں بڑا فرق ہے۔ سابقہ اسلامی علم سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رویے اور اعمال کو بہتر بناتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ کریں۔ جبکہ ضدی مسلمان اسلامی علم سے ناواقف ہے اور محض اندھی تقلید کرتا ہے۔ چونکہ وہ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس لیے وہ وقت گزرنے کے ساتھ اپنے رویے اور اعمال میں بہتری نہیں لائیں گے اور مشکل حالات میں ان کے لیے صبر کرنا انتہائی مشکل ہو جائے گا، خواہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ضد سے بچنا چاہیے، جس کی جڑ اندھی تقلید میں ہے، اور اس کے بجائے اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے یقین کا یقین اختیار کرنا چاہیے ۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہیں گے اور ان شکوک و شبہات سے دور رہیں گے جو ان کے ایمان کو خراب کر سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 23:

اور اگر تم اس چیز میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل "
"کیا ہے۔

اگلی بات قابل غور ہے کہ انسان جو بلند ترین مقام حاصل کر سکتا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ایک مخلص بندہ ہونا۔ اگر اس سے بڑا درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتا۔ حتیٰ کہ نبوت خود اللہ تعالیٰ کی بندگی میں جڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کا مقام اتنا بلند اور بلند ہے۔ اس لیے انسان کو دنیاوی درجات سے بچنا چاہیے، جو فطرتاً چست ہیں اور دونوں جہانوں میں تناؤ اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں دیتے۔ جامع ترمذی نمبر 2376 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ مہلک ہے جنہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر .جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نظر انداز کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں مشکل زندگی گزارے گا چاہے دنیا ان کے قدموں میں کیوں نہ ہو۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ بن کر اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص عملی طور پر اللہ کے سب سے بڑے بندے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ ‘‘تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کے طور پر انسان کو تمام دوسری چیزوں جیسا کہ سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت اور لوگوں کا بندہ اور غلام بننے سے بچاتا ہے، انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوگی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

چونکہ غیر مسلم عرب عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور تمام نوع انسانی کے لیے ایک مستقل چیلنج رکھا کہ وہ قرآن کریم کے مشابہ ایک باب تیار کریں تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس کی اصل الٰہی نہیں ہے۔ .باب 2 البقرہ، آیات 23-24:

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل کیا ہے" تو اس جیسی ایک سورہ بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو۔ ، اگر آپ کو سچا ہونا " ...چاہئے۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں - اور آپ کبھی نہیں کر پائیں گے

یہ چیلنج نہ صرف قرآن پاک کے تال میل سے مطابقت رکھنے والی آیات تیار کرنے کا ہے بلکہ ایک ایسی آیات اور باب تیار کرنا ہے جو قرآن پاک کے ہر پہلو سے میل کھاتا ہو، جیسے کہ اس کی تمام تر

نوعیت، اس کی ہر حالت پر اطلاق کرنے کی صلاحیت، ہر جگہ اور وقت، اسے جاہل اور علم والے لوگوں کی طرف سے سمجھنے اور لاگو کرنے کی صلاحیت، عملی مشورے دینے کی اس کی صلاحیت جو کسی کی زندگی میں آسانی سے لاگو ہو سکتی ہے۔ ایسے تصورات کو پیش کرنا جو مفید لگتے ہیں لیکن عملی طور پر لاگو نہیں ہوسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ محسوس ہوگا کہ اس میں ظاہری اور لطیف دونوں معانی کے ذریعے علم کی مختلف سطحیں ہیں۔ باب 11 ہود، آیت 1:

"یہ [ایک کتاب ہے جس کی آیات کو مکمل کیا گیا ہے اور پھر اس کی طرف سے تفصیل کے ساتھ... پیش کیا گیا ہے جو حکمت اور باخبر ہے۔"

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے

جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ" "ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔

اور باب 2 البقرہ، آیات 23-24:

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل کیا ہے" تو اس جیسی ایک سورہ بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو۔ ، اگر آپ کو سچا ہونا چاہئے۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکو گے - اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے - تو اس آگ سے ڈرو جس "کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مکہ کے غیر مسلموں اور اہل کتاب کو جہنم کی آگ سے ڈرایا، کیونکہ وہ قرآن کریم کی ابتداء اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر یقین رکھتے تھے۔ اسے مکہ کے غیر مسلم عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اور اس کی الہامی اصل کو واضح طور پر پہچانتے تھے کیونکہ وہ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی میل نہیں کھا سکتے تھے اور جیسا کہ انہوں نے اپنی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری تھی۔ وہ جانتے تھے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مالک ہیں۔ مدینہ میں اہل کتاب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کو پہچانا جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو" "...پہچانتے ہیں

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

صرف ایک چیز جس نے دونوں گروہوں کو حق کو قبول کرنے سے روکا تھا وہ ان کی دنیاوی چیزوں سے محبت تھی جو انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی سے حاصل کی تھیں، جیسے کہ دولت اور سماجی حیثیت۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ان نعمتوں کا برتاؤ اور استعمال کرنا ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ چونکہ دنیاوی چیزوں کے لیے ان کی خواہشات بہت مضبوط تھیں اس لیے انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا۔

باب 2 البقرہ، آیت 24:

‘‘پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ’’

عموماً آگ کافروں کا ٹھکانہ ہے کیونکہ وہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے میں ناکام رہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

جس طرح ایک شے جو اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل میں ناکام ہو جاتی ہے اسے ناکامی کا لیبل لگا کر ضائع کر دیا جاتا ہے، اسی طرح انسانی نام کی ایجاد اگر وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا نہ کر سکے تو قیامت کے دن ضائع ہو جائے گی۔

باب 2 - البقرہ، آیت 25

وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ۖ
كُلَّمَا رُزِقُوا۟ مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا۟ هَـٰذَا ٱلَّذِى رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا۟ بِهِۦ مُتَشَـٰبِهًا ۖ
وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ ﴿٢٥﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جب بھی انہیں اس میں سے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا۔ اور یہ ان کو مشابہت میں دیا گیا ہے۔ اور ان کے لیے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ آیت پچھلی آیات کو متوازن کرتی ہے جو متکبروں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈراتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیات 23-24:

"اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا لو اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکو گے - اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے - تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عذاب کے خوف کے درمیان توازن قائم کریں، جو گناہوں سے بچنے میں مدد کرتا ہے، اور رحمت الٰہی کی امید، جو اعمال صالحہ کی طرف حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دونوں طرف بہت زیادہ ہونا گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ جو شخص حد سے زیادہ ڈرتا ہے، جو اس دور اور دور میں بہت کم ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھتا ہے وہ غیر متوازن انداز میں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا۔ اس میں اس کی نافرمانی پر قائم رہنا شامل ہے جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ کسی کو معاف کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اسلام میں خواہش مندانہ سوچ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دونوں کے درمیان توازن قائم کرنا چاہیے تاکہ وہ سیدھے راستے پر قائم رہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 25:

"اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے"۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بشارت صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو ان پر عمل کرتے ہیں، بالکل اسی طرح تنبیہات صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہیں جو ان پر عمل کرتے ہیں، جیسے سڑک کے خطرے کے نشانات۔ ان بشارتوں کو عملی جامہ پہنانے کا تذکرہ پھر اہم آیات میں کیا گیا ہے، جس میں سچے عقیدے کو اپنانا شامل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے عملی طور پر ثابت ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ آیت، بے شمار دوسروں کی طرح، یہ واضح کرتی ہے کہ اندرونی ایمان اتنا اچھا نہیں ہے کہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف لے جائے جب تک کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی صورت میں جسمانی اعمال سے نہ ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

عقیدہ کو اعمال سے الگ کرنا شیطان کی بڑی چالوں میں سے ایک ہے۔ وہ مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ دونوں جہانوں میں نجات کے لیے صرف اسلام پر یقین ہی کافی ہے۔ اس طرح کا برتاؤ مسلمانوں کے ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہنے کی ایک بڑی وجہ ہے، حالانکہ وہ سچائی پر یقین رکھتے ہیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 25:

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جب بھی انہیں اس میں سے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا۔ اور یہ ان کو مشابہت میں دیا گیا ہے..."

اس سے پہلے ان پھلوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران کھائے تھے۔ جنت کے پھل شاید دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں لیکن ان کا ذائقہ بہت زیادہ ہوگا۔ اس سے پہلے جنت میں ایک ہی پھل فراہم کیے جانے کا بھی حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے کہ جب وہ چیزیں بار بار کی جاتی ہیں تو ان سے بور یا تنگ آ جاتا ہے۔ لیکن جنت میں ایسا نہیں ہوگا۔ جنت کے اندر بار بار ہونے والے تجربات کا لطف ہمیشہ ایک نیا اور مختلف سایہ ہوگا جو ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 25:

''اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس حقیقت کو سمجھ کر ایک مسلمان کو جنت کا ارادہ کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ جیسا کہ مرکزی آیت کے آغاز سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اگرچہ جنت کا صحیح ادراک لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت کی بعض چیزوں کا ذکر کیا ہے، جیسے کہ پھل، جن کو لوگ محدود حد تک سمجھ سکتے ہیں تاکہ جنت کے حصول کے

لیے اپنی کوششوں کو بڑھا سکیں۔ بہت سے مسلمانوں کے لیے کسی ایسی چیز کے لیے کوشش کرنا مشکل ہو گا جسے وہ بالکل سمجھ نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ، قرآن پاک نے جان بوجھ کر ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کو تمام لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، قطع نظر ان کے درمیان فرق جیسے کہ ان کا سماجی طبقہ۔ یہ قرآن کریم کی گہری حکمتوں میں سے ایک ہے کیونکہ یہ ہمیشہ عالمی سامعین کی سطح اور فہم کے مطابق چیزوں پر بحث کرتا ہے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ آخرت ابدی ہے، مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے۔ ایک عقلمند شخص کو وقتی اور عارضی لطف کی خاطر ہمیشہ کی قربانی نہیں دینی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں۔ اس کے بجائے، ان کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس لمحے میں جو وہ دنیا میں گزارتے ہیں اور آخرت میں بھی، خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 10 یونس، آیت 45:

”اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی باقی نہیں رہے تھے۔“

باب 2 البقرہ، آیت 25:

”اور اس میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔“

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پاکیزہ بیویاں عطا فرمائے گا تاکہ وہ ان کے ساتھ سکون اور سکون پائیں۔ جو شخص اس خاص نعمت کا خواہاں ہے اسے چاہیے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف راغب کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو تقویٰ کی خاطر کسی سے شادی کرنے کی تلقین فرمائی، یعنی کہ

وہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، نہ کہ صرف اور صرف دنیاوی وجوہات کی بنا پر۔ دولت، نسب یا حسن، ورنہ نقصان کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سادہ لفظوں میں کہا جائے تو اس دنیا میں نیک بیوی آخرت میں پاکیزہ شریک حیات حاصل کرنے کی ترغیب دے گی۔

مزید برآں، پاکیزہ شریک حیات صرف پاکیزگی والے کو ہی ملے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے کردار کے تمام پہلوؤں کو صاف کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ انہیں اپنی نیت کو صاف کرنا چاہیے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کریں اور اس لیے لوگوں سے کسی قسم کی شکرگزاری کی خواہش اور امید نہ رکھیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بات کو صاف کریں تاکہ وہ اچھی بات کریں یا خاموش رہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کو ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے پاک کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور انہیں اپنی منفی خصلتوں کو ان مثبت خصلتوں سے بدل کر اپنے کردار کو پاک کرنا چاہیے جو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں مذکور ہیں۔ جو شخص اس طریقے سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک پاکیزہ روحانی قلب حاصل کرے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں سلامتی اور ذہنی سکون کی طرف جاتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور ج 26 سورۃ الشعراء، آیات 88-89:

"جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس دل کے ساتھ آتا ہے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 26-27

۞ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟
فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِهَٰذَا
مَثَلًا يُضِلُّ بِهِۦ كَثِيرًا وَيَهْدِى بِهِۦ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِۦٓ إِلَّا ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾

ٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مِيثَٰقِهِۦ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ
وَيُفْسِدُونَ فِى ٱلْأَرْضِ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٢٧﴾

بے شک اللہ ڈرتا نہیں کہ کوئی مثال پیش کرے - مچھر کی یا اس سے چھوٹی چیز۔ اور جو لوگ " ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے؟ وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔

جو اللہ کے عہد کو ٹھیک کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کے لیے ایک بہت بڑی رحمت ہے کہ وہ انسانوں کو ان کی محدود صلاحیت اور فہم کے مطابق تعلیم دینا اپنی لامحدود عظمت کے نیچے نہیں دیکھتا۔ انسان کو یہ الٰہی رویہ اپنی تخلیق شدہ سطح کے مطابق اختیار کرنا چاہیے۔ اسلام کے سکھائے گئے آداب اور آداب کے مطابق، کسی کو کبھی بھی ایسی کوئی چیز کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے جس کا تعلق اچھی اور فائدہ مند چیز سے ہو، جیسے علم حاصل کرنا یا دوسروں کو اچھی باتوں کی نصیحت کرنا اور برائی سے خبردار کرنا۔ شرم کو کبھی کمزوری نہ سمجھیں۔ شرم انسان کو صحیح کام کرنے سے نہیں روکتی جبکہ کمزوری کرتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس طرح سکھاتا ہے جس کو سمجھنا آسان ہے اور تمام لوگوں کی زندگیوں میں عملی طور پر لاگو ہوتا ہے، خواہ وہ کسی بھی سطح کے فہم یا علم کے حامل ہوں۔ .یہ تعلیمات لازوال ہیں کیونکہ ان کا اطلاق کسی بھی وقت اور تمام لوگوں پر، آخری وقت تک ہو سکتا ہے۔ یہ ان معجزات میں سے ایک ہے جو قرآن کریم کی الٰہی اصل کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہی وہ معجزہ ہے جسے اہل ایمان سمجھتے ہیں، جو لوگ کھلے ذہن کے ساتھ قرآن پاک سے رجوع کرتے ہیں، اس کی نصیحت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 26:

" بے شک اللہ ڈرتا نہیں کہ کوئی مثال پیش کرے - مچھر کی یا اس سے چھوٹی چیز۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے...

لیکن جو لوگ کسی اعلیٰ حکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور ایسے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے جو انسانیت کے لیے موزوں ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، وہ قرآن کریم کے اس معجزے کو نہیں سمجھیں گے اور اس کے بجائے یہ سوال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اللہ تعالیٰ کا رب ہے۔ دنیا، ایسی چھوٹی اور معمولی چیزوں کے بارے میں بات کر سکتی ہے، جیسے مچھر۔ باب 2 البقرہ، آیت 26:

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے؟

وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے لیے مچھر کے برابر ہیں، اس لیے اگر وہ کسی بڑی چیز مثلاً سورج، یا مچھر جیسی چھوٹی چیز پر بحث کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قرآن کریم کے اس معجزے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ لوگ جو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔ جب وہ قرآن پاک کی سچائی اور اس کی سادہ مگر گہری تعلیمات سے روگردانی کا انتخاب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں منہ موڑنے کی اجازت دیتا ہے اور انہیں دونوں جہانوں میں اندھا بھٹکنے دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 26:

"وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی... رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔"

اور باب 4 النساء، آیت 115:

"جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہے، اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے، تو ہم اسے اس کے منتخب کردہ راستے پر چھوڑ دیں گے، ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو کہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 26:

"وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی... رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔"

لیکن جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کے اس معجزے کو سمجھتے ہیں اور کھلے ذہن کے ساتھ اس کی تعلیمات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، وہ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی راہنمائی کریں گے۔ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم کے اس معجزے کو سمجھنے کے لیے مضبوط ایمان اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کی معجزانہ نوعیت کی تعریف کر سکے۔ جہالت قرآن کریم کے اس معجزے کو سمجھنے سے روکے گی اور اس کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روکے گی۔

باب 2 البقرہ، آیات 26-27:

"وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی... رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔ جو اللہ کے عہد کو ٹھیک کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص قرآن پاک کی ہدایت اور تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو یہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ کسی شخص کے درمیان تعلق اور ان نعمتوں کو استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، وہ ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ درحقیقت، ان کا صحیح طریقے سے استعمال کرنا، وہ عہد تھا جو تمام بنی نوع انسان سے لیا گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ اس زمین پر بھیجے جائیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو رب کے طور پر قبول کرنے کا ایک اہم پہلو ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 172:

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور”
ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔
ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

جو شخص کھلے ذہن کے ساتھ قرآن کریم کے پاس آتا ہے، واضح دلائل کو قبول کرنے اور اس کی
،تعلیمات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو، وہ اس عہد کو
جو انسانی روح میں گہرائی تک پیوست ہے، دوبارہ ابھرنے کا سبب بنے گا۔ وہ اسلام کی حقانیت کے
قائل ہو جاتے ہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ”
حق ہے“۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ہر مسلمان نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص دل سے اس کی اطاعت کا یہ
عہد دوبارہ لیا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی
گئی ہیں، جب انہوں نے اسلام کو اپنا عقیدہ قبول کیا تھا۔ اس طریقے سے برتاؤ کرنے میں ناکامی سے
وہ اس عہد کو توڑ دیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیات 26-27:

وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی..."
رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔ جو اللہ کے عہد کو ٹھیک کرنے کے
بعد توڑتے ہیں...

جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑتا ہے، تو یہ صرف ان بندھنوں کی زیادتی کا باعث بنتا ہے جو ان کے پاس ہیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار، دوست، ملازم، آجر، پڑوسی وغیرہ۔ یہ اللہ کا خوف ہے۔ بلند، اور اس سے لیے گئے عہد کو برقرار رکھنا جو لوگوں کو دوسروں پر ظلم کرنے سے روکتا ہے۔ حکومت صرف جرائم کی روک تھام میں اتنا آگے بڑھ سکتی ہے۔ معاشرے میں انصاف اور امن تب ہی قائم ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی دوسرے پر ظلم نہ کرے اور اس کے بجائے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت پوری طرح عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان معاشروں کا مشاہدہ کرتا ہے جنہوں نے ایمان کو چھوڑ دیا اور تاریخ میں ان معاشروں کو جنہوں نے اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کا خوف حاصل کیا۔ جب لوگوں، خاندانوں، برادریوں اور ،قوموں کے درمیان تعلقات درست طریقے سے برقرار نہیں رہتے ہیں تو یہ انسانی تعامل کی ہر سطح جیسے مالی، سیاسی اور سماجی سطحوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ عالمی سطح پر کرپشن کا پھیلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 26-27:

"...وہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔ جو اللہ کے عہد کو ٹھیک کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کو ختم کر دیتے ہیں اور معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کو متاثر نہیں کرتا۔ یہ صرف مجرموں پر ہی اثر ڈالتا ہے کیونکہ یہ انہیں دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ، مشکلات اور نقصان کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 27:

‘‘یہ وہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔’’

اور باب 30 اروم، آیت 41:

"لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے تاکہ وہ ان کو ان کے اعمال کا کچھ حصہ چکھائے تاکہ شاید وہ واپس لوٹ آئیں۔ راستبازی]۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 28-29

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَٰتًا فَأَحْيَٰكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ
إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَسَوَّىٰهُنَّ سَبْعَ
سَمَٰوَٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کر سکتے ہو جب کہ تم بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے جو کچھ زمین پر ہے سب کو پیدا کیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف متوجہ کیا اور ان کو سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

سب سے پہلے غور کرنے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر حقیقی عقیدہ میں داخلی یقین شامل ہے جس کی تائید جسمانی اعمال سے ہوتی ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت، جیسا کہ اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ اطاعت ہی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زندگی بخشی۔ باب 2 البقرہ، آیت 28:

تم اللہ سے کیسے کفر کر سکتے ہو جب کہ تم بے جان تھے اور اسی نے تمہیں زندہ کیا‘‘۔’’

اور باب 51 ذاریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ مکہ کے غیر مسلم اور مدینہ میں اہل کتاب، پہلے دو گروہ جن کو قرآن مجید نے مخاطب کیا تھا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ لیکن جیسا کہ انہوں نے اس کے ساتھ چیزوں کو جوڑا اور اس کے ساتھ شریکوں کو منسوب کیا، جیسے بتوں کو یا علماء کو ایمان کے اصول و ضوابط کا حکم دینے کا اختیار دینا، اس آیت میں ان پر کافر قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی عقیدہ صرف اور صرف ہدایت کے دو ذرائع قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی خلوص نیت سے اطاعت اور پیروی میں مضمر ہے۔ اس سے کوئی انحراف گمراہی اور حتیٰ کہ کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ہر وہ چیز جس کی جڑ اسلام میں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔ لہٰذا انسان کو ایسے دوسرے کاموں سے گریز کرنا چاہیے جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہ ہوں، خواہ وہ اچھے اعمال ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے بجائے اپنی پوری کوششیں سیکھنے اور ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کرنے پر مرکوز رکھیں، کیونکہ ذہنی سکون اور کامیابی صرف اسی میں ہے۔ .باب 3 علی عمران، آیت 132:

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے‘‘۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 28:

‘‘...تم بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا’’

چونکہ زمین پر انسان کا دورانیہ بہت محدود اور نامعلوم ہے، اس لیے اسے اس دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے کے لیے ہر اس موقع اور نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے، جو دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور سکون حاصل کر سکتا ہے۔ دماغ اور آخرت میں کامیابی .یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

لیکن اگر کوئی اپنے مقصد سے غفلت برتتا ہے اور اس دنیا میں اپنے مختصر قیام میں ان کی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا چاہتا ہے تو وہ دونوں جہانوں میں تنگی اور بدحالی کی زندگی گزاریں گے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ایک عقلمند شخص ایک لمحہ بھر کے لطف کے ایک لمحے کے لیے ہمیشہ کی خوشیوں کو قربان نہیں کرے گا، جو دونوں جہانوں میں تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص سے دیر نہیں کرنی چاہیے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ بڑھاپے میں ایسا کریں گے۔ یہ گمراہ کن عقیدہ شیطان کے سب سے بڑے جال میں سے ایک ہے۔ وہ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کرتا کہ آخرت کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ یہ فضول کوشش ہے۔ اس کے بجائے، وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تاخیر کریں، اور انہیں قائل کریں کہ ذہنی سکون دنیاوی خواہشات کی پیروی میں مضمر ہے۔ جو شخص اس کی نصیحت کو مانتا ہے وہ دونوں جہانوں میں ہار جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نظر انداز کرنے سے دونوں جہانوں میں پریشانی اور تناؤ ہی ہوتا ہے، چاہے کوئی پوری دنیا کو اکٹھا کر لے۔ جیسا کہ اہم آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے، اکیلے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے، وہ اکیلا ہی ان کے روحانی دل، ذہنی سکون کے گھر کو کنٹرول کرتا ہے۔ اگر وہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں گے تو وہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی عطا کرے گا ۔ لیکن اگر وہ اس کی نافرمانی کریں گے تو اس دنیا میں جو کچھ بھی انہیں ملے گا وہ دونوں جہانوں میں ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بنے گا۔

اس کے علاوہ، کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ بوڑھے تک زندہ رہیں گے، کیونکہ بہت سے صحت مند نوجوان ہر وقت مرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بڑھاپے کو پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تب بھی ان کی لمبی عمر کی امید رکھنے کا رویہ انہیں اللہ تعالیٰ کو نظر انداز کرنے کی اپنی معمول کی عادت کو جاری رکھنے کی ترغیب دے گا، یہاں تک کہ موت ان کو بغیر تیاری کے پہنچ جائے۔

جس نے انسانوں کو کسی چیز سے پیدا نہیں کیا وہ مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہونے کے بعد ان کو واپس لانا آسان سمجھے گا کیونکہ کسی چیز کو کسی چیز سے پیدا کرنا اعضاء سے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 28:

"...اس نے آپ کو زندہ کیا؛ پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا..."

اور باب 17 الاسراء، آیت 51:

..."اور وہ کہیں گے، "ہمیں کون بحال کرے گا؟ "کہو، "وہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا

جیسا کہ آیت 28 میں اشارہ کیا گیا ہے، زندگی اور قیامت کے درمیان کا وقت کسی کے قبر میں قیام سے مراد ہے، جس کا تجربہ کسی نہ کسی شکل میں ہر شخص کرے گا۔ اندھیری قبر کو روشن کرنے اور اس کے عذابوں سے بچانے کے لیے جو روشنی درکار ہوتی ہے وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے دنیاوی گھر کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح اسے اپنی قبر کو روشن کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ اس میں ان کا قیام طویل ہوگا اور اس کے خطرات اس دنیا میں پیش آنے والے خطرات سے زیادہ ہوں گے۔ اگر کوئی اس دنیا میں اس روشنی کو حاصل کرنے سے چشم پوشی کرے گا تو وہ اپنی قبر کی ہولناکیوں اور اندھیروں میں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی قیامت کے بعد جو کچھ ہو گا وہ اس سے بھی بدتر ہو گا۔

خواہ کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کا انتخاب کرے یا نہ کرے، قیامت کے دن سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تاکہ ان سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اپنی تخلیق کا مقصد پورا کیا یا نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 28:

اس نے آپ کو زندہ کیا؛ پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف..." لوٹائے جاؤ گے۔"

یہ سمجھنے کے لیے اس آیت کی ترتیب کو نوٹ کرنا چاہیے کہ ان کا جی اٹھنا اور آخری فیصلہ اس بات سے طے ہو گا کہ ان کی موت کیسے ہوئی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر فوت ہوئے ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر وہ اچھی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہوئے مر جائیں تو بری حالت میں دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ صحیح مسلم نمبر 7232 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس آیت کی ترتیب کی بنیاد پر ان کی موت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کی زندگی کا طریقہ طے کرے گا کہ وہ کیسے مرے گا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو ان کی موت اچھی حالت میں ہوگی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں گے تو وہ بری حالت میں مریں گے اور دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ آیت 28 اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ابتدا، درمیانی اور آخری انجام کا انتخاب اور فیصلہ کیا ہے، اس لیے انہیں اس کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ جب وہ ایک شخص کے پورے وجود پر مکمل کنٹرول رکھتا ہے تو اس کی نافرمانی کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ درحقیقت، جیسا کہ آیت 29 میں اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی زندگی میں جو کچھ بھی فیصلہ کرتا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہوتا ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ پہچانیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس حقیقت کو سمجھنا مشکل کے وقت صبر کو باقی رکھنے میں مدد دے گا۔ صبر میں کسی کے فعل یا الفاظ کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 28-29:

اس نے آپ کو زندہ کیا؛ پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف..." لوٹائے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے جو کچھ زمین پر ہے سب کو پیدا کیا...

زمین اور ان کے اندر موجود نعمتوں کو انسانوں کے لیے اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو برقرار رکھے، انھیں اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں اور قیامت کے دن اپنے آخری امتحان میں کامیابی کے ساتھ، ان کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، اللہ رب العزت کی رضامندی کے ساتھ۔ تمام نعمتوں کا خالق۔ جس نے یہ سلوک کیا اس نے اس زمین کی نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ اس کے نتیجے میں مزید برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

مزید برآں، آیات 28-29 واضح کرتی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے پیدا کیا گیا تھا، اور دنیاوی نعمتیں اس عظیم مقصد کی تکمیل میں مدد دینے کے لیے پیدا کی گئی تھیں۔ کسی کو اس حقیقت کو اس طرح نہیں الجھانا چاہیے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے محض دنیاوی نعمتوں کے حصول، لطف اندوزی اور ذخیرہ اندوزی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ کسی کا اس دنیا میں قیام کام کے ویزا پر کسی بیرونی ملک میں رہنے والے شخص کی طرح ہے۔ اس ملک میں ان کا مقصد دولت کمانا ہے تاکہ ان کا ویزا ختم ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لے جایا جا سکے۔ وہ اس پردیس میں تفریح اور تفریح کے لیے نہیں ہیں۔ اسی طرح، اس دنیا میں انسان کا مقصد نیک اعمال کو جمع کرنا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔

باب 2 البقرہ 29:

"...وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا"

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے 50,000 ہزار سال پہلے انسان کے لیے حلال رزق مختص کر دیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لہٰذا بے صبری یا لالچ کی وجہ سے حرام کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ جس طرح نیت اس کے ایمان کی اندرونی بنیاد ہے اسی طرح حلال کا حصول اور اس کا استعمال اس کے ایمان کی خارجی بنیاد ہے۔ اگر کوئی غیر قانونی استعمال کرتا ہے تو وہ اس پر قائم ہونے والے ہر عمل کو تباہ کر دے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

آخر میں یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ لوگ مادی دنیا کو چھوڑ دیں، کسی نہ کسی طرح یہ آخرت میں نجات کا راستہ ہے۔ اس قسم کی رہبانیت اسلام نے نہیں سکھائی کیونکہ یہ اس دنیا کے مقصد سے متصادم ہے۔ اسلام مادی دنیا سے روحانی لاتعلقی کا درس دیتا ہے نہ کہ مکمل طور پر جسمانی۔ سیدھے الفاظ میں جو شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں وہ ان نعمتوں سے لاتعلق رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہیں جو خود کو خوش کرتے ہیں، تو وہ ان سے منسلک ہوتے ہیں۔ مادی دنیا سے وابستہ رہنے اور اس سے لاتعلق رہنے میں یہی فرق ہے اور اس لیے اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ اس کے پاس کتنی یا کم دنیاوی نعمتیں ہیں۔ فقیر صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر کے دنیا دار ہو سکتا ہے جبکہ ایک مالدار شخص صرف اس لیے دنیا سے لاتعلق ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات پر قابو رکھتا ہے اور اپنی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ 29:

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے جو کچھ زمین پر ہے سب پیدا کیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف متوجہ کیا اور ان کو سات آسمان بنا دیا..."

جس طرح زمین کی نعمتیں لوگوں کو ان کے مقصد کی تکمیل کے لیے پیدا کی گئی ہیں، اسی طرح آسمانوں کو بھی اسی لیے بنایا گیا ہے۔ زمین جسمانی رزق کا ٹھکانہ ہے جو اس دنیا میں لوگوں کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے جب کہ وہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ جبکہ آسمان روحانی رزق کا بنیادی ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ جب کوئی آسمانوں اور زمین اور اس کے بالکل متوازن اور ہم آہنگ نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے سورج کا زمین سے کامل فاصلہ، دن اور رات کے درست اوقات، موسموں کی تبدیلی بادلوں کی حرکت اور ان کے پانی کے چکر، اور بہت سے دوسرے نظاموں میں شمولیت، یہ واضح طور پر ایک خالق اور قائم کرنے والے، اللہ، بلند کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ تمام نظام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں، جیسا کہ متعدد خدا مختلف چیزوں کی خواہش اور مرضی کریں گے اور اس کے نتیجے میں زمین و آسمان کی کوئی چیز متوازن یا ہم آہنگ نہیں ہوگی۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

''اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔''

جب کوئی کھلے ذہن کے ساتھ آسمانوں اور زمین پر غور کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کی ناگزیریت کو تسلیم اور قبول کریں گے۔ تمام کامل متوازن نظام واضح طور پر ایک مقصد اور اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہر چیز جس کی ابتدا ہوتی ہے اس کا خاتمہ ہوتا ہے، جیسے دن کے بعد رات۔ کائنات کی واحد بڑی چیز جو ابھی تک متوازن نہیں ہوئی ہے وہ ہے لوگوں کے اعمال۔ نیکی کرنے والوں کو اس دنیا میں پورا اجر نہیں ملتا اور نہ ہی ظالموں کو پورا انصاف ملتا ہے، خواہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زندگی میں ہی سزا دی جائے۔ کائنات کے اندر تمام کامل متوازن نظام واضح طور پر بتاتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال، جو اس کائنات کی سب سے بڑی غیر متوازن چیز ہے، قیامت کے دن بھی متوازن ہوں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

" اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ "

زیر بحث آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ لوگوں اور زمین کی تخلیق کو قیامت سے براہ راست مربوط کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 28-29:

"...اس نے آپ کو زندہ کیا؛ پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے جو کچھ زمین پر ہے سب کو پیدا کیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف متوجہ کیا اور ان کو سات آسمان بنا دیا..."

جیسا کہ آیت 29 کے آخری حصے سے اشارہ کیا گیا ہے، کسی کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ لوگوں اور زمین کو پیدا کرنے اور ان کی آخری واپسی اور فیصلہ کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تقابل کسی دنیاوی بادشاہ سے نہیں ہونا چاہیے جو زمین پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہو لیکن چونکہ وہ اپنی قوم پر مسلسل نظر نہیں رکھ سکتا اس لیے وہ ان کے کاموں سے بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور آسمانوں اور زمین کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ قیامت قائم کی جائے گی تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ کس نے زمین پر اپنا مقصد پورا کیا اور کس نے نہیں کیا اور آخر کار اس کائنات کی عظیم غیر متوازن چیز یعنی لوگوں کے اعمال میں توازن قائم کیا جائے گا۔ لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اس لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 29:

"اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 34-30

وَإِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٞ فِي ٱلۡأَرۡضِ خَلِيفَةٗۖ قَالُوٓاْ أَتَجۡعَلُ فِيهَا مَن يُفۡسِدُ
فِيهَا وَيَسۡفِكُ ٱلدِّمَآءَ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ
٣٠

وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلۡأَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسۡمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن
كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ٣١

قَالُواْ سُبۡحَٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡحَكِيمُ ٣٢

قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئۡهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ أَلَمۡ أَقُل لَّكُمۡ إِنِّيٓ أَعۡلَمُ غَيۡبَ
ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَأَعۡلَمُ مَا تُبۡدُونَ وَمَا كُنتُمۡ تَكۡتُمُونَ ٣٣

وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ أَبَىٰ وَٱسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ
٣٤

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔ "انہوں نے"
کہا کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے جبکہ ہم

تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرے کمال کا اعلان کرتے ہیں؟ اس نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اور اس نے آدم کو نام سکھائے - وہ سب۔ پھر ان کو فرشتوں کو دکھایا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔

فرمایا اے آدم ان کے نام بتاؤ۔ اور جب اس نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں جانتا ہوں۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

یہ آیات بنی نوع انسان کے مقصد کا خاکہ پیش کرتی ہیں، یعنی زمین پر اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کرنا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سفیر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ اسلام کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا جائے۔ یہ ہر مسلمان پر اس وقت فرض بن گیا جب انہوں نے شعوری طور پر اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا۔ اسی طرح کوئی بادشاہ اپنے نافرمان سفیر سے راضی نہیں ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوگا جو اس کی صحیح نمائندگی نہیں کرتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 30:

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔"

یہ حقیقت کہ کوئی بھی دنیاوی اقتدار زمین پر کبھی قائم نہیں رہتا، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سفیر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے میں تاخیر نہ کرے، اپنی زندگی کے آخری مرحلے تک جس تک وہ نہ پہنچ سکے۔

جیسا کہ آیت 30 میں اشارہ کیا گیا ہے، جب کوئی زمین پر اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کے اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے، تو یہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پامال کریں گے۔ اس سے معاشرے میں کرپشن ہی جنم لیتی ہے۔ صرف اس صورت میں جب کوئی خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس کی تکمیل کرے گا۔ حقوق العباد، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے۔ اس سے معاشرے میں امن اور انصاف پھیلے گا۔ اس طرح کا برتاؤ یہ ہے کہ کوئی شخص زمین پر اللہ تعالیٰ کے کمال کی تعریف اور اس کا اعلان کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 30:

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔ "انہوں نے کہا" کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرے کمال کا اعلان کرتے ہیں؟

فرشتوں کا جواب اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر تنقید نہیں تھا کیونکہ وہ اس طرح کے برتاؤ سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ محض تخلیقِ انسانی کے مقصد کے بارے میں اپنے علم و فہم کی کمی کا اعتراف کر رہے تھے۔ کسی کے علم اور سمجھ کی کمی کو تسلیم کرنا عاجزی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کے پاس کتنا ہی علم ہو وہ جو سیکھ سکتا ہے اس کے مقابلے میں وہ ہمیشہ چھوٹا ہی رہے گا۔ باب 12 یوسف، آیت 76:

"لیکن ہر علم والے پر ایک]زیادہ [جاننے والا ہے۔"

اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنا بھی دوسروں کی تعلیم اور رہنمائی کا ایک اہم پہلو ہے۔ کسی کو یہ تسلیم کرنے میں کبھی شرم نہیں آنی چاہیے کہ اس میں علم کی کمی ہے، کیونکہ جان بوجھ کر دوسروں کو غلط معلومات فراہم کرنا گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرشتوں کی یہ عاجزی اس باب کی بعد کی آیات میں مزید واضح ہوئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 32:

انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 30:

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔ "انہوں نے کہا" کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرے کمال کا اعلان کرتے ہیں؟

فرشتوں کا ردعمل بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت اور اطاعت کو نمایاں کرتا ہے۔ انہوں نے مخلوق کے اندر کسی سے یہ خواہش نہیں کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ اس کے بجائے وہ چاہتے تھے کہ تمام مخلوقات خلوص سے اس کی اطاعت کریں، جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔ باب 66 تحریم، آیت 6:

''وہ]فرشتے [اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے لیے اس قسم کے غیرت مندانہ جذبے کو اپنانا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ انہیں خود کو اور دوسروں کو اس کی نافرمانی کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس نے انہیں دی ہیں ان کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، خلوص نیت سے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور جب بھی وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ گناہوں کا ارتکاب کرنا .مخلص توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ بنے، خلوص دل سے دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے بچنے اور کسی بھی حقوق کی تلافی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔ انہیں اسلام کے سکھائے گئے آداب و آداب کے مطابق نرمی سے نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ جس طرح فرشتوں نے اس ممکنہ نافرمانی کے خلاف آواز اٹھائی جس کا ارتکاب بنی نوع انسان کر سکتا ہے، مسلمانوں کو دوسروں کی نافرمانیوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے، خاص طور پر اپنے رشتہ دار۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سڑا ہوا سیب ہمیشہ دوسروں کو خراب کرتا ہے، کیونکہ لوگ اپنے ساتھیوں کی خصوصیات

کو اپناتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے، اگر کوئی دوسروں کی نافرمانی کو نظر انداز کرے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرے تو آخرکار اس کے اس طرز عمل سے اس پر منفی اثر پڑے گا۔ صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جب کوئی نیکی کا حکم دے اور برائی سے صحیح طریقے سے روکے تو وہ نافرمانوں کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک ’’کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ رب اور شاید وہ اس سے ڈریں۔"

لیکن اگر کوئی صرف اپنی فکر کرے اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کرے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات اس کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 30:

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔ "انہوں نے کہا" کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرے کمال کا اعلان کرتے ہیں؟ اس نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کسی صاحب اختیار اور برتر سے سوال کرنا اسلام میں قابل قبول ہے جب تک کہ حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جواب سے

ناراض نہیں ہوا، حالانکہ اسے غصہ کرنے کا پورا حق تھا، کیونکہ اس کا علم، حکمت اور ارادہ کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ بہت سے مسلمانوں کے رویے سے بالکل متصادم ہے جو بغیر کسی سوال کے ہر حال میں اپنے روحانی استاد کی مکمل اور مکمل اطاعت کی اہمیت کی وکالت کرتے ہیں۔ یہ غلط رویہ صرف ان لوگوں نے تشکیل دیا ہے جو دوسروں پر قیادت اور برتری چاہتے ہیں۔ اگر اللہ رب العالمین ہونے کے ناطے فرشتوں کے سوال سے ناراض نہیں ہوا تو پھر کوئی فانی اور کمزور مخلوق ان سے سوال کرنے پر کیسے ناراض ہو سکتی ہے؟ صحیح رویہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا اور اس پر عمل کیا، جو بنی نوع انسان کے رہنما تھے۔ جب بھی وہ کسی معاملے پر اختلاف کرتے تھے تو وہ باقاعدگی سے ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے، چاہے وہ اپنے سے سینئر سمجھے جانے والے کسی سے سوال کر رہے ہوں۔ لیکن جب انہوں نے ایسا کیا تو ہر معاملے میں احترام اور حسن سلوک کو برقرار رکھا ۔ ایک بہت مشہور مثال یہ ہے کہ جب بہت سے صحابہ بشمول عمر بن خطاب نے اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان مسلمانوں سے لڑنے کے ان کے فیصلے کے بارے میں سوال کیا جنہوں نے صدقہ فطر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سوال کیے جانے سے ناراض نہیں ہوئے، انہوں نے صرف ان کے سامنے اپنا استدلال بیان کیا اور جب بات ان پر واضح ہو گئی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ صحیح بخاری نمبر 7284 اور 7285 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں سے بچیں جو اس طرح کے عجیب و غریب اور غیر اسلامی تصورات کی حمایت کرتے ہیں اور ایسا رویہ اختیار کریں جس کے تحت وہ مفید علم حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے احترام کے ساتھ سوال کریں۔ .اس کی طرف باب 12 یوسف، آیت 7 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"یقینا یوسف اور ان کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں تھیں۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 30:

انہوں نے کہا کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے، جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرے کمال کا اعلان کرتے ہیں؟ اس نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کے لیے یہ ہمیشہ ضروری ہے کہ وہ زندگی سے نمٹنے کے دوران اور اس سے کیا لاتا ہے، اپنے محدود علم اور دور اندیشی کو سمجھے اور قبول کرے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بہترین چیزوں کا انتخاب اپنے لامحدود علم کے مطابق کرتا ہے، نہ کہ محدود علم یا لوگوں کی خواہشات کے مطابق۔ ایک مسلمان کا فرض صرف یہ ہے کہ مشکل کے وقت صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جس میں زبانی یا جسمانی طور پر شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اس کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا، اور آسانی کے وقت اس کا شکر ادا کرنا، جس میں شامل ہے۔ ان نعمتوں کو استعمال کرنا جو اس کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہر حال میں ذہنی سکون اور برکت کے ساتھ سفر کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں پر غصہ ظاہر کرنے کے بجائے، انہیں اپنے لامحدود علم و حکمت کی یاد دلائی اور اشارہ کیا کہ وہ ایسی چیز پیدا کرنے کی وجہ ظاہر کرے گا جس میں اس کی نافرمانی کا امکان ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 31:

"...اور اس نے آدم کو سب کے نام سکھائے"

حضرت آدم علیہ السلام کو جو مخصوص علم عطا کیا گیا تھا اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہبی علم کا مطالعہ کرتے وقت یہ سمجھنے کے لیے

ایک اہم سبق ہے ۔ علم حاصل کرنے کے لیے تلاش اور سوال کرنا ضروری ہے لیکن ان کی تلاش اور سوال ان موضوعات پر ہونا چاہیے جو ان کے لیے متعلقہ اور فائدہ مند ہوں۔ سیدھے الفاظ میں، اگر قیامت کے دن کسی خاص موضوع یا مسئلے کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ واجب صدقہ کرنا، تو اس علم کو تلاش کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کیا جائے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کردہ مخصوص علم تو انہیں اس علم کے حصول سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مفید علم عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیاوی اور دینی دونوں طرح کے مفید علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے پہلے سوال کرنے کے بعد انسانوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا۔ باب 2 البقرہ، آیات 30-31:

انہوں نے کہا، "کیا تو اس پر ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے، جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیرا کمال بیان کرتے ہیں؟ "اس نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو نام سکھائے - وہ سب۔ پھر ان کو فرشتوں کو دکھایا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

بنی نوع انسان کو علم عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بہت سی دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے کیونکہ یہ اسے پہچاننے اور اس کی سچی اطاعت کا ذریعہ ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال

کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ انسانوں کو عطا کردہ علم کی بدولت عظیم برائیوں کے ارتکاب کی صلاحیت ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے سفیر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے جانوروں سے بھی اوپر اٹھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی خصوصیت انسانوں کو ان کی برتری عطا کرتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 31-33:

"اور اس نے آدم کو نام سکھائے - ان سب کے۔ پھر ان کو فرشتوں کو دکھایا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم ان کے نام بتاؤ۔ اور جب اس نے انہیں ان کے ناموں سے آگاہ کر دیا...

اس فضیلت کی طرف اگلی چند آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، جہاں فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، اللہ تعالیٰ نے جو علم عطا فرمایا تھا، اس کے احترام میں۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

‘‘اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔’’

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سوال کیا تو انہوں نے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عاجزی کا مظاہرہ کیا اور مزید کہا کہ تمام علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیات 31-33:

اور اس نے آدم کو نام سکھائے - ان سب کے۔ پھر ان کو فرشتوں کو دکھایا اور فرمایا کہ اگر تم سچے" ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم ان کے نام بتاؤ۔ اور جب اس نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ علم کی کمی کو تسلیم کرنا عقلمندی کی علامت ہے اور اسے سب کو اپنانا چاہیے تاکہ تکبر کے مہلک گناہ کو روکا جا سکے، ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ تکبر انسان کو حق کو قبول کرنے سے روکتا ہے جب اسے دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس میں دوسروں کو حقیر سمجھنا شامل ہو۔ دونوں عناصر احمق ہیں کیونکہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کے لیے سچائی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لیے اسے ہر حال میں قبول کرنا چاہیے اور چونکہ ہر خواہ کوئی بھی علم شخص کا انجام معلوم نہیں ہوتا، اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے۔ یا رتبہ حاصل کرے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، الہام، علم، طاقت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنے کے موقع کی صورت میں ممکن ہے۔ اس لیے غرور اختیار کرنے کے بجائے ان کی کمزوری دوسروں کو گمراہ کرنے سے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو تسلیم کرنا چاہیے ۔ اس کے علاوہ بچنے کے لیے اپنی جہالت کا اعتراف بھی ضروری ہے۔

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم و حکمت کا بھی ذکر کیا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ حکمت انسان کو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مدد دیتی ہے۔ جب کوئی شخص عقل کو اپنائے گا تو وہ اپنے علم کا صحیح استعمال کرے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ انسان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ علم صرف اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ مند اور مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کا تذکرہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زمین پر یکے بعد دیگرے حکومت بنانے کا انتخاب علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمین پر لوگوں کا ایک مقصد ہے، زمین پر ان کی موجودگی بے ترتیب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حادثہ ہے۔ باب 51 ذاریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

اس حقیقت کو سمجھنے سے انسان کو اس زمین پر اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرنے میں مدد ملے گی، جو کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کی تمام سرگرمیاں خواہ دنیوی ہو یا دینی، ان کے مقصد میں جڑی رہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ بولے جانے والے ہر عمل اور لفظ سے انہیں زمین پر اپنے مقصد کو پورا کرنے میں مدد ملے گی۔ جو ان کے مقصد کو پورا کرے گا وہ زمین پر ایک بامقصد اور بامقصد وجود کی رہنمائی کرے گا، جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوگا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ ان کے مقصد کو نظر انداز کرنے والا اس دنیا میں بے مقصد اور بے مقصد وجود کا باعث بنے گا، خواہ وہ بہت زیادہ دنیوی کامیابی حاصل کر لے۔ جس طرح ایک شے جو اپنی تخلیق کی بنیادی وجہ کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے اسے ناکامی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے، خواہ اس میں بہت سی اچھی خصوصیات ہوں، اسی طرح انسان نامی ایجاد کو بھی ناکامی کا نام دیا جائے گا اگر وہ تخلیق کے اپنے مقصد کو پورا نہ کر سکے۔ کسی کے مقصد کو نظر انداز کرنے سے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 33:

...اس نے کہا اے آدم ان کو ان کے نام بتا دو۔ اور جب اس نے انہیں ان کے ناموں سے آگاہ کر دیا "

عام طور پر، یہ آیت مسلمانوں کو مفید علم بانٹنے کی اہمیت کی یاد دلاتی ہے۔ کسی کو کبھی بھی اپنے علم کو ذخیرہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے تمام لوگوں کی زندگیوں میں اس کا مثبت اثر کم ہوجاتا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنا مفید علم دوسروں تک پہنچایا وہ بنی نوع انسان کے استاد کہلانے لگے جب کہ جن لوگوں نے لالچ میں اپنے علم کا ذخیرہ کیا انہیں تاریخ نے بھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں کو یاد دلاتا ہے کہ اس کا لامحدود علم اور حکمت مخلوق کی سمجھ سے باہر ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 33:

اس نے کہا اے آدم ان کو ان کے نام بتا دو۔ اور جب اس نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو فرمایا کیا "
میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں؟

لہٰذا انسان کو اپنے اور اپنے پیاروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور فیصلوں پر بھروسہ کرنا چاہیے، چاہے ان کے پیچھے کی حکمتیں ان سے پوشیدہ کیوں نہ ہوں۔ انہیں اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس میں شامل ہر فرد کے لیے سب سے بہتر فیصلہ کرتا ہے اور کسی کا فرض صرف یہ ہے کہ صبر اور شکر دونوں وقتوں میں اس کی فرمانبرداری کو برقرار رکھے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انھیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ پھر اپنے علم کے ایک خاص پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 33:

اس نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں جانتا ہوں۔

عام طور پر، یہ مسلمانوں کے لیے ایک طاقتور یاد دہانی ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ ان کے باطنی ارادے اور ظاہری اعمال اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ہیں۔ اسلام کی بنیاد انسان کی پوشیدہ نیت ہے۔ اگر یہ فاسد ہے تو اس کے تمام اعمال خراب ہوں گے، خواہ وہ اچھے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل اور بات کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ورنہ انہیں کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن پر انھوں نے عمل کیا ہے۔ قیامت کا دن، جو ممکن نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی شخص سے شکرگزاری یا بدلہ کی خواہش نہیں رکھتے

اور نہ ہی اس کی امید رکھتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتے ہیں۔ یہ رویہ کسی کے تمام افعال اور تقریر پر لاگو ہونا چاہیے، جیسے کہ روزی کمانا اور بچوں کی پرورش کرنا۔

باب 2 البقرہ، آیت 33:

اس نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں جانتا ہوں۔

یہ بیان بھی ابلیس کے لیے ایک تنبیہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کے چھپے ہوئے غرور اور حسد کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بخوبی جانتا ہے۔ اسے اس موقع اور تنبیہ کا فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے تھی۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے، وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ایک مسلمان کو بار بار ملنے والے مواقع سے استفادہ کرنا سیکھنا چاہیے اور دوسرا موقع اللہ تعالیٰ انہیں ان کا وقت ختم ہونے سے پہلے عطا کرتا ہے۔ ہر لمحہ اپنے راستے کو بہتر کرنے کا ایک نیا موقع ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے کیونکہ کل تک پہنچنے کی ضمانت نہیں ہے۔ کسی سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ راتوں رات ولی بن جائے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں۔ یہ تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی خلوص دل سے قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے،

،تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ باب 16 النحل
آیت 61:

اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا، تو وہ اس]زمین پر [کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن" وہ انہیں ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 34:

"...اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا

فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اللہ تعالیٰ نے جو علم اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں ان کے احترام میں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ظاہر ہوتی ہے۔ فرشتوں کے ہاں بے شمار عبادتیں تھیں لیکن جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام علم کے مالک تھے اس لیے ان کا درجہ بلند تھا۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ضرورت سے زیادہ عبادات پر ترجیح دی جائے، کیونکہ بعد کا عمل بھی علم کے بغیر صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ سیدھے الفاظ میں، علم کے مطابق مکمل ہونے والی چند عبادتیں جاہلیت میں کی جانے والی بہت سی عبادتوں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں ایک بار یہ نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت کا سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اسلامی علم کا ایک ہی موضوع 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ابلیس یعنی ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جنوں میں سے تھا۔ باب 18، آیت 50۔

"... سوائے ابلیس کے۔ وہ جنوں میں سے تھا ..."

لیکن اس کی کثرت عبادت کی وجہ سے وہ فرشتوں کے درجے پر فائز ہوئے اور سجدہ کا حکم بھی اس میں شامل ہوا۔ شیطان نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل دیکھ کر تکبر اختیار کیا۔ باب 7 الاعراف، آیت 12:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :جب میں نے تمہیں حکم دیا تو تمہیں سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ (شیطان نے (کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

اس نے تکبر سے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ کسی کی ظاہری شکل کا ان کے عہدے پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ درجات اللہ کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں، اور جو اللہ کو قبول کرتا ہے، اس کا رب اس کی مخالفت نہیں کرے گا .شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی ظاہری خوبی کا اندازہ لگانے

میں جلدی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے جو علم انہیں عطا کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا۔ کسی کو اس چیری چننے والے رویے سے بچنا چاہیے جس کے تحت وہ منفی سوچ اپناتے ہیں۔ یہ رویہ کسی کو ہمیشہ منفی انداز میں چیزوں کی تشریح کرنے کا سبب بن سکتا ہے، جس کے نتیجے میں غیبت، گپ شپ اور غیبت جیسے مزید گناہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4993 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ دوسروں کے بارے میں مثبت سوچنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ظاہری شکل وصورت یا دنیاوی معیارات، جیسے دولت، نسل یا جنس، کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ برتری کا براہ راست تعلق اس بات سے ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے کتنا ڈرتا ہے۔ اس میں خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت شامل ہے تاکہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو وہ اسے راضی کرتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

"بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

اپنے تکبر کی وجہ سے شیطان واضح طور پر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تھا اور اس لیے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل نہیں ہے خواہ وہ مٹی کا ہی کیوں نہ ہو۔

غرور ایک مہلک خصوصیت ہے جس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لیے ذرہ برابر تکبر کافی ہے۔ تکبر انسان کے سامنے سچائی کو مسترد کرنے کا سبب بنتا ہے، کیونکہ یہ براہ راست ان کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے اور جیسا

کہ یہ نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کردہ اعلیٰ مقام کو براہ راست چیلنج کر کے شیطان نے حق کو رد کر دیا۔ غرور بھی لوگوں کو حقیر سمجھنے کا سبب بنتا ہے، یہ سوچ کر کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں۔ تکبر کے دونوں نتائج کو اپنانا حماقت ہے کیونکہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں صحیح رہنمائی کے لیے سچائی کی ضرورت ہے۔ اس لیے اسے قبول کرنا چاہیے خواہ وہ کس کی طرف سے آیا ہو، کیونکہ حق کا سرچشمہ کوئی اور نہیں مگر اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا انتہائی بے وقوفی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہ اپنی حیثیت کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کی حیثیت کا۔ چونکہ آخرت میں لوگوں کا حتمی انجام معلوم نہیں ہے، اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے، کیونکہ کوئی اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ہر دنیوی نعمت جس کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے، اس لیے وہ اکیلا ہی تمام نعمتوں کا فطری مالک ہے۔ جو چیز حقیقت میں کسی اور کی ہے اس پر فخر کرنا بیوقوفی ہے جیسا کہ وہ شخص جو کسی اور کی حویلی پر فخر کرتا ہے۔ لہٰذا تکبر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو اس کو چیلنج کرنے کی کوشش کرے گا اسے دونوں جہانوں میں سزا دی جائے گی۔ سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

شیطان کی طرف سے اختیار کی گئی دوسری مہلک خصوصیت حسد تھی۔ حسد ایک بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کو براہ راست چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص نعمت کسی اور کو دینے کی بجائے عطا کرنے میں غلطی کی ہے۔ شیطان نے ایسا برتاؤ کیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو جو شرف عطا کیا گیا ہے وہ اسی کا ہے۔ انسان کو یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو وہی عطا کرتا ہے جو اس کے لیے بہترین ہے اور اس لیے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ دینی چاہیے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں اور دوسروں کو عطا کی گئی نعمتوں کے بارے میں اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27:

" اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ تمام روئے زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔''

کسی کو حسد کے احساس کو ناپسند کرنا چاہیے اور اسے حسد کرنے والے شخص کے لیے اس کی بات یا عمل پر اثر انداز ہونے نہیں دینا چاہیے۔ اگر کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے تو امید ہے کہ ان کی حسد کو معاف کر دیا جائے گا۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ جو کچھ دوسروں کو عطا کیا گیا ہے اس سے ملتی جلتی چیزوں کی تمنا کرنا اس بات کی خواہش کے بغیر کہ وہ ان کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں جائز ہے لیکن دنیاوی معاملات میں ناپسندیدہ ہے۔ اگر کسی کو ایسی ہی برکات حاصل کرنے کی خواہش ہے جو دوسروں کے پاس ہے، تو انہیں مذہبی برکات سے جوڑنا چاہیے، جیسا کہ مفید علم اور خیراتی ہونا۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے ۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ لوگوں کو قیادت اور اختیار کی ضرورت سے زیادہ خواہش کے خلاف بھی خبردار کرتا ہے۔ شیطان نے زمین پر اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کا درجہ چاہا اور محسوس کیا کہ وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اس قیادت کے لیے اس کی شدید خواہش نے اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دھکیل دیا، اور دیگر منفی خصلتوں جیسے غرور اور حسد کی طرف۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 میں ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ قیادت اور دولت کی خواہش انسان کے ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر آزاد کر دیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ان دو چیزوں کی حد سے زیادہ خواہش کسی کو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دھکیل سکتی ہے، جب وہ ان کو حاصل کرتے ہیں، ان کو تھامے رکھتے ہیں اور ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال چیزوں کی پیروی کرنا ہمیشہ زیادہ محفوظ ہے۔ اس طرح کا برتاؤ انسان کو تناؤ اور دونوں جہانوں میں ممکنہ سزا سے بچاتا ہے۔

،مزید برآں، انسان کو ان فرشتوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جو بندگی کی حقیقت کو سمجھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو چیلنج نہ کریں، بلکہ پوری اطاعت کے ساتھ ان کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ شیطان نے ایک آقا کی طرح برتاؤ کیا اور اپنی سوچ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر لاگو کیا۔ یہ رویہ خادمیت سے متصادم ہے، جیسا کہ ایک بندہ ہر وقت صرف اپنے مالک کی سنتا اور اس کی اطاعت کرتا ہے، مالک کو جاننا ہی فیصلہ کرتا ہے کہ ہر حال میں ان کے لیے کیا بہتر ہے۔ شیطان پہلا اختراع کرنے والا تھا کیونکہ اس نے اپنی سوچ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کرنے کی بجائے اس پر لاگو کیا ۔ اس رویہ سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے فرشتوں کے راستے پر چلنا چاہیے جنہوں نے بدعت سے گریز کیا اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جیسا کہ اس نے حکم دیا تھا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے

کہ کوئی بھی ایسا معاملہ جس کی جڑ اسلام، مفہوم، قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں نہ ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مسترد کر دیا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس لیے ہدایت کے دو ذرائع سیکھنے اور ان پر عمل کرنے پر سختی سے عمل کرنا چاہیے اور دوسرے اعمال سے گریز کرنا چاہیے، خواہ وہ اچھے ہی کیوں نہ ہوں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ جتنا کوئی دوسری چیزوں پر عمل کرے گا، اتنا ہی کم سیکھے گا اور ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کرے گا۔ یہ صرف گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، شیطان سب سے پہلے چیری چننے کا رویہ اختیار کرنے والا تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس کی عبادت کی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے واحد حکم کا انکار کیا۔ اس کا احترام جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا۔ ایک مسلمان بھی وہی سلوک کر سکتا ہے جس کے تحت وہ اپنی خواہشات کے مطابق یہ انتخاب کرتا ہے کہ کون سی اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا ہے اور کس پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ ایسا سلوک کرنے والا اپنے ایمان کو ایک چادر کی طرح رکھتا ہے جسے وہ پہنتے اور جب چاہیں اتار دیتے ہیں۔ یہ مسلمان کی اس تعریف سے متصادم ہے جو کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات میں سے چیری چننے کے شیطانی رویے سے بچیں اور اس کے بجائے ہر صورت حال سے رجوع کریں اور ہر اس نعمت کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا مقصد پورا کر سکیں۔ اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ چیری چننے کا رویہ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کو فراموش کرنا اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اسلام کی کچھ تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا..."

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مل کر مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ شیطان کا مسئلہ حضرت آدم علیہ السلام کا حق ادا کرنے کا تھا، اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنے کا۔ ایک مسلمان کو اس عدم توازن سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کوشاں رہیں، یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ سلوک کرنے سے حاصل ہوتا ہے جس میں ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا شامل ہے جو لوگ چاہتے ہیں۔ کسی کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنا ہی کامیابی کے لیے کافی ہے۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ قیامت کے دن عدل قائم ہوگا۔ جو لوگ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، خواہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کیے ہوں، وہ اپنی نیکیاں متاثرین کے سپرد کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے لیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہوجائے۔ اس کی وجہ سے قیامت کے دن ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 34:

‘‘اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔’’

یہ آیت بھی ایک خوفناک حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جب کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے اور خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت سے انکار کرتا ہے تو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے - اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو تو وہ تکبر اختیار کرنے کے خطرے میں ہیں۔ یہ صرف اس کی نافرمانی کو بڑھاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا کو چھوڑ سکتے ہیں۔ شیطان اندرونی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا تھا، لیکن اس کی نافرمانی کی وجہ سے جو تکبر کا باعث بنا، وہ کافر ہوگیا۔ اگر کوئی مسلمان ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے، عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے، خواہ وہ اندرونی طور پر اس پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی کرے، تو وہ شیطان کے نقش قدم پر چل کر غیر مسلم کی حیثیت سے مر سکتا ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ جس طرح ایک پودے کو پانی، سورج کی روشنی اور غذائی اجزا سے پرورش ملتی ہے اسی طرح کسی کے ایمان کی عملی اطاعت سے پرورش ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا بھوک سے مر جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان اگر اللہ تعالیٰ کی عملی اطاعت سے اس کی پرورش نہ کر سکے تو اس کا ایمان ختم ہو جائے گا۔

آیت نمبر 34 کا آخری حصہ شیطان کے پوشیدہ کرپٹ ارادے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسا کہ یہ ماضی کے دور میں اس کے کفر کو بیان کرتا ہے، گویا وہ ہمیشہ سے کافر تھا، اس کے پوشیدہ کرپٹ ارادے اور منفی خصلتوں جیسے غرور اور حسد کے نتیجے میں۔ .جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، لہذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی نیت کو درست کریں تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کریں اور بولیں، اور انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ سیکھنے اور عمل کرتے ہوئے صحیح طریقے سے عمل اور بولیں۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ صحیح نیت، اعمال، تقریر اور مثبت خصوصیات جیسے صبر اور

شکر کو اپناتے ہیں، جس سے دونوں جہانوں میں فائدہ ہوگا۔ یہ انہیں شیطان کے راستے سے دور رکھے گا اور اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے راستے کے قریب کر دے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 35-39

وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةَ
فَتَكُونَا مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣٥﴾

فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِى
ٱلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾

فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

قُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَكَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٣٩﴾

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وہاں سے کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

لیکن شیطان نے انہیں اس]جنت [سے باہر نکال دیا اور انہیں اس]حالت [سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر نیچے اتر جاؤ اور تمہارے لیے زمین پر ایک وقت تک رہنے کی جگہ اور روزی ہوگی۔

پھر آدم نے اپنے رب کی طرف سے]کچھ [کلمات حاصل کیے اور اس نے ان کی توبہ قبول کی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ اور جب تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ بنی نوع انسان کا اصل اور مستقل گھر جنت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمین پر انسان کی زندگی ایک سفر کا حصہ ہے نہ کہ مستقل منزل۔ لہٰذا صحیح بخاری نمبر 6416 کی حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ایسے رہنے کی نصیحت کی جیسے وہ سفر پر ہوں یا کسی اجنبی میں۔ غیر ملکی زمین .یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں تاکہ وہ اس دنیا سے گزر کر امن و سلامتی کے ساتھ اپنے اصل اور مستقل گھر تک پہنچ جائیں۔ انہیں کبھی بھی اس دنیا کو اپنا مستقل گھر نہیں سمجھنا چاہئے اور اس طرح اسے غیر ضروری طور پر خوبصورت بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جس طرح چھٹی پر آنے والا شخص اپنے سفر کے دوران بنیادی ضروریات سے خود کو کافی رکھتا ہے، اسی طرح اس دنیا میں بھی اس کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اپنے مستقل اور اصل گھر میں واپس جائیں گے جہاں وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 35:

''اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور وہاں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔''

اس کے علاوہ اس دنیا میں صحیح صحبت اختیار کرنا چاہیے، جیسا کہ صحیح شریک حیات، تاکہ وہ اپنے مستقل اور اصل گھر تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے متاثر ہوتا ہے، خواہ وہ منفی ہو یا مثبت، لطیف ہو یا ظاہر۔ شادی کے سلسلے میں اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ ان کی شریک حیات ان کے مستقل اور اصل گھر تک بحفاظت پہنچنے میں ان کی مدد کرے۔ کسی کو اپنے شریک حیات کا انتخاب اس بنیاد پر کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی سچی اطاعت کرتے ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہو اگر وہ دنیوی وجوہات کی بنا پر شریک حیات کا انتخاب کرتے ہیں ، جیسے کہ دولت، حسب و نسب یا خوبصورتی، تو انہیں اپنی شادی سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت نہیں کرتا وہ اپنی شریک حیات کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور جب وہ پریشان ہوں گے تو ان پر آسانی سے ظلم کریں گے۔ اور جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت دے گا، خواہ جان بوجھ کر یا غیر ارادی طور پر۔

باب 2 البقرہ، آیت 35:

"اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وہاں سے کھاؤ، لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

کسی کو یہ بحث کرنے اور تحقیق کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے کہ یہ درخت کس قسم کا تھا، کیونکہ یہ اس واقعہ سے سیکھنے کے لیے ضروری سبق کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اور نہ ہی قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ علم کا مطالعہ کریں جس سے ان کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہو، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور ان چیزوں کی تحقیق کریں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ .اگر کوئی خاص موضوع یا مسئلہ ان زمروں میں نہیں آتا ہے تو سوال کرنے یا مطالعہ کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، آیت 35 اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ بنی نوع انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر نعمتیں نازل کرے۔ وہ دونوں جہانوں میں تکلیف اٹھانے کے لیے نہیں بنائے گئے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

‘‘اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم پر سختی نہیں چاہتا۔’’

لیکن ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا اقرار اور اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرز عمل میں ناکامی ایک جانور کی طرح برتاؤ کرنے کا سبب بن جائے گی اور اس سے بنی نوع انسان کی باقی مخلوقات پر امتیاز ختم ہو جائے گی۔ یہ صرف دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

مزید برآں، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعتوں کے پیچھے حکمت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچائے، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا گیا ،تھا کہ وہ کھانے سے پرہیز کریں۔ مخصوص درخت، کیونکہ اس کے نتائج اسے نقصان پہنچائیں گے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔ صرف وہی چیزیں جو انسان کے لیے جسمانی، معاشرتی اور نفسیاتی طور پر نقصان دہ ہوں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ خواہ کوئی ان نقصانات کو پہچانے یا نہ سمجھے، حقیقت میں بے غیرتی ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس حقیقت کو سمجھنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ممنوعات کو بوجھ سمجھنے کے بجائے مثبت ذہن کے ساتھ ان سے بچنے میں مدد دے گا۔ یہ مثبت سوچ انسان کی خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ کرے گی۔ اسلام میں جو چیزیں حلال ہیں وہ یا تو فائدہ مند ہیں یا لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ لہٰذا ایک مسلمان ان چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے آزاد ہے جب تک کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس مخلوق کی طرف اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے ہٹا نہ دیں جو کہ نقصان دہ اور اس لیے ممنوع ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ایک سیدھا اور آسان مذہب ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین کا سب سے پسندیدہ پہلو ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 35

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وہاں سے کھاؤ، لیکن" "اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس کے علاوہ، اگرچہ ممانعت میں صرف درخت کا پھل کھانا شامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اس کے قریب نہ جائیں۔ یہ سمجھنے کے لیے ایک اہم تصور ہے۔ درخت کے قریب جانا حلال تھا، صرف اس سے کھانا نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اس لیے کہ کوئی چیز حلال ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کرنا چاہیے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حلال ہیں لیکن ان کو کرنے سے پریشانی ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ کھانا گناہ نہیں ہے، لیکن یہ بہت سے نفسیاتی اور جسمانی مسائل کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ گناہوں کی طرف پہلا قدم اکثر مباح اور لغو کام ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جھوٹ، غیبت اور غیبت جیسی گناہ کی باتیں اکثر جائز اور فضول گفتگو سے شروع ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ان لوگوں پر غور کرے جنہوں نے گمراہانہ طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے، تو وہ سمجھ جائیں گے کہ زیادہ تر معاملات میں ان کی گمراہی ایک دم سے نہیں تھی۔ اس میں بہت سے حلال اقدامات شامل تھے جو آخرکار ایک گنہگار طرز زندگی کی طرف لے گئے۔ اس کی ایک اچھی مثال یہ ہے کہ نوجوان کس طرح گینگ جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو جائیں جن سے دونوں جہانوں میں براہ راست فائدہ ہو اور وہ چیزیں جو اس کی ضروریات اور ذمہ داریوں سے براہ راست جڑی ہوں اور ان چیزوں سے پرہیز کریں جو نہیں ہیں، اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2451 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس خوف سے حلال چیزوں کو چھوڑ نہ دے کہ وہ حرام چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے۔ .

باب 2 البقرہ، آیت 35:

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وہاں سے کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ لیکن شیطان نے انہیں اس]جنت [سے باہر نکال دیا اور انہیں اس]حالت [سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔

جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کرنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا، اس لیے ان کو آزمائش میں ڈالا گیا جس کے تحت ان پر درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا اور شیطان کو اجازت دی گئی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی تدبیریں چلائے۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ باب 2 البقرہ، آیت 30:

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر پے در پے حکومت بناؤں گا۔ "

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مطہرہ کا مخلص دوست اور مشیر ہونے کا بہانہ کیا اور اس وجہ سے وہ ان کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کے لیے پھنسانے میں کامیاب ہو گیا۔ باب 7 الاعراف، آیات 19-22:

اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب" نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ "لیکن شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ان پر ظاہر کردے جو ان کی شرمگاہوں سے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے کہا تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا مگر یہ کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اس نے ان سے قسم کھائی کہ میں تمہارے لیے مخلص مشیروں میں سے ہوں۔ تو اس نے دھوکے کے ذریعے ان کو "گرایا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، یہ برے ساتھیوں سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ ان کے ساتھیوں پر منفی اثر ڈالیں گے، چاہے یہ غیر ارادی ہو۔ اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ وہ مثبت انداز میں متاثر ہوں۔ اپنے ساتھیوں جیسے ان کے رشتہ داروں سے محتاط رہنا چاہیے کیونکہ وہ اکثر غیر ارادی طور پر انہیں ایسے کام کرنے کی نصیحت کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے باہر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ وہ نہ صرف اچھے صحابہ کو اپنائیں بلکہ ان کے منفی اثرات سے بھی محفوظ رہیں۔ پیارے، جیسے ان کے رشتہ دار۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیطان نے واضح کر دیا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کا آخری دشمن ہے اس لیے اس کے ساتھ دشمن جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے کیونکہ یہ انہیں سکھائیں گے کہ اپنے حلیف دشمن کی چالوں کو کیسے پہچانا جائے اور ان پر قابو پایا جائے۔ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اندر۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ آخر کار شیطان کی اطاعت کرے گا اور اس کے نتیجے میں وہ انہیں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسی طرح باہر کر دے گا جس طرح اس نے انسانوں کے والدین کو جنت سے باہر نکالا تھا۔ اس کا دھوکہ

،حضرت آدم علیہ السلام کا مشن زمین پر اللہ تعالیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے شروع ہوا۔ باب 2 البقرہ آیت 36:

لیکن شیطان نے انہیں اس]جنت [سے باہر نکال دیا اور انہیں اس]حالت [سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر نیچے جاؤ۔

جمع، جو دو سے زیادہ کی نشاندہی کرتا ہے، زمین پر جانے اور ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے ،حکم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اس حکم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام، ان کی زوجیت ان اور ابلیس ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان نہ صرف بنی نوع انسان کا کھلا اور واضح دشمن ہے بلکہ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بھی بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ اچھی صحبت اختیار کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ کوئی شخص اپنے ساتھیوں سے منفی یا مثبت طور پر متاثر ہوتا ہے۔ جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو اپنی اولین ترجیح بنائے گا، تب تک وہ لوگوں اور شیطان کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا۔ اس فرمانبرداری میں ان

نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کی خوشنودی میں ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد زمین پر بنی نوع انسان کے امتحان کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 36:

’’اور ہم نے کہا کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر نیچے جاؤ، اور تمہارے لیے زمین پر ایک وقت تک رہنے کی جگہ اور رزق ملے گا۔‘‘

روئے زمین پر بنی نوع انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ جو رزق انہیں دیا گیا ہے، اسے دنیاوی نعمتوں کی صورت میں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔ ان کا صحیح استعمال کرنے والا دنیا میں اپنے مختصر قیام کے دوران ذہنی سکون اور آخرت میں ذہنی سکون پائے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جو شخص اس رزق کا غلط استعمال کرے گا اسے دنیا میں اپنے مختصر قیام کے دوران تنگی کی زندگی اور آخرت میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، آیت 36 اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے جس رزق کی ضرورت ہے وہ پہلے سے ہی طے شدہ اور مختص ہے۔ درحقیقت انسان کا حلال رزق آسمان و زمین کی تخلیق سے 50,000 سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا رزق حاصل نہ ہونے کا خوف اسے حرام کی طرف نہ دھکیلے۔ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا ہے۔ اگر کسی کی بنیاد ہی کرپٹ ہے تو اس کے اوپر جو کچھ وہ بنائے گا وہ کرپٹ ہو گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 36

اور ہم نے کہا کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر نیچے جاؤ، اور تمہارے لیے زمین پر ایک'' وقت تک رہنے کی جگہ اور رزق ملے گا۔''

چونکہ اس دنیا میں کسی کا قیام عارضی ہے اس لیے اسے اس دنیا میں ہونے کے امتحان میں کامیاب ہونے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی شخص کیسا سلوک کرتا ہے، کیونکہ اس کا اس دنیا میں قیام عارضی ہے، وہ زمین پر اپنے امتحان میں کامیاب ہونے یا ناکام ہونے کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔ چونکہ یہ واپسی ناگزیر ہے، اس لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دنیا کے امتحان کو دوسری تمام چیزوں اور سرگرمیوں پر عبور کرکے اپنے آخری فیصلے کی تیاری کو ترجیح دی جائے۔

شیطان کے برعکس، جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی غلطی کو دیکھنے اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کی ذمہ داری قبول کی اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرنے کی تحریک ہوئی۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اس روایت کو ہر اس شخص کے لیے قائم کیا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹنا چاہتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 37:

"پھر آدم نے اپنے رب کی طرف سے]کچھ [کلمات حاصل کیے، اور اس نے ان کی توبہ قبول کی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

اور باب 7 الاعراف، آیت 23:

"انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید مصیبت نہ آئے، خلوص نیت سے دوبارہ وہی یا اس سے ملتے جلتے گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی کی تلافی کرنا شامل ہے۔ وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں پامال ہوئے ہیں۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ خواہش مندانہ سوچ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کے ساتھ الجھانا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے وابستہ ہے، یعنی انسان اپنی اصلاح کی کوشش کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا۔ جبکہ خواہش مندانہ سوچ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ اسلام میں خواہش مندانہ سوچ کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔ درحقیقت اس فرق کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 38:

”ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ اور جب تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ سچی توبہ کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو بہتر بنانے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی کوشش ہے۔ اس ہدایت کی آخری شکل قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ آیت میں الہٰی ہدایت پر یقین کا ذکر نہیں ہے بلکہ عملی طور پر اس پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ زبانی طور پر اعتقاد کا اعلان کرنا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی اچھا نہیں ہے جب تک کہ اس کی عملی اطاعت سے حمایت نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس آیت میں مذکور ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انہیں دی گئی ہیں۔ اس عملی اطاعت سے ہی دونوں جہانوں میں خوف اور غم سے تحفظ حاصل ہوگا ۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ مشکلات کا سامنا اس دنیا کے امتحان کا ایک حصہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ کسی کو پریشانی، تناؤ اور اداسی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے لیکن یہ احساسات کبھی بھی شدید نہیں ہوں گے، جیسے خوف اور غم۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان منفی احساسات پر قابو پا لے اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص عملی طور پر الہٰی رہنمائی پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے شدید جذبات اور منفی احساسات کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسے خوف اور غم، جو ان پر زندگی بھر قابو پالیں گے۔ نتیجے کے طور پر، وہ ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے ساتھ رہیں گے .یہ دونوں جہانوں میں مزید تناؤ، اضطراب اور پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

،اللہ تعالیٰ نے انسان کے روحانی قلب کو تخلیق اور کنٹرول کیا ہے جو کہ ذہنی سکون کا گھر ہے۔ لہٰذا اگر کوئی سچے دل سے اس کی اطاعت کرتا ہے، تو وہ انہیں ذہنی سکون عطا کرے گا، خواہ انہیں مستقل مشکلات کا سامنا ہو۔ جبکہ اس کی نافرمانی کرنے والے کو تناؤ، اضطراب اور افسردگی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، چاہے اس کے قدموں میں دنیا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حقیقت اس پر عیاں ہے جو امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لہذا، جیسا کہ آیت 38 میں اشارہ کیا گیا ہے، ذہنی سکون کا دنیاوی چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے شہرت، قسمت، اختیار، خاندان، کیریئر یا دوست۔ ذہنی سکون کا تعلق براہ راست الہٰی رہنمائی کو قبول کرنے اور عملی طور پر اس کی پیروی سے ہے تاکہ کوئی ،شخص ان نعمتوں کو استعمال کرے جو ان کو عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہو

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہیے کہ الہٰی رہنمائی انھیں خوشگوار زندگی حاصل کرنے سے روکے گی۔ الہی رہنمائی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرے۔ جبکہ الہٰی ہدایت کو نظر انداز کرنا ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتی ہیں۔ خدائی رہنمائی ایک طبی ڈاکٹر کی طرح ہے جو مریض کو کڑوی دوا اور غذائی پابندیاں تجویز کرتا ہے تاکہ وہ اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کر سکے۔ جس طرح طبی ڈاکٹر کو نظر انداز کرنا صرف ذہنی اور جسمانی حالت کی خرابی کا باعث بنے گا، اسی طرح خدائی رہنمائی کو نظر انداز کرنا۔

باب 2 البقرہ، آیت 38:

”ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ اور جب تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ کوئی فرد یا معاشرہ ایمان کو حقیقی بنائے بغیر خوف اور غم سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے اندر ایک اچھا قانون لوگوں کو دوسروں پر ظلم کرنے اور جرم کرنے سے صرف اس وقت روکے گا جب وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اختیار سے بچ نہیں سکتے۔ لیکن جب بھی کسی کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اختیار سے بچ سکتے ہیں تو پھر وہ جرم کریں گے اور دوسروں پر ظلم کریں گے۔ اس سے معاشرہ امن اور انصاف کے حصول سے باز رہے گا۔ اس کے بجائے، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، معاشرہ خوف اور غم میں زندگی بسر کرے گا۔ اس سے صرف اس وقت گریز کیا جاسکتا ہے جب کوئی ایمان کو حقیقی بنا لے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور اپنے اعمال کے نتائج کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ خوف ہے جو کسی کو دوسروں پر ظلم کرنے اور جرم کرنے سے روکتا ہے یہاں تک کہ جب انہیں یقین ہو کہ وہ پولیس جیسے دنیاوی اختیار سے بچ جائیں گے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی تاریخ

کے اوراق پلٹتا ہے اور ان معاشروں کا مشاہدہ کرتا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو عملی اطاعت کے ذریعے نافذ کیا اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔

مزید برآں، یہ آیت واضح کرتی ہے کہ انسان کو شدید جذبات، جیسے غم اور خوف سے تحفظ حاصل ہوگا، اور پرامن زندگی تب ہی ملے گی جب وہ سختی سے الٰہی ہدایت پر عمل کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں بدعات سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اپنے آپ کو قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف کرنا چاہیے اور دوسری چیزوں سے بچنا چاہیے، خواہ وہ نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ انسان دوسرے اچھے کاموں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ یہ انہیں خوف اور غم سے تحفظ حاصل کرنے سے روک دے گا۔

الہٰی ہدایت پر عملاً عمل نہ کرنے کی سطح پر انحصار کرتے ہوئے، وہ بغیر ایمان کے اس دنیا کو چھوڑ سکتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عملی اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو غذائیت سے محروم ہو مر سکتا ہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی ختم ہو سکتا ہے جو خدائی ہدایت پر عملاً عمل نہیں کرتا۔ اس سے اگلی آیت میں تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 39:

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اس نتیجہ سے بچنے کے لیے عملی اطاعت کے ساتھ ایمان کے اپنے زبانی اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ کوئی شخص اسلام کو زبانی

قبول کر سکتا ہے جبکہ عملی طور پر اس کا انکار کر سکتا ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ دونوں جہانوں میں خوف اور غم سے تحفظ صرف ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو عملی طور پر خدائی ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 38:

‘‘جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔’’

گو کہ جہنم میں رہنا سخت اور سخت ہے، لیکن یہ اس کے لیے موزوں سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، ان کے معبود، خالق، مالک، رزق دینے والے اور پالنے والے کا۔ وہ جو انہیں بے شمار نعمتوں سے مسلسل نوازتا ہے۔ جس طرح ایک ایجاد جو اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے اسے ضائع کر دیا جاتا ہے، اسی طرح انسان نامی ایجاد اگر وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو کیا قیامت کے دن ضائع کر دی جائے گی، جو کہ ان کو عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

اس کے علاوہ جیسا کہ اللہ رب العالمین نے یہ نتیجہ ان لوگوں کے لیے طے کر دیا ہے جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اس فیصلے کو نہ ٹالا جا سکتا ہے اور نہ روکا جا سکتا ہے، اس لیے یا تو اس کے قانون کو ماننا چاہیے یا ایسی کائنات ڈھونڈنی چاہیے جہاں اس کا قانون لاگو نہ ہو۔ .چونکہ بعد ازاں ممکن نہیں ہے، لہٰذا کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی علم حاصل کرنا چاہیے تاکہ اس کی حقانیت اور فائدہ دونوں جہانوں میں ظاہر ہو۔

باب 2 - البقره، آيت 40-46

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِىٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰىَ فَٱرْهَبُونِ
٤٠

وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا
وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ٤١

وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ٤٢

وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُوا۟ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ٤٣

۞ أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ٤٤

وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى ٱلْخَٰشِعِينَ
٤٥

ٱلَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا۟ رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ٤٦

اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو" کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور مجھ سے ڈرو۔

اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے اور پہلے اس کے منکر نہ بنو۔ اور میری نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر مت بدلو اور مجھ سے ڈرو۔

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ جبکہ تم جانتے ہو۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟

اور صبر اور نماز سے مدد مانگو۔ اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے عاجزی کے لیے]اللہ کے[۔

جنہیں یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سیدھے سیدھے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مخاطب ہوتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہتے تھے اور انہیں اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی طرف بلاتے ہیں جس کو وہ واضح طور پر پہچانتے تھے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20 اور قرآن کریم دونوں:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

اور باب 2 البقرہ، آیات 40-41:

"اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور مجھ سے ڈرو۔ اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے اور پہلے اس کے منکر نہ بنو۔ اور میری نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر مت بدلو اور مجھ سے ڈرو۔

درحقیقت اہل کتاب صرف مدینہ میں مقیم تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہجرت فرمائیں گے۔ مثال کے طور پر یوشع نامی یہودی عالم مدینہ میں مقیم تھا اور دوسروں کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں نصیحت کرتا تھا اور مدینہ والوں کو ترغیب دیتا تھا کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قبول کریں۔ لیکن جب اس نے ایسا کیا تو یوشا اور ان کے اکثر ساتھی علماء نے حسد اور اپنے آسمانی صحیفوں میں ہیرا پھیری سے حاصل کی گئی دولت اور سماجی حیثیت کے کھو جانے کے خوف کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کر دیا۔ یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 212 میں درج ہے۔

انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کیا کیونکہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، بجائے اس کے کہ آپ اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔ وہ تھے .بھائی چارے اور خون کے لیے اس محبت نے انہیں حوصلہ دیا کہ جب سچائی ان پر واضح ہو گئی تو اسے مسترد کر دیں۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کیا جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تکبر کیا تھا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ اہل کتاب کو سیدھے سیدھے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے قصے کے بعد مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، وہ امید کر رہے تھے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کریں گے انہیں اختیارات کے عہدے تفویض کریں گے، اور دولت اور سماجی مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان کو استعمال کرنے کے ان کے برے رویے کو نظر انداز کریں گے۔ جب انہیں اسلام کی طرف سے چیلنج کیا گیا اور انہیں حق سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی تو انہیں ان کی دولت اور سماجی حیثیت کے کھو جانے کا اندیشہ ہوا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا۔

لہٰذا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان بے شمار نعمتوں کی یاد دلائی جو اس نے ان پر عطا کی ہیں، جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے الٰہی ہدایت، نیز تورات اور بائبل جیسے آسمانی صحیفے، اور ان کو پورا کرنے کی ترغیب دی۔ سچے دل سے اس کی اطاعت کرنے اور حق کو قبول کرنے کا وعدہ جب بھی ان کے پاس آیا، خاص طور پر، آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور آخری الہی وحی، قرآن پاک۔ باب 7 الاعراف، آیات 155-157:

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری تقرری کے لیے چن لیا۔ اور جب ان کو زلزلے'' نے آپکڑا تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے اور مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا، کیا تو ہمیں اس کے سبب سے ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے احمقوں نے کیا ہے، یہ تیرے سوا کچھ نہیں۔ تو جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو اس دنیا میں سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔]جو [اچھا ہے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عذاب میں جس کو چاہتا ہوں اس میں مبتلا کرتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس میں اس کا فیصلہ]خصوصاً [ان لوگوں کے لیے کروں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ اچھی بات ہے اور انہیں برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور ان بیڑیوں کو دور کرتی ہے جو ان پر تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی تعظیم کی، اس کی حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں خلوصِ اطاعت کے عہد کو پورا کرنے کی ترغیب دی اور اسلام قبول کرتے وقت لوگوں سے نہ ڈرنا اور نہ ہی دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں سے محروم ہونے کا خوف۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ انہیں ذہنی سکون اور بدلے میں دونوں جہانوں میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 40:

"اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور صرف مجھ سے ڈرو۔"

اور باب 5 المائدۃ، آیت 66:

اور اگر وہ تورات، انجیل اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر قائم" "رہتے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے)رزق (کھا لیتے۔

باب 2 البقرہ، آیت 40:

اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ" " میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو جو عظیم نعمتیں عطا کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے انہیں زمین پر اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 122:

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام" جہانوں پر فضیلت دی۔

لیکن چونکہ وہ اس کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکام رہے جس میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت شامل ہے، اس لیے یہ اعزاز ان سے چھین کر مسلم قوم کو دیا گیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

"تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو...

لیکن جیسا کہ اس آیت میں واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمان قوم اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا کردار تب ہی ادا کرے گی جب وہ خلوص دل سے اس کی اطاعت کریں گے، جس میں اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے طریقوں سے استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ۔ جس طرح اہل کتاب نے اپنا کردار ادا کرنے میں ناکامی پر اللہ تعالیٰ کا غضب کیا، اسی طرح مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکام رہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔

باب 2 البقرہ، آیت 40:

"اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور صرف مجھ سے ڈرو۔"

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار اور مسلسل احسانات کو ہمیشہ مشکل اور آسانی دونوں میں یاد رکھیں، تاکہ وہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر ادا کرتے ہوئے اس کی اطاعت کو برقرار رکھیں۔ .صبر سے مراد یہ ہے کہ کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کی زبان اور مال، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

کسی کو اس عہد کو پورا کرنا چاہیے جب انہوں نے اپنی مرضی سے اسلام کو بطور ایمان قبول کیا، یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تکمیل، اور لوگوں کے حقوق شامل ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ آیت نمبر 40 مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ لوگوں کے خوف اور ان کی تنقید کے خوف سے یا دولت اور اختیار حاصل کرنے جیسی دنیاوی خواہشات کی تکمیل میں کھو جانے کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد پر سمجھوتہ نہ کریں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی عطا کرنے کا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن اگر کوئی اپنے عہد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور دنیاوی چیزوں اور لوگوں کی خاطر اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں سکون قلب دینے کا اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا اور اس کے بدلے میں ان چیزوں کو بھی پورا نہیں کرے گا جو انہوں نے حاصل کی تھیں۔ ان کے عقیدے پر سمجھوتہ کرنا ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کا باعث بن جائے گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کسی کے روحانی قلب، سکون قلب کی جگہ کو کنٹرول کرتا ہے، اور اس لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسی کو ذہنی سکون ملے یا نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، ہر حال میں اپنی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان پر درود و سلام اور دنیاوی فائدے کی خاطر اس پر سمجھوتہ کرنے سے گریز کرنا۔

قرآن پاک نے ماضی کے آسمانی الہام، تورات اور بائبل کے غیر تبدیل شدہ پہلوؤں کی تصدیق کی اور ان پہلوؤں کو درست کیا جن کو لوگوں نے تبدیل کیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 41:

اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے"۔"

لہٰذا اہل کتاب میں سے اہل علم کے پاس قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ مکہ کے بت پرستوں کے برعکس جو ان پڑھ تھے، اہل کتاب وحی الٰہی کی معجزانہ نوعیت اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ لیکن مدینہ کے اہل کتاب کی اکثریت نے اپنے صحیفوں کی جان بوجھ کر غلط تشریح کر کے حاصل کی گئی دولت اور سماجی حیثیت کے کھو جانے کے خوف سے اسلام سے انکار کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ

کو اس طرح غضبناک کیا جس طرح اس وقت کی کسی دوسری جماعت نے نہیں کیا، حتیٰ کہ ان پڑھ بت پرستوں نے بھی نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیات 89-90:

"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے، لیکن جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے وہ پہچانتے تھے۔ اس میں کفر تو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو گی۔ کتنی بری بات ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ وہ اس بات کا انکار کریں جو اللہ نے اپنے غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ غضب پر غضب]کمائی [کر کے واپس آئے۔''

انہوں نے خدائی علم اور رہنمائی کا تبادلہ کیا جو انہیں عطا کیا گیا تھا جو واضح طور پر دنیاوی فائدے کے لئے اسلام کی حقانیت کی طرف اشارہ کرتا تھا، حالانکہ انہیں خبردار کیا گیا تھا۔ ان کو سب سے پہلے اسلام پر ایمان لانا چاہیے تھا لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اس پر کفر کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ باب 2 البقرہ، آیت 41:

"اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور اس کے منکر ہونے والے پہلے نہ بنو۔ اور میری نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر مت بدلو اور مجھ سے ڈرو۔

جس چیز نے معاملہ مزید خراب کیا وہ یہ ہے کہ جب اہل کتاب میں سے علماء نے اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود اس سے کفر کیا تو اندھی تقلید کی وجہ سے بہت سے جاہل لوگوں کو اسلام سے کافر کرنے پر مجبور کر دیا۔ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسروں کو گناہ کی تلقین کرتا ہے تو اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے، چاہے وہ خود گناہ ہی کیوں نہ کرے۔ یہ ایک اور وجہ تھی جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل

ہوا۔ عام طور پر دیکھا جائے تو انسان کو چاہیے کہ وہ چوپایوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے دنیاوی اور دینی معاملات میں سچائی کی تحقیق اور اسے قبول کرنے کے لیے جو عقل عطا کی گئی ہے اسے استعمال کرے۔ اسلام میں اندھی تقلید کو ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ ہر شخص کو سمجھ اور بصیرت کے ساتھ اسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے۔ میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے..."

باب 2 البقرہ، آیت 41:

"اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور اس کے منکر ہونے والے پہلے نہ بنو۔ اور میری نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر مت بدلو اور مجھ سے ڈرو۔

یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کرتا ہے اور اس کی اطاعت کے لیے خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، تو اس پر دوسرے لوگ تنقید کریں گے جو اعلیٰ اخلاق کے مطابق زندگی گزارنا ناپسند کرتے ہیں۔ برتاؤ اور اس کے بجائے صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز۔ درحقیقت، تنقید کی اکثریت اپنے ہی رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف سفر میں سب سے پہلے ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے اور جسے مسلمانوں کو قبول کرنا چاہیے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اپنے آخری فیصلے سے اس تنقید اور دباؤ پر قابو پانا چاہیے۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اور دنیاوی چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھ سکیں گی، جب کہ اللہ تعالیٰ

ان کو ذہنی سکون دے کر لوگوں کی تنقید سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ حفاظت ظاہر نہ ہو۔ انہیں یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کی فرمانبرداری پر قائم رہیں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 41:

"اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور اس کے منکر ہونے والے پہلے نہ بنو۔ اور میری نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر مت بدلو اور مجھ سے ڈرو۔

اہل کتاب متکبرانہ طور پر عمداً غلط تشریح اور علم الٰہی کے ان حصوں کو چھپانے میں لگے رہے جو انہیں عطا کیے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کی تکمیل سے باز رہے۔ وہ دولت مندوں اور بااثر لوگوں کو موافق فیصلے دینے کے لیے رشوت لیتے تھے، چاہے اس کا مطلب جان بوجھ کر خدائی قانون اور رہنمائی کو چیلنج کرنا ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 42:

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ جب تک تم جانتے ہو‘‘۔’’

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک شخص معاشرے کے باقی حصوں کے ساتھ بہتر طور پر فٹ ہونے کے لیے اسلامی تعلیمات پر مبنی طرز عمل کو اپنا کر حق کو باطل کے ساتھ ملا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جتنا زیادہ غیر اسلامی طریقوں پر عمل کریں گے، خواہ وہ گناہگار ہی کیوں نہ ہوں، اتنا ہی کم وہ ہدایت کے دو منابع پر عمل کریں گے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس پر یہ صرف گمراہی کا باعث بنے گا۔ اس کے علاوہ، کوئی بھی سچائی کو چھپا سکتا ہے، جب وہ چنتا ہے کہ اسلام کے کن پہلوؤں پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر

انداز کرنا ہے۔ یہ شخص اسلام کے ساتھ ایک کوٹ کی طرح برتاؤ کرتا ہے جسے وہ مناسب دیکھ کر اتارتے اور اتارتے ہیں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا نظر آتا ہے لیکن وہ اپنی خواہشات کے سوا کسی چیز کی پیروی اور عبادت نہیں کرتا۔ ان کا یہ رویہ انہیں عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جس کی وجہ سے دونوں جہانوں میں تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 42:

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ جب تک تم جانتے ہو‘‘۔’’

اہل کتاب کو اپنے بگڑے ہوئے طریقوں کی اصلاح کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے خلوص دل سے سر تسلیم خم کرنے کے بہت سے مواقع فراہم کیے گئے۔ انہیں ایمان کے ستونوں کو برقرار رکھنے کی دعوت دی گئی :فرض نمازیں قائم کرنا اور صدقہ دینا، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں ان سے کیا تھا۔ .باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

نماز قائم کرنے میں ان کو ان کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ پورا کرنا شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود حدیث میں نصیحت ہے کہ اسلام کا مرکزی رکن فرض نمازوں کو قائم کر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقاعدہ تعلق رکھتی ہیں۔ وہ قیامت کے دن کی ایک طاقتور یاد دہانی ہیں۔ جس طرح دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا جواب دیں گے۔ جو ان کو صحیح طریقے سے قائم کرتا ہے اس لیے اسے یومِ جزا کی یاد دلائی جائے گی اور اس کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جو اپنی فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ناکام رہے گا وہ قیامت کے دن اپنا احتساب آسانی سے بھول جائے گا۔ نتیجے کے طور پر، وہ اس کے لیے تیاری کرنے کی زحمت گوارا نہیں کریں گے اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ شخص اپنے عقیدے کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے گا اور اگر وہ اس رویہ پر قائم رہے تو اس کا ایمان مر سکتا ہے کیونکہ اسے وہ غذا نہیں ملتی جو اسے زندہ رہنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ جس طرح ایک پودا بغیر پرورش کے مر جاتا ہے اسی طرح جب اس کی عملی اطاعت سے پرورش نہ کی جائے تو اس کا ایمان بھی ختم ہو سکتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2618 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ فرض نمازوں کا ترک کرنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

،واجب صدقہ کی پیشکش کسی شخص پر عائد مالی ذمہ داریوں کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتی ہے جیسے کہ کسی کے زیر کفالت افراد کی مالی مدد کرنا۔ یہ انسان کی محبت کا عملی ثبوت ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کو اپنے پاس موجود دنیوی چیزوں مثلاً مال و دولت سے لطف اندوز ہونے پر ترجیح دینا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 92:

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ'' کرو۔''

واجب صدقہ کا مقصد دنیاوی چیزوں کی ضرورت سے زیادہ محبت کو اپنے روحانی دل سے نکالنا ہے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر توجہ مرکوز کر سکے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ جو لالچی ہے وہ ایسا سلوک نہیں کر سکے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ سے دور، لوگوں سے دور، جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہو جائیں گے۔ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فرض صدقہ دوسروں کے لیے اپنے اخلاص کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے جو کہ اسلام کا ایک اہم حصہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 43:

’’اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔‘‘

رکوع کرنے والوں کے ساتھ جھکنا خاص طور پر باجماعت نماز کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ عبادات کے سلسلے میں یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اہم روایتوں میں سے ایک ہے اور اس لیے اسے اپنی طاقت اور موقع کے مطابق اختیار کرنا چاہیے۔ یہ جان لینا کافی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شخص کو منافق سمجھتے ہوں گے جو بغیر کسی شرعی عذر کے باجماعت نماز میں شریک نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ اسلام کے گرد اپنی زندگی کو ڈھالنے کا ایک بہترین طریقہ ہے کیونکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو نماز کے اوقات کے مطابق اپنی سرگرمیاں ترتیب دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس سے انسان کو اس زمین پر اپنے مقصد پر توجہ مرکوز کرنے میں مدد ملتی ہے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خلوص کے ساتھ اطاعت کرنا، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور مقدس روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کے علاوہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ جھکنا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا تھا۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے پر سختی سے عمل کرنا چاہیے، اور دوسری چیزوں سے بچنا چاہیے، خواہ وہ نیکیاں ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ زیادہ سے زیادہ انسان دوسری چیزوں پر عمل کرتا ہے۔ کم وہ سیکھیں گے اور رہنمائی کے دو ذرائع پر عمل کریں گے۔ اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔

رکوع کرنے والوں کے ساتھ جھکنا بھی اچھی صحبت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے جو عملاً اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔ ایک شخص ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے متاثر رہے گا، خواہ منفی ہو یا مثبت، لطیف یا ظاہر۔ جو لوگ ایسے لوگوں کے ساتھ جاتے ہیں جو اللہ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، وہ پائیں گے کہ وہ بھی اللہ کی نافرمانی میں زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ پائیں گے کہ انہیں بھی اس کی اطاعت کی ترغیب دی گئی ہے۔ باب 9 توبہ آیت 119:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ "

باب 25 الفرقان، آیات 27-28 اور:

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا]افسوس سے [وہ کہے گا، کاش میں نے رسول کے ساتھ کوئی" راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے ہائے میری، کاش میں نے اس کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ "

اور باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

باب 2 البقرہ، آیت 43:

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

رکوع کرنے والوں کے ساتھ جھکنا بھی ان چیزوں میں دوسروں کی مدد کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسروں کا ساتھ دینے سے گریز کرتے ہیں۔ کسی کو کبھی بھی دوسروں کی حمایت کرنے یا ان کے ساتھ اپنے تعلقات پر ان کی حمایت نہ کرنے کے فیصلے کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے، کیونکہ یہ اکثر گناہوں کی طرف جاتا ہے۔ اس کے بجائے، کسی کو دیکھنا چاہیے کہ کوئی کیا کر رہا ہے اور اس کی حمایت کرنا چاہیے اگر یہ سرگرمی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، چاہے وہ شخص کوئی بھی ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو''۔''

باب 2 البقرہ، آیت 44:

" کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟"

درحقیقت مطابق دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے تنبیہ کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو امت مسلمہ کو اس کی برتری عطا کرتی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

" تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو..."

یہ جاننا ضروری ہے کہ نیکی کی نصیحت اور برائی سے تنبیہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان پہلے خود کو نصیحت کرے اور ان کی نصیحت کو اپنے کردار میں نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ جو شخص اپنی نصیحت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا ہے اور پھر بھی دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اسے صحیح بخاری نمبر 3267 کی حدیث میں جہنم سے ڈرایا گیا ہے۔ اپنے علم کو دوسروں تک پہنچانے سے پہلے اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ، یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ جس کو نصیحت کی جا رہی ہے اسے ہمیشہ اچھی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے، چاہے مشیر منافقانہ برتاؤ کرتا ہو۔ ان کا نفاق ان کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے، اس لیے جس کو نصیحت کی جائے اسے چاہیے کہ وہ ان کی نصیحت کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے جب تک کہ یہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق ہو۔ .

یاد رکھنا چاہیے کہ علم حاصل کرنا اس وقت تک مفید نہیں جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔ علم پر عمل کرنا ہی اسے مفید بناتا ہے ورنہ بے کار ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

اس لیے انسان کو نہ صرف مفید دنیوی اور دینی علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے بلکہ اسے صحیح طریقے سے نافذ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 44:

" کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟"

یہ آیت دکھاوے سے بھی خبردار کرتی ہے۔ کوئی بھی اس طرح کا برتاؤ کر سکتا ہے جب وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں کی نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خود صالح ظاہر ہو، حالانکہ وہ خود صالح اعمال کرنے سے غفلت برتتا ہے۔ کسی کے ایمان کی بنیاد ان کی نیت ہے۔ اگر ان کی نیت خراب ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وہ عمل نہ کریں تو ان کے تمام اعمال خراب ہو جائیں گے۔ درحقیقت گستاخ کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ اپنے نیک اعمال کا بدلہ ان لوگوں سے حاصل کرے جن کے لیے اس نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کریں۔ کسی کے خلوص کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی احسان یا اجر کی امید نہیں رکھتے اور نہ ہی امید رکھتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 44:

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟"

یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ صرف کلام الٰہی کی تلاوت اس پر عمل کیے بغیر دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی کہ اہل کتاب سابقہ آسمانی صحیفے کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے میں ناکام ہونے کی وجہ سے ان پر تنقید کی۔ مسلمانوں کو قرآن پاک کو تلاوت کی کتاب سمجھنے سے گریز کرنا چاہیے اور اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے میں ناکام رہنا چاہیے۔ اس کے بجائے، وہ اسے سیکھنے اور اس پر عمل کرتے ہوئے اسے ہدایت کی کتاب سمجھیں۔ جس طرح نقشہ اس کی ہدایت پر عمل کیے بغیر صرف اس کا مطالعہ کرنے والے کو فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کیے بغیر صرف تلاوت کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

خاص طور پر، اس آیت نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب میں سے بعض علماء پر بھی تنقید کی ہے جنہوں نے دوسروں کو مشورہ دیا تھا، جیسے کہ اپنے چاہنے والوں کو اسلام قبول کرنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی، لیکن خود اسلام کا انکار کیا۔ اپنے آسمانی صحیفوں پر سمجھوتہ کرکے دنیاوی چیزوں کو کھونے کے خوف سے، جیسے دولت اور اختیار۔ اس میں ان لوگوں

پر بھی تنقید کی گئی ہے جو دوسروں کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی اہمیت کے بارے میں نصیحت کریں گے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر کار ان کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں رد کر دیا۔

باب 2 البقرہ، آیت 45:

"اور صبر سے مدد مانگو"

اس دنیا کا مقصد بنی نوع انسان کو آزمانا ہے کہ آیا وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں یا نہیں۔ اپنے مقصد کی تکمیل اور اس امتحان میں کامیاب ہونا اسی وقت ممکن ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صبر سے کام لے۔ خواہشات پر قابو پانے کے لیے صبر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال نہ کرے۔ دنیا کی مشکلات کا سامنا کرنا ضروری ہے تاکہ انسان اپنے قول و فعل سے شکایت کرنے سے بچ جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہترین ہو، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہوں۔ جب تک وہ مشکل اور آسانی دونوں وقتوں میں فرمانبردار رہیں گے، زندگی کے ہر پہلو میں کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

کسی کو ہمیشہ اپنی مشکلات کا موازنہ دوسروں کو درپیش مشکل مشکلات سے کرنا چاہیے تاکہ وہ صبر کو اپنانے میں مدد کریں۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کو خواہ کتنی ہی مشکل کا سامنا ہو وہ ہمیشہ بدتر ہو سکتا تھا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، جیسے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان سے زیادہ اور سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں مشکل کے آغاز سے ہی اس دنیا سے رخصت ہونے تک صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کیونکہ کوئی شخص بے صبری کا مظاہرہ کر کے صبر کا اجر کھو سکتا ہے۔ کچھ وقت کے بعد مشکل کو قبول کرنا صبر نہیں ہے، یہ محض قبولیت ہے۔ حقیقی صبر مشکل کے آغاز سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1302 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ مشکلات کا سامنا ناگزیر ہے اور اس مشکل سے بچنا ناممکن ہے جس کا سامنا اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے کرنا چاہا ہے۔ لہٰذا، بے صبری کا کوئی مطلب نہیں ہے کیونکہ کسی کو اپنی قسمت کی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ اجر کھو دے گا جو وہ صبر سے حاصل کر سکتا تھا۔

جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے صبر کو اپنائے گا، اس کے لیے نماز قائم کرنا آسان ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 45:

"اور صبر اور نماز سے مدد مانگو "

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، نماز قائم کرنے سے قیامت کے دن کو یاد رکھنے اور اپنے اعمال کا جواب دینے میں مدد ملتی ہے۔ جس طرح نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن بھی اس کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اس انداز میں نماز پڑھنے والا ہمیشہ عاجزی کی زندگی گزارے گا، کیونکہ وہ اپنے آخری فیصلے کا نتیجہ نہیں جانتے، اور ان کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا آسان ہو جائے گا اور نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے گا۔ انہیں ان طریقوں سے عطا کیا گیا ہے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اپنی نماز قائم نہیں کرتا اور نہ صبر کرتا ہے وہ ایسا کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین نہیں ہوتا کہ وہ قیامت کے دن اپنے اعمال کا جواب دیں گے، ورنہ وہ اپنی نماز قائم کرکے اور ہر حال میں صبر کو اپناتے ہوئے عملی طور پر اس کی تیاری کریں گے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی

نمبر 2618 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ فرض نماز کا ترک کرنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 45-46:

اور صبر اور نماز سے مدد مانگو ۔ اور بے شک یہ مشکل ہے سوائے عاجزی کرنے والوں کے۔ جنہیں یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

جو قیامت پر سچا ایمان رکھتا ہے وہ عملی طور پر اس کی تیاری کرے گا۔ اس کا ایک پہلو علم الہی کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے جب یہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ غرور کرنے والا ایسا نہیں کر سکتا، صرف عاجزی اختیار کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص علم الٰہی پر عمل کرنے سے چشم پوشی کرتا ہے وہ روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا، خواہ وہ زبانی طور پر اس کا دعویٰ ہی کیوں نہ کرے۔

یقین اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے اعمال کا جواب دیں گے۔ وہ اسلامی تعلیمات میں موجود نشانیوں کے ساتھ ساتھ کائنات میں موجود نشانیوں کو بھی سمجھیں گے جو واضح طور پر بتاتی ہیں کہ ہر چیز جس کی ابتدا ہوتی ہے، اس کا خاتمہ ہوتا ہے، جیسے دن اور راتوں کا گزرنا۔ وہ اپنے اردگرد موجود مسلسل اشارے پر توجہ دیں گے جو انہیں قیامت کے دن ثابت کرتے اور یاد دلاتے ہیں، جیسے بنجر مردہ زمین جو آسمان سے پانی ملنے کے بعد زندہ ہو جاتی ہے اور دن اور راتوں کی زندگی اور موت کا چکر، درختوں اور پودوں کی موت اور زندگی اور کس طرح ایک شخص روزانہ ایک معمولی قیامت کا تجربہ کرتا ہے جب وہ سوتے ہیں اور پھر جاگتے ہیں۔ یقین کا یقین قیامت کی ایک دن کو اس طرح یاد دلاتا ہے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے عملی طور پر اس کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ایسا کرنے والا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 40:

" اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور صرف مجھ سے ڈرو۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو ماضی کی قوموں کے اعمال سے سبق سیکھنا چاہیے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے سے بچ سکے۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک پر اپنے ایمان کو سیکھنے اور اس پر عمل کے ذریعے ثابت کریں تاکہ وہ ہر حال میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں۔ انہیں زبانی طور پر اس پر ایمان لانے سے گریز کرنا چاہیے اور عملی طور پر اس پر کفر کرنا، جیسا کہ ماضی کی قوموں نے اپنے آسمانی صحیفوں کے بارے میں کیا تھا۔ اس کو عملی طور پر نافذ کرنے میں ناکامی صرف دنیاوی فائدے کی خاطر اس کی تعلیمات پر سمجھوتہ کرنے کا سبب بنے گی۔ اس انجام سے بچنے کے لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرنا چاہیے۔ کسی کو یقین کرنے میں صرف اس وجہ سے بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ انہیں اپنے عقیدے کو عملی طور پر نافذ کرنے میں ناکامی کی وجہ سے فوری طور پر سزا نہیں دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں کبھی سزا نہیں دی جائے گی۔ سزا میں تاخیر کرنا سزا کے برابر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص قرآن پاک پر عملاً عمل کرنے میں ناکام رہے گا اور اس کی تعلیمات پر سمجھوتہ کرے گا اسے باریک طریقے سے سزا دی جائے گی۔ اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرکے جو چیزیں وہ حاصل کرتے ہیں وہ ان کے لیے تناؤ کا باعث بن جاتی ہیں۔ پس وہ جتنی زیادہ دنیاوی چیزیں حاصل کرتے ہیں، جیسے کہ دولت، اتنا ہی ان کی زندگی کے ہر پہلو میں پریشانیاں اور پریشانیاں بڑھتی جائیں گی تاکہ وہ دنیا کو اپنے قدموں پر رکھنے

کے باوجود تاریک اور تنگ زندگی گزاریں۔ لیکن اس کے بعد آنے والی سزا اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 47-48

يَـٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ
عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾

وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا
شَفَٰعَةٞ وَلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٞ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام” جہانوں پر فضیلت دی۔

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی، نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں مقیم اہل کتاب کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ ان بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کریں جو اس نے ان کو عطا کی ہیں، جیسے کہ متعدد انبیاء علیہم السلام کو ان کے آباؤ اجداد کی طرف بھیجنا، اسلام قبول کرکے، خاص طور پر جب اس کی سچائی تھی۔ ان کے لیے ان کے آسمانی صحیفوں میں واضح کیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عظیم نعمتیں عطا کیں ان میں سے ایک ان کا زمین پر اپنے نمائندے کے طور پر تقرر تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 47:

”اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔“

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی یاد دلائی جنہیں اسرائیل بھی کہا جاتا تھا۔ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا کردار ادا کیا، اہل کتاب، ان کی اولاد کو بھی اپنے کردار اور فرائض کی ادائیگی کی ضرورت تھی۔ اس کردار کا ایک پہلو اسلام اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنا تھا، جب ان کا سامنا ہوا اور وہ آسمانی صحیفہ جو انہیں عطا کیا جائے گا، قرآن پاک۔ باب 7 الاعراف، آیات 155-157:

’’اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری تقرری کے لیے چن لیا۔ اور جب ان کو زلزلے نے آپکڑا تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے اور مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا، کیا تو ہمیں اس کے سبب سے ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے احمقوں نے کیا ہے، یہ تیرے سوا کچھ نہیں۔ تو جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو اس دنیا میں سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔]جو [اچھا ہے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عذاب میں جس کو چاہتا ہوں اس میں مبتلا کرتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس میں اس کا فیصلہ]خصوصاً [ان لوگوں کے لیے کروں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ اچھی بات ہے اور انہیں برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور ان بیڑیوں کو دور کرتی ہے جو ان پر تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی تعظیم کی، اس کی حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

لیکن اپنے آسمانی صحیفوں سے سمجھوتہ کر کے حاصل کردہ دنیاوی چیزوں جیسے کہ دولت اور اختیار سے محروم ہونے کے خوف سے، انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ اس عیسائی وفد نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا۔ مدینہ سے نکلتے وقت اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اور کرز بن علقمہ ایک دوسرے کے قریب سوار تھے۔ ابو حارثہ کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور مایوسی کے عالم میں کرز نے بالواسطہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنقید کی۔ جواب میں ابو حارثہ نے ان پر تنقید کی۔ جب کرز نے ان کے جواب پر سوال کیا تو ابو حارثہ نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ آخری نبی ہیں، وہ انتظار کر رہے تھے اور ان کے

الٰہی میں جن کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی۔ صحیفے جب کرز نے سوال کیا کہ اس حقیقت کو ماننے کے باوجود اس نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا تو ابو حارثہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ عزت، دولت اور اختیار ان کے لوگوں نے انھیں دیا تھا اور انھیں ڈر تھا کہ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ سب کچھ کھو دیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 75-76 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ اہل کتاب اسلام کے نمائندے کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام رہے، اس لیے یہ اعزاز اور ذمہ داری پھر مسلم قوم کو منتقل ہو گئی۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

"تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں مومن بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔''

لیکن جیسا کہ اس آیت میں واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلم قوم زمین پر اللہ تعالیٰ کی کامیابی سے اسی وقت نمائندگی کرے گی جب وہ خلوص نیت سے اس کی اطاعت کریں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ان کے لیے ذہنی سکون کا باعث بنے گا اور اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ باقی دنیا کو اسلام کا حقیقی چہرہ دکھائیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن اگر وہ اس فرض میں کوتاہی کرتے ہیں تو انہیں اس کا خمیازہ دنیا اور آخرت دونوں میں بھگتنا پڑے گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب اور امت مسلمہ کو متنبہ کیا ہے کہ اگر وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی صحیح نمائندگی کے فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں تو قیامت کے دن انہیں کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ باب 2 البقرہ، آیات 47-48:

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام'' جہانوں پر فضیلت دی۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی، نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔"

اہل کتاب نے خواہش مندانہ سوچ اختیار کی جس سے وہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتے ہیں اور زمین پر اس کی صحیح نمائندگی کرنے کے اپنے فرض میں کوتاہی کر سکتے ہیں ،اور کسی نہ کسی طرح قیامت کے دن عذاب سے بچ جائیں گے۔ ان کا یقین تھا کہ کوئی ایسا شخص ہے جیسے کہ انبیاء موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام، ان کے لیے شفاعت کریں گے اور انہیں ان کے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے بچائیں گے۔ ان کا یہ بھی ماننا تھا کہ وہ اپنی نافرمانی پر صرف معافی

مانگیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کو معاوضہ کے طور پر قبول کرے گا اور انہیں سزا نہیں دے گا، جیسا کہ وہ اپنے آپ کو اس کے پیارے اور اولاد سمجھتے تھے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے..."

وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ایمان رکھتے تھے، وہ صرف ان پر تنقید کریں گے، جیسا کہ ایک باپ اپنے بچوں پر تنقید کرتا ہے لیکن ان کی محبت کی وجہ سے انہیں سزا دینے سے گریز کرتا ہے۔

اس قسم کی خواہش مندانہ سوچ انتہائی اہانت آمیز ہے کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے کہ وہ انصاف پسند اور نسل پرست نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کے بعض گروہوں کی ضد اور مسلسل نافرمانی کو ان کے نسب کی وجہ سے نظر انداز کر دیتا ہے۔ انہوں نے فرض کیا کہ وہ برے اور نیکی کرنے والے کے ساتھ دنیا اور آخرت میں یکساں سلوک کرے گا۔ ایک دنیاوی جج کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا جائے گا اور ان کے عہدے سے ہٹا دیا جائے گا اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو پھر کوئی اس منحرف رویہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کر سکتا ہے؟ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس خواہش مندانہ سوچ نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یقین رکھتے ہیں کہ کوئی انہیں قیامت کے دن بچا لے گا، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یا اللہ عزوجل انہیں صرف اس طرح معاف کر دے گا جیسے وہ قوم سے ہیں۔ اس کے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود وہ مسلسل اور ضد کے ساتھ ان کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ قیامت کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے، جس کی بہت سی احادیث میں بحث ہوئی ہے، جیسے کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308، کوئی بھی کم نہیں۔ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے اور پھر اس کی شفاعت سے ان کو بچانے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ یاد رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے باوجود بہت سے نافرمان مسلمان اب بھی جہنم میں جائیں گے، خواہ اس میں ان کا قیام کم ہو جائے۔ کڑوا سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرنے والے کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے نہ چلے جائیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عملی اطاعت کے ساتھ ایمان کے پودے کی پرورش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ صرف مسلمانوں کے لیے قبول کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی وہ روایت کسی کے لیے نہیں بدلتی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کو اس دنیا میں عذاب دیا اور ان کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے انہیں اگلے جہان میں عذاب دینے کی دھمکی دی ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی سزا ملے گی اگر وہ اپنا رویہ اور طرز زندگی اختیار کریں گے۔
باب 48 الفتح، آیت 23:

"اللہ کا قائم کردہ طریقہ جو پہلے ہو چکا ہے۔ اور تم اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی محبت کا دعویٰ اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب تک کہ کوئی شخص قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھ کر اس پر عمل کر کے ثابت نہ کر دے۔ اس پر باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

صرف اس صورت میں جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو وہ آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ پیار کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی عمل سے اپنی محبت کو ثابت کرنے میں ناکام رہے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ختم نہیں ہو گا۔ اس کے بعد جس طرح اہل کتاب اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ وہ عملی طور پر ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید اور خواہش مند سوچ کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ سچی امید ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں کوشش کرنے سے جڑی ہوتی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہوتا ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہو اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور آئندہ اپنے طرز عمل کو درست کرتے ہیں۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے اس کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں معاف کر دے گا۔ جبکہ خواہش مند مفکر مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر بھی دونوں جہانوں میں بخشش اور نعمتوں کی توقع رکھتا ہے۔ مؤخر الذکر کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ یہ اختلاف جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اس دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے اعمال کے ذمہ دار ہوں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے نہیں رہنا چاہیے، اور یہ فرض کرنا چاہیے کہ جس سے ان کا کوئی تعلق ہے، جیسا کہ کوئی رشتہ دار، روحانی استاد یا دوست، قیامت کے دن انہیں بچا لے گا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص میں نیک اعمال کی کمی نہ ہو تو اس کا نسب قیامت کے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ 6853 صحیح مسلم نمبر میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 80 عبسہ، آیات 34-37:

’’جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اس کی ماں اور اس کا باپ۔ اور اس کی بیوی اور اس کے بچے۔ ہر آدمی کے لیے وہ دن اس کے لیے کافی ہو گا۔‘‘

صحیح رویہ اپنانا چاہیے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، اور پھر امید ہے کہ قیامت کے دن دوسروں کو ان سے فائدہ پہنچانے کی اجازت ہوگی۔

باب 2 البقرہ، آیت 48:

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہ ہو گی، نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت اس گمراہ کن عقیدے کو اپنانے کے خلاف بھی متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن صلح کر لی جائے گی، باوجود اس کے کہ انہوں نے گناہوں اور نافرمانیوں کی زندگی گزاری۔ اللہ عزوجل سے اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے جڑنے کا وقت اس دنیا میں ہے۔ اعمال کا جواب دینے کا وقت آخرت ہے۔ دونوں کو آپس میں الجھانا نہیں چاہیے کیونکہ یہ نافرمانی اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کے بارے میں غلط عقائد کو اپنانے کا باعث بنتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 35:

’’تو اس دن نہ وہ اس]جہنم [سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان سے]اللہ کو [راضی کرنے کے لیے کہا جائے گا۔‘‘

اس کے علاوہ، آیت 48 لوگوں کو متنبہ بھی کرتی ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے گناہوں کے لیے دوسروں پر الزام نہیں لگا سکیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 48:

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی‘‘۔’’

ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ گناہ کرنے والے اور دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دینے والے دونوں کو اپنی نافرمانی کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی اندھا پیروی کرنے اور ان لوگوں کے ساتھ جانے سے گریز کرے جو مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ صرف اسی طرح کا رویہ اختیار کرنے کا سبب بنے گا۔ کسی کو ہمیشہ اس بات کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ انہیں کس چیز کی دعوت دی جا رہی ہے نہ کہ کون دعوت دے رہا ہے تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ آیا انہیں جواب دینا چاہیے یا نہیں۔ اگر دعوت کسی اچھی چیز کی طرف ہو تو انہیں جواب دینا چاہئے لیکن اگر وہ کسی بری چیز کی طرف ہے تو ان پر لازم ہے کہ اس سے انکار کریں اور اس میں ملوث افراد کو تنبیہ کریں، چاہے دعوت دینے والے ان کے رشتہ دار اور دوست ہی کیوں نہ ہوں۔ سیدھے الفاظ میں اگر کوئی شخص قیامت کے دن شیطان کو ان کے گناہوں کا ذمہ دار ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا تو کسی اور پر الزام کیسے لگا سکتا ہے؟ باب 14 ابراہیم، آیت 22:

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ خود کو قصوروار ٹھہرائیں۔

اور باب 25 الفرقان، آیت 28:

اوہ، مجھ پر افسوس !کاش میں نے اسے دوست نہ بنایا ہوتا۔"

:باب 43 از زخرف، آیت 67 اور

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

:باب 2 البقرہ، آیت 48

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہ ہو گی، نہ اس سے کوئی سفارش’’ قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

یہ آیت لوگوں کو متنبہ بھی کرتی ہے کہ دوسروں پر ظلم نہ کریں کیونکہ ظالم کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اپنے مظلوموں کو معافی کے ذریعے یا کسی دوسرے دنیاوی ذریعہ سے معاوضہ دے سکے، جیسے کہ ان کے حقوق انہیں واپس کرنا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے شکار کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنے شکار کے گناہ اس وقت تک لے لیں گے جب تک انصاف قائم نہیں ہو جاتا۔ یہ ان کو قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔

کسی کو اس حقیقت سے کبھی بھی بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ انہیں اس دنیا میں یا ظاہری طور پر یا ان کے اثر و رسوخ، طاقت اور دولت کے ذریعے اپنے اعمال کے نتائج سے بچنے کی صلاحیت سے فوری طور پر سزا نہیں دی جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں دنیا میں تو چل سکتی ہیں لیکن قیامت کے دن کام نہیں آئیں گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 48:

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہ ہو گی، نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

اس لیے عملی طور پر قیامت کے دن کی تیاری کرنی چاہیے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 49-50

وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ
نِسَآءَكُمْ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے بچایا تھا جو تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے بعض کا ذکر جاری ہے، خاص طور پر وہ نعمتیں جو اس نے ان کے آباؤ اجداد کو عطا کی ہیں۔ لیکن اگرچہ یہ نعمتیں ان کے آباؤ اجداد کو عطا ہوئی تھیں، ان کا مثبت اثر مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب اور بنی اسرائیل کی آنے والی نسلوں پر پڑا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون سے نہ بچایا ہوتا تو شاید آنے والی نسلیں مصر کی سلطنت کے تابع رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا تذکرہ کیا تاکہ انہیں اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی ترغیب دی جائے، جسے انہوں نے واضح طور پر پہچان لیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تو ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے استعمال کرتے، جیسا کہ آسمانی صحیفے جو انہیں عطا کیے گئے تھے، اور اس کے نتیجے میں وہ یقیناً اسلام قبول کر لیتے۔
باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہو کر اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ شکر گزاری کے مختلف درجات کو پورا کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ یقینی بنانا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کام کریں۔ جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کام کرے گا اس سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ان سے اس کا اجر حاصل کرے جو ممکن نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی واضح نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے شکرگزاری یا اجر کی امید نہ

رکھے اور نہ ہی اس کی امید رکھے۔ اس کے بعد، انہیں اپنی تقریر کے ذریعے، اچھا بول کر یا خاموش رہ کر شکرگزار ہونا چاہیے۔ آخر میں، انہیں ان تمام نعمتوں کو استعمال کرنا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں مزید برکتوں کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 49:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے بچایا جو تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔‘‘

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ کوئی بھی اس کے اختیار اور اس کے طرز زندگی کو چیلنج نہ کرے، جو اس کی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا، فرعون نے بنی اسرائیل کو ، محکوم بنا کر انہیں غلامی کی زندگی پر مجبور کیا۔ ان کی طاقت کو بڑھنے سے روکنے کے لیے وہ باقاعدگی سے نئے پیدا ہونے والے لڑکوں کو مار ڈالتا تھا اور عورتوں کو مصریوں کی خدمت کے لیے زندہ رہنے دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کے ایک مخصوص رویے کی نشاندہی کرتا ہے جو اپنی طاقت کھونے سے ڈرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے معصوم لوگوں جیسے بچوں کو نقصان پہنچانے کا سہارا لیں گے تاکہ وہ ان کے اختیار اور ان کے برے راستے کو چیلنج کرنے سے روک سکیں۔ صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ظالموں نے اس طرح کا برتاؤ کیا اور کبھی بھی مناسب آداب کی پابندی نہیں کی، حتی کہ جنگ کے وقت بھی۔ عام طور پر، مسلمانوں کو اپنے خاندانوں کے ساتھ اس طرح کے برتاؤ سے گریز کرنا

چاہیے جس کے ذریعے وہ خوف کے ذریعے اپنے خاندانوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عزت اور خوف دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے لوگ، جیسے کہ ان کے بچے، ان کی عزت کو یقینی بنانے کے لیے ایسا برتاؤ کرے، لیکن انھیں ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے جس سے دوسروں میں خوف کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس کے علاوہ، انسان کو ہمیشہ دنیاوی فائدے کے لیے دوسروں پر ظلم کرنے سے بچنا چاہیے، جیسے کہ مال یا اختیار، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایسا معلوم ہو کہ کوئی ظالم اس دنیا میں سزا سے بچ گیا تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا، جہاں وہ اپنی نیکیاں متاثرین کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے لیں جب تک کہ انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اختیار کی خواہش اور اس کی پیروی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ اسے حاصل کرنے اور اسے تھامے رکھنے کے لیے دوسروں پر ظلم کرنا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ دولت اور اختیار کی شدید خواہش مسلمان کے ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوئی جو بکریوں کے ریوڑ کو چھوڑ دیں۔ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ مال و اختیار کی حد سے زیادہ محبت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان کے لیے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ان کا امتحان کسی عہدے یا دولت کے ساتھ ہوتا ہے، تو انہیں چاہیے کہ وہ ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 49:

”اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے بچایا تھا جو تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

چونکہ یہ دنیا آزمائشوں اور آزمائشوں کی جگہ ہے، اس لیے جب کسی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو حیران نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں یہ سمجھنا اور قبول کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے

،بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ باب 2 البقرہ
:آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے بچ نہیں سکتا، اس لیے اسے صبر کے ساتھ ان کا سامنا کرنے کے اجر سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے فعل یا تقریر کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی جائے۔ اس کے علاوہ، مسلمانوں کو ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے جنہوں نے ان سے زیادہ آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کیا ہے کیونکہ اس سے ان کی زندگی کے دوران پیش آنے والی مشکلات کے منفی اثرات کم ہو جائیں گے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 49

،اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے بچایا تھا جو تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے تھے" تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

بڑی آزمائش اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے چنگل سے بچایا۔ یعنی اس معاملے میں بڑی آزمائش یہ ہوگی کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے یا نہیں۔ اس میں ان نعمتوں کا استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کی آزادی، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ آسانی کے اوقات اکثر

مشکلات کے وقت سے زیادہ آزمائش اور آزمائش ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشکلات کا سامنا کرنے والا شخص اکثر اپنے اختیارات میں محدود رہتا ہے اور اس کے پاس امداد کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ جبکہ آسانی کے اوقات کا مطلب ہے کہ کسی کے پاس بہت سے ممکنہ آپشنز ہیں جن کا وہ تعاقب کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالدار اکثر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نافرمانی کرتے ہیں، کیونکہ ان کی ان چیزوں پر زیادہ دسترس ہوتی ہے جو اللہ کو ناپسند کرتی ہیں، جیسے کہ منشیات اور شراب۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر عمل کرنا چاہیے، جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ مومن کو آسانی اور مشکلات دونوں وقتوں میں برکت اور کامیابی حاصل ہوگی، کیونکہ وہ ہر حال کا صحیح جواب دے گا۔ آسانی کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے، اس نعمت کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہے۔ مشکلات کے وقت وہ صبر و تحمل سے کام لیں گے، زبانی یا جسمانی طور پر شکایت کرنے سے گریز کریں گے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھیں گے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ صرف لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، خواہ اس کے احکام کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہوں۔ .

باب 2 البقرہ، آیت 50:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا۔ ’’

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کردہ بہت سے معجزات میں سے ایک نشان تھا جو بنی اسرائیل کو دکھائے گئے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے یہ دکھایا گیا تھا۔ ان کے لیے سمندر کو الگ کر دیا گیا تاکہ وہ فرعون اور اس کے لشکر سے محفوظ رہ سکیں۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کے بہت سے معجزات عطا کیے گئے تھے، جیسے چاند کا پھٹ جانا، جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 7078 کی ایک حدیث میں آیا ہے، یہ سب معجزات ہیں۔ وقت کے پابند تھے اور صرف حاضرین ہی ان کی گواہی دے سکتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا، وہ قرآن پاک تھا۔ اس لیے قرآن پاک کا مطالعہ اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ ان بے شمار معجزات کی تعریف کر سکے جو اس میں موجود ہیں، جیسے کہ تجریدی چیزوں کو عملی تصورات میں بدلنے کی صلاحیت جس پر کوئی بھی شخص کسی بھی وقت

اور جگہ پر عمل کر سکتا ہے۔ جتنا کوئی ایسا کرے گا، اُن کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی ان کے لیے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا آسان ہو جائے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 50:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔‘‘

یہ واقعہ بنی اسرائیل اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے ایک سبق اور تنبیہ تھا۔ یہ واضح طور پر اشارہ کرتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں، وہ آسانی کے وقت، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرتے ہیں۔ مشکلات، صبر کو اپنانے سے، جس میں اپنے قول و فعل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ دیا، چاہے اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

جبکہ اللہ کی نافرمانی پر قائم رہنے والا فرعون اور اس کے لشکر کی طرح اللہ تعالیٰ کو دونوں جہانوں میں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، خواہ اس دنیا میں عذاب ان پر ظاہر نہ ہو یا اس کا امکان نہ ہو۔ اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چیز نہ بچا سکی ۔ لہٰذا، کسی کو ظاہری حالات سے کبھی بے وقوف نہیں بننا چاہیے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی روایت پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، جس میں اس کی اطاعت کرنے والوں کو بچانا اور اس کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینا شامل ہے۔ اہل کتاب اس سبق کو یاد رکھنے میں ناکام رہے اور اس کے نتیجے میں ان میں سے بہت سے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اسلام کی حقانیت کے قائل ہونے کے باوجود انکار کر دیا۔ اہل کتاب یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ فرعون کی طاقت اور اثر و رسوخ کے باوجود وہ تباہ ہو گیا جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو للکارا اور اگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو للکار کر ان کے نقش قدم پر چلیں۔ ان کو بھی سزا دی جائے گی۔ ایک مسلمان کو اسلام کی مخالفت کا یہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ زبانی طور پر اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے سامنے اسلام کو غلط طریقے سے پیش کرے گا اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ ان کی وجہ سے اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے باز آ سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 50:

”اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔“

عام طور پر، کسی کو مشاہدہ کرنا سیکھنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ دوسروں کے رویے اور ان کے طرز عمل کے نتائج کا مشاہدہ کریں تاکہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اپنے عزم کو مضبوط کیا جائے، یہ جانتے ہوئے کہ ذہنی سکون اور کامیابی صرف اسی میں ہے۔ کسی کو خودغرض اور

خودغرض رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ دوسروں کو دیکھنے اور ان کے طرز عمل سے سبق سیکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دوسروں کا مشاہدہ بھی صبر اور شکر گزاری کو اپنانے کی ترغیب دے گا جب وہ دیکھے کہ دوسروں کو ان سے زیادہ سخت مشکلات کا سامنا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 51-52

وَإِذْ وَٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿٥١﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے” کو بنا لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

“پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا شاید تم شکر گزار بنو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجی گفتگو کا اہتمام کیا تاکہ ان کو اور ان کی قوم کے لیے مزید علم اور رہنمائی فراہم کی جا سکے۔ یہ حقیقت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس الٰہی ملاقات کے لیے چالیس دن تک تیاری کرنی تھی، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ اپنے رویے اور طرز عمل میں بتدریج بہتری لانا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی سے راتوں رات ولی بننے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ وہ اس کے اور لوگوں کے ساتھ قدم بہ قدم اپنے طرز عمل کو بہتر بنائیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 51:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا تھا۔’’

یہ ایک اہم وجہ تھی جس کی وجہ سے قرآن پاک ایک بار کے بجائے مرحلہ وار نازل ہوا۔ باب 25 الفرقان، آیت 32:

"اس طرح ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کریں۔ اور ہم نے اسے الگ الگ کر دیا ہے۔’’

اللہ تعالیٰ نے پھر ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں سے کتنے سونے کے بچھڑے کی پرستش کرنے لگے جسے ان میں سے ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تیار کیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 51:

’’اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر آپ نے اس کے بعد بچھڑے کو [اس کے جانے کے لیے] لیا..."

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرنے سے گریز کریں، ان کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے اب وہ اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ اس کے بجائے اس کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جو صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اسلام کا ایک پہلو ہے ، ہدایت کے دو ذرائع کو سیکھ کر اس پر عمل کر کے :قرآن پاک اور اس کی روایات۔

باب 2 البقرہ، آیت 51:

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر آپ نے اس کے بعد بچھڑے’’ "...کو]اس کے جانے کے لیے [لیا

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ وہ پوری طرح سمجھ گئے تھے کہ سنہری بچھڑا ایک بے جان چیز سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک انسان نے تیار کیا تھا۔ اس میں کوئی خدائی صفات نہیں تھیں، درحقیقت اس میں کوئی قابل تعریف صفت نہیں تھی، پھر بھی انہوں نے اس کی عبادت شروع کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ جھوٹے دیوتا کا ہر پرستار، خواہ وہ دیوتا کوئی بت ہو، کوئی تصور ہو یا کوئی اور چیز، جیسے سوشل میڈیا، فیشن یا کلچر، صرف اتنا ہی کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی بجائے اعلیٰ درجے کی زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے۔ ضابطہ اخلاق جو انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے اور محدود کرنا سکھاتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ ایک جھوٹا دیوتا، جیسا کہ ایک بت، یا تو اپنے پرستاروں کو کوئی ضابطہ اخلاق فراہم نہیں کرے گا اور اس طرح وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے والا اپنا بناوٹ بنانے کی اجازت دے گا ۔ یا سوشل میڈیا جیسے جھوٹے دیوتا کو اس طرح بنایا گیا ہے جو لوگوں کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ کسی بھی طرح سے، کوئی اپنی خواہشات کے سوا کسی چیز کی عبادت نہیں کر رہا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ سنہری بچھڑا کسی قسم کی پابندیوں سے پاک طرز زندگی کی نمائندگی کرتا

تھا اور انہیں بغیر کسی سوال یا پابندی کے اپنی خواہشات کی تکمیل پر مبنی زندگی گزارنے کی اجازت دیتا تھا۔ اس حقیقت کی طرف باب 7 الاعراف آیت 148 میں ہے:

اور موسیٰ کی قوم نے]ان کے جانے کے بعد [اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا - ایک ایسی تصویر" جس کی آواز نیچی تھی۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں کوئی راستہ دکھا سکتا ہے؟ انہوں نے اسے]عبادت کے لیے [لیا اور وہ ظالم تھے۔

وہ واضح طور پر سمجھ گئے تھے کہ یہ اعلیٰ ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے نہ بول سکتا ہے اور نہ ہی ان کی رہنمائی کر سکتا ہے جس نے ان کی خواہشات کو محدود کر رکھا ہے لیکن وہ بالکل وہی چاہتے تھے۔ وہ اپنا ضابطہ اخلاق بنانا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی خواہشات پوری کر سکتے تھے۔ اسی بٹے ہوئے رویے نے انہیں ظالم بنا دیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 51:

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے" کو]عبادت کے لیے [لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

وہ ظالم بھی تھے کیونکہ انہوں نے حال ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے ہوئے بہت سے معجزات اور فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی کو جسمانی طور پر دیکھا تھا۔ ان تمام واقعات اور نشانیوں سے ان کے ایمان کو مضبوط ہونا چاہیے تھا اور اس لیے ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی طرف تھی، پھر بھی انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی خواہشات کی پرستش کی۔

مسلمانوں کو اس گمراہ کن رویہ سے بچنا چاہیے جس کے تحت وہ زبانی طور پر اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی خواہشات کے سوا کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی عطا کردہ نعمتوں کو خوشی اور جان بوجھ کر اپنے، دوسرے لوگوں، سوشل میڈیا، ثقافت اور فیشن کے لیے استعمال کرتا ہے، بجائے اس کے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرے، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ یہی فرق ہے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے اور اپنی خواہشات کی عبادت میں۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟’’

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس رویے سے بچنا چاہیے تاکہ ان کے ایمان کو تقویت ملے۔ مضبوط ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے نیک نیت، خلوص نیت سے اس کی اطاعت کرنے کی ترغیب دے گی۔

بنی اسرائیل کے رویے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 52:

"پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا شاید تم شکر گزار بنو۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت اور بخشش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کسی کو اپنے گناہوں کے باوجود اس کی معافی میں کبھی امید نہیں ہارنی چاہیے۔ لیکن جیسا کہ آیت 52 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، کسی کو خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے، جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت اور بخشش انہیں عطا کی جائے

گی۔ اس کے بجائے، انہیں سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے، جس میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، انہیں سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ ایسا یا اس سے ملتا جلتا ارتکاب کرنے سے گریز کریں گے۔ دوبارہ گناہ کریں اور ان حقوق کی تلافی کریں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے رہیں جو انہیں اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ اعلیٰ ان سب میں سچی توبہ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا شامل ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 51-52:

’’اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو بنا لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔ پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا شاید تم شکر گزار بنو۔‘‘

آخر میں، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو یہ یاد دلایا کہ کس طرح اس نے ان کے آباؤ اجداد کو شرک کرنے کے بعد معاف کر دیا، ان ہی آباؤ اجداد کے بارے میں جو مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب فخر کیا کرتے تھے اور کمال کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چنانچہ اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کی بخشش کی رحمت کی یاد دلائی گئی، اور اس لیے ان کو ترغیب دی گئی کہ وہ اسلام سے انکار کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کے ضرر رساں رویہ پر صدق دل سے توبہ کریں اور صدق دل سے قبول کریں۔ اسلام، یہ جانتے ہوئے کہ یہ حقیقت ہے جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی طرف اس دعوت کے باوجود اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ اسلام سے انکار پر ڈٹے رہے کیونکہ اپنی تمام دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کی محبت کہ اسلام اعتدال پسندی ان پر غالب آگیا تھا جس طرح یہ محبت ان پر غالب آگئی تھی۔ آباؤ اجداد اور انہیں ایک بے جان چیز کی عبادت کرنے کی ترغیب دی۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ اسی طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان میں سے شمار ہوں گے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 51:

’’ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ]حقیقت میں [ایک دوسرے کے اتحادی ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی ان کا ساتھی ہو تو یقیناً وہ ان میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 53

وَإِذْ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار دی کہ شاید تم ہدایت پاؤ۔’’

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس عظیم احسان کی کتاب یاد دلائی جو اس نے ان کے آباء و اجداد پر کی تھی اور ان کے لیے بھی تورات کی صورت میں۔ اس صحیفے میں وہ قوانین اور ضابطے شامل تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ قوانین انصاف کو یقینی بنائیں گے اور جب ان پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے گا تو معاشرے میں امن پھیلے گا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہمیشہ متعصب ہوں گے اور لوگوں کے ایک گروہ کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں جب کہ خدائی قانون اس سے اور دیگر تمام ممکنہ خرابیوں سے پاک ہے جو معاشرے کو انصاف اور امن کے حصول سے روکتے ہیں۔ صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے اور ان معاشروں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے خدائی قانون کو صحیح طریقے سے نافذ کیا اور اس کے نتیجے میں انہیں جو امن اور انصاف حاصل ہوا۔ باب 2 البقرہ، آیت 53:

"...اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار عطا کیا تھا"

تورات ایک کلیہ معنی بھی تھی، جب کوئی شخص اس کی تعلیمات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے، تو اسے یہ تمیز کرنے کی صلاحیت دی جاتی ہے کہ اس کے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان حقیقی کامیابی اور ناکامی اور امن کی راہ اور پریشانی کے راستے کے درمیان۔ دونوں جہانوں میں

جب دونوں عناصر کو یکجا کر دیا جائے، یعنی قانون کا صحیح اطلاق کیا جائے اور تورات کی تعلیمات کو استعمال کرتے ہوئے امن کی زندگی اور مصائب کی زندگی میں فرق کیا جائے تو صحیح رہنمائی حاصل ہو گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 53:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار دی کہ شاید تم ہدایت پاؤ۔’’

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے والے کتاب کے لوگوں کو تورات کی صحیح اور غیر تبدیل شدہ تعلیمات پر عمل کرنے کی اہمیت یاد دلائی جو ان کے پاس اب بھی ہے۔ اس میں اسلام کی حقانیت کو پہچاننا اور قبول کرنا شامل تھا جب وہ اس کا سامنا کرتے تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

لیکن اہل کتاب کی اکثریت نے اسلام سے انکار کیا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کی محبت میں تورات کی غیر متغیر تعلیمات کو برقرار رکھنے میں ناکام رہے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کے قانون کے مطابق زندگی گزارنا اور معیار کو حاصل کرنا ہی ان کی رہنمائی کرے گا کہ وہ اس نعمت کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھی۔ لیکن جب اس نے ان کی خواہشات کو چیلنج کیا تو انہوں نے قانون کو تبدیل کر دیا اور معیار کو حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔

مسلمانوں کو قرآن کریم کے قوانین و ضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اس کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہونے والے معیار کو حاصل کرنے میں ناکام ہو کر اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور فرق" "...کی کھلی دلیلیں

اگر کوئی معاشرہ قرآن کریم کے احکام و ضوابط کو نظر انداز کرے گا تو اس میں ناانصافی پھیل جائے گی، کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تعصب سے پاک ہے اور اسے اس بات کا پورا علم ہے کہ معاشرے کے لیے کیا بہتر ہے۔ اگر کوئی مسلمان قرآن پاک کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ معیار حاصل نہیں کر سکے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اچھے برے کی تمیز نہیں کر سکے گا، ناکامی سے کامیابی اور پریشانی کے راستے سے امن کا راستہ تلاش نہیں کر سکے گا۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنی خواہشات، دوسروں کی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کی بنیاد پر انتخاب کریں گے جو انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں تاریک زندگی کا باعث بنے گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جب کہ جو معاشرہ قرآن کریم کے قوانین و ضوابط پر عمل کرے گا وہ امن و انصاف حاصل کرے گا جس سے تمام لوگوں کے حقوق پورے ہوں گے اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنے والی تمام گمراہ کن سماجی رکاوٹیں دور ہوں گی۔ اور جو قرآن پاک کو سیکھے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ اچھے اور برے، امن اور کامیابی میں تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل کرے گا تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی راہنمائی کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 53:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار دی کہ شاید تم ہدایت پاؤ۔’’

اس سے دماغ اور جسم دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 53:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار دی کہ شاید تم ہدایت پاؤ۔’’

عام طور پر یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ دنیاوی علم اس دنیا میں کسی کی صحیح رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگرچہ کچھ دنیوی علم مفید ہے کیونکہ اس سے اپنے حلال رزق کو صحیح طریقے سے حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، لیکن کوئی بھی کم نہیں، کوئی بھی اپنے دنیاوی علم کو اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں، جیسے کہ اس کی ذاتی، سماجی اور خاندانی زندگی کے پہلوؤں پر لاگو نہیں کر سکتا اور حق حاصل کر سکتا ہے۔ رہنمائی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کے پاس کتنا ہی دنیوی علم ہو، یہ انہیں ان قوانین اور ضوابط کا اندازہ لگانے کی صلاحیت نہیں دے گا جن کے مطابق معاشرے کو زندگی گزارنی چاہیے، کیونکہ ان کی رائے اور انتخاب ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے تعصب سے متاثر ہوتے ہیں اور معاشرے کی مکمل سمجھ کی کمی کی وجہ سے۔ اور انسانی فطرت، وہ بہترین اصول و ضوابط کا انتخاب نہیں کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ، کسی کا دنیاوی علم انہیں وہ معیار نہیں

دے گا جو انہیں حقیقی کامیابی اور ناکامی اور کشیدگی کے راستے سے امن کے راستے میں فرق کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صرف وہی جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ، جو بلند و بالا اور لوگوں کے روحانی قلب پر قابو رکھتا ہے، سکون قلب کا گھر ہے، اس علم سے واقف ہے اور اس لیے اسے قرآن مجید اور روایات کے ذریعے اس سے طلب کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس کے علاوہ آیت نمبر 53 یہ بھی واضح کرتی ہے کہ قرآن پاک میں پائے جانے والے علم الٰہی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کیے بغیر صحیح رہنمائی کا حصول ممکن نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام اعمال اور رسم و رواج سے اجتناب کریں جن کی جڑیں ہدایت کے ان دو ذرائع میں نہیں ہیں، چاہے وہ نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ کوئی دوسری چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیاں سمجھی جائیں، اتنا ہی کم سیکھے گا اور ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کرے گا۔ اور جیسا کہ آیت 53 میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہدایت پر نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو ماخذ ہدایت میں نہ ہوں وہ مردود ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 53:

"اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معیار دی کہ شاید تم ہدایت پاؤ۔"

یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ صحیح رہنمائی صرف علم الٰہی سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ درست رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ اس کی تائید اعمال سے نہ ہو۔ جس طرح نقشہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہے جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے، اسی طرح نہ ہی قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایات کے اندر موجود الہامی علم موجود ہے، جیسا کہ ہدایت واضح طور پر ایک عملی سفر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ عقیدہ کا زبانی اعلان

باب 2 - البقرہ، آیت 54

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ ٱلْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ
بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ
٥٤

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں”
بنانے اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمہارے بنانے والے کے سامنے توبہ کرو پر ظلم کیا، تو اپنے
کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے - "پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہ توبہ والے
‘‘قبول کرنے والا مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا اس سے خلوص کا اندازہ ہو سکتا ہے حالانکہ انہوں نے سونے کے بچھڑے کو عبادت کے طور پر لے کر ان کی نافرمانی کی تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 54:

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔‘‘

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اس قسم کے اخلاص کو دوسروں کے ساتھ اپنانا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ انہیں درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے ۔

باب 2 البقرہ، آیت 54:

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔‘‘

بنی اسرائیل نے بخوبی پہچان لیا کہ سونے کا جو بچھڑا ان کی آنکھوں کے سامنے کسی انسان نے تیار کیا ہے وہ عبادت کے لائق نہیں۔ یہ وہی ہے جس کی نمائندگی سنہری بچھڑے نے کی جس نے انہیں اس کی پرستش کرنے پر آمادہ کیا۔ سنہری بچھڑا ایک بے جان چیز ہونے کے ناطے انہیں زندگی گزارنے کے لیے کوئی اعلیٰ ضابطہ اخلاق نہیں دے سکتا تھا جس کے ذریعے انہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس سے وہ اپنا ضابطہ اخلاق تیار کر سکیں

گے، جو اس لیے بنایا گیا تھا کہ وہ معاشرے کی نظروں میں انتہائی مذہبی نظر آتے ہوئے اپنی تمام دنیاوی خواہشات کو پورا کر سکیں۔ یہ حقیقت ہر جھوٹے دیوتا پر لاگو ہوتی ہے، چاہے وہ بت ہو سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت یا معاشرہ۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ جانور کی طرح صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے۔ باب 45 الف؛ جثیہ، آیت 23:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ "

یہی رویہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے غیر مسلم مسلسل اور غیر تعمیری طور پر اسلام پر تنقید کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کو ایک اعلیٰ ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے جو ان کی خواہشات کو اعتدال میں لانے کی ہدایت دیتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کیسے کریں جو انہیں دی گئی ہیں تاکہ وہ حاصل کریں۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی۔ لیکن چونکہ یہ لوگ باقی معاشرے کے سامنے جانوروں کی طرح نظر آنے کے بغیر جانوروں کی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ اسلام پر بے دریغ تنقید کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی عبادت کرنے سے گریز کریں اور قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے میں ناکام رہیں۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اپنی دنیاوی خواہشات پر قابو رکھنا اور جو نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنا دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے بیمار مریض کی خواہشات کو اعتدال اور کڑوی دوائیوں اور سخت ڈائٹ پلان لکھ کر کنٹرول کرتا ہے، اسلام بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرتا ہے اسے ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی قلب کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، اور اسی لیے وہ چنتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون دیا جائے اور کون ذہنی مسائل کا شکار ہو۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

"اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا ہے اور روتا ہے۔ "

جو لوگ اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں وہ تفریح اور تفریح کے لمحات سے لطف اندوز ہوں گے لیکن مجموعی طور پر وہ بلاشبہ ایک دکھی زندگی گزاریں گے۔ جو چیزیں انہوں نے حاصل کی ہیں وہ ان کے تناؤ، اضطراب اور افسردگی کا باعث بنیں گی۔ جب کوئی اس دنیا کی مشہور شخصیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہوتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 23 المؤمنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

انسان کو ان سادہ تعلیمات اور اس دنیا کے لوگوں پر غور کرنا چاہیے جنہوں نے اسلام کی تعلیمات اور ان کے انتخاب کے نتائج کو نظر انداز کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں میں کامیابی حاصل کریں۔ دنیا باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 54:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں'' پر ظلم کیا ہے۔''

یہ آیت بھی لوگوں کو متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی صرف اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ ہر شخص کو دونوں جہانوں میں اس کی نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہی ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنتی

ہیں اور جو کچھ آخرت میں آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ تباہ کن ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں، خواہ ان کے قدموں میں دنیا ہی کیوں نہ ہو اور تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے علاوہ جب کوئی دوسرے لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کو دنیا میں تناؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قیامت کے دن وہ مجبور ہو جائیں گے کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے حوالے کر دیں اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے شکار کے گناہ لے لیں۔ جب تک انصاف قائم نہیں ہوتا۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا جب کوئی دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 15:

"جو کوئی نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 54:

"اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اپنے بنانے والے کے سامنے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمہارے بنانے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے - "پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔"

اپنے آپ کو قتل کرنے سے مراد ان لوگوں کو پھانسی دینا ہے جو سونے کے بچھڑے کی پوجا کرنے کے مجرم تھے۔ مسلمانوں کو یہ یاد دلانے کے لیے اس طرح کہا گیا کہ وہ ایک اکائی اور خاندان ہیں خواہ وہ مختلف ممالک سے آئے، مختلف زبانیں بولتے ہیں اور بہت مختلف زندگی گزارتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کریں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ سلوک کریں۔ کسی کو دوسروں کے

لیے بھی اسی طرح خیر کی خواہش کرنی چاہیے جس طرح وہ اپنے لیے چاہتے ہیں۔ یہ صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔

اگرچہ بنی اسرائیل میں سے کچھ سونے کے بچھڑے کی پرستش کرتے تھے لیکن وہ سب مشکل میں پڑ گئے۔ سونے کے بچھڑے کی پوجا نہ کرنے والوں پر سزائے موت دینے کا الزام عائد کیا گیا۔ اس سے معاشرے میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے، کیونکہ معاشرے کا ہر فرد بالواسطہ یا بالواسطہ طور پر عام لوگوں کے اعمال سے متاثر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں فرمائی ہے۔ آپ نے مشورہ دیا کہ اس حقیقت کو دو درجوں والی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ نچلی سطح پر رہنے والے چاہتے ہیں کہ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان نہ کریں اس لیے وہ پانی تک براہ راست رسائی حاصل کرنے کے لیے کشتی میں سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب ڈوب جائیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنے اور برائی سے متنبہ کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تب ہی وہ دونوں جہانوں میں معاشرے کے منفی نتائج سے محفوظ رہ سکیں گے۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

’’اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ رب اور شاید وہ اس سے ڈریں۔"

باب 2 البقرہ، آیت 54:

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اپنے بنانے والے کے سامنے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمہارے بنانے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے ۔ "پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔‘‘

یہ سزا بھلے ہی سخت معلوم ہو لیکن یہ ان کے لیے موزوں تھی کیونکہ انہوں نے حال ہی میں ایسے واضح اور واضح معجزات دیکھے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے تھے، جیسے کہ ان کی لاٹھی کا ایک بہت بڑا سانپ بن جانا، اور انہوں نے حال ہی میں دیکھا تھا۔ ایک معجزاتی واقعہ میں فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ چونکہ وہ جسمانی طور پر ان واقعات کا مشاہدہ کرچکے ہیں اس لیے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں پڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ دو :شرک۔ انہیں ان معجزات کے ذریعے پختہ ایمان اختیار کرنا چاہیے تھا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی رضا کے لیے عطا کی گئی ہیں۔ مسلمانوں کو اس رویہ سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ قرآن کریم کے عظیم ترین اور لازوال معجزات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ان کو عطا کی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے سے ان کا ایمان مضبوط ہو گا اور اس کے نتیجے میں انہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی ترغیب ملے گی۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 54:

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، تم نے بچھڑے کو بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اپنے بنانے والے کے سامنے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمہارے بنانے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے ۔ "پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔‘‘

یہ سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین فیصلہ تھی، کیونکہ سزائے موت پانے والوں کو اللہ تعالیٰ کی بخشش حاصل ہو جائے گی اور جو لوگ باقی رہیں گے وہ اس طرز عمل کو دہرانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی سختی سے باز رہیں گے۔ ، دوسرے معاملات میں۔ اس سے دونوں جہانوں میں شامل ہر فرد کے لیے فائدہ ہوگا۔ یہ انسان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہے، چاہے وہ مشکلات کا سامنا کرے۔ انہیں اللہ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اس کا انتخاب کرتا ہے جو اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہتر ہو، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے کی حکمتیں ان پر واضح نہ ہوں۔ اپنے عقیدے کو مضبوط کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کی اطاعت سے باز نہ آئیں خواہ ان کا سامنا کچھ بھی ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ کو ان کا بنانے والا کہا گیا کیونکہ یہ ایک طاقتور یاد دہانی تھی کہ انہیں اپنے بنانے والے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنی چاہیے تھی بجائے اس کے کہ ان میں سے کسی نے بنائی ہو۔ کوئی اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر اسے اپنا دیوتا کیسے قرار دے سکتا ہے؟ یہاں تک کہ اگر دیوتا کی روح بت میں داخل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دیوتا اسے جسم بنانے کے لیے لوگوں پر منحصر ہے۔ ایک حقیقی دیوتا کسی اور پر منحصر نہیں ہے اور حقیقت میں باقی سب اس پر منحصر ہیں۔

بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے اور سونے کے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ عام طور پر، سچے دل سے توبہ کرنے میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اللہ تعالیٰ، اور کسی اور سے جس پر ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، انہیں دوبارہ وہی یا اس سے ملتے جلتے گناہ کرنے سے بچنے کا مخلصانہ وعدہ کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 54:

‘‘بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔’’

مدینہ منورہ میں رہنے والے اہل کتاب کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ضرر رساں رویے کے باوجود، اگرچہ انہوں نے آپ کی حقانیت کو واضح طور پر پہچان لیا، جس کا ذکر ان کے آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب بخشنے والا ہے تاکہ انہیں اس سے مخلصانہ توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ تاہم ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اس کے بجائے اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت جاری رکھی۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ صرف اس لیے کہ کسی کو اس کے گناہوں کی فوری سزا نہیں دی جاتی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے بالکل بھی سزا نہیں دی جائے گی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اس سے پہلے کہ یہ مواقع ختم ہو جائیں اور انہیں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 42:

"اور یہ ہرگز نہ سمجھو کہ اللہ ظالموں کے اعمال سے بے خبر ہے۔ وہ انہیں صرف ایک دن کے لیے مؤخر کرتا ہے جب آنکھیں گھور رہی ہوں گی۔’’

باب 2 - البقرہ، آیات 55-56

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾

ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تم پر ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ ہم اللہ ’’ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔ تو گرج نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جب آپ دیکھ رہے تھے۔

"پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کیا شاید تم شکر گزار بنو۔

یہ آیات اس فخر کی عکاسی کرتی ہیں جو بنی اسرائیل میں سے بعض کے پاس تھا۔ جب وہ لوگوں کو حقیر سمجھتے تھے کہ وہ بہتر ہیں تو انہوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست بات کرنے اور اس کا پیغام پہنچانے کا اعزاز کیوں دیا گیا؟ اگر وہ اس کی اعلیٰ حیثیت کو تسلیم کرتے تو وہ ایسا بے عزتی کا مطالبہ نہ کرتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 55:

’’اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم اس وقت تک تم پر یقین نہیں کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔

غرور سے ہر حال میں بچنا چاہیے کیونکہ ایک ایٹم کی قیمت ہی کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر دیکھتا ہے کہ وہ برتر ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے مرتبے سے واقف نہیں ہیں۔ وہ اپنے احمقانہ عقیدے کی بنیاد دنیاوی معیارات، جیسے دولت اور سماجی حیثیت پر رکھتے ہیں۔ کسی کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ حقیقی برتری اس بات میں مضمر ہے کہ انسان کتنی خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر درود ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ ایک شخص کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آیا وہ یا کوئی اور مسلمان کی حیثیت سے مرے گا، اس لیے اسے یہ ماننے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، خواہ وہ کسی بھی اچھے کام کو انجام دیں۔ آخر میں، کسی کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے اور ہر نیک عمل جو وہ انجام دیتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے، کیونکہ وہ

ہی کسی کو نیک عمل کرنے یا حاصل کرنے کا موقع، توانائی، تحریک، علم اور صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ ایک دنیاوی نعمت.

تکبر بھی انسان کو حق کو مسترد کرنے کا سبب بنتا ہے جب اسے ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ بنی اسرائیل نے جسمانی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزات دیکھے اور فرعون اور اس کے لشکر کی معجزانہ تباہی کا مشاہدہ کیا پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ضابطہ اخلاق ان کی خواہشات کے برعکس لایا۔ اسے اور اسے مسترد کرنے کے لیے بہانے بنانے کی کوشش کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 55:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم اس وقت تک تم پر یقین نہیں کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔ ’’

مسلمانوں کو اس رویہ سے بچنا چاہیے اور ہر حال میں خلوص نیت سے ان کی اطاعت کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور محبت کے اپنے زبانی دعوے کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 4 النساء آیت 80:

’’جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

بنی اسرائیل کے تکبر اور نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں بارہا موقع دیا کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ باب 2 البقرہ، آیات 55-56:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم اس وقت تک تم پر یقین نہیں کریں گے جب تک کہ’’ ہم اللہ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔ تو گرج نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جب آپ دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم "نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کیا شاید تم شکر گزار بنو۔

کسی کو ان حقائق سے کبھی دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی فوراً آتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو" ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کر لیں اور ان کا وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی اصلاح کر لیں۔ سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے باز رہے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ پھر انہیں چاہیے کہ وہ ہر حال میں صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں ۔ انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نیک اعمال انجام دیں، اور اس لیے لوگوں سے شکر گزاری کی امید نہ رکھیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی تقریر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اچھا بول کر یا خاموش رہ کر اور آخر میں انہیں ان نعمتوں کا استعمال کرنا چاہیے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم جس نے ایسا سلوک کیا اس نے توبہ کو شکر کے ساتھ ملایا۔ باب 2 البقرہ، آیات 55-56:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم اس وقت تک تم پر یقین نہیں کریں گے جب تک کہ’’ ہم اللہ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔ تو گرج نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جب آپ دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم "نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کیا شاید تم شکر گزار بنو۔

:یہ دونوں جہانوں میں مزید برکتوں کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں" "گا۔

:اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ ان گنت مواقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہنے والا انسانوں کو اپنی اصلاح کے لیے وسعت دیتا ہے تو اس کی نافرمانی سے حاصل ہونے والی دنیاوی چیزیں ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں، خواہ ان کے پاس لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ تفریح اور تفریح کا۔ باب 23 :المومنون، آیات 55-56

کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے" اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔''

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

مجموعی طور پر، وہ اس دنیا میں ایک دکھی اور افسردہ زندگی گزاریں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ صرف بدتر ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 57

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا
ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی’’
ہیں ان میں سے کھاؤ۔ ‘‘اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو ان بے شمار نعمتوں کی یاد دلاتا رہتا ہے جو اس نے ان کے آباؤ اجداد کو عطا کی تھیں اور ان پر وسعت کے ذریعے۔ جب بنی اسرائیل صحرا میں تھے تو فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مستقل سایہ اور رزق مہیا کیا جو انہیں کم سے کم محنت سے ملتا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 57:

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا، "کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو " "ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

سورج کی تپش سے مسلسل سایہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نمائندگی کرتا ہے جو اس زمین کے لوگوں پر ہمیشہ سایہ کرتا رہتا ہے۔ وہ رحمت جو انہیں نقصان دہ چیزوں سے بچاتی ہے، خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو، اور یہ دونوں جہانوں میں انہیں ذہنی سکون کی طرف لے جاتی ہے۔ اور جو رزق وہ مخلوق کو فراہم کرتا ہے اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی ضرورت اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ یہ دو مخصوص نعمتیں اس وجہ کے لیے کافی ہیں کہ انسان ہر وقت صدق دل سے اس کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ شکر گزاری میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنی نیت کو درست کرے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کام کریں، اور اس لیے لوگوں سے کسی انعام یا شکرگزاری کی خواہش نہ کریں۔ اس میں اچھا بولنا یا خاموش رہنا بھی شامل ہے۔ یہ سب دونوں جہانوں میں مزید برکتوں اور اجروں کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں" "گا۔

اور یہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بھی بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن اگر کوئی شکر ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کے بدلے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہیں، تو وہ صرف اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، کیونکہ ان کے اعمال کے نتائج ان پر دونوں جہانوں میں نازل ہوں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 57:

’’اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ ‘‘اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے تناؤ اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے چند لمحات حاصل کر لیں۔ باب 23 المومنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔‘‘

:اور باب 9 توبہ آیت 82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:اور باب 20 طہ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 57

"کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ "...

عام طور پر، یہ آیت لوگوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو صرف وہی مشورہ دیتا ہے جو دونوں جہانوں میں ان کے لیے بہتر ہے۔ اس نے صرف ان چیزوں کو حرام کیا ہے جو انسان کے

لیے اس کی ذہنی، جسمانی اور روحانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ مثال کے طور پر، شراب پینے کے بہت سے منفی نتائج کو سمجھنے کے لیے کسی کو ڈاکٹر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کم یا زیادہ مقدار میں پینے سے نہ صرف ذہنی اور جسمانی مسائل پیدا ہوتے ہیں بلکہ بہت سے سماجی مسائل بھی جنم لیتے ہیں جو اکثر پرتشدد جرائم کا باعث بنتے ہیں۔ باب 7 الاعراف، آیت 157:

"وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ جو نیکی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور طوق سے جو ان پر پڑی تھیں ان کو دور کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر عمل کرتے ہیں، وہ کمزور ذہنی، جسمانی اور روحانی صحت کے بوجھ اور طوق سے آزاد ہوں گے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون کی زندگی گزار سکیں۔

جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی ممانعت کردہ نقصان دہ چیزوں میں مشغول رہتے ہیں وہ بے شمار جسمانی، ذہنی اور روحانی پریشانیوں سے دوچار ہوں گے اور اس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں بدحالی کی زندگی گزاریں گے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 57:

کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ ‘‘اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ’’ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

جس طرح عقلمند اپنے طبیب کو سنتا اور مانتا ہے، جو کڑوی دوا اور سخت غذا تجویز کرتا ہے، جیسا کہ اس سے دماغی اور جسمانی صحت اچھی ہوتی ہے، اسی طرح ایک عقلمند شخص اللہ تعالیٰ کی

ہدایات کو سنتا اور مانتا ہے، جو سب کچھ جانتا ہے۔ دونوں جہانوں میں اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرنے کے لیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ، روحانی قلب، سکون قلب کا گھر، کنٹرول کرتا ہے، اس لیے یہ بات ناقابل فہم ہے کہ انسان اس کی نافرمانی کرتے ہوئے ذہنی سکون حاصل کر سکتا ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اس کے علاوہ، اچھی چیزوں میں سے کھانا، جس کا آیت 57 میں ذکر کیا گیا ہے، اس میں صرف حلال چیزوں کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کا حصول اور استعمال ہے، جب کہ اسلام کی اندرونی بنیاد نیت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں فاسد ہیں تو اس کے تمام اعمال فاسد ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل قبول ہو جائیں گے۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 57:

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی’’ ہیں ان میں سے کھاؤ۔ ‘‘اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو تنبیہ کی کہ وہ اس کی ناشکری نہ کریں جیسا کہ ان کے آباؤ اجداد نے کیا تھا۔ لیکن زیادہ تر معاملات میں، یہ تنبیہ بہرے کانوں پر پڑی، کیونکہ وہ اسلام کی سچائی کو پہچاننے کے باوجود اس کی مخالفت کرتے رہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو
پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو
جانتے ہیں‘‘۔

مسلمانوں کو اسی طرز عمل سے گریز کرنا چاہئے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے
تاکہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

’’تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی ہے]یعنی قرآن[۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 58-59

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا
حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ
السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ"]آسانی اور [کثرت سے، اور دروازے سے داخل ہو کر عاجزی کے ساتھ داخل ہو اور کہو کہ ہم سے ہمارے بوجھ کو دور کر دو۔ پھر ہم تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور بڑھا دیں گے۔

لیکن جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا تو ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو یہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ کس طرح اس نے ان کے آباؤ اجداد کو بے شمار نعمتوں سے نوازا اور کس طرح ان نعمتوں کی ناشکری کی گئی۔ وہ مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو تنبیہ کر رہے تھے کہ وہ اپنے اسلاف کے طرز عمل سے گریز کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کسی کے اخلاص کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگوں سے انعام یا شکرگزاری کی امید نہیں رکھیں گے۔ لوگوں کی بھلائی کے لیے عمل کرنے والے کو کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کرے جن کے لیے اس نے عمل کیا قیامت کے دن جو ممکن نہیں ہوگا۔ جامع زبان سے شکر ادا کرنا اس وقت ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے جب کوئی اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور اپنے اعمال کے ساتھ شکرگزاری کا اظہار ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس احسان کا ایک پہلو مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہیے تھا کہ جب اسلام ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کی حقانیت کو واضح طور پر تسلیم کر لیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

باب 2 البقرہ، آیت 58:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔’’

فرعون کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اس شہر میں داخل ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مقرر کیا تھا۔ ان آیات میں اس شہر کا نام نہیں لیا گیا ہے کیونکہ یہ معلومات ان اہم اسباق کو سیکھنے کے لیے متعلقہ نہیں ہیں جو یہ آیات سکھاتی ہیں۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ متعلقہ معلومات کی تحقیق اور مطالعہ کرنے کا مقصد رکھنا چاہیے، جو انھیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ کرنے میں مدد فراہم کرے گا، اور ان چیزوں کا مطالعہ اور عمل کرے گا جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ آیت اس فہم کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ اکثر صورتوں میں انسان کو اس کی کوششوں کے مطابق دونوں جہانوں میں برکات ملتی ہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 39:

‘‘اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ ’’

بنی اسرائیل کو اس ظالم قوم کے خلاف جدوجہد کرنے کے بعد آرام کی زندگی کا وعدہ کیا گیا تھا جو اس وقت اس شہر پر حکومت کر رہی تھی۔ اس لیے انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح وہ حقیقی کوشش کے بغیر دنیاوی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کیے بغیر نہ ہی روحانی کامیابی اور دونوں جہانوں کی کامیابی کی صورت میں حاصل کر سکیں گے ۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمان وقت اور توانائی ان چیزوں کے لیے وقف کرتے ہیں جو ان کی تفریح اور خواہشات کو خوش کرتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقت اور توانائی نہیں پاتے ہیں تاکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر سکیں جو انھیں دی گئی ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کم سے کم کوشش کرنے کا انتخاب کرتا ہے، جس میں واجبات کی ادائیگی شامل ہوتی ہے، تو اسے اس کے مطابق اجر ملے گا۔ لیکن اگر وہ دونوں جہانوں میں مزید

برکات کے خواہاں ہیں تو انہیں اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام سست لوگوں کے لیے نہیں ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 58:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔’’

ایلن نے ان کو حکم دیا کہ وہ ظالم قوم سے لڑیں جو اس شہر میں آباد تھی اور اس سے پہلے ان کی فتح کی ضمانت دی تھی۔ لیکن چونکہ وہ قربانیوں کو اپنے ایمان کا تقاضا نہیں کرنا چاہتے تھے اور صرف اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کرتے ہوئے زندگی گزارنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ باب 5 المائدہ، آیات 21-26:

" اے میری قوم، اس مبارک سرزمین]یعنی فلسطین [میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے مختص کی ہے اور)اللہ کی راہ میں لڑنے سے (پیچھے نہ ہٹو اور نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ۔ "انہوں نے کہا: اے موسیٰ، یقیناً اس میں۔ ایک ظالم قوم ہے اور ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دیں۔ لیکن اگر وہ اسے چھوڑ دیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ "ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو ڈرتے تھے جن پر اللہ نے فضل کیا تھا، "ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ، کیونکہ جب تم اس میں داخل ہو گے تو تم غالب ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔" انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی کا اختیار نہیں رکھتا تو ہمیں نافرمان لوگوں سے الگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان پر چالیس سال تک حرام ہے جس میں وہ زمین میں گھومتے پھریں گے پس نافرمان لوگوں پر غم نہ کرو۔

ان کی نافرمانی کے نتیجے میں، انہیں 40 سال تک صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور موقع دیا کہ وہ خلوص دل سے اپنی اطاعت کریں، ان قربانیوں کو

اپنے ایمان کا تقاضا کریں اور اس شہر میں داخل ہو جائیں جو ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح کی ضمانت دی تھی لیکن انہوں نے اس کی نافرمانی کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ان کے بھروسے کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی کمزور ایمان رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور تنبیہات پر بھروسے کی کمی سے بچنے کے لیے مضبوط ایمان کو اپنانا چاہیے۔ یہ صرف علم الہی سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے تاکہ انسان تاریخ میں ان بے شمار مثالوں کو سمجھ سکے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں اور تنبیہات کو پورا کیا۔ پختہ ایمان اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی بھی صورت حال سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور انتباہات پر پختہ یقین رکھتے ہیں، ان کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اس کے علاوہ، کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب وہ کوئی مخصوص کردار ادا کرتے ہیں تو انہیں اس کردار سے منسلک ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیے تاکہ اس کردار کی شرائط کو پورا کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر، لائسنس یافتہ ڈرائیور کو لائسنس یافتہ ڈرائیور ہونے کی شرط کو پورا کرنے کے لیے سڑک کے اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے۔ اسی طرح جو شخص اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کرتا ہے اسے اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس سے منسلک ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے لیے انسان کو اپنی خواہشات کو قربان کرنے اور ان پر قابو پانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ہر حال میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور مقدس روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح ایک شخص جو اپنے پیشے سے وابستہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اپنے آجر کے ساتھ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کرتا ہے پھر بھی اس سے وابستہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ ایمان کا محض زبانی اعلان کافی نہیں ہے۔ اطاعت کے کاموں سے اس کی حمایت کرنی چاہیے، جس میں قربانیاں شامل ہیں۔ اسلام میں بغیر عمل کے الفاظ کا وزن بہت کم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان گنت دوسروں کے درمیان ایک اور موقع دیا کہ وہ اپنی نافرمانی کی غلطی کو درست کر کے اس شہر میں داخل ہو جائیں جو ان کے لیے منتخب کیا گیا تھا اور اس ظالم قوم سے لڑیں جس نے اس پر قبضہ کر رکھا تھا تاکہ وہ فتح حاصل کر سکے۔ انہیں پہلے سے ضمانت دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شہر عطا کیا تاکہ وہ ان کے لیے آسانیاں پیدا کریں تاکہ وہ اس کی فرمانبرداری کی زندگی بسر کر سکیں، جس سے انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے۔ انہیں صرف اتنا کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجز انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہمیشہ آسان ہو گا۔ جب کہ متکبر انسان صرف یہ چاہے گا کہ وہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اپنے لیے خوش کرنے کے لیے استعمال کرے کیونکہ وہ اپنی خواہشات کو کسی دوسرے کے حکم کے تابع کرنا پسند نہیں کرتا۔ عاجزی کا ایک پہلو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور مستقبل میں اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنا ہے۔ عام طور پر، سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے ایک ہی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں کو دوبارہ کرنے سے بچنے کا مخلصانہ وعدہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کریں۔ اگر کوئی توبہ کے ساتھ عاجزی کو جوڑ دے تو وہ ہر حال میں خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں مزید برکات اور اجر حاصل ہوں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 58:

" اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ [کثرت سے، اور دروازے سے داخل ہو کر عاجزی سے داخل ہو اور کہو کہ ہم سے ہمارے بوجھ اتار دو۔ ہم تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور بڑھا دیں گے۔''

اور باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں" "گا۔

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عاجزی اختیار کریں کیونکہ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کے تابع رہیں اور جب بھی وہ گناہ کریں تو ان کی سچی توبہ کی رہنمائی کریں۔ عاجزی اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب کوئی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار پیدا کیا ہے، ان کو بے شمار اور مسلسل نعمتیں عطا کی ہیں حالانکہ وہ ان کے کمانے یا مستحق نہیں تھے، ان کی مسلسل نافرمانی کے باوجود ان کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے اور ان کے لیے بڑے انعام کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ جتنی کم نیکیاں کرتے ہیں، حالانکہ وہ جو نیکیاں کرتے ہیں اس کا ذریعہ کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ، جیسا کہ وہ اکیلا ہی انہیں الہام دیتا ہے، علم، قابلیت، اچھے کام کرنے کا موقع۔ جب کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھے گا اور اس پر عمل کرے گا تو یہ حقائق اس پر ظاہر ہو جائیں گے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے عاجزی کا باعث بنے گا، بعد میں کسی کمزوری کے بغیر عاجزی ہو گی۔ مزید برآں، عاجزی اختیار کرنے والا یہ نہیں سوچے گا کہ کن احکام اور ممانعتوں پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ عاجزی انسان کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے کے سوا کچھ نہیں ہیں، اس لیے انہیں ہر حال میں سننا اور ماننا چاہیے، چاہے ان کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہوں، جیسا کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف حکم دیتا ہے اور منع کرتا ہے۔ ان کے لئے بہترین .جبکہ متکبر شخص یہ انتخاب کرے گا کہ کب خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے اور کب اس کی نافرمانی اپنی خواہشات کے مطابق کرنی ہے۔ پس اگرچہ بظاہر وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرتے ہیں۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟’’

باب 2 البقرہ، آیات 58-59:

" اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ [آسانی اور [کثرت سے ، اور دروازے سے داخل ہو کر عاجزی کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور کہو کہ ہم سے ہمارے بوجھ اتار دو۔ ہم تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور بڑھا دیں گے لیکن ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی۔ ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر دکھایا کہ فتح مکہ کے دن کیسا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے اس قدر جھک چاہیے۔ جب وہ خانہ کعبہ کے قرب میں داخل ہوا تو گیا کہ اس کا چہرہ تقریباً اس کی زین کو چھونے لگا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 397 میں بحث کی گئی ہے۔

جبکہ بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ اس عاجزی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے جس کو اپنانے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ نتیجتاً، ان کے تکبر نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں ان کی مسلسل نافرمانی کی سزا دی۔ کسی کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ تکبر کو اپنانے سے گریز کریں، کیونکہ اس کی ایک ایٹم کی قیمت انہیں جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ تکبر انسان کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ جب حق ان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ان کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے، جس طرح بنی اسرائیل نے اس حق کو جھٹلایا جس کے احکام و ممانعت تھے۔ اللہ عزوجل۔ تکبر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی بھی ترغیب دیتا ہے کہ وہ

ان سے برتر ہیں۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے درجات سے کوئی واقف نہیں اور نہ ہی انہیں یہ معلوم ہے کہ آیا وہ یا دوسرے اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس جو بھی دنیاوی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے پیدا کی گئی ہے۔ لہٰذا کسی دنیوی نعمت پر فخر کرنا جو درحقیقت کسی اور کی ہے محض حماقت ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عاجزی کو اپناتے ہوئے ان منفی خصلتوں سے بچنا چاہیے جو اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 58-59:

"اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ]آسانی اور [کثرت سے، اور دروازے سے داخل ہو کر عاجزی کے ساتھ داخل ہو اور کہو کہ ہم سے ہمارے بوجھ کو دور کر دو۔ ہم تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور بڑھا دیں گے لیکن ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی۔ ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔"

یہ آیت ایمان کے معاملات میں بدعت کرنے سے بھی خبردار کرتی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے، اور دوسری چیزوں سے بچنا چاہیے، خواہ وہ نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ کوئی دوسری چیزوں پر زیادہ عمل کرتا ہے۔ کم وہ ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کریں گے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو منابع ہدایت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اگر بنی اسرائیل اختراعات سے اجتناب کرتے اور اپنی آسمانی تعلیمات پر کاربند رہتے تو انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور برکات حاصل ہوتیں۔

اس کے علاوہ یہ آیات آسانیوں اور دنیاوی نعمتوں کے فتنہ و امتحان سے بھی متنبہ کرتی ہیں۔ بنی اسرائیل کو فتح اور ایک شہر کو فتح کرنے کے ساتھ آزمایا گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان نعمتوں کو استعمال کیا جو اس کی خوشنودی کے لیے انہیں دی گئی تھیں، انہوں نے تکبر کیا اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کیا۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ آسانی کے اوقات اکثر مشکل سے مشکل امتحان ہوتے ہیں، کیونکہ مشکلات کا سامنا کرنے والا اکثر محدود ہوتا ہے اور اس کے پاس راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ جبکہ آسانی کے وقت کا سامنا کرنے والے کے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے آسانی سے نافرمانی کرنے کے وسائل اور مواقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ، جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ مومن کو آسانی کے وقت اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس کو راضی کرنے کے طریقوں سے، اور مشکل کے وقت صبر سے کام لے کر اجر اور برکت حاصل کریں۔ صبر میں اپنے قول و فعل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 59:

’’لیکن ظالموں نے ان باتوں کو بدل دیا جو ان سے کہا گیا تھا، پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔‘‘

غور طلب بات یہ ہے کہ تکبر اختیار کرنے والے اور عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتا، ایسا عذاب آسمان سے آتا ہے۔ یہ اکثر لطیف ہوتا ہے جہاں کوئی شخص اپنے منفی رویہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنی سزا سے جوڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ یہ لطیف سزائیں تناؤ، اضطراب، افسردگی اور نقصان دہ چیزوں کی لت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی نعمتیں حاصل کرتے ہیں، وہ ان کے مصائب کا باعث بن جاتے ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس وہ تمام دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنے عذاب سے جوڑ نہیں سکتے، اس لیے وہ پھر اپنے اردگرد کے لوگوں اور چیزوں جیسے کہ ان کی شریک حیات، بچوں، رشتہ داروں اور

دوستوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ ان رشتوں اور چیزوں کو تباہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں ان کی زندگی میں واحد مہذب چیزیں ہیں۔ اس لیے وہ مزید اپنی زندگیاں اپنے ہاتھوں تباہ کر لیتے ہیں۔ یہ سزا آسمان سے نازل ہونے والی سزا کی طرح مہاکاوی نہیں ہوسکتی ہے، لیکن یہ اکثر زیادہ تکلیف دہ ہوسکتی ہے، کیونکہ یہ شخص مصیبت کی زندگی گزارتا ہے جو اکثر ذہنی خرابی اور یہاں تک کہ خودکشی تک لے جاتا ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ اس کے پاس تفریح اور تفریح کے لمحات ہوتے ہیں۔ اور دنیا کو ان کے قدموں پر رکھو۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 60

۞ وَإِذِ ٱسۡتَسۡقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوۡمِهِۦ فَقُلۡنَا ٱضۡرِب بِّعَصَاكَ ٱلۡحَجَرَۖ فَٱنفَجَرَتۡ مِنۡهُ ٱثۡنَتَا
عَشۡرَةَ عَيۡنٗاۖ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٖ مَّشۡرَبَهُمۡۖ كُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ مِن رِّزۡقِ ٱللَّهِ وَلَا تَعۡثَوۡاْ فِي
ٱلۡأَرۡضِ مُفۡسِدِينَ ٦٠

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر" مارو"۔ اور اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قوم نے اپنے پانی کے مقام کو پہچان لیا۔ "اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ مکمل طور پر مخلص تھے کیونکہ آپ کو ان کی رہنمائی اور بھلائی کی ہمہ وقت فکر رہتی تھی۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اس بہترین خوبی کو اپنانا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ ان کی مدد کرنی چاہیے جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اچھی اور فائدہ مند ہیں اور انہیں برے اور فضول معاملات سے ڈرانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 60:

‘‘اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی۔ ’’

مصر سے نکلنے اور فرعون اور اس کے لشکر کی معجزانہ تباہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد بنی اسرائیل صحرا میں سفر کر رہے تھے اس لیے انہیں رزق کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمائش پر براہِ راست ان کے لیے مہیا کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 57:

"اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا، "کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 60:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے...

انہیں ان عظیم نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ شکر گزاری میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ کسی کے خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی احسان یا اجر کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کی امید رکھتے ہیں۔ زبان سے شکر گزاری میں اچھا بولنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ اور اپنے اعمال کے ساتھ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ شکر کرنے سے برکتوں اور اجروں میں اضافہ اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ہوتی ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 60:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے...

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بغیر کسی کوشش کے چشمے پھوٹ سکتا تھا لیکن اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک پر یہ معجزہ ظاہر ہوا۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایمان کو مضبوط کرنا تھا۔ اس سے کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ یہ انہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے میں مدد دے گا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کی مضبوطی سب سے بہتر طور پر ان لازوال معجزات کے مطالعہ اور سیکھنے سے حاصل ہوتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے ہیں :قرآن پاک اور اس کی روایات۔ اس کے لیے جتنا زیادہ اپنے آپ کو وقف کرے گا اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوتا جائے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر اتنا ہی ثابت قدم رہیں گے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر پانی کا معجزہ بھی دکھایا گیا تاکہ بنی اسرائیل میں ان کے لیے جو عزت تھی اسے مزید تقویت ملے۔ یہ واضح ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اس کا بہت کم احترام کرتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 55:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تم پر اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ’’ ہم اللہ کو صاف نہ دیکھ لیں‘‘۔

اور باب 61 الصف، آیت 5:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا فقدان انہیں ہر حال میں خلوص نیت سے اطاعت کرنے سے روکے گا۔ انبیاء علیہم السلام کا احترام واجب ہونے کی ایک وجہ یہ ہے۔ اپنی زبان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا دعویٰ کرنا اور ان کی تعلیمات کو نظر انداز کرنا ان کے احترام میں کمی کی واضح علامت ہے۔ ان کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ کرکے اس کے لیے ان کے احترام کو پروان چڑھانا چاہیے۔ جب وہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے اس کی عظیم قربانیوں اور دوسروں کے لیے اس کے بے مثال خلوص کا مشاہدہ کریں گے تو غیر جانبدار ذہن رکھنے والے کے پاس اس کی عزت اور محبت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے۔

آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر پانی کے معجزے کے دکھائے جانے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ان کی دعاؤں کی حمایت اور اعمال کے ساتھ اس پر بھروسہ کرنے کی اہمیت کو یاد دلانا تھا۔ کسی کو صرف دعا نہیں کرنی چاہئے اور خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریز کرنا چاہئے اور مثبت جواب کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ ہر دعا کے مؤثر ہونے کے لیے اس کی تائید اعمال سے ہونی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 10:

‘‘...اس کی طرف اچھی بات چڑھتی ہے، اور عمل صالح اسے بلند کرتا ہے’’

اللہ تعالیٰ پر توکل کے دو پہلو ہیں۔ سب سے پہلے اپنے پاس موجود وسائل جیسے کہ ان کی جسمانی طاقت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ دوسرا پہلو اس بات پر مکمل یقین ہے کہ ہر صورت حال کا نتیجہ اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے کی حکمتیں لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔
باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 60:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قوم نے اپنی آبپاشی کی جگہ پہچان لی۔

چونکہ بنی اسرائیل بہت قبائلی لوگ تھے جنہوں نے بہت سی معاشرتی رکاوٹیں گھڑ رکھی تھیں جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جھگڑوں سے بچنے کے لیے بارہ الگ الگ چشمے جاری کر دیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ضابطہ اخلاق اتحاد کی ترغیب دیتا ہے اور کسی بھی ایسی سماجی رکاوٹ کو ختم کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو لوگوں کو دوسرے سے جدا کرتی ہیں، جیسے کہ قومیت، جنس، سماجی طبقے اور نسل۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ صرف وہی چیز جو ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی سچی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

لیکن ایک شخص کی نیت کے طور پر نوٹ کرنا ضروری ہے اور ان کے بہت سے اعمال دوسروں سے پوشیدہ ہیں، کوئی یہ فرض نہیں کر سکتا کہ وہ دوسروں سے بہتر ہیں۔ اس کے بجائے انہیں دوسروں کو نیکی کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور برے کاموں سے خبردار کرنا چاہیے اور یہ یقین کیے بغیر کہ وہ دوسروں سے بہتر ہیں اور اس امید کے ساتھ کہ وہ اس دنیا سے اسی حالت میں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر توجہ دیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 103:

‘‘اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔’’

اتحاد بہت ضروری ہے کیونکہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور لوگوں کو ایسے معاملات میں مل کر کام کرنے کو یقینی بناتا ہے جو قابل تعریف ہیں، جس سے دونوں جہانوں میں فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اتحاد سے پورے معاشرے میں عدل و انصاف پھیلتا ہے۔

فائدہ مند اتحاد تب حاصل ہوتا ہے جب ہر خاندان اور معاشرہ اپنے ارکان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں متحد ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن جب ایک خاندان اور معاشرے کے افراد خون، نسل، سماجی حیثیت اور قومیت کی بنیاد پر متحد ہوتے ہیں، تو یہ ہمیشہ، جلد یا بدیر، اس کے ارکان کے درمیان تفرقہ کا باعث بنے گا۔ چونکہ یہ دنیاوی بندھن کمزور ہیں، اس لیے یہ صرف وقت کی بات ہے کہ یہ ٹوٹ جائیں اور خاندانوں اور معاشروں میں تفرقہ پیدا کریں۔ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عقیدہ کی بنیاد پر متحد کیا حالانکہ وہ مختلف قبیلوں، قومیتوں اور سماجی طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی طاقت کے پیچھے یہی

راز تھا۔ ایمان کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے اور جب اس کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑ جائے تو کبھی ٹوٹتا نہیں۔ ایمان کا رشتہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب لوگ ایک دوسرے کو ہر حال میں سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی نافرمانی سے خبردار کرتے ہیں۔ جبکہ دنیاوی بندھن ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ اندھی وفاداری کی ترغیب دیتے رہیں گے، چاہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 60:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اور اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قوم نے اپنے پانی کے مقام کو پہچان لیا۔ "اللہ کے رزق میں سے کھاؤ پیو..."

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی جو اس نے ان کو عطا کیں اور ان کو ان دنیاوی نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں۔ جب ہر شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنی صلاحیت کے مطابق ادا کرے گا اور لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے گا۔ اس سے معاشرے میں انصاف اور امن پھیلے گا۔ لیکن جو نعمتوں کا غلط استعمال کرکے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اس پر آیت 60 کے آخر میں تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 60:

‘‘اللہ کے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔’’

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ منورہ میں مقیم لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کتاب کی یاد دلائی، شکر کی اہمیت، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس کا ایک پہلو اسلام کو قبول کرنا تھا کیونکہ انہوں نے اس کی سچائی کو واضح طور پر پہچان لیا تھا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو صرف زبانی طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کا احمقانہ رویہ ترک کرنا چاہیے، جبکہ دیگر تمام پہلوؤں، جیسے کہ ان کی نیت، دیگر تقریر اور افعال میں ناشکری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں شکر گزاری کے تمام مختلف پہلوؤں پر عمل کرنا چاہیے تاکہ انہیں دونوں جہانوں میں مزید برکات اور انعامات سے نوازا جائے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 61

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ
بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ
بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ
وَٱلْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ٦١

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو’’
اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور
اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے
بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ اس لیے
کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی
‘‘کرتے تھے اور حد سے گزر رہے تھے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پاکیزہ خوراک اور پانی مہیا کیا ، جس کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی طرف سے بہت کم محنت نہیں کی، پھر بھی انہوں نے اس کی ناشکری کا مظاہرہ کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 57:

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور بٹیر اتارا، "کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 60:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے...

باب 2 البقرہ، آیت 61:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔] "موسیٰ [نے کہا، "کیا تم کم سے بہتر چیز کو بدلو گے؟ کسی بھی بستی میں جاؤ، جو تم نے مانگا ہے وہ تمہیں ملے گا۔"

،وہ یہاں تک گئے کہ کھانے پینے کی چیزیں مانگیں جو معیار اور حیثیت کے لحاظ سے کم تر ہیں کیونکہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے جا رہے تھے۔ عام طور پر، یہ کسی کی زندگی کے دوران اعلیٰ خواہشات کو اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ اپنی تخلیق کے مقصد کو سب سے بڑھ کر پورا کرنے کا ارادہ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ صرف ان کی زندگی کی قدر اور معنی دیتا ہے۔ جس طرح ایجاد کو اس وقت ناکامی کا نام دیا جاتا ہے جب وہ تخلیق کے اپنے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے، اسی طرح وہ انسان جو اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے میں ناکام رہے گا، خواہ وہ دنیاوی کامیابی حاصل کر سکے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ایک بامقصد اور نتیجہ خیز زندگی گزارے جو ذہنی سکون سے بھرپور ہو، چاہے اسے راستے میں مشکلات کا سامنا ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

بنی اسرائیل کا رویہ اور درخواست لوگوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے گریز کریں کہ ان کے لیے کیا بہتر ہے، جو اکثر اس وقت ہوتا ہے جب وہ دوسروں کو دیکھتے ہیں جو ان سے زیادہ دنیاوی چیزوں کے مالک ہیں ۔ یہ مفروضہ انسان کو ایسی چیزوں کی طلب کرنے کا سبب بنے ،گا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا نہیں کی ہیں، جیسے کہ شریک حیات، اولاد اور مال۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے علم اور دور اندیشی کی کمی کو سمجھے اور اس حقیقت کو تسلیم

کرے کہ شاید وہ کسی ایسی چیز کی طلب اور خواہش کر رہے ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی چیز سے کمتر ہو، خواہ یہ ظاہر نہ ہو۔ ان کو باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ مفروضہ اکثر لوگوں کو ناشکری کی طرف لے جاتا ہے جب وہ اپنی خواہش کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو ان سے زیادہ دنیوی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اکثر زیادہ تناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ تناؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی نعمتیں نہ دے کر محفوظ رکھا ہے۔ یہ رویہ اختیار کرنے سے بچنے کے لیے ان سے زیادہ دنیوی چیزیں رکھنے والوں کا مشاہدہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور ان سے کم کے مالکوں کو دیکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، انہیں اپنی نظر اور کوشش کو ان کے پاس جو کچھ ہے اس پر مرکوز کرنا چاہیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ ذہنی سکون صرف اسی میں ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

جبکہ ان چیزوں کی خواہش کرنا اور ان کی پیروی کرنا جو ان کو نہیں دی گئیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا باعث بن سکتی ہیں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ یہ صرف دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی ناشکری کو اپنانا اکثر انسان کو دنیاوی فائدے جیسے مال اور اولاد کی خاطر اس کی عبادت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس غیر مخلصانہ رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ الہٰی تعلیمات نازل نہیں ہوئی تھیں تاکہ کوئی ان کو دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے کریڈٹ کارڈ کے طور پر استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے دنیاوی چیزیں اور دنیاوی اسباب پیدا کیے ہیں اس لیے ان کا استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے۔ مثلاً جو بچہ چاہتا ہے اس کی شادی کر لی جائے۔ الہٰی تعلیمات اس لیے عطا کی گئیں تاکہ انسان ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا طریقہ سیکھے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ جو شخص ناشکری اختیار کرتا ہے اور صرف دنیاوی فائدے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں تناؤ اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں پوجتے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

اور باب 2 البقرہ، آیت 61:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے’’ رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔

جیسا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ناکام رہے، ان پر ذلت و رسوائی چھا گئی۔ باب 2 البقرہ، آیت 61:

اور وہ ذلت اور مفلسی میں لپٹے ہوئے تھے اور اللہ کی طرف سے غضب کے ساتھ لوٹے تھے‘‘۔ ’’

ایک مسلمان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس تکلیف دہ انجام سے بچنا چاہیے۔ شکر گزاری میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ کسی کے خلوص کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی احسان یا اجر کی امید نہیں رکھتے اور نہ ہی امید رکھتے ہیں۔ زبان سے شکرگزاری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اپنے اعمال کے ساتھ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں مزید برکتیں اور انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں" "گا۔

جبکہ ناشکری اختیار کرنے سے انسان ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ جب بھی اس ناشکرے کو چیلنج کیا جاتا ہے اور شکر گزاری اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ سرکشی اور نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مزید دھنس جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ انہیں عقیدے کی الہی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کی طرف لے جا سکتا ہے جس پر وہ زبانی طور پر یقین کرنے

کا دعوی کرتے ہیں، کیونکہ وہ انہیں شکر گزاری کو اپنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ ناشکری اور نافرمانی میں ڈوبتا ہے اس کے اعمال اتنے ہی برے ہوتے جاتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 61:

’’اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر رہے تھے۔‘‘

بنی اسرائیل کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری نے انہیں اپنے آسمانی صحیفوں کی تعلیمات کو جھٹلایا اور نظر انداز کیا اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور ان کو نقصان پہنچایا جو ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ ان کے منحرف اور ناشکری کے رویے کو درست کرنے کے لیے۔

مسلمان بھی ایسا ہی رویہ اختیار کر سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں۔ ان کی ناشکری اکثر قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرنے کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جو ان کی خواہشات کے خلاف ہے، کیونکہ وہ ان کو عطا کی گئی نعمتوں کو خوشنما طریقوں سے استعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اس سے ناشکرا شخص زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے غیر مسلم جیسا سلوک کر سکتا ہے۔ اس کی طرف سورہ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’اور میرا شکر ادا کرو اور میرا انکار نہ کرو۔‘‘

ایمان اور شکر ہمیشہ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے تب تک صحیح طور پر ایمان نہیں لا سکتا۔ ناشکری کرنے والا صرف بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلے گا جن کی ناشکری اللہ تعالیٰ نے انہیں کفر کی طرف لے گئی۔

باب 2 البقرہ، آیت 61:

’’اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر رہے تھے۔‘‘

یہ آیت لوگوں کو آسانی کے وقت کا سامنا کرنے کے خطرے سے خبردار کرتی ہے۔ بنی اسرائیل فرعون اور اس کی قوم کے ہاتھوں غلامی اور اذیت کا شکار ہونے کی اپنی سابقہ حالت کے مقابلے میں آسانی کے وقت کا سامنا کر رہے تھے۔ صبر کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا شکر گزاری کے ساتھ آسانی کے اوقات کا سامنا کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے، کیونکہ سابقہ اکثر کسی شخص اور ان کے لیے دستیاب اختیارات کو محدود کر دیتا ہے۔ اس لیے ان کے پاس صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جبکہ آسانی کے اوقات اکثر دنیاوی نعمتوں اور بے شمار اختیارات کا باعث بنتے ہیں، جن میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالدار اکثر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ایسے وسائل ہوتے ہیں جو غریبوں کے پاس نہیں ہوتے جیسے کہ دولت۔ لہٰذا، آسانی کے اوقات کے امتحان کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرے۔ اور آسانی اور مشکلات دونوں وقتوں میں انعام دیتے ہیں کیونکہ وہ ہر صورتحال کا صحیح جواب دیتے

ہیں۔ آسانی کے اوقات میں وہ شکر ادا کرتے ہیں، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور مشکل کے وقت اپنے قول و فعل سے شکایت سے گریز کرتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 61:

”اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر رہے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو خبردار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے ذریعے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں۔ اس احسان کا ایک پہلو اسلام کو قبول کرنا تھا کیونکہ انہوں نے اس کی سچائی کو واضح طور پر پہچان لیا تھا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [اپنے] بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’ جانتے ہیں‘‘۔

لیکن چونکہ ان میں سے اکثریت ناشکری سے چمٹی ہوئی تھی، کیونکہ وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرنا چھوڑ نہیں سکتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ مشن اور یہاں تک کہ متعدد مواقع پر اسے مارنے کی کوشش کی گئی۔ ان کی ناشکری کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں رسوا کیا اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 61:

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے’’ رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کے غضب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر رہے تھے۔‘‘

یہ آیت ان وجوہات میں سے ایک وجہ بیان کرتی ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ دنیا میں کہیں بھی ذلت و رسوائی کا شکار نظر آتی ہے۔ جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہوئے بنی اسرائیل کا رویہ اختیار کیا اور ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت کا پردہ ڈال دیا۔ انہیں برتری اور کامیابی اسی وقت ملے گی جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، عمل کے ذریعے اپنے ایمان کا زبانی ثبوت دیتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

آخر میں، مسلمانوں کو اپنی نیت، تقریر اور عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ذلت سے بچنا چاہیے، تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 - البقرہ، آیت 62

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَٱلَّذِينَ هَادُواْ وَٱلنَّصَٰرَىٰ وَٱلصَّٰبِـِٔينَ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ
وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی یا عیسائی یا صابی تھے [ان میں سے]جو لوگ اللہ اور
یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کا اجر ہے۔ اپنے رب کے پاس، اور ان پر نہ کوئی
خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس بات پر بحث کی ہے کہ اس آیت میں بیان کردہ صابی کون ہیں، لیکن اس بحث میں گہرائی میں ڈوبنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ معلومات جاننے سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ جاننا کافی ہے کہ وہ ایک خاص عقیدے کے لوگوں کا ایک گروہ تھے جنہیں اسلام، صحیح دین اور طرز زندگی کی دعوت دی گئی تھی۔ عام بات یہ ہے کہ ان چیزوں کی ،تحقیق اور بحث کرنے سے گریز کرنا چاہیے جن سے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں اضافہ نہیں ہوتا جیسے وہ چیزیں جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اگر قیامت کے دن کسی چیز کی باز پرس نہ ہو تو طالب علم کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جو حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور عملی طور پر اس کے لیے تیاری کرتے ہیں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 62:

" بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی یا عیسائی یا صابی تھے]ان میں سے [جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے ، ان کے لیے اجر ہے۔ اپنے رب کے ساتھ..."

یہ بات ان لوگوں کے لیے درست تھی جنہوں نے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے اس طرح کا برتاؤ کیا تھا اور آپ کے بعد بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جب تک کہ ان گروہوں نے آپ کو اور اس کے لائے ہوئے قانون کو قبول کیا۔ اہل کتاب کے لیے یہ قدم اٹھانا آسان تھا کیونکہ انہوں نے واضح طور پر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تھا، جیسا کہ سابقہ آسمانی صحیفوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک پر بحث کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

لیکن حق کی طرف اس دعوت کے باوجود، اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی محبت میں، جسے اسلام اعتدال پسند کرے گا، اور دنیاوی چیزوں جیسے کہ سماجی حیثیت اور ان کو حاصل کرنے کی محبت کی وجہ سے اسلام سے انکار کیا۔ قیادت

باب 2 البقرہ، آیت 62:

” جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے“۔

عام طور پر، یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی تائید کرے گا۔ اور جو قیامت پر سچا ایمان رکھتا ہے وہ عملی طور پر اس کی تیاری کرے گا۔ ان دونوں میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کتنا یا کم ایمان رکھتے ہیں اور یوم آخرت پر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ان نعمتوں کا کتنا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ جتنا زیادہ وہ ان کا صحیح استعمال کریں گے، اللہ تعالیٰ، بلندی اور یوم

آخرت پر ان کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوگا لیکن جتنا کم وہ ان کا صحیح استعمال کریں گے، اتنا ہی ان کا اللہ، بلندی اور یوم آخرت پر ایمان کمزور ہوگا، باوجود اس کے کہ وہ مضبوط ہونے کا دعویٰ کریں۔
ایمان

باب 2 البقرہ، آیت 62:

" بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی یا عیسائی یا صابی تھے]ان میں سے [جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے اجر ہے۔ اپنے رب کے ساتھ..."

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فعال طور پر نہیں کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔ یہ باب 4 النساء، آیات 150-151 میں واضح کیا گیا ہے:

’’درحقیقت وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض پر کفر کرتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ واقعی کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

اس کے علاوہ، آیت 62 اس سچائی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کیونکہ یہ سچے مومنوں کو دوسرے تمام عقائد سے واضح طور پر الگ کرتی ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ اہل کتاب، یہود و نصاریٰ، اللہ، برتر اور یومِ جزا پر ایمان رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک

مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو قبول اور اس کی پیروی نہ کرے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

"اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

عام طور پر، لہٰذا کسی کو اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ وہ کسی نہ کسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے۔ جس طرز زندگی کو اسلام کے مطابق نہ بنایا گیا ہو اسے اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا، خواہ کسی کے من گھڑت اور بے تکلفانہ عقیدہ کیوں نہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو معاف کرنے والا تھا، اس حقیقت کے باوجود کہ بہت سے لوگ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر چکے ہیں، تو یہ اس دنیا کی زندگی کو بے مقصد بنا دے گا اور یہ ظاہر کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ظالم ہے جیسا کہ یہ لوگ اس سے توقع رکھتے ہیں۔ اس کو نظر انداز کرنے والے کے ساتھ اس کے برابر سلوک کرنا جس نے خلوص نیت سے اس کی اطاعت کی۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

باب 2 البقرہ، آیت 62:

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی یا عیسائی یا صابی تھے]ان میں سے [جو اللہ اور
یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے اجر ہے۔ اپنے رب کے ساتھ..."

یہ آیت ان آیات کے درمیان حائل ہے جو بنی اسرائیل اور ان کے بار بار اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے بارے میں بیان کرتی ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سچی توبہ اور اصلاح کا دروازہ ہر ایک کے لیے گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا کھلا ہے۔ سچی توبہ میں ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ اصلاح میں انسانیت پر نازل ہونے والے آخری قانون کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرنا شامل ہے، یعنی قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون ملتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 62:

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی یا عیسائی یا صابی تھے]ان میں سے [جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کا اجر ہے۔ اپنے رب کے پاس، اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

غور طلب ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسے دنیا میں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے اور ٹرائلز اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی انہیں پریشانی اور غم کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی ان پر قابو نہیں پاتا کہ وہ خوف اور غم میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس کے بجائے، وہ تناؤ اور اداسی کے ان ادوار پر قابو پا لیں گے جن کا وہ سامنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھیں گے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ہر وقت ذہنی سکون کو برقرار رکھیں گے، خاص طور پر مشکل اور تناؤ کے وقت۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اسلام کے ضابطہ اخلاق پر عمل کرنا، خواہ وہ کسی کی خواہشات سے متصادم ہو، بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی طبی ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرنا، جو کڑوی دوائیں تجویز کرتا ہے اور سخت خوراک کا منصوبہ دیتا ہے تاکہ اس کا مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کر سکے۔

اس کے برعکس جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کو چھوڑ دے اور خاص طور پر مسلمانوں کے بارے میں، اعمال صالحہ کے ساتھ ان کے زبانی اعلان ایمان کی تائید نہ کرے، اسے خوف اور غم سے تحفظ نہیں دیا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ مشکلات کے لمحات پر قابو پا لیں گے، چاہے ان کے درمیان تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ایک دکھی اور افسردہ زندگی گزاریں گے اور آخرت میں جو کچھ ہو گا وہ اس سے بھی بدتر ہو گا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 63-64

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَكُنتُم مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٤﴾

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

"پھر اس کے بعد آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا بلکہ انہیں صرف اس بات پر زور دیا کہ وہ رضامندی سے ایمان لانے کے بعد اس سے اپنا وعدہ پورا کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 63:

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر کوہ طور پر اٹھایا۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان روحانی قلب کا معاملہ ہے اس لیے کوئی بھی دوسرے کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

یہ صرف اس غلط تصور کو مٹا دیتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا۔ تلوار کسی کے جسم کو مسخر کر سکتی ہے لیکن کسی کے روحانی قلب کو جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ٹھکانہ ہے، کو کبھی مسخر نہیں کر سکتی۔

ان پر پہاڑ اٹھانا ان کے لیے ایک تنبیہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اپنے وعدے کو نہ توڑیں اور یہ اس قدر عظیم واقعہ کو دیکھ کر ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ تھا۔ اس تنبیہ اور ایمان کی تقویت کا مقصد انہیں اس تورات کو سیکھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا تھا جو انہیں عطا کی گئی تھی۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نیک سلوک کریں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 63:

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر" کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ "اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔

تورات میں جو کچھ ہے اس کا تعین اور یاد رکھنے کا مطلب تورات کے اندر موجود الہٰی تعلیمات کو سیکھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا ہے، اور اس لیے یہ سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرنے سے بھی آگے بڑھتا ہے۔ الہٰی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے اس طریقے سے ہی نیکی حاصل ہو گی۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ عزم کا مطلب کمال نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے کمال کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی توقع رکھتا ہے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات میں واضح کر دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، درج ذیل آیت واضح کرتی ہے کہ کمال ممکن نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 6:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

عزم کا مطلب یہ ہے کہ خدائی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے خلوص نیت سے کوشش کرنی چاہیے، جس کے نتیجے میں وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدق دل سے توبہ کریں اور سفر جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا راستہ۔ سچی توبہ میں احساس جرم شامل ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، انہیں دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہ کرنے سے بچنے کا خلوص دل سے وعدہ کرنا چاہیے اور اس کی تلافی کرنا چاہیے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔

اس کے علاوہ، عزم اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھنے سے بھی مراد الٰہی تعلیمات پر سختی سے عمل کرنے اور دوسری چیزوں سے بچنے کے اہم تصور کی طرف ہے، خواہ یہ نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ دوسرے ذرائع سے لی گئی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی کم وہ الٰہی تعلیمات پر عمل کرے گا۔ اس اہم تصور کو نظر انداز کرنا بہت سے منفی ثقافتی طریقوں اور عقائد کے ایمان میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف مسلم شادیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی طرف سے کتنی غیر مسلم روایات اور طریقوں کو اپنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ بات جس کی بنیاد قرآن مجید اور اس کی روایات میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ .

جو کچھ اس میں ہے اس کا تعین اور یاد رکھنے سے مراد ہر اس صورتحال میں الہی تعلیمات کو لاگو کرنا ہے جس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ الہٰی تعلیمات پر کب عمل کرنا ہے اور کب ان کو اپنی خواہشات کے مطابق نظرانداز کرنا اس آیت کے حکم کے خلاف ہے۔ کسی کو اپنے ایمان کو ایک کوٹ کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے جسے وہ اپنی خواہشات کے مطابق پہنتے یا اتار دیتے ہیں۔ انہیں ہر حال میں الہی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے چاہے وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بہترین نتائج کو یقینی بنائے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جو کچھ اس میں ہے اس کا تعین اور یاد رکھنے سے بھی مراد الٰہی تعلیمات کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت ہے تاکہ انسان کو یقین کا یقین حاصل ہو۔ مضبوط ایمان اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ آدمی اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ وہ راستبازی ہے جس کا ذکر آیت 63 میں کیا گیا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 63:

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر" کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ "اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس آیت کا اطلاق قرآن کریم کے حوالے سے مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی خوبصورت آواز میں تلاوت کرنا اور اس کا مفہوم نہ سمجھنا اور اس پر عمل کرنا قرآن مجید کے مقصد کے منافی ہے۔ قرآن مجید تلاوت کی کتاب نہیں، کتاب ہدایت ہے۔ ہدایت تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی سیکھے اور ،اس پر عمل کرے۔ جس طرح نقشہ کسی کو اس کی منزل تک پہنچاتا ہے جب وہ اس پر عمل کرتا ہے اسی طرح قرآن کریم کسی کو اس کی ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی منزل تک تب ہی لے جاتا ہے جب وہ اسے سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

قرآن پاک کا مقصد پورا کرنا وہ عہد ہے جو ہر مسلمان نے اللہ تعالیٰ سے لیا تھا، جب انہوں نے اسلام ،کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا تھا، بالکل اسی طرح تورات کے مقصد کو پورا کرنا، سیکھ کر اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ سے لیا گیا عہد تھا۔ عالی، بنی اسرائیل کی طرف سے۔ لیکن اگر مسلمان قرآن پاک کے مقصد کو پورا کرنے کے عہد کو پورا کرنے سے منہ موڑ کر بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلیں گے تو انہیں دونوں جہانوں میں سکون نہیں ملے گا۔ باب 2 البقرہ، آیات 63-64:

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔ "پھر تم نے اس کے بعد منہ پھیر لیا..."

قرآن پاک کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکامی صرف ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گی۔ یہ دونوں جہانوں میں مشکلات اور تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لیکن جب تک انسان زندہ ہے، دوسرے مواقع اور اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نافرمانی پر فوراً پکڑ نہیں دیتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 64:

"پھر تم اس کے بعد پھر گئے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مواقع اور اصلاح کا وہ دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا نہیں رہے گا۔ ایک مسلمان کو ان مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے اپنے عہد کو پورا کرے، قرآن پاک کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو بڑھائے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو" ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

باب 2 البقرہ، آیات 63-64:

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر " کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔ "پھر اس کے بعد آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور اگر تم "پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

یہ آیات اس دنیا میں کامیابی اور ناکامی کی صحیح تعریف کو سمجھنے کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ الہٰی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا، جس کے تحت کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بناتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نظر انداز کرنا دونوں جہانوں میں نقصان کا باعث ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے اپنے اردگرد کے لوگوں اور ماضی کے لوگوں کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ یہ حقیقت کتنی درست ہے۔ سب سے زیادہ دنیاوی آسائشیں رکھنے والے اکثر وہ ہوتے ہیں جنہیں کسی اور کے مقابلے میں سب سے زیادہ تناؤ، پریشانی، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات کا ،سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے حقیقی کامیابی دنیاوی چیزوں میں مضمر نہیں ہے، جیسے کہ دولت، خاندان شہرت اور ایک شاندار پیشے، کیونکہ یہ سب چیزیں اس کے حاملین کے لیے صرف اسی صورت میں تناؤ اور پریشانی کا باعث بنیں گی جب وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیات 63-64:

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا،]اے بنی اسرائیل، تورات کی پابندی کا [اور ہم نے تم پر کوہ طور کو بلند کر دیا،]کہا کہ [جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے عزم کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔ "پھر اس کے بعد آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو یاد دلایا کہ کس طرح ان کے آباؤ اجداد اس کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرنے میں ناکام رہے۔ اس نے انہیں متنبہ کیا کہ تورات کی غیر متغیر تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام ہو کر ان کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ اس کا ایک پہلو اسلام کو قبول کرنا تھا جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کو تورات اور بائبل میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

لیکن اہل کتاب کی اکثریت نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تورات کی تعلیمات پر عمل کرنے کا وعدہ پورا کرنا چھوڑ دیا۔ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ان کی محبت سے مغلوب ہو گئے تھے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں دی گئی تھیں ان کو خوش کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ نتیجتاً، وہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ یہ انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے اور ان کے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ سماجی حیثیت اور قیادت کو کھونے کا اندیشہ بھی رکھتے تھے جو انہوں نے تورات کی تعلیمات کی جان بوجھ کر غلط تشریح کرکے حاصل کی تھی۔ وہ انہیں پیش کردہ دوسرا موقع لینے میں ناکام رہے اور اس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں ہار گئے۔ مسلمانوں کو اس طرز عمل سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اگر وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے میں ناکام رہے تو کسی کے قول سے ایمان کا دعویٰ کرنا انہیں اس انجام سے بچانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ .انسان کو یہ مان لینا چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دونوں جہانوں میں ان کی بہتر خدمت کرے گا، جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبی ڈاکٹر کی طرف سے بتائی گئی کڑوی دوائیوں اور سخت ڈائٹ پلان پر سختی سے عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے جسمانی اور ذہنی کام کرے گا۔ صحت ان کی خواہشات کو ختم کرنے اور ان کے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرنے سے بہتر ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 65-66

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلَّذِينَ ٱعْتَدَوْا۟ مِنكُمْ فِى ٱلسَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا۟ قِرَدَةً خَٰسِـِٔينَ ﴿٦٥﴾

فَجَعَلْنَٰهَا نَكَٰلًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

اور تم سبت کے بارے میں تمہارے درمیان زیادتی کرنے والوں کے بارے میں پہلے ہی سے جان"
"چکے تھے، اور ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر بنو۔

اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

آیت 65 کا پہلا حصہ کسی کو اپنے علم پر عمل کرنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 65:

"اور تم ان لوگوں کے بارے میں پہلے ہی جان چکے تھے جنہوں نے سبت کے بارے میں تم میں سے تجاوز کیا تھا..."

علم کی اس وقت تک کوئی قیمت نہیں جب تک وہ حقیقت میں نہ آجائے۔ یہ دنیوی اور دینی علم دونوں کے لیے درست ہے۔ مؤخر الذکر معاملے میں، قرآن کریم نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو مذہبی علم رکھتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

عمل کے بغیر علم اس شخص کے مترادف ہے جس کے پاس محفوظ منزل کا نقشہ ہے لیکن وہ اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ دونوں جہانوں میں صحیح معنوں میں استفادہ حاصل کرنے کے لیے حصول علم کے تمام مراحل پر عمل کرنا چاہیے۔ پہلا مرحلہ صحیح نیت کو اپنانا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 253 میں غلط نیت سے دینی علم حاصل کرنے والوں کو جہنم سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا مرحلہ معتبر ذرائع سے اسلامی علم حاصل کرنا ہے۔ آخری مرحلہ یہ ہے کہ اس علم کو کسی کے قول و فعل اور عمومی رویے میں نافذ کیا جائے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ تینوں مراحل کو پورا کرنے سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 65

اور تم ان لوگوں کے بارے میں پہلے ہی جان چکے تھے جنہوں نے سبت کے بارے میں تم میں سے " "تجاوز کیا تھا ۔

اگر چہ بنی اسرائیل سے سبت کی خلاف ورزی کرنے والے اہل کتاب کے آباء و اجداد تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہتے تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرمایا۔ اگر وہ ایک ہی گروپ سے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ایک خاص گروہ کی طرح برتاؤ کرتا ہے وہ درحقیقت ان میں سے ہے، چاہے وہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی خلوص نیت سے کوشش کریں تاکہ ان کا شمار انہی میں ہو۔ آخرت میں لیکن اگر زبانی طور پر ان سے محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی منافقین کے نقش قدم پر چلتے ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو نظر انداز کیا تو وہ ان میں شمار ہوں گے۔ منافقین .اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو خبردار کر رہا تھا کہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر نہ چلیں ورنہ ان میں سے شمار ہوں گے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 65

"اور تم سبت کے بارے میں تمہارے درمیان زیادتی کرنے والوں کے بارے میں پہلے ہی سے جان
"چکے تھے، اور ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر بنو۔

سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کا قصہ قرآن کریم میں دوسری جگہوں پر مزید تفصیل سے بیان ہوا ہے، اور صرف زیر بحث اہم آیات میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان آیات کا مقصد اہل کتاب ،کو خبردار کرنا ہے، اور توسیع کے ذریعے مسلمانوں کو۔ برادری، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں مصیبت آتی ہے اور دوسروں کے اعمال کے نتائج سے سیکھنے کی اہمیت۔ جبکہ دوسری آیات میں زیر بحث اہم سبق جو سبت کے دن توڑنے والوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی اہمیت اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے
:کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیات 163-166

"اور ان سے اس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے تھی - جب انہوں نے سبت کے معاملے میں زیادتی کی تھی - جب ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے سبت کے دن کھلم کھلا آتی تھیں اور جس دن ان کے پاس سبت نہیں تھا وہ ان کے پاس نہیں آتی تھیں۔ .اس طرح ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھے۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے سامنے بری ہو جاؤ اور شاید وہ اس سے ڈریں۔ اور جب وہ اس بات کو بھول گئے جس سے انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جنہوں نے برائی سے منع کیا تھا اور ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پس جب انہوں نے اس چیز پر سرکشی کی جس سے انہیں منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

:باب 2 البقرہ، آیات 65-66

"اور تم سبت کے بارے میں تمہارے درمیان زیادتی کرنے والوں کے بارے میں پہلے ہی سے جان چکے تھے، اور ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر بنو۔ "اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے سے خبردار کرتی ہیں کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں سخت عذاب کا باعث بنتی ہے۔ عام طور پر دیکھا جائے تو دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہ ان کے اٹھانے والے کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہ لوگ سمجھ نہیں پائیں گے کہ انہیں تناؤ، پریشانی اور ڈپریشن کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کے ہاتھ میں دنیا ہے اور وہ اپنی تمام دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے قابل ہیں۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ اللہ ہی ہے، جو روحانی قلب، ذہنی سکون کے گھر کو کنٹرول کرتا ہے، اور اس لیے وہ تنہا کنٹرول کرتا ہے کہ کسی کو ذہنی سکون ملے یا نہ ملے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

نتیجتاً، وہ اپنے اردگرد کے اچھے لوگوں جیسے کہ ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے اور ان سے اپنے تعلقات توڑ دیں گے۔ اس سے وہ ذہنی صحت کے مسائل میں مزید ڈوب جائیں گے۔ یہ تاریک اور مشکل سفر اکثر خودکشی پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن آخرت میں جو ہوگا وہ بدتر ہوگا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس سے صرف اس صورت میں بچا جا سکتا ہے جب کوئی سچے دل سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں، قرآن مجید کی تعلیمات اور روایات کے مطابق۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بندر میں تبدیل کر دیا گیا کیونکہ وہ جانوروں کی طرح کام کرتے تھے جب وہ مکمل طور پر اپنی خواہشات کے مطابق کام کرتے تھے۔ مسلمانوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر روحانی طور پر جانوروں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ یہ تبدیلی انہیں اپنی خواہشات کی تکمیل اور عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے میں مزید گہرائی میں ڈوبنے کا سبب بنے گی، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیات 65-66:

اور تم سبت کے بارے میں تمہارے درمیان زیادتی کرنے والوں کے بارے میں پہلے ہی سے جان" چکے تھے، اور ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر بنو۔ "اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

یہ آیات خود جذب ہونے سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہیں جس کے تحت کوئی اپنے اردگرد کی چیزوں اور لوگوں اور تاریخ سے سبق حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسروں کے اعمال کے نتائج کو مسلسل دیکھنا سیکھنا چاہیے، چاہے یہ لوگ ان کو جانتے ہوں یا نہیں، ان کا

تعلق ان کی نسل سے ہے یا نہیں۔ دوسروں کے اعمال کے نتائج سے سیکھنا یہ سیکھنے کے سب سے اہم طریقوں میں سے ایک ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص اس شخص کو دیکھے جو ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے اور دنیا کو اپنے قدموں میں رکھنے کے باوجود ان کو جن ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا سامنا رہتا ہے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ وہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے ان کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ انہیں عطا کیا گیا ہے .جب کہ جب وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں جو قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کس ،طرح رحمتیں عطا کیں۔ ذہن، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں اس دنیا میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان پر واضح ہو جائے گا کہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، دوسروں کو دیکھنا جن کے پاس دنیاوی چیزیں کم ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ شکر گزاری میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنا، جیسے کہ لوگ، ثواب کے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ زبان سے شکر ادا کرنے کا مطلب اچھی بات کہنے یا خاموش رہنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کسی کے عمل کے ،ساتھ شکرگزاری ان نعمتوں کو استعمال کرنا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں مزید برکتیں اور انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں "گا۔"

دوسروں کا مشاہدہ کرنا جو زیادہ سخت مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں ان مشکلات کو کم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس سے صبر کرنے میں مدد ملے گی۔ صبر میں اپنے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔

دوسروں کے منتخب کردہ راستے اور ان کی پسند کے نتائج کا مشاہدہ کرنے سے بھی انسان کو احمقانہ رویہ اختیار کرنے سے بچنے میں مدد ملے گی جس کے تحت وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کی طرح غلط راستہ منتخب کر سکتے ہیں اور پھر بھی ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کوئی دوسروں کا صحیح طور پر مشاہدہ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ اپنی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر کے مطابق زندگی کا نقشہ ترتیب دیتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بدحالی کا باعث بنے گا۔ یہ حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی دوسرے لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جنہوں نے ماضی اور حال میں ایک ہی انتخاب کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ آیت 66 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتے ہیں، وہ اسباق پر دھیان دیں گے جو انہیں دوسروں کے مشاہدے سے سیکھنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 66:

"اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔"

جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے نہیں ڈرتا وہ اپنی خواہشات کو ہوا دے گا اور جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کا غلط استعمال کرے گا۔ اور جس طرح تاریخ میں اور موجودہ دور میں جو لوگ اسی طرح برتاؤ کرتے ہیں ان کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آیت نمبر 66 اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اہل کتاب جو اپنے آباء و اجداد کے بعد سبت کی خلاف ورزی کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جیسا کہ اس سے ڈرنے والوں کا الگ سے ذکر کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 66:

"اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔"

مدینہ منورہ میں رہنے والے اہل کتاب کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں ناکام رہی اور اپنے اعمال کے نتائج کو قبول نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اسلام کا انکار کیا تھا، حالانکہ اس کی حقانیت ان پر واضح تھی کیوں کہ انہوں نے قرآن پاک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر پہچان لیا تھا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جیسا کہ ان دونوں کا ان کے آسمانی صحیفوں میں تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے [اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"۔

نتیجتاً اہل کتاب کو دونوں جہانوں میں عذاب کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ ان کے اسلاف کو ہوا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں اور ان کے اعمال کے نتائج سے سبق حاصل کرنے کے بجائے ان لوگوں کے نقش قدم پر چلیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہر وقت۔ اس میں ان

نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 66:

"اور ہم نے اس کو حاضرین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرتناک عذاب اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔"

باب 2 - البقره، آیات 67-73

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا۟ بَقَرَةًۖ قَالُوٓا۟ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًاۖ قَالَ أَعُوذُ
بِٱللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْجَٰهِلِينَ ٦٧

قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِىَۚ قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ
ذَٰلِكَۖ فَٱفْعَلُوا۟ مَا تُؤْمَرُونَ ٦٨

قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَاۚ قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ
لَّوْنُهَا تَسُرُّ ٱلنَّٰظِرِينَ ٦٩

قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِىَ إِنَّ ٱلْبَقَرَ تَشَٰبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّآ إِن شَآءَ ٱللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ٧٠

قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ ٱلْأَرْضَ وَلَا تَسْقِى ٱلْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَاۚ قَالُوا۟
ٱلْـَٰٔنَ جِئْتَ بِٱلْحَقِّۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا۟ يَفْعَلُونَ ٧١

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَٱدَّٰرَْٰٔتُمْ فِيهَاۖ وَٱللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ
٧٢

فَقُلْنَا ٱضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْىِ ٱللَّهُ ٱلْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ یہ کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری، بلکہ اس کے درمیان درمیانی ہے، لہٰذا تم جو حکم دیا جائے وہ کرو۔

انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمیں دکھائے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا، "وہ کہتا ہے، 'یہ ایک پیلے رنگ کی گائے ہے، جس کا رنگ چمکدار ہے - دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے۔'"

انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیا ہے، یقیناً ہم سب گائیں ایک جیسی ہیں اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے۔

اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک گائے ہے جو نہ تو زمین کو جوتتی ہے اور نہ کھیت کو سیراب کرتی ہے، بے عیب ہے جس پر کوئی داغ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے ذبح کر دیا، لیکن وہ اسے مشکل سے کر سکے۔

اور)یاد کرو (جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا، لیکن اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔

تو ہم نے کہا کہ اس)مقتول شخص کو (اس کا کچھ حصہ مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

گائے ذبح کرنے کے حکم کی مزید وضاحت کی گئی ہے کیونکہ ان آیات میں جو بنیادی سبق پڑھایا جا رہا ہے وہ ہے بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کا رویہ۔ .باب 2 البقرہ، آیات 67-73:

''اور اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا، لیکن اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ .تو ہم نے کہا کہ اس)مقتول شخص کو (اس کا کچھ حصہ مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے..."

قرآن مجید کوئی کہانیوں کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی تاریخ کی کتاب ہے جو حقائق اور اعداد و شمار سے متعلق ہے۔ اس کے بجائے، یہ مخصوص سبق سکھانے کے لیے تاریخ کے صرف کچھ پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ قرآن پاک بھی اکثر ایک ہی کہانی کو مختلف نقطہ نظر سے بیان کرتے ہوئے دہراتا ہے تاکہ مخصوص سبق سکھایا جا سکے۔ لہٰذا قرآن کریم کے بے مثال اسلوب کو قبول کرنا چاہیے اور ان چیزوں کے بارے میں پوچھنے کے بجائے جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ باتوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے، کیونکہ ان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مخصوص اسباق سیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو ان کے آباء و اجداد کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہونے والے احترام کی یاد دلائی۔ باب 2 البقرہ، آیت 67:

''وہ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو؟

اہل کتاب اپنے آسمانی صحیفوں سے آپ کو اور قرآن پاک کو پہچاننے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدتر سلوک کر رہے تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے رویے سے اجتناب کریں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اپنی تقریر کے ذریعے اس کے لیے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے اسے اپنے اعمال میں ظاہر کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ کسی کی زندگی، کردار اور تعلیمات کو جانے بغیر اس سے محبت کا دعویٰ کرنا بالکل مضحکہ خیز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت آپ کی روایات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرکے اور اپنی خواہشات کی تکمیل پر اس کو ترجیح دے کر ثابت کیا۔ جو لوگ عملی طور پر اس سے اپنی محبت کا اظہار کرنے میں ناکام رہتے ہیں ان کا آخرت میں اس کے ساتھ خاتمہ ممکن نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث ہے جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ محبت ہوگی جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ عملی طور پر اپنی محبت کا اظہار کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی ان سابقہ اقوام کو دیکھے جو زبانی طور پر اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ

کرتی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ ان کے ساتھ ختم نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 67:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ’’ کہنے لگے کیا تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو؟

بنی اسرائیل نے واضح طور پر گائے کو ذبح کرنے کی حکمت کو نہیں سمجھا لیکن جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کیا تو انہیں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مثبت جواب دینا چاہیے تھا۔ باب 24 النور، آیت 51:

ایمان والوں کا صرف یہ قول ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ" ‘‘ان کے درمیان فیصلہ کر سکیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ "اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان اور حکم کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بھروسہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، ایمان کا لازمی جزو ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام و احکام کے پیچھے موجود تمام حکمتیں لوگوں پر ظاہر کر دی جائیں تو ایمان اتنا قیمتی نہ ہوتا جس طرح جہنم اور جنت جیسے غیب عناصر پر یقین کرنا اس قدر قیمتی نہ ہوتا۔ انسان کو یہ غیب چیزیں دکھائی گئیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرے، اس بات کو مضبوطی سے سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر وہ چیز بہترین ہے جو اس میں شامل لوگوں کے لیے ہے، چاہے ان کے

پیچھے حکمتیں کیوں نہ ہوں۔ ان سے پوشیدہ .اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان کی زندگی کے تجربات پر بھی غور کرنا چاہیے۔ کتنی بار لوگوں نے کسی چیز کو صرف بعد میں قبول کرنے کی خواہش کی ہے جو ان کے لئے بری تھی؟ کتنی بار لوگوں نے کسی چیز کو ناپسند کیا صرف بعد میں قبول کرنا ان کے لیے اچھا تھا؟ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ بنی اسرائیل اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا جواب دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 67:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے مربوط لطیفے بنانا ایک جاہلانہ رویہ ہے جس سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے جڑی ہوئی کسی بھی چیز کا مذاق اڑانا یا مذاق کرنا، یہاں تک کہ کسی کے ایمان کو کھو سکتا ہے۔ باب 9 توبہ آیات 65-66:

اور اگر تم ان سے پوچھو تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف باتیں اور کھیل رہے تھے۔ کہو کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا تم مذاق اڑاتے تھے؟ کوئی عذر نہ کریں؛ تم نے اپنے ایمان

کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ کبھی کبھار غیر مذہبی چیزوں کا مذاق اڑانا جس سے انسان ہر قسم کے گناہوں سے بچتا ہے اسلام میں قابل قبول ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھار اس انداز میں مذاق کیا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1990 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ گناہ کے انداز میں حد سے زیادہ مذاق کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی افسردہ اور افسردہ مزاج اختیار کرے۔ دوسروں کے ساتھ خوش مزاج رہنے اور حد سے زیادہ مذاق کرنے میں بڑا فرق ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 67:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

عربی زبان میں جاہلانہ برتاؤ سے مراد وہ شخص بھی ہے جو اپنے جذبات پر قابو نہ پا لے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بھی اپنے جذبات پر قابو پانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جب دوسرے ان کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اس کے حصول کا بہترین طریقہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3282 میں موجود ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضبناک شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی۔ عام طور پر، جب بھی وہ جذباتی ہو جائے تو خاموشی اختیار کر لینی چاہیے تاکہ اپنے الفاظ سے گناہوں کے ارتکاب سے بچا جا سکے، کیونکہ بعض اوقات الفاظ کے عمل سے زیادہ طویل مدتی نتائج نکل سکتے ہیں۔ جذباتی شخص کو جسمانی طور پر دوسروں کی طرف کوڑے مارنے

سے بچنے کے لیے غیر فعال جسمانی پوزیشن بھی اختیار کرنی چاہیے۔ کھڑا شخص بیٹھ جائے اور اگر ضرورت ہو تو بیٹھنے والا لیٹ جائے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ جذباتی شخص کے لیے یہ بھی اچھا خیال ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائے حالات سے دور چلے جائیں۔ تب ہی انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق حالات سے رجوع کرنا چاہیے اور ان سے نمٹنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیات 67-68:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتا دے کہ یہ کیا ہے؟

بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو بے عزتی کی گئی اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ان سے حکم کی وضاحت کے لیے نہیں کہا، گویا ان کے الفاظ ان کے لیے مناسب نہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جواب طلب کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی بے عزتی سے بخوبی واقف تھے اس لیے انہیں شروع ہی سے آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ انہیں اس حکم کو قبول کرنا چاہیے تھا۔ ہچکچاہٹ خواہ یہ براہ راست حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے آئی ہو۔ اس کے علاوہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بھی نہیں کہا بلکہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب کہا ہے۔ یہ گمراہ کن رویہ مسلمان اس وقت بھی اختیار کر سکتے ہیں جب وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہنما اور اعلیٰ ماننے میں ناکام ہو جائیں جن کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ بعض احمقوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے ان کے درجات کو گھٹانے کی کوشش کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی سچی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان گمراہ لوگوں نے ایسا احمقانہ عقیدہ اختیار کرنے کے لیے کون سا قرآن پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن پاک ہر حال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو ایمان کا ستون قرار دیتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’
‘‘تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ’’

اور باب 4 النساء آیت 65:

لیکن نہیں، آپ کے رب کی قسم، وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ کو اس بات کا"
فیصلہ نہ کر لیں جس پر وہ آپس میں جھگڑتے ہیں اور پھر جو فیصلہ آپ کرتے ہیں اس سے اپنے آپ
" کو کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے اور)مکمل طور پر (سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

یہ ان گنت مثالوں میں سے چند مثالیں ہیں جو ہر حال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوص نیت سے اطاعت کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیات 67-68:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ یہ کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری، بلکہ اس کے درمیان درمیانی ہے، لہٰذا تم جو حکم دیا جائے وہ کرو۔

ان کے لیے معاملہ واضح کرنے کے بعد، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل درآمد کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا، بجائے اس کے کہ وہ گمراہ کن رویہ اختیار کریں، جس کے تحت کوئی غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھتا ہے اور تحقیق کرتا ہے، جس سے صرف ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے۔ ایک مسلمان کو صرف اس مذہبی علم کے بارے میں دریافت اور تحقیق کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ کرنے میں مدد فراہم کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، لہٰذا انسان کو صرف اسی علم کے بارے میں دریافت اور تحقیق پر توجہ دینی چاہیے۔ غیر متعلقہ دینی علم میں غوطہ زن ہونا انسان کو خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہٹاتا ہے اور غیر ضروری طور پر اپنے وسائل میں مشغول ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 3257 میں صحیح راہنمائی کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی صحیح رہنمائی والا رویہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اختیار کرنے کی تلقین کر رہے تھے لیکن وہ اسے سمجھنے اور اپنانے میں ناکام رہے۔ اس کے بجائے، وہ غیر متعلقہ سوالات

پوچھتے رہے جس نے ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیا۔ ابتدائی حکم کسی بھی گائے کو ذبح کرنے کا تھا لیکن جب وہ غیر متعلقہ سوالات کرنے پر اڑے رہے تو یہ حکم زیادہ مخصوص ہو گیا اور اس لیے اس پر عمل کرنا مشکل ہو گیا۔ باب 2 البقرہ، آیات 68-71:

انہوں نے کہا" :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتا دے کہ یہ کیا ہے؟ "موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا " ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری، بلکہ اس کے درمیان درمیانی ہے، تو جو حکم دیا گیا ہے وہ کرو، انہوں نے کہا :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں دکھائے کہ کیا ہے۔ اس کا رنگ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :وہ کہتا ہے کہ یہ ایک پیلے رنگ کی گائے ہے، جس کا رنگ چمکدار ہے اور دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے۔ "انہوں نے کہا" :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ کیا ہے۔ درحقیقت،]تمام [گائیں ہمیں ایک جیسی لگتی ہیں۔ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے۔ "اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک گائے ہے جو نہ تو زمین کو جوتتی ہے اور نہ کھیت کو سیراب کرتی ہے، بے عیب ہے جس پر کوئی داغ بھی نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے ذبح کر دیا، لیکن وہ اسے مشکل سے کر سکے۔"

گو کہ بنی اسرائیل نے ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح رہنمائی کی خواہش ظاہر کی، لیکن چونکہ وہ اس کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچی اطاعت میں ناکام رہے، انہوں نے رحمت کی امید کے بجائے خواہش مندانہ سوچ اختیار کی۔ اللہ عزوجل۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید ہمیشہ اس کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، وہ ہے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھ سکتا ہے، چاہے وہ کبھی کبھار گناہ کر بیٹھیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہنا اور اس پر یقین رکھنا کہ وہ رحمت اور بخشش عطا کرے گا صرف خواہش مندانہ سوچ ہے۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں آیا ہے ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ بنی اسرائیل کو اسی چیز کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس کی وہ پہلے پوجا کرتے تھے یعنی سونے کا بچھڑا۔ باب 2 البقرہ، آیت 51:

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وقت مقرر کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے" کو]عبادت کے لیے [لیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

اس حکم کے پیچھے ایک حکمت یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنے کی اہمیت سکھائی جائے، کیونکہ ان کے سونے کے بچھڑے کی پرستش کا سبب ایسی زندگی گزارنے کی خواہش تھی جس کی تکمیل کے لیے وہ آزاد تھے۔ ان کی تمام دنیاوی خواہشات بغیر کسی پابندی کے۔ بے جان سنہری بچھڑا انہیں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں دے سکتا تھا، اس لیے وہ صرف اپنی خواہشات کے مطابق ایسا ہی گھڑ لیتے تھے۔ باب 7 الاعراف، آیت 148:

اور موسیٰ کی قوم نے]ان کے جانے کے بعد [اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا - ایک ایسی تصویر" جس کی آواز نیچی تھی۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں کوئی راستہ دکھا سکتا ہے؟ انہوں نے اسے]عبادت کے لیے [لیا اور وہ ظالم تھے۔

لہٰذا، گائے کو ذبح کرنا ایک سبق تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو یا دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کے طریقوں سے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .

باب 2 البقرہ، آیات 68-71:

انہوں نے کہا" :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتا دے کہ یہ کیا ہے؟ "موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا " ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری، بلکہ اس کے درمیان درمیانی ہے، تو جو حکم "دیا گیا ہے وہ کرو، انہوں نے کہا :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں دکھائے کہ کیا ہے۔ اس کا رنگ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :وہ کہتا ہے کہ یہ ایک پیلے رنگ کی گائے ہے، جس کا رنگ چمکدار ہے اور دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے۔ "انہوں نے کہا" :اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ کیا ہے۔ درحقیقت،]تمام [گائیں ہمیں ایک جیسی لگتی ہیں۔ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے۔ "اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک گائے ہے جو نہ تو زمین کو جوتتی ہے اور نہ کھیت کو سیراب کرتی ہے، بے عیب ہے جس پر کوئی داغ بھی نہیں ہے۔ اس لیے انہوں "نے اسے ذبح کر دیا، لیکن وہ اسے مشکل سے کر سکے۔

یہ واقعہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ خدائی تعلیمات اور احکام پر سختی سے عمل کرنے کی بجائے اپنی مرضی کے مطابق رویہ اختیار کیا جائے کیونکہ بعد کا رویہ ہی مصیبت کا باعث بنتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کریں اور دوسری چیزوں سے گریز کریں خواہ وہ اچھے کام ہی کیوں نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان دوسرے چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ دوسری چیزوں پر عمل کرنا مسلمانوں کی زندگیوں میں داخل ہونے والے اجنبی طرز عمل کا بنیادی سبب ہے، دوسرے مذاہب کے رواج۔ ان طریقوں کو اکثر ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کرنے پر ترجیح دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہوتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

:باب 2 البقرہ، آیت 72

اور یاد کرو جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا لیکن اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے’’ ‘‘والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے ایک آدمی کے قتل کا حل نکالا تاکہ انہیں یاد دلایا جائے کہ ہر ایک کو ان کے اعمال کا جوابدہ ہونا پڑے گا، خواہ وہ دوسرے لوگوں سے پوشیدہ عمل ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے ان کی نیت، قول اور فعل کا مسلسل جائزہ لینا چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ سیدھے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ جو شخص اس دنیا میں اپنے رویے کا فیصلہ کرے گا اور اس کی اصلاح کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ ان کا آخری فیصلہ آسان ہوگا۔ لیکن جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ پائے گا کہ ان کی نیت، قول اور فعل انہیں تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 101 القریٰ، آیات 6-11:

’’پھر وہ جس کا پلڑا بھاری ہے۔ وہ خوشگوار زندگی گزارے گا۔ لیکن جس کے پلڑے ہلکے ہوں۔ اُس کی پناہ گاہ گڑھا ہو گی۔ اور آپ کو کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ یہ آگ ہے، شدید گرم۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 72:

’’اور یاد کرو جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا لیکن اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔‘‘

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر حق واضح کیا اور ایک دوسرے پر لگائے گئے قتل کے جھوٹے الزامات کی تردید کی، اسی طرح انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عذر اور الزام تراشی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ لوگوں کی گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ شیطان کا حوالہ دیتا ہے جب وہ ان لوگوں سے خطاب کرے گا جو اس پر الزام لگا کر اپنے اعمال کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 22:

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ خود کو قصوروار ٹھہرائیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ شیطان پر الزام لگا کر اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے سے نہیں بچیں گے تو پھر وہ کوئی اور عذر کیسے قبول کرے گا؟ لہٰذا ہر شخص کو ہر وقت اپنی نیت، قول اور فعل کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے تاکہ وہ قیامت تک پہنچنے سے پہلے ان کی اصلاح کر لے جب کہ ان کی اصلاح ممکن نہ ہو گی۔

اس شخص کے قتل کو حل کرکے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک اور واضح معجزہ دکھایا۔ باب 2 البقرہ، آیات 72-73:

اور یاد کرو جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا، لیکن اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے " والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے کہا کہ اس کو مارو اس کا کچھ حصہ]ذبح شدہ گائے[۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اتنے واضح معجزات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ اب بھی کمزور ایمان کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور معجزہ دکھایا تاکہ وہ اس کی گواہی دے کر مضبوط ایمان اختیار کر سکیں۔ مضبوط ایمان کو اپنانے کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ یہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو

اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس دور میں اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے مضبوط ایمان اپنایا جاتا ہے۔ اسلام کی حقانیت کے بارے میں اس میں بیان کردہ مختلف دلائل کا مشاہدہ کیا جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کس طرح ہر زمانے میں پورے ہوتے رہے ہیں تو ایک مسلمان کا ایمان مضبوط ہو گا۔

اس کے علاوہ یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ایک مردہ شخص کو گوشت کے ایک ٹکڑے سے زندہ کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کسی چیز سے پیدا نہیں کیا، ان کے مرنے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہونے کے بعد انہیں واپس لانا آسان کام ہے۔ دوسری صورت میں یقین کرنا محض غیر منطقی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 73:

''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سوچو۔''

عام طور پر، یہ زندگی میں مشاہدہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ انسان کو اپنی زندگی، دوسروں کی زندگیوں اور کائنات کا اس طرح مشاہدہ کرنا چاہیے جس سے وہ ان سے سبق سیکھیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں۔ مثال کے طور پر، جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور دنیا کو اپنے قدموں پر رکھنے کے باوجود وہ کس طرح بے شمار ذہنی مسائل کا سامنا کرتے ہیں، جیسے کہ بے چینی، تناؤ، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور خودکشی کے رجحانات کا، تو اسے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ امن ذہن صرف ان نعمتوں کو استعمال کرنے میں مضمر ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

انسان کو آسمانوں اور زمین کا مشاہدہ کرنا چاہیے اور ان کے اندر موجود نشانیوں کی قدر کرنی چاہیے جو روزِ قیامت قیامت کی حقیقت کو واضح طور پر ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص دن اور رات کا مشاہدہ کرے گا تو وہ واضح طور پر دیکھے گا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ سورج کی روشنی کے ذریعے زمین کو رات کے وقت موت جیسی حالت کا تجربہ کرنے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کرتا ہے اور مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے جو زمین میں بو دیا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 39:

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم زمین کو ساکن دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ لرزتی اور بڑھ جاتی ہے۔ بے شک جس نے اسے زندہ کیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔’’

نیند کے جاگنے کا چکر ایک معمولی قیامت ہے جو ہر روز ہوتی ہے۔ نیند موت کی بہن ہے، جس طرح نیند کے دوران انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے، اسی طرح وہ موت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کو زندگی دی جاتی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے بیدار ہونے کی اجازت دی ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

"اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں قبض کرتا ہے۔ پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کیا ہے ان کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقیوں کو ایک معین مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

جب کوئی شخص سال بھر کے مختلف موسموں اور فصلوں، پودوں اور درختوں پر ان کے اثرات کو دیکھتا ہے تو اس سے قیامت کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ سردیوں کے موسم میں درخت اپنے پتے جھاڑ دیتے ہیں اور مردہ دکھائی دیتے ہیں لیکن دوسرے موسموں میں انہیں دوبارہ زندگی مل جاتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو مشاہدہ کرنے والی ذہنیت کو اپنانا چاہیے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگیوں، دوسروں کی زندگیوں اور دنیا کے اندر موجود نشانیوں سے سیکھیں تاکہ اللہ تعالیٰ پر اپنا ایمان مضبوط ہو سکے۔ اس کے نتیجے میں انہیں اس کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ کرنے کی ترغیب ملے گی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 73:

‘‘اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔’’

اور باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ’’ حق ہے‘‘۔

باب 2 - البقرہ، آیت 74

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِىَ كَٱلْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةًۚ وَإِنَّ مِنَ ٱلْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ
مِنْهُ ٱلْأَنْهَٰرُۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ ٱلْمَآءُۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ ٱللَّهِۗ
وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾

"پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بے شک پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پانی نکلتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔‘‘

پچھلے اقتباسات میں بنی اسرائیل کو ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے دکھائے گئے کچھ معجزات کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں انھیں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی ترغیب دینی چاہیے تھی۔ اس میں اُن نعمتوں کا استعمال کرنا شامل ہے جو اُنہیں عطا کی گئی تھیں اُن طریقوں سے جو اُس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ الہٰی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے دل اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے نشے میں دھت تھے، جو اس وقت واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے جب وہ ایک بے جان مجسمے کی پوجا کرتے تھے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کو ایک مخصوص ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم نہیں دے سکتا، جس کی وجہ سے وہ اس ضابطہ کو وضع کر سکیں۔ ان کی خواہشات کے مطابق طرز عمل۔ اس کے نتیجے میں ان کے روحانی دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے سخت ہو گئے جس کے نتیجے میں وہ اس کی نافرمانی پر اڑے رہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 3334 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ گناہ کرتے ہیں، اتنا ہی ان کا روحانی دل تاریکی میں گھرا جاتا ہے۔ یہ تاریکی الہی تعلیمات میں پائی جانے والی ہدایت کی روشنی سے مستفید ہونے سے روکتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

''...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ''

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے سخت روحانی دل کو اپنانے سے بچنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس میں زیر بحث مثبت خصوصیات کو اپنائیں، جیسے سخاوت، صبر اور شکر گزاری، اور اس میں زیر بحث منفی خصوصیات سے بھی بچیں، جیسے لالچ، حسد اور غرور۔ جب کوئی اچھی خصلتوں کو اپنائے گا اور منفی خصلتوں سے بچ جائے گا تو اس کا روحانی دل نرم و پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ پاکیزگی پھر ان کے قول و فعل سے ظاہری طور پر ظاہر ہوگی۔ یعنی ان کے قول و فعل کی جڑیں نیکی ہوں گی۔ صحیح بخاری نمبر 52 ایک خالص روحانی دل اس بات کو میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں میں کامیابی ہوتی ہے۔ دنیا باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جو شخص الہٰی تعلیمات میں بیان کی گئی اچھی خصوصیات کو اپنانے میں ناکام ہو کر بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتا ہے اور اس کے بجائے منفی کو اپناتا ہے تو اس کا روحانی دل سخت اور ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ سختی اور نجاست پھر ان کے قول و فعل سے ظاہر ہوگی۔ اس سے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبت آئے گی۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

پاک اور ناپاک روحانی دل کے درمیان فرق اور ان کے نتائج کی طرف بھی باب 6 الانعام آیت نمبر 125 میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"پس جس کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے پھیلا دیتا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ اور تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ناپاکی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

جو شخص اپنے روحانی قلب کی تطہیر کے لیے سرگرداں رہے گا وہ صحیح راہ پر گامزن ہو گا لیکن جو شخص اپنے روحانی قلب کی تطہیر کو نظر انداز کرے گا وہ اس گمراہ راستے پر چھوڑ دیا جائے گا جسے انہوں نے چنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے روحانی دلوں کی کچھ مختلف قسمیں بیان کی ہیں جنہیں لوگ اپنا سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ کیونکہ بے شک پتھر ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں..."

جس طرح پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں، اسی طرح پاکیزہ روحانی قلب حسن کلام اور اعمال کے بہاؤ کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ روحانی قلب اپنے علمبردار اور دوسروں کو دینی اور دنیاوی معاملات میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس روحانی قلب سے جو پانی پھوٹتا ہے وہ آسمانی علم کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہے، جس طرح بارش کا پانی آسمان سے اترتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ روحانی دل علم الٰہی سیکھتا، عمل کرتا اور شیئر کرتا ہے، تاکہ اس کا مشاہدہ ان کے قول و فعل اور دوسروں کے قول و فعل میں ہو۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان تمام نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے، روحانی دل کی جڑ الٰہی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 74:

’’ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ...اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پانی نکل آتا ہے۔‘‘

اس قسم کا روحانی دل پچھلے سے ملتا جلتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچتا جتنا کہ پہلی قسم کے روحانی دل کو۔ مثال کے طور پر، وہ علم الہی سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں لیکن وہ دوسروں کو فعال طور پر نہیں سکھا سکتے۔ اور جس کے پاس یہ روحانی قلب ہوتا ہے وہ علم الہی کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں کم کوشش کرتا ہے لیکن وہ جتنا کم جانتے اور سیکھتے ہیں، وہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے خلوص دل سے کوشش کرتے ہیں، جس سے ان کی کوششوں کے مطابق ان کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو امید ہے کہ وہ آخرکار پہلی قسم کے روحانی قلب کو اختیار کر لیں گے، جو علم الہی سیکھنے، عمل کرنے اور بانٹنے میں غرق ہے، تاکہ وہ اپنے پاس موجود ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کریں۔ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں۔ یہ واحد راستہ ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 74:

’’ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ...اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔‘‘

روحانی قلب کی آخری قسم کا علمبردار ضروری نہیں کہ علم الٰہی سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے بلکہ وہ کم سے کم ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور اسلام کی بڑی ممنوعات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے کم سے کم معیار ہے، کیونکہ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں ڈرتا۔ آیت 74 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو کم سے کم معیار پر عمل نہیں کرتا وہ ہے جو اپنے قول سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عمل سے اس کی حمایت کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایسا سلوک کرنے والا اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلا جائے جو سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے اعمال سے ہونی چاہیے، کم از کم اعمال میں فرائض کو پورا کرنا اور ممنوعات سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ایمان کی پرورش نہ کر سکے تو وہ بھی مر سکتا ہے، جس طرح ایک پودا مر جاتا ہے جب وہ سورج کی روشنی اور پانی جیسی غذائیت حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ لہٰذا انسان کو ہر وقت کم سے کم معیار پر قائم رہنا چاہیے لیکن الہٰی تعلیمات ،کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے روحانی دل کو قدم بہ قدم اس میں بیان کردہ مثبت خصوصیات کو اپنا کر اور اس میں زیر بحث منفی خصوصیات سے بچیں۔ یہ بتدریج ترقی اس بات کو یقینی بنائے گی کہ وہ آخرکار اعلیٰ قسم کے روحانی دل کو اپنا لیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بے شک پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پانی نکلتا ہے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

سیدھے راستے پر چلنے والے روحانی دلوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے پاس اپنے روحانی دلوں کو پاک کرنے کی کوشش کرنے سے بچنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

چونکہ کسی کے روحانی دل کی پاکیزگی زیادہ تر پوشیدہ ہوتی ہے جیسے کہ کسی کی نیت، اس لیے اللہ تعالیٰ آیت کا اختتام لوگوں کو یہ یاد دلاتے ہوئے کرتا ہے کہ وہ کسی کے روحانی دل کے پوشیدہ پہلوؤں، جیسے ان کی نیت اور ظاہری پہلوؤں سے پوری طرح واقف ہے۔ جیسے کہ کسی کے روحانی قلب کے ظاہری اثرات ان کی گفتگو اور افعال پر۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

‘‘اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔’’

لہٰذا انسان کو اپنی پوشیدہ نیت کو درست کرکے ایک پاکیزہ روحانی قلب حاصل کرنے کا ارادہ کرنا چاہیے، تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کام کریں۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ دوسروں سے کسی قسم کی ادائیگی یا شکرگزاری کا مطالبہ نہیں کرتے اور نہ ہی امید رکھتے ہیں۔ انہیں اچھی بات کہنے یا خاموش رہنے سے اپنی بات کو پاک کرنا چاہیے۔ اور انہیں اپنے اعمال کو ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے پاک کرنا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سب کی جڑ علم الہی کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ایک پاکیزہ روحانی قلب کو اپنانا ہے تاکہ وہ اس میں بیان کی گئی مثبت خصوصیات کو اختیار کریں، جیسے صبر اور شکر، اور اس میں زیر بحث منفی خصوصیات سے بچیں، جیسے کہ غرور اور حسد۔ یہ ایک وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق اسلامی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ گریز کیا جائے .اس ڈیجیٹل دور میں جہاں اسلامی معلومات باآسانی قابل رسائی ہیں، کسی کے پاس اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا ہے۔

باب 2 – البقرہ، آیات 75-77

۞ أَفَتَطۡمَعُونَ أَن يُؤۡمِنُواْ لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيقٞ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ
مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ٧٥

وَإِذَا لَقُواْ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ إِلَىٰ بَعۡضٖ قَالُوٓاْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا
فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمۡۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ٧٦

أَوَلَا يَعۡلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعۡلِنُونَ ٧٧

کیا تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ وہ)اہل کتاب (تم پر ایمان لائیں گے جب کہ ان میں سے ایک’’ گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب وہ جانتے تھے تو سمجھ گئے تھے؟

اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان سے وہ باتیں کرتے ہو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہے تاکہ وہ اس کے بارے میں تمہارے رب کے سامنے تم سے جھگڑیں، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

لیکن کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں؟

مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے شدید ظلم و ستم اور مخالفت کا سامنا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پختہ یقین تھا کہ مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب آسانی کے ساتھ اس پر عمل کریں گے۔ اسلام قبول کرو کیونکہ وہ لوگ تھے جو پچھلے آسمانی صحیفوں اور قانون کی پیروی کر رہے تھے۔ یہ سب سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی ایک مضبوط وجہ تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کا رویہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کس قدر اخلاص کے مالک تھے کیونکہ وہ ہمیشہ دوسروں کے لیے وہی چاہتے تھے جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔ جس طرح وہ اسلام کی صحیح رہنمائی کو پسند کرتے تھے، اسی طرح وہ دوسروں کے لیے بھی یہی چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ رویہ اپنانا ضروری ہے، کیونکہ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق دوسروں کے ساتھ اخلاص اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے . جب کوئی دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا کہ وہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔
باب 2 البقرہ، آیت 75:

"کیا تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ وہ)اہل کتاب (تم پر ایمان لائیں گے جب کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب وہ جانتے تھے تو سمجھ گئے تھے؟

ان کی الہامی تعلیمات کی جان بوجھ کر غلط تشریح کر کے دولت اور سماجی حیثیت جیسی چیزوں کو برقرار رکھنے کی محبت میں اہل کتاب کی اکثریت نے اسلام کا انکار اور مخالفت کی۔ ان کے طرز زندگی نے انہیں راستبازی کی ظاہری شکل کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی تمام دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کی اجازت دی۔ لیکن جیسا کہ اسلام نے ان کی خواہشات کو چیلنج کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ان پر قابو پانے کی تلقین کی، انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود رد کر دیا، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک میں ان کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی۔ آسمانی صحیفے، جس کی انہوں نے جان بوجھ کر غلط تشریح کی اور عوام سے چھپایا۔
باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’ جانتے ہیں‘‘۔

آیت 75 یہ بھی واضح کرتی ہے کہ اہل کتاب کو ان کے ایمان کے دعوے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مومن نہیں سمجھا۔ یہ اسلامی تعلیمات میں جڑے اعمال کے ساتھ ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ عمل کے بغیر زبانی دعوے اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ شخص جو عقیدہ کی تائید کیے بغیر زبانی طور پر عقیدہ کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس طالب علم کی طرح بے وقوف ہے جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو واپس کر دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے ذہن میں ہے اور اس لیے انہیں جواب دے کر علم لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امتحان کے سوالات .جس طرح یہ طالب علم فیل ہوگا اسی طرح وہ شخص بھی ناکام ہوگا جو اپنے روحانی دل میں اسلام پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عمل سے اس دعوے کی تائید نہیں کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کسی کے روحانی دل میں کیا ہے، اس سے بھی کم، اس نے ایمان کو حقیقی بنانے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں اور عمل سے اس کی حمایت کرتے ہیں ان کو اجر دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر، باب 16 النحل، آیت 32:

وہ جن کو فرشتے موت میں لے جاتے ہیں،]ہوتے ہوئے [نیک اور پاکیزہ۔)فرشتے (کہیں گے تم پر" سلامتی ہو، جنت میں داخل ہو جاؤ اس کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

باب 2 البقرہ، آیت 75:

’’کیا تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ وہ)اہل کتاب (تم پر ایمان لائیں گے جب کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب وہ جانتے تھے تو سمجھ گئے تھے؟

جمہور اہل کتاب کے اس طرز عمل کے باوجود اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان سب کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 75:

’’کیا تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ وہ)اہل کتاب (تم پر ایمان لائیں گے جب کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب وہ جانتے تھے تو سمجھ گئے تھے؟

چند لوگ جنہوں نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا، جیسے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے، جب انہیں پیش کیا گیا تو آسانی سے اسلام قبول کر لیا، کیونکہ وہ تورات کی تعلیمات پر خلوص کے ساتھ عمل پیرا تھے جو اسلام کے آنے کی تبلیغ کرتی تھی۔

عام طور پر، یہ چند لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر لوگوں کے گروہ کا فیصلہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ رویہ اکثر مسلمانوں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے جو لوگوں کے ایک پورے گروہ کو، جیسے کہ ایک مخصوص ملک کے لوگوں کو، ایک بالٹی میں پھینک دیتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ ان میں سے ایک گروہ برا سلوک کرتا ہے۔ یہ حیران کن ہے کیونکہ میڈیا کی طرف سے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہا ہے، کیونکہ پوری مسلم قوم کو گمراہ مسلمانوں کی اقلیت کے ساتھ جوڑا جاتا ہے جو معصوم لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں نے اس رویے کے منفی نتائج کا تجربہ کیا ہے، اس لیے انہیں دوسروں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے سے بچنے کے لیے اور زیادہ بے چین ہونا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 75:

کیا تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ وہ)اہل کتاب (تم پر ایمان لائیں گے جب کہ ان میں سے ایک'' گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب وہ جانتے تھے تو سمجھ گئے تھے؟

یہ آیت مسلمانوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ اسلامی علم کے سلسلے میں اس طرح کا برتاؤ نہ کریں۔ انہیں اپنی خواہشات کے مطابق جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود حدیث میں غلط نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے والوں کو خبردار کیا ہے، جیسے دکھاوے، جہنم سے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل کرتے ہیں، اور اس علم کے غلط استعمال سے اجتناب کرتے ہیں تاکہ دنیاوی چیزیں، جیسے سماجی رتبہ اور دولت حاصل کریں۔ آیت 76 یہ بھی واضح کرتی ہے کہ غیر ارادی طور پر مذہبی تعلیمات سے غلط جواب اخذ کرنا گناہ نہیں سمجھا جاتا اگرچہ انسان کو اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب میں سے منافقین کے دو چہروں کے رویے پر روشنی ڈالتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی تعلیمات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیان کرتے تھے، تاکہ ان کو یہ باور کرایا جا سکے کہ وہ سب کے سب دین پر تھے۔ ایک ہی طرف باب 2 البقرہ، آیت 76:

اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ آپس میں اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان سے وہ باتیں کرتے ہو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہے تاکہ وہ اس کے بارے میں تمہارے رب کے سامنے تم سے جھگڑیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

دو چہروں والے رویہ سے ہمیشہ گریز کرنا چاہیے کیونکہ ایک شخص محدود مدت کے لیے اپنے رویے سے مختلف گروہوں کو خوش کر سکتا ہے لیکن جب یہ وقت ختم ہو جائے گا تو وہ دونوں جہانوں میں سرعام رسوا ہو گا۔ باب 9 توبہ آیت 64:

منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کی باتوں سے آگاہ کر دے۔ کہہ دو کہ تم مذاق کرو، بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر دے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔ ’’

سنن ابوداؤد نمبر 4873 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دو چہروں والا رویہ اختیار کرے گا قیامت کے دن اس کی دو زبانیں ہوں گی۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہر وقت حق پر قائم رہنا چاہیے، چاہے وہ کسی کے ساتھ معاملہ کر رہا ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 76:

اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ آپس میں اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان سے وہ باتیں کرتے ہو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہے تاکہ وہ اس کے بارے میں تمہارے رب کے سامنے تم سے جھگڑیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

یہ آیت بری صحبت سے بھی متنبہ کرتی ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے منافقین ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کرنے میں ناکام رہے۔ کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے متاثر ہوں گے، چاہے ظاہر ہو یا لطیف اور چاہے مثبت ہو یا منفی۔ سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ایسے اچھے ساتھی اختیار کریں جو انہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی تلقین اور ترغیب دیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اچھی صحبت اختیار کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اس دنیا میں اپنے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنے گا اور اس کے برے ساتھی آخرت میں بھی اس کے لیے پریشانی کا باعث بنیں گے ۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 76:

اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ آپس میں اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان سے وہ باتیں کرتے ہو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہے تاکہ وہ اس کے بارے میں تمہارے رب کے سامنے تم سے جھگڑیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

ان منافقین نے احمقانہ طور پر ایک دوسرے کو نصیحت کی کہ وہ اپنی آسمانی تعلیمات میں پائے جانے والے علم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بانٹتے رہے کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ یہ ان تعلیمات پر عمل کرنے میں خود بھی ناکام رہے کیونکہ وہ قیامت کے دن ان کے خلاف ثبوت بن جائیں گے۔ لیکن اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کی اپنی نیت، بول چال اور طرز عمل اس بات کی گواہی دینے کے لیے کافی تھا کہ وہ اپنی آسمانی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے اور اس کی بجائے جان بوجھ کر ان کی غلط تشریح کی تاکہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات کو حاصل

کر سکیں۔ اور ان کی بُری نیت، گفتار اور برتاؤ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا، خواہ وہ اسے لوگوں سے چھپانے کی کوشش کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 77:

‘‘لیکن کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں؟’’

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان منافقین کے نقش قدم پر چلنے سے بچیں اور اس کے بجائے یہ یقینی بنائیں کہ وہ نیک نیت اپنائیں تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کریں۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی احسان یا اجر کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی امید رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اچھی تقریر اختیار کریں، جس میں اچھی بات بولنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ان آیات میں مذکور منافقین کے دو چہروں والے رویہ سے بچیں گے۔ انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسلامی علم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ،اچھے رویے کو اپنائیں تاکہ وہ اس میں بتائی گئی اچھی خصوصیات کو اپنائیں، جیسے کہ اخلاص سخاوت، صبر اور شکر گزاری، اور اس میں مذکور منفی خصوصیات جیسے منافقت، لالچ اور غرور سے بچیں۔ یہ سب کچھ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن جو شخص منافقین کے نقش قدم پر چل کر بُری نیت، قول و فعل اختیار کرتا ہے، جیسا کہ وہ صرف ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، اسے دونوں جہانوں میں تنگی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 78

وَمِنۡهُمۡ أُمِّيُّونَ لَا يَعۡلَمُونَ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

اور ان میں]اہل کتاب [ان پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے"
"خیال کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔

یہ آیت ان لوگوں پر تنقید کرتی ہے جو زبانی طور پر کسی خاص مذہب کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ اپنے آسمانی صحیفوں کی اندھا دھند تلاوت کریں گے جو انہوں نے پڑھائی اور اس کی وکالت کی تھی، جیسا کہ آج کل کے مسلمانوں کی طرح جو قرآن پاک کو اس کے معنی سمجھے بغیر پڑھتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اہل کتاب میں سے یہ ان پڑھ لوگ پھر اپنے بزرگوں اور علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور ان کے آسمانی صحیفوں کی تعلیمات کو سمجھے بغیر۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی گمراہی کا باعث بنا کیونکہ ان کے بہت سے بزرگوں اور علماء نے جان بوجھ کر دنیاوی چیزوں جیسے مال اور سماجی حیثیت کے حصول کی خاطر اپنے آسمانی صحیفوں کی غلط تشریح کی۔ مثال کے طور پر، ان میں سے اکثر نے اسلام کا انکار کیا اور اپنے جاہل پیروکاروں کو اسلام سے انکار کرنے کا مشورہ دیا حالانکہ انہوں نے اس کی حقانیت کو واضح طور پر تسلیم کیا تھا جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 78:

"...اور ان میں]اہل کتاب [ان پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے "

اس لیے یہ آیت علم الہی کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام ہو کر جہالت کو اپنانے کے خلاف تنبیہ کرتی ہے کیونکہ یہ اکثر دوسروں کی اندھی تقلید کا باعث بنتا ہے جو کہ اکثر گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 116:

اور اگر تم زمین والوں میں سے اکثر کا کہنا مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ" صرف گمان کی پیروی نہیں کرتے اور وہ صرف گمان ہی نہیں کرتے۔"

یہی ایک وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ایک مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جاتی ہے کہ وہ اسلامی علم کے تمام پیچیدہ اور تفصیلی پہلوؤں کو سمجھے، جیسے اسلامی فقہ کے پیچیدہ پہلو۔ لیکن ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایمان کے بنیادی عناصر کو قرآن پاک میں زیر بحث لائیں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں گے، اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کا باقاعدگی سے مطالعہ کریں، سیکھیں اور ان پر عمل کریں ۔ زندگی یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص اپنے تمام مذہبی امور میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے جس کے نتیجے میں گمراہ ہونے کے امکانات کم ہوجائیں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 78:

اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے "سوچنے کے"، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔

جہالت انسان کو اللہ تعالیٰ کی سچے دل سے اطاعت کرنے سے بھی روکتی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انہیں دی گئی ہیں۔ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کیسے کر سکتا ہے جب کہ وہ نہیں جانتا کہ کیسے؟ یہ جاہل لوگ پھر ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح راہ پر ہیں، جیسا کہ وہ اپنی گفتگو سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں صرف یہ سمجھ کر ثقافتی طریقوں اور عقائد کو اپنانے کی ترغیب دے گا کہ وہ مذہبی رسومات اور عقائد ہیں۔ یہ صرف مزید گمراہی کا باعث بنے گا، کیونکہ ان میں سے بہت سے اعمال کی جڑیں شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہیں۔ جب کوئی جاہل مسلمانوں کو دیکھتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے۔

اہل کتاب میں سے جاہلوں نے یہ سمجھا کہ علم الہی کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکامی اور اس کے بجائے اپنے دین سے چند عمل سیکھنا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے اپنے ایمان کو چند خالی طریقوں میں تبدیل کر دیا اور یہ نہیں سمجھا کہ ان کے ایمان کا مقصد ان کے ہر نیت، قول اور عمل کو متاثر کرنا ہے۔ یہ سمجھ صرف اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مذہبی علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے چند جسمانی عبادات پر انحصار کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ فرض کر لیا ہے کہ یہ کامیابی کا راستہ ہے۔ جب کوئی اپنے عقیدے کو اس زبان میں ادا کیے جانے والے چند طریقوں اور رسومات میں بدل دیتا ہے جسے وہ سمجھ نہیں پاتے ہیں، تو اس کا ایمان زندگی کا ایک طریقہ نہیں رہتا۔ جب اگلی نسل ان کے نقش قدم پر چلتی ہے تو یہ صرف وقت کی بات ہے اس سے پہلے کہ وہ ان چند طریقوں کو ترک کر دیں یہ سمجھ کر کہ یہ ان کی ثقافت کا صرف ایک حصہ ہیں بجائے اس کے کہ ان کا عقیدہ زندگی کا ایک طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر مغربی ممالک میں ہجرت کرنے والے بزرگوں نے لباس کے حوالے سے اپنی ثقافت کو برقرار رکھا لیکن اگلی نسل جو مغرب میں پیدا ہوئی اور پرورش پائی انہوں نے لباس کے اس طریقے کو یہ سمجھ کر ترک کر دیا کہ یہ صرف ثقافتی عمل ہے نہ کہ طرز زندگی۔ ثقافت اور فیشن

کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نسل در نسل بدلتے رہتے ہیں اور اگر عقیدے کو چند ثقافتی طریقوں کے طور پر دیکھا جائے تو یہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ ترک کر دیے جائیں گے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ایک زمانے میں ان کے گرجا گھر اور عبادت گاہیں متلاشی عبادت گزاروں اور علم کے متلاشیوں سے بھری ہوئی تھیں لیکن جب لوگوں نے علم کو چھوڑ دیا اور صرف چند طریقوں پر انحصار کیا تو اگلی نسل نے ایک قدم آگے بڑھ کر ان چند طریقوں کو بھی ترک کر دیا اور نتیجتاً ان کی عبادت گاہیں اور گرجا گھر خالی ہو گئے۔

اس کے علاوہ، پرانی نسل کے درمیان اس ذہنیت کو اپنانے والوں نے ان چند طریقوں کو اپنایا جو انہوں نے سیکھے تھے لیکن معاشرے کی عمومی ذہنیت میں ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ سے، اگلی نسل ثقافتی طریقوں کو آنکھ بند کر کے نافذ کرنے کی خواہش نہیں رکھتی اور اکثر یہ سوال بھی کرتی ہے کہ وہ عقیدے کو کیوں اپنائیں؟ اور ان طریقوں پر عمل کریں۔ اگر پرانی نسل اس بات سے ناواقف ہے کہ وہ مسلمان کیوں ہیں تو وہ اگلی نسل کو یہ کیسے سمجھائیں گے؟ جہالت صرف اگلی نسل کو اپنے عقیدے اور ان چند طریقوں کو ترک کرنے کی ترغیب دے گی جو انہیں ان کے بزرگوں نے سکھائے تھے اور اس کے بجائے اپنی خواہشات کی خدمت کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

اگر مسلمان اسلامی علم کے مطالعہ اور اس پر عمل کرکے اپنا رویہ بدلنے میں ناکام رہتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تو وہ بھی اس آیت میں مذکور اہل کتاب کا حشر کریں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 78:

" اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے سوچنے کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔"

یہ الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکامی کے خطرناک نتائج سے بھی خبردار کرتا ہے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرے گا وہ اپنے عقیدے کے بارے میں ایسی باتوں پر ضرور یقین کرے گا جو بالکل درست نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ اللہ تعالیٰ کی کچھ الوہی صفات سیکھ سکتے ہیں، جیسے کہ یہ حقیقت ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھتے ہوئے خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں گے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا جیسا کہ وہ بخشنے والا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اس سے کم نہیں، اس نے واضح کر دیا ہے کہ وہ ظالم اور نیکی کرنے والے کے ساتھ دنیا یا آخرت میں یکساں سلوک نہیں کرے گا، کیونکہ یہ اس کے انصاف کے منافی ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

اس خواہش مند مفکر کا خیال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا احترام ظاہر کر رہے ہیں، جب کہ وہ درحقیقت یہ بتا رہے ہیں کہ وہ انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ وہ نیکی کرنے والے کے ساتھ ظالم کے برابر سلوک کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے امیدیں ہمیشہ اس کی اطاعت سے وابستہ رہتی ہیں۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کی کوشش کرتا ہے، جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اس کی خوشنودی کے طریقوں سے استعمال کرتا ہے اور اپنے سرزد ہونے والے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنے کے لائق ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 78:

"اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے سوچنے کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔"

ایک اور گمراہ کن عقیدہ جو لوگ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ قیامت اور جہنم کے عذاب کو حقیر سمجھتے ہیں۔ وہ فرض کرتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے ناطے وہ مسلمان ہی مریں گے، جس کا مطلب ہے کہ وہ آخرکار جنت میں داخل ہوں گے، چاہے انہیں پہلے جہنم میں سزا دی جائے۔ سب سے پہلے تو ایمان کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑنا گوارا نہیں ہے اور جو لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، وہ شاید اپنے ایمان کے بغیر ہی اس دنیا سے چلے جائیں کیونکہ وہ اپنے ایمان کو اطاعت کے ساتھ پروان چڑھانے میں ناکام رہے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے اور جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب اس کی پرورش نہیں ہوتی ہے جیسے پانی، اسی طرح اس مسلمان کا ایمان بھی اچھا ہو سکتا ہے جو عمل سے اپنے زبانی اعلان ایمان کی تائید نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ قیامت اور جہنم کا عذاب ایک لمحے کے لیے بھی ناقابل برداشت ہے ، کئی برسوں کو چھوڑ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص جس نے دنیا کی زندگی میں سب سے زیادہ لطف اٹھایا اسے ایک لمحے کے لیے جہنم میں ڈبو کر واپس نکالا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے اپنے پورے وجود میں کوئی اچھا تجربہ کیا ہے جس کا وہ نفی میں جواب دے گا، کیونکہ جہنم اتنی بھیانک ہے کہ وہ کسی بھی لطف کی یادوں اور احساسات کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے کبھی محسوس کیا ہو۔ سنن ابن ماجہ کی آیت نمبر 4321 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ جہنم کا ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے اس لیے اسے کبھی بھی اس طرح حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کہ گویا یہ دنیا کی قید ہے۔ اس کے علاوہ یہ گمراہانہ رویہ وہی ہے جو اہل کتاب نے بھی اختیار کیا جنہوں نے جہنم کو بھی حقیر سمجھا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان پر تنقید کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

"وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ کبھی نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔ کہو، "کیا تم نے اور اللہ سے کوئی عہد لیا ہے، کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا، یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

باب 2 البقرہ، آیت 78:

" اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے سوچنے کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔"

جاہل مسلمانوں کی طرف سے اپنایا جانے والا ایک اور کلاسیکی گمراہ کن مفروضہ یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن کسی مقدس ہستی، روحانی رہنما اور استاد کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بھی ایک حقیقت ہے، پھر بھی بہت سے مسلمان جہنم میں داخل ہوں گے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم میں ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے۔ اس کے علاوہ یہ جاہل لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی شفاعت کریں گے، اسی طرح وہ ان لوگوں کے خلاف بھی گواہی دیں گے جنہوں نے قرآن پاک کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ باب 25 الفرقان، آیت 30:

"اور رسول نے کہا ہے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔"

کوئی بھی کسی چیز کو قبول کرنے اور لینے کے بعد ہی چھوڑ سکتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن پاک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔ قیامت کے دن جس شخص کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دیں گے اس کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں، ان کے اعمال کی پرواہ کیے بغیر انہیں بخش دیا جائے گا۔ یہ وہی گمراہانہ رویہ تھا جو اہل کتاب نے اختیار کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تنقید کی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے..."

ایک جاہل جو اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا وہ یہ سمجھے گا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی روایت بدل دی جائے گی۔ یعنی اگرچہ اس نے سابقہ قوموں کو سزا دی ہے اور ان کو عذاب دے گا جنہوں نے اس کی مسلسل نافرمانی کی، جاہل کا خیال ہے کہ یہ روایت ان کے لیے بدل دی جائے گی۔ لیکن وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روایت کسی اور قوم کے لیے نہیں بدلتی۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"...پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کر رہے ہیں؟ لیکن تم اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 78:

" اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے سوچنے کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔"

ایک اور کلاسیکی گمراہ کن مفروضہ جو جاہل مسلمانوں نے اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن جہنم سے بچ جائیں گے کیونکہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس کی روایات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرکے اس محبت کو عمل سے ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ یہ یاد نہیں رکھتے کہ پچھلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہی ہیں۔ یہی نتیجہ ان مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوگا جو عملی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتے ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اس میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس کی طرف بہت سی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسے باب 4 النساء، آیت 69:

"اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انبیاء، ثابت قدمی کرنے والے، شہداء اور صالحین کا فضل کیا ہے۔ اور بہترین ہیں وہ صحابہ کے طور پر۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ یہ نتیجہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے نہیں جو صرف اپنی باتوں سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 78:

اور ان میں]اہل کتاب [اَن پڑھ ہیں جو کتاب]تورات اور بائبل [کو نہیں جانتے سوائے خواہش کے "سوچنے کے، لیکن وہ صرف گمان کرتے ہیں۔"

،نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، دوسروں کے گمراہ ہونے سے بچنے اور اللہ تعالیٰ، بزرگی، قرآن کریم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کی زندگی کے بارے میں غلط عقائد کو اپنانے سے بچنے کا واحد طریقہ سیکھنا اور عمل کرنا ہے۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن جو اس طرزِ عمل میں ناکام رہے گا اور جہالت کو اپنی روش اختیار کرے گا وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس سے دنیا میں تناؤ اور مشکلات پیدا ہوں گی اور پھر آخرت میں ان کو ایسی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا انہیں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کبھی احساس یا توقع نہیں تھی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 39 از زمر، آیت 47:

"اور اگر ظالموں کے پاس زمین کی ساری چیزیں اور اس کے ساتھ اتنی ہی چیزیں ہوتیں تو وہ قیامت کے دن بدترین عذاب سے اس کے ذریعے اپنے آپ کو فدیہ میں لے لیتے۔ اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ چیز ظاہر ہو گی جس کا انہوں نے خیال نہیں کیا تھا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 79-82

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا
قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

وَقَالُوا۟ لَن تَمَسَّنَا ٱلنَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ ٱللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ
ٱللَّهُ عَهْدَهُۥٓ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَٰطَتْ بِهِۦ خَطِيٓـَٔتُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا
خَٰلِدُونَ ﴿٨١﴾

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٨٢﴾

پس ہلاکت ہو ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی" طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیں۔ ان کے لیے افسوس ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ان کے لیے افسوس ہے جو وہ کماتے ہیں۔

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔ کہو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے، کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا، یا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟

ہاں،]اس کے برعکس[، جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا، وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

"لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان اہل کتاب پر تنقید کرتا ہے جنہوں نے جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں میں ردوبدل اور غلط تشریح کی تاکہ دنیاوی چیزیں حاصل کی جائیں، جیسے کہ دولت اور قیادت۔ مثال کے طور پر، وہ الہٰی قانون کو بدلنے کے لیے امیروں سے رشوت لیتے تھے تاکہ انہیں اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے ذریعے گناہ کرنے کی رعایت دی جائے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے نابینا پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے آسمانی صحیفوں میں مذکور قرآن پاک کی تفصیل کو تبدیل کر دیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 79:

پس ہلاکت ہو ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے "صحیفہ "لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ "یہ اللہ " کی طرف سے ہے "تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ کرتا ہے کہ خواہ وہ جتنی بھی دنیاوی چیزیں حاصل کر لیں وہ اس کے مقابلے میں چھوٹی ہوں گی اگر وہ اپنے صحیفوں پر سختی سے عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ان لوگوں کو ملتی ہے جو صحیح برتاؤ کرتے ہیں وہ ایک سمندر کی طرح ہے جو قطرہ قطرہ اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرکے حاصل کر سکتا ہے۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اس کے علاوہ اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرنے سے جو دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہ ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور افسردگی کا باعث بن جاتی ہیں، کیونکہ ان کے اٹھانے والے پر دنیاوی نعمتوں کے اثرات کو اللہ تعالیٰ ہی کنٹرول کرتا ہے اور وہی کنٹرول کرتا ہے۔ لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی آسائشوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اکثر دیکھا جائے گا کہ وہ لوگ جو کسی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ذہنی مسائل جیسے پریشانی، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات کا شکار ہیں۔ یہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ ذہنی سکون کے بغیر تمام دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں معمولی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے آیت 79 میں کہا گیا ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس دنیاوی اور آخرت کی سزا ان لوگوں کے لیے جو الہٰی تعلیمات سے سمجھوتہ کرتے ہیں اور جان بوجھ کر ان کی غلط تشریح کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی رعایت دیتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، آیت 79 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرۃ، آیت 79:

ان کے لیے افسوس ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ان کے لیے افسوس ہے جو وہ کماتے ہیں۔

لعنت کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیتی ہے، جو انہیں اس دنیا یا آخرت میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرنے سے روکتی ہے، چاہے وہ دنیاوی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ ہوں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ دنیوی چیزوں کے لیے اسلامی علم حاصل کرنا، جیسے دوسروں کو دکھاوے کا باعث بنتا ہے۔ جہنم میں داخل

باب 2 البقرہ، آیت 79:

پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے "صحیفہ "لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ " کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیں۔ ان کے لیے افسوس ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ان کے لیے افسوس ہے جو وہ کماتے ہیں۔

اس رویے کی ایک شاخ یہ ہے کہ جب نام نہاد اسلامی اسکالرز ایسے اقدامات کی وکالت کرتے ہیں جن کی جڑیں قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں نہیں ہیں، تاکہ پیروی جمع کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ کیا ہیں۔ وکیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نتیجتاً، ان کے

جاہل پیروکار ان طریقوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہوئے پکڑے ہوئے ہیں، اور ان علماء کو اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں جن کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ مسلمانوں کو اس قسم کے لوگوں سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے اور دیگر تمام اعمال سے گریز کرنا چاہیے، خواہ وہ اچھے کام ہی کیوں نہ ہوں۔ کوئی دوسری چیزوں پر اتنا ہی کم عمل کرے گا کہ وہ ہدایت کے دو ذرائع پر عمل کرے گا جس کے نتیجے میں وہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

آیت 79 میں بیان کردہ رویہ ان فنکاروں نے بھی اپنایا ہے جو فیس کے عوض مذہبی روحانی مشقوں کے ذریعے لوگوں کے دنیاوی مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہوئے روحانی مشقیں پیش کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، حالانکہ اس نے اور نہ ہی اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تجویز کیا ہے۔ ان لوگوں سے ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ صرف مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کھونے کی ترغیب دیتے ہیں اور یہ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے دور کرتے ہیں۔ ، جو گمراہی کی طرف جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 79:

پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے "صحیفہ "لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ " کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیں۔ ان کے لیے افسوس ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ان کے لیے افسوس ہے جو وہ کماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس رویے پر کڑی تنقید کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ گمراہ کن رویہ اپنانا کافی برا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ اس وقت بہت برا ہو جاتا ہے جب کسی کا عمل دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ دوسروں کو گمراہ کرنے والا ان کے ہر گمراہ پیروکار کے برابر گناہ ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لہٰذا اس بات

کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ سیکھیں، عمل کریں اور دوسروں کو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنے کی تلقین کریں۔ ، ہر وقت.

اللہ تبارک وتعالیٰ بتاتا ہے کہ اہل کتاب میں سے بہت سے علماء نے جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں میں ترمیم اور غلط تشریح کیوں کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ ہم کو آگ کبھی نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔

انہوں نے اپنی خواہش مندانہ سوچ کے ذریعے اپنے آپ کو دھوکہ دیا جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ یا تو ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا یا انہیں بہت ہلکی سزا دے گا۔ اس لیے ان نتائج نے اپنے آسمانی صحیفوں کی تدوین اور غلط تشریح کو دنیاوی چیزوں جیسے دولت اور قیادت کے حصول کے لیے قابل قدر بنا دیا، بالکل ایسے ہی جیسے ایک چور جو کسی قیمتی چیز کو چوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس خطرے کو اس کے قابل ہے، چاہے وہ پکڑا جائے اور جیل بھیجے جاتے ہیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے..."

لیکن اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ خواہش مندانہ سوچ کی اس کی نظر میں کوئی قیمت نہیں اور جو اس کی نافرمانی پر اڑے رہے گا اسے اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ، ان کا یہ

رویہ اللہ تعالیٰ کی بے عزتی کے سوا کچھ نہیں تھا، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ قیامت کے دن نیکی کرنے والے اور ظالم کے ساتھ یکساں سلوک کرے گا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

اہل کتاب کا خیال تھا کہ وہ دوسروں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا لیکن انہیں بخشے گا۔ نتیجتاً، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ناانصافی کی، جو بذات خود ایک بڑا گناہ ہے۔ اس کی طرف آیت 80 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ ہم کو آگ کبھی نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔ کہو، کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے، کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا، یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟

لہٰذا مسلمانوں کو دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے، جیسے کہ دولت اور قیادت حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی جان بوجھ کر غلط تشریح کرنے کے رویہ سے بچنا چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے اہل کتاب کے نقش قدم پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، کیونکہ ان کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہے۔ نتیجتاً وہ اہل کتاب کی طرح خواہش مندانہ سوچ اپناتے ہیں، یہ یقین کر کے کہ انہیں قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرنے پر معافی دی جائے گی یا ہلکی سی سزا دی جائے گی۔ جس کے نتیجے میں ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے، پھر بھی بہت سے مسلمان جہنم میں جائیں گے۔ اس کی تصدیق ان احادیث سے ہوئی

قیامت ہے جو 4308 کے دن ان کی شفاعت پر بحث کرتی ہیں، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر میں جہنم موجود ہے - جس نے اپنی دنیاوی زندگی سے سب سے زیادہ لطف اٹھایا وہ ایک لمحے کے لیے میں ڈبو کر واپس نکالے جائیں گے۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے اپنے پورے وجود میں کوئی اچھا تجربہ کیا ہے جس کا وہ نفی میں جواب دے گا، کیونکہ جہنم اتنی بھیانک ہے کہ وہ کسی بھی لطف کی یادوں اور احساسات کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے کبھی محسوس کیا ہو۔ سنن ابن ماجہ کی آیت نمبر 4321 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہنم میں ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے اس لیے جہنم کی سزا کو ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی دیرینہ روایت کو تمام اقوام پر واضح کر دیتا ہے، جو بہت سے لوگوں کے اختیار کردہ خواہش مندانہ سوچ کو واضح طور پر ختم کر دیتا ہے۔ یہ روایت کسی فرد یا قوم کے لیے نہیں بدلی جائے گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کو چیلنج کرے گی۔ باب 2 البقرہ، آیات 81-82:

]اس کے برعکس [جس نے برائی کمائی اور اس کو اس کے گناہ نے گھیر لیا، وہ دوزخی ہیں۔ وہ ، ہاں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ایک شخص اپنے گناہوں کا احاطہ کرتا ہے جب کوئی شخص اس سے مخلصانہ توبہ کرنے کی کوشش کیے بغیر اپنے گناہ کے طرز عمل پر قائم رہتا ہے۔ سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اللہ تعالیٰ، یا کسی اور سے جس پر ظلم ہوا ہو، جب تک کہ اس سے صورت حال مزید خراب نہ ہو، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی بھی حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔ جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اس کے گناہوں کا احاطہ نہیں کیا جائے گا، صرف وہی جو اللہ کی نافرمانی پر دلیری سے قائم رہتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ یہ بھی واضح فرماتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں کامیابی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ عمل صالح کے ذریعے اپنے ایمان کو درست کیا جائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ عمل کے ساتھ اس کی حمایت کیے بغیر زبانی طور پر ایمان کا دعویٰ نہ تو اس دنیا یا آخرت میں ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث بنے گا۔ درحقیقت جو اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہتا ہے وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے جانے کا خطرہ مول لیتا ہے جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ کسی کا ایمان ایک پودے کی طرح ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے جو اسے اچھے اعمال سے پرورش نہ دے سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 82:

"لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو اپنی خواہشات کے مطابق الہی تعلیمات کی غلط تشریح کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ انہیں یہ انتخاب نہیں کرنا چاہیے کہ کون سے الہٰی احکامات اور ممانعتوں پر عمل کرنا ہے اور کن کو اپنی خواہشات کے مطابق نظر انداز کرنا ہے، کیونکہ یہ الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح کی ایک شکل ہے۔ انہیں یہ فرض کر کے خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نظر انداز کر سکتے ہیں، پھر بھی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ رویہ دونوں جہانوں میں مصیبت ہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے بجائے، انہیں چاہیے کہ وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 83

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِى ٱلْقُرْبَىٰ
وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ
تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین'' کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ پھر تم میں سے چند ایک کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں رہنے والے اہل کتاب کو اور مسلم قوم کو توسیع دے کر اللہ تعالیٰ پر ایمان کے چند اہم عملی عناصر کی یاد دہانی کرائی، جن کو پورا کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ عملی اعمال اس بات کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اور یہ اس کے یقین کو برقرار رکھنے اور مضبوط کرنے کا ذریعہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، [ان کو حکم دیتے ہوئے] ''

ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش جسمانی اطاعت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر وہ پانی جیسی پرورش حاصل نہ کر سکے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کی پرورش نہ کر سکے۔

باب 2 البقرہ، آیت 83:

''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ''

صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے مراد ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنا ہے جو اس کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ایک اچھی نیت کو اپنانا بھی شامل ہے جس کے ذریعے انسان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے اور اس لیے لوگوں سے کوئی شکرگزاری یا معاوضہ نہیں چاہتا۔ اس میں اچھی بات بولنا یا خاموش رہنا بھی شامل ہے۔ اپنی خواہشات یا دوسروں کی خواہشات اور خوشنودی کو اس کے احکام اور رضا پر فوقیت دے کر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ ’’

اس دور میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل نہ کرے۔ اس لیے دوسرے ذرائع سے کیے گئے تمام اعمال سے اجتناب کرنا چاہیے، خواہ وہ اعمال صالحہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ کوئی بھی ایسا کام یا عمل جس کی جڑیں دو ذرائع ہدایت میں نہ ہوں اللہ کی طرف سے رد کر دیا گیا ہے.

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو۔ انسان گمراہی کا شکار ہیں، اس لیے کامل ہونا اللہ تعالیٰ کا کبھی تقاضا نہیں رہا۔ لوگوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں اور جب بھی وہ گناہ کریں تو سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 41 فصیلات، آیت 6:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

مخلص توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اللہ تعالیٰ، اور کسی اور سے جس پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی بھی حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔

ایمان کے بنیادی اصول یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر بحث کرنے کے بعد آیت میں والدین کے ساتھ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ پیش آنے کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

"...اللہ کے سوا عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو

اپنے والدین کے ساتھ انتہائی احتیاط کے ساتھ سلوک کرنے کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک میں کئی بار آتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور حسن سلوک کریں۔ اس کا اطلاق اس وقت بھی ہوتا ہے جب کسی کے والدین غیر مسلم ہوں۔ صحیح مسلم نمبر 2325 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیت نمبر 83 بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اس میں کسی کو صرف اپنے مسلمان والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اپنے والدین کی مکمل اطاعت کا حکم نہیں دیتا، کیونکہ وہ اپنے بچے کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے سکتے ہیں۔ مکمل اطاعت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کیونکہ بعد والے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیں گے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ یہ دعویٰ کر کے اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح نہ کریں کہ ان کے بچوں کو ہر حال میں ان کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان والدین میں یہ رویہ کافی پھیل گیا ہے کیونکہ انہوں نے دوسرے مذاہب کے ثقافتی طریقوں کو اپنا لیا ہے جو والدین کی مکمل اطاعت کو اپنے خدا کی مکمل اطاعت کے برابر قرار دیتے ہیں۔ بچوں کو اپنے والدین سے اختلاف کرنے کی اجازت ہے، حتیٰ کہ ان معاملات

میں جو اسلام میں جائز ہیں، لیکن انہیں چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے والدین کے لیے اپنی گفتگو اور عمل سے احترام کا خیال رکھیں۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق اچھا بچہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ اپنے والدین، رشتہ داروں یا معاشرے کے مقرر کردہ معیار کے مطابق۔ لوگوں کے معیارات، خاص طور پر جب اچھے بچے کی تعریف کرتے ہیں، اکثر غلط ہوتے ہیں۔ لہذا، ایک مسلمان کو لوگوں کے مقرر کردہ معیار سے پریشان نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی انہیں ان لوگوں کا نوٹس لینا چاہئے جو انہیں برا بچہ کہتے ہیں۔ اس کے بجائے، انہیں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ کیسا سلوک کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے طرز عمل پر اجر طلب کرے، چاہے ان کے والدین یا دوسرے لوگ ان سے ناراض ہوں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی توثیق اور رضامندی حاصل کرنی چاہیے، نہ کہ لوگوں کی توثیق، جیسے کہ ان کے والدین۔ غلط رویہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہونے کا سبب بنتا ہے اور اپنے والدین کی رضامندی اور توثیق حاصل کرنے کے لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب بھی دے سکتا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 8:

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ لیکن اگر وہ تجھے میرے ساتھ شریک بنانے کی کوشش کریں جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کی بات نہ ماننا۔''

اللہ تعالیٰ پھر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

'' اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ''۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہمیشہ جامع نصیحتیں دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اکثر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور انصاف کا قیام ممکن ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو آیت 83 کی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے براہ راست جڑی ہوئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، 83:

"اللہ کے سوا عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا

ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ ایک بار پھر، کسی کو لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے تعلق توڑے گا۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ اچھے کاموں میں ان کی مدد کرے اور برے کاموں میں تنبیہ کرے ، جیسا کہ اس طرح۔ اپنے رشتہ داروں کو ان کی گمراہی سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 83:

"اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ"۔

اسلامی تعلیمات میں اکثر یتیموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ آخرکار بیوہ جیسے صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔

مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر عبادت کرنے اور روزے رکھنے والے کے برابر لہٰذا جس ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات کی نماز اور نفلی روزے کرنا مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس ثواب کو حاصل کیا جا سکے۔ کم سے کم کوشش کے ساتھ.

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی اسباب ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ نے انہیں قرض کے طور پر عطا کیا ہے نہ کہ بطور تحفہ۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ لہٰذا کوئی مسلمان خواہ اس کے پاس کتنا ہی کم مال کیوں نہ ہو، اس آیت پر عمل کرنے سے عذر نہیں کر سکتا۔

آیت 83 کا اگلا حصہ اپنی بات پر قابو پانے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے تاکہ وہ صرف وہی بولے جو اچھی اور فائدہ مند ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

‘‘اور لوگوں سے اچھے الفاظ بولو۔ ’’

یاد رکھنا چاہیے کہ تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم بد کلامی ہے جس سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ایک ہی بد کلامی قیامت کے دن جہنم میں جانے کے لیے کافی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسری قسم فضول اور فضول بات ہے۔ اگرچہ اس قسم کو گناہ یا نیکی نہیں سمجھا جاتا، لیکن اس سے بھی کم، کسی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بد کلامی کی پہلی سیڑھی اکثر بیہودہ گفتگو ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو اکثر غیبت اور غیبت کا باعث بنتی ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن بہت افسوس کا باعث ہو گی کیونکہ یہ وقت کا بہت زیادہ ضیاع ہے، خاص طور پر جب وہ ان لوگوں کو ملنے والے انعام کا مشاہدہ کریں جنہوں نے فضول باتوں سے گریز کیا اور اس کے بجائے اچھی باتیں کہیں۔ کلام کی آخری قسم دنیاوی اور دینی معاملات میں اچھے الفاظ ہیں۔ پہلی دو قسم کی تقریر سے بچ سکتے ہیں صرف اچھی بات کہہ کر یا خاموش رہ کر۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں ان کی خاموشی کا بھی بدلہ ملے گا۔ صحیح مسلم نمبر 176 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور دوسروں کو برائی سے ڈرانا اور دینی اور دنیاوی معاملات میں خلوص کے ساتھ نصیحت کرنا چاہیے۔ گفتگو میں نرمی ضروری ہے کیونکہ کوئی دوسروں کو صحیح بات کہہ سکتا ہے لیکن جب وہ ایسا سخت طریقے سے کرتے ہیں تو وہ اکثر انہیں صحیح راستے سے دور کر دیتے ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2701 میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ آخر میں، کوئی بھی اس آیت کو دوسروں کے بارے میں اس طرح بول کر پورا کر سکتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں، چاہے ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت کا ذکر فرمایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

اور نماز قائم کرو‘‘۔ ’’

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

"اور تم ہر قوم کو]خوف سے [گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

:اللہ تبارک وتعالیٰ نے صدقہ فطر کی اہمیت بیان فرمائی۔ باب 2 البقرہ، آیت 83

اور زکوٰۃ دو‘‘۔ ’’

واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو نہ سمجھے اور اس کے بدلے اس طرح برتاؤ کرے کہ جو نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کا ہے اور اس وجہ سے واجب صدقہ دینے سے باز رہے تو اسے جرمانے کا سامنا کرنا پڑے گا، بالکل اسی طرح جو ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ دنیاوی قرض کو سزا مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے :سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ " نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ "...گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

آیت 83 ایک بہت اہم اصول کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جسے اکثر مسلمان نظر انداز کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کا ذکر کرنے کے بعد آیت کے آخر میں فرض نمازوں کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق لوگوں کے دوسروں سے میل جول سے ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

’’ اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔ ... اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔”

بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے تئیں اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں، جیسے کہ فرض نماز، لیکن اکثر اوقات مخلوق کے تئیں اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی رویہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی کے لیے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ لوگوں کے حقوق ادا نہ کریں۔ جو لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے اور اس کے بجائے ان پر ظلم کرے اسے قیامت کے دن انصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

انہیں مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے حوالے کریں اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قیام تک اپنے متاثرین کے گناہ لے لیں۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے زیر بحث مرکزی آیت کا اختتام مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب اور امت مسلمہ کو یاد دلاتے ہوئے کیا ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کی اکثریت کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے جو حقوق اللہ کی ادائیگی میں ناکام رہے ہیں۔ اعلیٰ، اور مخلوق کے حقوق۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

‘‘پھر تم میں سے چند کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔ ’’

عام طور پر، یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ کسی خاص گروہ کے تمام لوگوں کو ایک ہی بالٹی میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ تمام بنی اسرائیل نے اس کی نافرمانی نہیں کی۔ اس منفی رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ نسل پرستی، غیبت اور دوسروں کو نیچا دیکھنا جیسے گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بنی اسرائیل اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف آیت 83 میں مذکور اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو عملی طور پر ثابت کرنے سے انکار کیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے زبانی اعلان کو عمل سے ثابت کرنے کی اہمیت کو مزید ظاہر کرتا ہے، کیونکہ عمل کے بغیر الفاظ بہت کم ہوتے ہیں۔ اسلام میں قدر

باب 2 البقرہ، آیت 83:

‘‘پھر تم میں سے چند کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔’’

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو متنبہ کیا کہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں اور اس کے بجائے اسلام کو قبول کریں کیونکہ اس کی حقانیت ان پر واضح ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے فرمایا۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

لیکن اہل کتاب کی اکثریت نے پھر بھی حق کو قبول کرنے اور اپنے ایمان کے دعوے کو اعمال کے ذریعے ثابت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی دنیاوی

خواہشات پر قابو رکھنا ہو گا اور ان کو جو دنیاوی نعمتیں دی گئی ہیں ان کو خوش کرنے کے طریقوں سے استعمال کرنا ہو گا۔ اللہ عزوجل۔ زندگی کا یہ طریقہ وہ محض قبول نہیں کر سکتے تھے۔

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 83:

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین" کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ پھر تم میں سے چند ایک کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔

یہ آیت اس بات کو سمجھنے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس سے جڑے بنیادی اعمال ازل سے ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں۔ یعنی اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ وہی دین ہے جو ہر نسل کے لوگوں کے لیے ان کے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے لایا گیا ہے اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کے ذریعے حتمی شکل دی گئی ہے۔ اس پر مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو اس لیے فوری طور پر اسلام کا جواب دینا چاہیے تھا

کیونکہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ پر ان کے ایمان کا حتمی اور غیر ترمیم شدہ نسخہ تھا۔ لیکن اپنی دینی تعلیمات سے سمجھوتہ کر کے دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے شوق کی وجہ سے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام سے انکار کر دیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

‘‘پھر تم میں سے چند کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔’’

جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان سے جڑے بنیادی اعمال ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو اطاعت کے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے زبانی اعلان کو ثابت کرنے کی ترغیب دی جانی چاہیے، کیونکہ انہیں کسی کام کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ ان سے پہلے والی ہر نسل سے مختلف۔

آخر میں، مسلمانوں کو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے اخلاص اور عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے وعدے کو پورا کرنا چاہیے، جب انہوں نے اسلام کو اپنا عقیدہ قبول کیا تھا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پورا کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

یہ، بدلے میں، ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان کے زبانی اعلان کی عملی طور پر حمایت کرنے میں ناکام رہے گا، عمل کے ذریعے، ان نعمتوں کا غلط استعمال کر کے، جو ان کی عطا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 83:

‘‘پھر تم میں سے چند کے علاوہ تم نے منہ موڑ لیا اور تم انکار کر رہے تھے۔ ’’

اس کے نتیجے میں ان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں گی۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

دونوں رویوں اور نتائج کے درمیان فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے اگر کوئی اس دنیا میں ان لوگوں پر غور کرے جو دنیا کی عطا کردہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 84-86

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ
وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

ثُمَّ أَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَٰرِهِمْ تَظَٰهَرُونَ
عَلَيْهِم بِٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَٰرَىٰ تُفَٰدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ
أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ ٱلْكِتَٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ
إِلَّا خِزْىٌ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰٓ أَشَدِّ ٱلْعَذَابِ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا بِٱلْءَاخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ ٱلْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے)بنی اسرائیل (کا عہد لیا تھا کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ اور نہ ایک’’ دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالو۔ پھر آپ نے گواہی دیتے ہوئے اس کا اقرار کیا۔

پھر تم وہ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو اور اپنی قوم کے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال رہے ہو، گناہ اور جارحیت میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہو۔ اور اگر وہ آپ کے پاس قیدی بن کر آئیں تو آپ ان کا فدیہ دے دیں، حالانکہ ان کا بے دخل کرنا آپ پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کو نہ مانتے ہو؟ پھر جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا کیا ہے؟ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں واپس بھیجے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے، پس نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو اور امت مسلمہ کو اس وعدے کی یاددہانی کر رہا ہے جو اس کی خلوص نیت سے اطاعت کرے، جس کو پورا کرنا ان کا فرض تھا، جیسا کہ ان کے آباء و اجداد بنی اسرائیل پر فرض تھا۔ پورا کرنے کے لیے باب 2 البقرہ، آیت 84:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تم سے)بنی اسرائیل (کا عہد لیا تھا کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالو۔ پھر تم نے اس بات کا اقرار کیا جبکہ تم گواہی دے رہے تھے۔"

یہ آیت اس طرح بیان کی گئی ہے جس کا مطلب ہے اپنے آپ کو مارنا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک شخص کو دوسروں کی زندگی کا احترام کرنا چاہئے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی زندگی کا احترام کریں، جیسا کہ کسی کو ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسے دوسروں کو نقصان پہنچانا خود کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ رویہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اپنانا چاہیے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر ایک سچے مسلمان اور مومن کی تعریف کی ہے۔ جو ان کے زبانی اور جسمانی نقصان کو کسی شخص اور اس کے مال سے دور رکھتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ ایک بے گناہ کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف سمجھا جائے گا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 32:

ہم نے بنی اسرائیل پر حکم دیا کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا سوائے اس کے کہ کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد برپا کیا جائے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کو بچایا گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔‘‘

جیسا کہ دوسروں کو نقصان پہنچانا ایک مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے، کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ اگر وہ کسی کو قانونی حق کے بغیر قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ پر حقیقی ایمان سے کتنا دور ہو جائے گا؟

باب 2 البقرہ، آیت 84:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تم سے)بنی اسرائیل (کا عہد لیا تھا کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالو۔ پھر تم نے اس بات کا اقرار کیا جبکہ تم گواہی دے رہے تھے۔"

اس آیت کا اختتام یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا زبانی اعلان اس وقت تک اچھا نہیں ہے جب تک کہ کوئی اس کی اطاعت کے ساتھ ساتھ نہ کرے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر اسے پانی جیسی پرورش نہ ملے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو اپنے ایمان کی پرورش اطاعت کے عمل سے نہ کر سکے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، اطاعت کے اعمال وہ ثبوت ہیں جو اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے مانگتا ہے جو اس پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لیے اسلام میں بغیر عمل کے الفاظ کا وزن کم ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 39:

‘‘اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔’’

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہنے والے بنی اسرائیل اور ان کی اولاد نے ان احکام کی پاسداری کا وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے بارہا وعدہ خلافی کی۔ دولت اور قیادت جیسی دنیاوی چیزوں کی خاطر اپنے ہی لوگوں کو قتل کر کے گھروں سے بے دخل کر دیتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیات 84-85:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تم سے (بنی اسرائیل) کا عہد لیا تھا کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالو۔ پھر آپ نے گواہی دیتے ہوئے اس کا اقرار کیا۔ پھر تم وہ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو اور اپنی قوم کے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال رہے ہو، گناہ اور جارحیت میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہو..."

مسلمانوں کو اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہئے اور اس کے بجائے دوسروں کے ساتھ اچھے کاموں میں تعاون کرنا چاہئے اور انہیں بری چیزوں سے متنبہ کرنا چاہئے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

’’اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔

ایک مسلمان کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کون کچھ کر رہا ہے بلکہ ان کی مدد کرنے سے پہلے دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس فرض کو صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے ان کے ساتھ اندھی وفاداری میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں چاہے اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کو وہ اللہ کی نافرمانی کرکے خوش کرنا چاہتے ہیں، وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ کا باعث بنیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کنٹرول کرتا ہے کہ آیا دنیاوی چیزیں، جیسے رشتہ دار، وسیلہ بنیں۔ کسی شخص کے لیے سکون یا تناؤ کا ذریعہ۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

پھر اہل کتاب کا عجیب رویہ بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 85:

پھر تم وہ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو اور اپنی قوم کے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے " نکال رہے ہو، گناہ اور جارحیت میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہو ۔ اور اگر وہ آپ کے پاس قیدی بن کر آئیں تو آپ ان کا فدیہ دے دیں، حالانکہ ان کا بے دخل کرنا آپ پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟‘‘

فسق و فجور اور اپنے ہی لوگوں سے لڑنے کے بعد، وہ جنگی قیدی بننے کے بعد اپنی آزادی خریدیں ، گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ تورات کی تعلیمات کے مطابق ان کی آزادی خریدنا ان پر فرض ہے حالانکہ اسی تورات نے انہیں پہلے حکم دیا تھا کہ وہ آپس میں لڑیں نہیں۔ چیری چننے کے بارے میں ان کے رویے کے بارے میں خوفناک بات یہ ہے کہ کس حکم پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے تورات کے کچھ حصوں کو ماننا اور دوسرے حصوں پر کفر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے تورات کے بعض حصوں پر عمل کیا اور دوسرے حصوں کو نظر انداز کیا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں، بلکہ ان کا رویہ کفر ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ رویہ کافی حد تک پھیل چکا ہے جو یہ بھی چنتے ہیں کہ قرآن پاک کے کون سے حصے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کیا جائے اور کن کو نظر انداز کیا جائے تاکہ وہ پورا کرنے کے لیے آزاد ہوں۔ ان کی دنیاوی خواہشات آیت 85 کے مطابق یہ رویہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہیں بلکہ کفر سے مربوط ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 85:

‘‘تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب کو اور امت مسلمہ کو توسیع دیتے ہوئے متنبہ کیا ہے کہ جو کوئی بھی تعلیمات الٰہی کے لیے چیری چننے والا رویہ اختیار کرے گا وہ اس رویے سے حاصل ہونے والی ہر دنیوی نعمت مثلاً مال و دولت کا ذریعہ بن جائے گا۔ دونوں جہانوں میں ان کے لیے مصائب، تناؤ اور پریشانی کا۔ باب 2 البقرہ، آیت 85:

پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا بدلہ ہے؟ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے..."

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو فراموش اور نظر انداز کر دیا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

کسی کو یہ یقین کرنے میں کبھی بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں فوری طور پر یا واضح طور پر سزا نہیں دی جاتی ہے، جب وہ الہی تعلیمات کی طرف چیری چننے والا رویہ اپناتے ہیں، کہ وہ نتائج سے بچ گئے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ریکارڈ کیا جا چکا ہے

اور بلاشبہ انہیں دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوتی ہے اور ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جنہوں نے اس طرز عمل کا مظاہرہ کیا اور انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں جس ذلت آمیز انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب اکثر باریک ہوتا ہے اور ظاہر نہیں ہوتا، جیسا کہ دنیاوی چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حاصل ہوتی ہیں، ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 85:

‘‘اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔’’

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جو شخص اس بات کا انتخاب کرتا ہے کہ کون سی آسمانی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے وہ صرف اس طریقے سے برتاؤ کرتا ہے تاکہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات کو بغیر کسی روک ٹوک کے پورا کر سکے جس میں انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا اور حاصل کرنا شامل ہے۔ دنیاوی چیزیں جو وہ چاہتے ہیں، جیسے کہ دولت اور قیادت۔ اس رویے کے نتیجے میں اس چیری چننے والے نے اپنی دنیاوی خواہشات اور دنیاوی فائدے کو ذہنی سکون پر ترجیح دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کے ذریعے دونوں جہانوں میں حاصل کیا جا سکتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو خوش کن طریقوں سے عطا کی گئی ہیں۔ اس کی طرف، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 86:

"...یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے"

یہ ایک احمقانہ لین دین ہے، کیونکہ انہوں نے دنیاوی، آلودہ اور عارضی چیزوں کو اس دائمی اور غیر آلودہ ذہنی سکون پر ترجیح دی ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہیں۔ اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

ان کے ناقص انتخاب کے نتیجے میں، وہ دنیاوی چیزیں جو انہوں نے اپنے چیری چننے کے رویے سے حاصل کی ہیں، ان کے لیے تناؤ، اضطراب اور افسردگی کا باعث بنیں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عذاب مزید بڑھتا جائے گا لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہوں گے کہ دنیا ان کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود ان کی ذہنی صحت خراب کیوں ہے۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنے اردگرد کے لوگوں اور چیزوں کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے، جس کے نتیجے میں وہ اپنی زندگی کے چند مہذب لوگوں سے اپنے تعلقات توڑ لیں گے۔ اس سے ان کے ذہنی مسائل میں اضافہ ہی ہوگا۔ کوئی مشیر، دنیاوی دوست یا چیز ان کی مدد نہیں کر سکے گی جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ لیکن اگر وہ توبہ کرنے میں ناکام رہے تو آخرت میں ان کو جس ہولناکی کا سامنا کرنا پڑے گا وہ الفاظ سے باہر ہے۔ باب البقرہ، آیت 2 86:

‘‘پس نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔’’

لہٰذا کسی کو الہی تعلیمات میں سے چیری چننے سے گریز کرتے ہوئے اس نتیجہ سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، چاہے وہ ان تعلیمات میں سے کچھ کے پیچھے موجود حکمتوں کو سمجھنے میں ناکام ہوں۔ کسی کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرنا چاہیے اور ان پر اسی طرح عمل کرنا چاہیے جس طرح وہ کسی طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتے ہیں جب وہ انہیں کڑوی دوائی اور سخت خوراک کا منصوبہ تجویز کرتے ہیں۔ جس طرح ایک عقلمند شخص اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے باوجود اس کے کہ یہ ان کی خواہشات کو واضح طور پر چیلنج کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اسی طرح اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ دنیا اور اگلے .یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں ، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 87

وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهِۦ بِٱلرُّسُلِ وَءَاتَيْنَا عِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ٱلْبَيِّنَٰتِ
وَأَيَّدْنَٰهُ بِرُوحِ ٱلْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ ٱسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ
وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب]تورات [دی اور ان کے بعد رسولوں کو لے کر آئے۔ اور ہم نے" عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل دیے اور روح پاک)فرشتہ جبرائیل (سے ان کی تائید کی۔ لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا تو تم نے تکبر کیا؟ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت جسے تم نے قتل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے بنی نوع انسان کی رہنمائی کریں۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس الٰہی ضابطہ اخلاق کو ترک کر کے اس کے بجائے کوئی ایسا ضابطہ اخلاق تیار کرے اور اس پر عمل کرے جو اس کی خواہشات پر مبنی ہو اور اس وجہ سے اس کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرے تو اس میں اور جانور میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ درحقیقت، وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ جانوروں کے پاس خدائی ضابطہ اخلاق پر عمل کرنے کی اعلیٰ سطح کی ذہانت نہیں ہے جو بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 179:

‘‘وہ مویشیوں کی مانند ہیں۔ بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔

الٰہی ضابطہ اخلاق لوگوں کو بامقصد اور بامقصد زندگی دیتا ہے۔ اس ضابطہ اخلاق کے بغیر ایک شخص اپنی زندگی اور ان وسائل کو ضائع کردے گا جو اسے بے مقصد طریقوں سے دیے گئے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب]یعنی تورات [دی اور ان کے پیچھے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ " ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور پاک روح]فرشتہ جبرائیل [سے ان کی تائید کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الٰہی اور معجزات کی صورت میں واضح دلائل عطا کیے جو ان کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے ان کے مشن کو دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی طرف لے گئے۔ اس دور میں واضح دلائل اور معجزات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، انہیں ان واضح دلائل کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن جو مسلمان ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ ان کا اس پر ایمان اور قیامت کے دن ان کا احتساب کمزور ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے لائے گئے ضابطہ اخلاق پر عملاً عمل نہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی اصل وجہ بیان کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

‘‘لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا تو تم نے تکبر کیا؟ ’’

عمل نہ کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ اکثر لوگوں کی دنیاوی خواہشات کو چیلنج اور اس کے خلاف کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کئی نسلوں سے صرف ایک اور گروہ تھے جنہوں نے اس طرح کا برتاؤ کیا کیونکہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات کو معتدل کرنے کے لیے خدائی ہدایت کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اپنی دنیاوی خواہشات کو ہوا دینا چاہتے تھے۔ کسی کے طرزِزندگی کو تھامے رکھنے کی خواہش جو انہیں اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کی اجازت دیتی ہے اتنی مضبوط ہو سکتی ہے کہ یہ واضح سچائی کی طرف متکبرانہ برتاؤ کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس لیے تکبر وہ ہے جب کوئی سچائی کو محض اس لیے جھٹلاتا ہے کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ ایک مسلمان کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ جب حق کو رد کر دیا جائے تو صحیح رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اپنی زندگی کے طریقے کو تھامے رکھنے کی خواہش، جس کی

جڑ ان کی دنیاوی خواہشات کی تسکین میں ہے، یہاں تک کہ کسی کو دوسروں پر ظلم اور نقصان پہنچا سکتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا، وہ چیز لے کر جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا۔ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

مکہ کے غیر مسلم اور مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب دونوں نے واضح طور پر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا کیونکہ اس نے ان کی خواہشات کو چیلنج کیا تھا۔ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے اعلان سے 40 سال پہلے تک جانتے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ امانت دار اور دیانت دار ہیں۔ وہ عربی زبان کے ماہر تھے اور پوری طرح جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق سے نہیں آیا۔ اور اہل کتاب نے قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا جیسا کہ ان دونوں کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

مکہ کے غیر مسلم اور اہل کتاب دونوں نے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل نقصان پہنچایا اور ان کی مخالفت کی۔ یہ سب اس لیے کہ وہ اپنے من گھڑت طرز زندگی اور ضابطہ حیات کو ترک نہیں کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کرتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا، وہ چیز لے کر جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا۔ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

یہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب اور ایذاء کا شکار ہونا ایک اہم حقیقت کو سمجھنے کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دنیا آزمائشوں اور آزمائشوں کی جگہ ہے اس لیے اس میں ہر شخص کو کسی نہ کسی طریقے سے آزمایا جائے گا۔ درحقیقت، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، جتنا زیادہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوشش کرے گا، اتنا ہی اس کی آزمائش ہوگی، جیسے کہ اپنے اردگرد کے لوگوں کی تنقید کا سامنا کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اسلوب کو سیکھے اور اپنائے، جو مخالفتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ہمیشہ ثابت قدم رہے اور دونوں جہانوں میں ان کو فتح کیسے نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اگر وہ مارے گئے۔ باب 3 علی عمران، آیات 169-170:

’’اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، رزق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس پر خوش ہو رہے ہیں۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 87:

لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا، وہ چیز لے کر جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا۔ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے طرز عمل سے پرہیز کرے جو اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ قرآن پاک کے بعض حصوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں اور ان حصوں کو نظر انداز کریں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں۔ ایسا سلوک کرنے والا اپنے آپ کو اور دوسروں کو بے وقوف بنا سکتا ہے کہ وہ مخلص مسلمان ہیں لیکن وہ اپنی خواہشات کے پوجا کرنے والے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟"

ایک شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ خدائی ضابطہ اخلاق پر سختی سے عمل کرنا ان کے لیے ہر حال میں بہترین ہے کیونکہ یہ براہ راست ان کے خالق کی طرف سے آتا ہے۔ اس کے علاوہ، جس طرح ایک عقلمند شخص اپنے طبی ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوائیوں اور سخت غذا کو قبول کرتا ہے کیونکہ وہ ان کے لیے بہتر جانتے ہیں، باوجود اس کے کہ یہ ان کی خواہشات سے متصادم ہے، ایک عقلمند کو یہ سمجھنا چاہیے کہ خدائی ہدایت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ اور قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ذریعے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ضابطہ اخلاق ان کے لیے بہترین ہے، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ لیکن جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرتا ہے کیونکہ یہ ان کی خواہشات سے متصادم ہوتا ہے وہ ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح وہ شخص جو قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرے گا اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا۔ اور اس پر رحمتیں نازل ہوں، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس بات کو کنٹرول کرتا ہے کہ جو دنیاوی چیزیں کسی کے پاس ہیں وہ دونوں جہانوں میں تناؤ کا ذریعہ بنیں یا امن کا ذریعہ۔ یہ اللہ ہی ہے، جو اکیلا ہے، جو روحانی دل کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر۔ لہٰذا، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

تاریخ، معاشرت اور آسمانی صحیفوں نے دونوں آپشن واضح کر دیے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ،میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان کے پاس جو دنیاوی چیزیں ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ پریشانی اور افسردگی کا باعث بنیں گی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ جو لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی پاتے ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

یہ دونوں طرز زندگی اور ان میں سے ہر ایک کا نتیجہ بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی تاریخ کے اوراق پلٹتا ہے، اپنے معاشرے میں دوسروں کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب وہ آسمانی تعلیمات کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے لیے صحیح راستہ کا انتخاب کرنا چاہیے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 88

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور وہ)اہل کتاب (کہنے لگے کہ ہمارے دل لپیٹے ہوئے ہیں۔ "لیکن،]حقیقت میں[، اللہ نے ان کے"
"کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، اس لیے وہ بہت کم ایمان لائے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب میں سے اکثر علماء نے دوسروں کو قبول اسلام سے باز رکھنے کے لیے بہت سی تدبیریں اختیار کیں، ان میں سے بہت سی تدبیریں زیر بحث آئی ہیں۔ قرآن پاک میں اس حقیقت کے باوجود کہ انہوں نے اسلام کی حقانیت کو واضح طور پر پہچان لیا، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے، انہوں نے اسلام کا انکار کیا اور دوسروں کو اس کو قبول کرنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ جیسا کہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وہ یا ان کے جاہل پیروکار اسلام قبول کر لیں تو ان کی سماجی حیثیت، قیادت اور ان چیزوں کے ساتھ آنے والی دولت ختم ہو جائے گی۔
باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو
پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو
جانتے ہیں‘‘۔

معاشرے کے گمراہ علماء اور اشرافیہ نے ہمیشہ خدائی ہدایت کو رد کرنے اور اس کی مخالفت کرنے میں سب سے پہلے صرف اس وجہ سے کہا کہ اس نے ان کے طرز زندگی کو چیلنج کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا اس رویہ سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہیے جو اسی انداز میں چیری چن کر کام کر سکتے ہیں کہ کن الٰہی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور کن کو اپنی خواہشات کے مطابق نظر انداز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ تاریخ نے واضح طور پر دکھایا ہے کہ یہ رویہ دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ اس طرز عمل

کو اختیار کرنے والا اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، خواہ وہ سچے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

دوسروں کو قبول اسلام سے باز رکھنے کی حکمت عملیوں میں سے ایک زیر بحث مرکزی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 88:

"اور وہ)اہل کتاب (کہنے لگے کہ ہمارے دل لپیٹے ہوئے ہیں۔ "

چونکہ اہل کتاب کے علماء اپنے اپنے آسمانی صحیفوں کے ماہر تھے وہ اس بات کی وکالت کرتے تھے کہ یہ کس قدر فطری طور پر لوگوں کے روحانی دلوں سے مربوط اور موزوں ہے۔ لیکن ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن پاک کا لوگوں پر ان کے آسمانی صحیفوں کے برعکس یہ اثر نہیں ہوا، اس لیے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قرآن کریم کی اصل ان کے آسمانی صحیفوں کی اصل کی طرح نہیں ہے، یعنی اللہ بلند، ورنہ مقدس۔ قرآن کا ان کے روحانی دلوں پر اتنا ہی گہرا اثر ہوتا جتنا کہ ان کے آسمانی صحیفوں کا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کسی خاص مصنف سے واقف ہے وہ آسانی سے ان کے کام کو پہچان سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حوالہ پڑھ رہے ہوں جہاں مصنف کا نام ان سے چھپایا گیا ہو۔ اسی طرح، انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن پاک کا ان کے روحانی دلوں پر اتنا گہرا اثر نہیں ہے جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں کا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مصنف مختلف تھے۔
باب 2 البقرہ، آیت 88:

"اور وہ)اہل کتاب (کہنے لگے کہ ہمارے دل لپیٹے ہوئے ہیں۔ "

چونکہ ان کے پیروکاروں کی اکثریت جاہل تھی، اس لیے انھوں نے اپنے علماء کو صحیفہ الٰہی کو پہچاننے کے لیے بہترین لوگ سمجھا اور اس لیے انھوں نے ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے قرآن پاک کا انکار کیا۔

مسلمانوں کو دوسروں کی اندھی تقلید کے اس رویے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام ہر شخص کو اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اپنے لیے اسلام کی بنیادی سچائیوں کو واضح طور پر پہچانیں اور ان پر عمل کریں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو ’’ میری پیروی کرتے ہیں‘‘۔

اس طرح کا برتاؤ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان کی اندھی تقلید نہ کرے جن کی صرف قیادت اور اس کے ساتھ آنے والی دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کی خواہش ہے، جیسا کہ اہل کتاب میں سے کتنے ہی علماء نے سلوک کیا۔

باب 2 البقرہ، آیت 88:

"اور وہ)اہل کتاب (کہنے لگے کہ ہمارے دل لپیٹے ہوئے ہیں۔ "

ایک مسلمان کو اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے اور جان بوجھ کر بعض اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر کے جو اس کی خواہشات کے خلاف ہیں، ایسا برتاؤ کرے کہ گویا اس کے روحانی دلوں کو ان تعلیمات سے روک دیا گیا ہے تاکہ وہ ان کو نہ سمجھ سکیں اور نہ ان پر عمل کر سکیں۔ یہ طرز عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبت آتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 88:

لیکن،]حقیقت میں[، اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، اس لیے وہ بہت کم ایمان "لاتے ہیں۔"

قلبی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی اس وقت حاصل کرنا ممکن نہیں جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے جس کا نتیجہ براہ راست ملعون ہونے کا ہے۔ اس کے علاوہ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کفر ہے نہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو الٰہی تعلیمات میں سے چیری چننے کے رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے چھوٹے اور کمزور ایمان کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی صحیح پرورش اور نقصان دہ چیزوں سے حفاظت ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا نقصان دہ مادوں کے سامنے آنے سے مر سکتا ہے اسی طرح مسلمان کا ایمان بھی اس صورت میں مر سکتا ہے جب وہ نقصان دہ خصوصیات کو اپنا لے، جیسے چیری چننا، کن آسمانی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن چیزوں کو اپنی خواہشات کے مطابق نظر انداز کرنا ہے۔

اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام حالات اور حالات میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے لیے کوشش کرے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم، تاکہ ان کا ایمان پھولے اور اس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 88:

"اور وہ)اہل کتاب (کہنے لگے کہ ہمارے دل لپیٹے ہوئے ہیں۔ "

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب کے علماء نے دعویٰ کیا کہ ان کے آسمانی صحیفوں نے انہیں ایسے مضبوط روحانی دل عطا کیے ہیں کہ وہ باقی تمام چیزوں سے بالکل مضبوط ہو گئے۔ یعنی وہ قرآن پاک کے محتاج نہیں تھے کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے آسمانی صحیفوں کے ذریعے روحانی کمال کو پہنچ چکے تھے۔ یہ جاہلانہ رویہ وہ مسلمان بھی اختیار کر سکتے ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ جب وہ کچھ روحانی مشقیں کرتے ہیں تو وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے پابند نہیں رہتے جیسا کہ وہ پہلے ہی کر چکے ہیں۔ روحانی کمال تک پہنچا۔ جس طرح ایک طالب علم جو کسی کورس سے فارغ التحصیل ہوتا ہے اسے اب اپنے استاد کے ساتھ اسباق میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ لوگ قیاس کرتے ہیں کہ انہیں اب اسلامی تعلیمات کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ روحانی کمال تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ انتہائی جاہلانہ رویہ ہے کیونکہ جو شخص کمال کے اعلیٰ درجے پر پہنچ گیا، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تعلیمات پر عمل ترک کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا گیا۔ درحقیقت، اسے حکم دیا

گیا تھا کہ وہ ان پر مضبوطی سے قائم رہیں جب تک کہ موت اسے نہ لے آئے۔ باب 15 الحجر، آیت 99:

‘‘اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں یقین آجائے۔ ’’

لہٰذا اس جاہلانہ رویہ سے بچنا چاہیے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے، حتیٰ کہ ان کے پاس موجود تھوڑے سے ایمان سے بھی محروم ہو جائیں گے جو کہ حتمی نقصان ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 88:

"لیکن،]حقیقت میں[، اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، اس لیے وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 89-91

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتَٰبٞ مِّنۡ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٞ لِّمَا مَعَهُمۡ وَكَانُواْ مِن قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُونَ عَلَى
ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُواْ كَفَرُواْ بِهِۦۚ فَلَعۡنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ ٨٩

بِئۡسَمَا ٱشۡتَرَوۡاْ بِهِۦٓ أَنفُسَهُمۡ أَن يَكۡفُرُواْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ
بَغۡيًا أَن يُنَزِّلَ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنۡ عِبَادِهِۦۖ فَبَآءُو
بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٖۚ وَلِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابٞ مُّهِينٞ ٩٠

وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ ءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ نُؤۡمِنُ بِمَآ أُنزِلَ
عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهُۥ وَهُوَ ٱلۡحَقُّ مُصَدِّقٗا لِّمَا مَعَهُمۡۗ
قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُونَ أَنۢبِيَآءَ ٱللَّهِ مِن قَبۡلُ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ٩١

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی]تورات [کی تصدیق کرنے والی، حالانکہ اس" سے پہلے وہ کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے، لیکن جب ان کے پاس وہ آیا۔ جس کو انہوں نے پہچان لیا اس کا انکار کیا۔ تو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو گی۔

کتنی بری بات ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے کہ وہ اس بات کا انکار کریں گے جو اللہ نے اپنے غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب]کمائے [لوٹے۔ اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

اور جب ان)اہل کتاب (سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے بعد آنے والی چیزوں کا

انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ حق ہے جو ان کے پاس موجود ہے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ کہو اگر تم مومن ہو تو تم نے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا؟

قرآن پاک نے سابقہ آسمانی صحیفوں تورات اور بائبل کی صحیح تعلیمات کی تصدیق کی اور ان غلطیوں کو درست کیا جو ان میں لوگوں کی طرف سے متعارف کرائی گئی تھیں۔ تورات پر سختی سے عمل کرنے والے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے قرآن پاک کی سچائی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کو واضح طور پر پہچان لیا۔ ان دونوں پر سابقہ آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

مزید برآں، جیسا کہ تمام آسمانی صحیفوں کا مصنف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، اس لیے تورات پر صحیح طریقے سے عمل کرنے والوں نے قرآن پاک کو واضح طور پر پہچانا۔ باب 5 المائدہ، آیات 82-83:

"یقیناً آپ لوگوں میں سب سے زیادہ دشمنی میں ان لوگوں کو پائیں گے جو اہل ایمان سے ہیں اور ان لوگوں کو جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ اور تم مومنوں کے ساتھ محبت میں ان میں سب سے قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں پادری اور راہب ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو تم دیکھتے ہو

کہ ان کی آنکھیں اس وجہ سے آنسوؤں سے بہہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے تو ہمیں گواہوں میں شامل کر لے۔

یہ سمجھنا آسان ہے، کیونکہ جو شخص کسی خاص مصنف سے واقف ہو جاتا ہے وہ آسانی سے ان کے کام کو پہچان لیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 89:

"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی]تورات [کی تصدیق کرنے والی۔ "

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ کس طرح اہل کتاب آخری وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ان کی لڑائیوں اور جھگڑوں میں ان کی مدد کے لیے دعا کریں گے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 292-293 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 89:

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی]تورات [کی تصدیق کرنے والی، حالانکہ اس " سے پہلے وہ کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔"

درحقیقت یہی رویہ تھا جس نے مدینہ میں رہنے والے بت پرستوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی کیونکہ انہیں اہل کتاب کی طرف سے مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آخری وحی الٰہی کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ ان دونوں کے ذریعے اہل کتاب باقی تمام قوموں کو کیسے فتح کر لیں گے۔ مثال کے طور پر مدینہ میں رہنے والا ایک یہودی عالم یوشا اکثر اعلان کرتا تھا کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب ہے کہ عرب کے لوگوں کی طرف بھیجے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید کرے گا، اگر وہ اس کے زمانے میں زندہ رہیں اور اس کی دعوت کو دیکھیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان

فرمایا تو انہی لوگوں نے حضرت یوشع علیہ السلام کو اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے کی تلقین کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے لیکن حضرت یوشع علیہ السلام نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا۔ اور اس پر رحمتیں نازل ہوں اور اسلام کو حسد اور برائی سے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی زندگی، جلد 1، صفحہ 212 میں درج ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 89:

‘‘لیکن جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس سے کفر کیا۔ ’’

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اہل کتاب نے قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو واضح طور پر تسلیم کر لیا، پھر بھی انہوں نے اسلام سے محبت کی بنا پر اس ضابطہ حیات پر عمل کرنے کی وجہ سے انکار کر دیا جسے انہوں نے تعلیمات پر سمجھوتہ کر کے گھڑا تھا۔ اپنے آسمانی صحیفوں میں سے، تاکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کر سکیں جو انہیں دی گئی ہیں اور دنیاوی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں، جیسے کہ سماجی حیثیت، قیادت اور دولت۔ ان کے کفر کے کھلے عمل کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔
باب 2 البقرہ، آیت 89:

لیکن جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ تو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو گی۔"

اللہ تعالیٰ کی لعنت اس کی رحمت کو ختم کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر، دنیاوی نعمتیں جو انسان کو عطا ہوتی ہیں، وہ مصیبت، تناؤ اور افسردگی کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہ بات اس وقت بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے سے گریز کریں، حالانکہ وہ زبانی طور پر ان کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔ انہیں اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو دانستہ طور پر غلط بیان کر کے یا نظر انداز کر دیں تاکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کر کے اور دنیاوی چیزیں حاصل کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکیں، جیسے کہ دولت اور قیادت۔ جیسا کہ آیت 89 میں متنبہ کیا گیا ہے، اس طرح کا برتاؤ کفر ہے۔ لہٰذا جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے اسے اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جو غذائیت حاصل کرنے اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رہنے سے زندہ رہتا ہے۔ جس طرح ایک پودا نقصان دہ مادوں کے سامنے آنے سے مر سکتا ہے، اسی طرح انسان کا ایمان اس وقت مر سکتا ہے جب وہ نقصان دہ خصوصیات کے سامنے آجائے، جیسے دنیاوی فائدے کے لیے خدائی تعلیمات کو نظر انداز کرنا اور جان بوجھ کر غلط تشریح کرنا۔

جو شخص صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے میں ناکام رہتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت کے ساتھ اطاعت کرنا شامل ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان پر درود و سلام ہو گا کہ انہوں نے اپنی عارضی اور آلودہ خواہشات کی تکمیل کے لیے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں بیچ دیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 90:

"...کتنی بری چیز ہے جس کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا"

ہر شخص کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا معمولی رقم کے بدلے اپنے آپ کو مادی دنیا کے سامنے بیچنا ہے یا دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی کے بدلے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بیچنا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 111:

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے بدلے میں ان کے" لیے جنت ہے"۔

انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی اپنی زندگی اور جو بھی دنیاوی نعمتیں ان کے پاس ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کی ہیں اور عطا کی ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے سے صحیح انتخاب کرنے میں مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ پھر ایک اور وجہ بیان کرتا ہے جس کی وجہ سے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام سے انکار کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 90:

کہ وہ اس بات کا انکار کریں گے جو اللہ نے اپنے غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں" سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے"۔

اہل کتاب حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان پر ہو چونکہ اہل کتاب خصوصاً یہودی حسب و نسب کی محبت میں مبتلا تھے جو کہ ان کے ایمان کا مرکزی پہلو ہے، اس لیے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو مان سکتے تھے اور نہ ان کی پیروی کر سکتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ایک مختلف نسب .انہوں نے ایسے شخص کو قبول کرنا اور اس کی پیروی کرتے ہوئے پایا جو ان کے ذیل میں ان کے نسب سے نہیں تھا کیونکہ اس سے بنی اسرائیل کی برتری ختم ہو جائے گی، جو انہوں نے گھڑ لیا تھا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو اس نسل پرستانہ رویہ سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جتنا زیادہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اتنا ہی اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کی نیت اور اس کے بہت سے اعمال پوشیدہ ہوتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ کون سچے دل سے اس کی اطاعت کرتا ہے۔ لہٰذا، کسی کو کبھی بھی یہ تصور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے لیے سخت کوشش کریں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے اہل کتاب کے راستے پر ایسا برتاؤ کیا ہے کہ گویا اسلام ان کی قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ مختلف قوموں اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے دوسرے مسلمانوں کو یہ سمجھتے ہوئے حقارت سے دیکھتے ہیں کہ وہ ان سے کمتر ہیں۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ یہ ایک جاہلانہ رویہ ہے کیونکہ کوئی بھی دنیاوی چیز جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتی، جیسے کہ نسل، جنس یا نسل، اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں رکھتی۔

اس کے علاوہ چونکہ اہل کتاب کسی ایسے شخص کی پیروی قبول نہیں کر سکتے تھے جو ان کے نسب میں سے نہ ہو اس کی وجہ سے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنے لگے۔ حسد ایک بہت بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے کیونکہ حسد کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فرمان کو چیلنج کرتا ہے جس نے ایک خاص نعمت کسی دوسرے شخص کو دینے کی بجائے اس کے لیے مختص کی، اس صورت میں نبوت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو للکارتا ہے اور اس پر تنقید کرتا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا غضب اپنے اوپر کھینچے گا، کیونکہ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ اس سے بہتر جانتے ہیں جو اس کی نعمتوں کا مستحق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 90:

کہ وہ اس بات کا انکار کریں گے جو اللہ نے]ان کے [غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں ..." میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب]کمائے [لوٹے۔ اور ‘‘کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔

ان کی حسد نے انہیں اس حق کو قبول کرنے اور اس کی حمایت کرنے سے روک دیا جو ان پر واضح تھا۔ حسد لوگوں کی سمجھ کو متاثر کرتا ہے کیونکہ یہ انہیں ایسے طریقوں سے برتاؤ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو انہیں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرنے سے روکتا ہے، جیسے کہ کسی دوسرے شخص کو دی گئی نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔ اس صورت میں اہل کتاب اس عظیم ترین نسل کا حصہ بن سکتے تھے جو اسلام کو قبول کرنے اور اس کی حمایت کر کے اب تک موجود تھی لیکن ان کی غیرت نے انہیں اس بلند مرتبے کو حاصل کرنے سے روک دیا، یہ درجہ اس برتری سے بہت زیادہ تھا جو انہوں نے غلط بیانی سے حاصل کیا تھا۔ ان کے آسمانی صحیفے

ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ اگر وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کریں گے تو اس کا سماجی درجہ کم ہو جائے گا۔ تاریخ ایسے لوگوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں درجات میں بلند کیا، جب انہوں نے اچھے کاموں میں دوسروں کا ساتھ دیا، خواہ اس کا مطلب دوسرے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ مثال کے طور پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے اسلام کے پہلے خلیفہ بن سکتے تھے لیکن انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں اس پر کو نامزد کر کے صحیح کام کیا۔ اس کے نتیجے میں عمر رضی اللہ عنہ تاریخ میں اسلام کے سب سے بڑے حامیوں بحث کی گئی ہے۔ میں سے ایک کے طور پر درج ہوئے اور انہیں ہمیشہ ایک رہنما کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ بنی ،نوع انسان یعنی اس کا رتبہ اسی وقت اوپر جاتا تھا جب اس نے صحیح بات میں دوسروں کا ساتھ دیا نیچے نہیں گیا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل کتاب سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اس کے علاوہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اس قدر شدید تھا کہ انہوں نے اسلام کی حقانیت کو واضح طور پر پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کر دیا، جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم دونوں میں بحث کی گئی ہے۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں۔ اس کے علاوہ جب اہل کتاب میں سے بہت سے علماء نے اسلام سے کفر کیا تو انہوں نے دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی، جیسے کہ ان کے جاہل پیروکار۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کو غلط استعمال کرنے کی محبت کی وجہ سے انہوں نے بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا۔ جس نے اس طرح کا برتاؤ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا غضب اٹھایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 90:

"... کہ وہ اس بات کا انکار کریں گے جو اللہ نے]ان کے [غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب]کمائے [لوٹے۔ اور کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔''

عام طور پر، یہ آیت اس اعلیٰ مقام کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو انسان حاصل کر سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید اور آپ کی روایات میں متعدد مواقع پر آپ کی نبوت سے پہلے بھی اللہ کا بندہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام کا خواہاں ہے اسے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھتا ہے اور اس حقیقت کو قبول کرتا ہے کہ انہیں جو کچھ بھی عطا کیا گیا ہے، بشمول ان کی اپنی جان، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اس لیے اسے ہونا چاہیے۔ اس کو خوش کرنے کے طریقوں سے استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ اپنی رضا کی تلاش اور خواہش نہیں رکھتا۔ وہ صرف اپنے مالک اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں اس کی خوشنودی کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 90:

"... کہ وہ اس بات کا انکار کریں گے جو اللہ نے]ان کے [غضب سے نازل کیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب]کمائے [لوٹے۔ اور کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ ان اہل کتاب کے رویے پر تنقید کرتا ہے جنہوں نے قرآن پاک کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کا انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ وہ صرف تورات اور بائبل پر ایمان رکھتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 91:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے بعد آنے والی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ حق ہے جو ان کے پاس موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔"

اس کے باوجود ان کا صرف اپنے آسمانی صحیفوں پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی جھوٹا تھا، کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر ان کی غلط تشریح اور تدوین دنیاوی فائدے جیسے دولت اور قیادت کی خاطر کی۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمانی صحیفوں میں جو غلطیاں ڈالی تھیں ان کی اصلاح کے لیے ان کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے تو انہوں نے ان میں سے بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کردیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا)اے بنی اسرائیل (تو تم نے تکبر ’’ کیا؟ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 91:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس" پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ اس کے بعد آیا اس کا وہ انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے جو ان کے پاس موجود ہے۔ کہو پھر تم نے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا اگر تم مومن ہو؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی اور حقیقت میں کبھی کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہیں کیا، لیکن جیسا کہ انہوں نے کھلم کھلا ان کے اعمال کی تائید کی۔ ان کے آباؤ اجداد جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جمع کر دیا۔

اس سے دوسروں کی اندھا دھند پیروی نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ ان کا شمار ان لوگوں میں کیا جائے گا جن کا رویہ اور طرز عمل ان کی تائید اور نقل کرتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے اگر مسلمان اہل کتاب کا رویہ اختیار کریں جو اللہ کی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کرنے میں ناکام رہے تو آخرت میں ان کا انجام ان کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

آخر میں، آیت 91 کا اختتام نیک اعمال کے ساتھ ایمان کے زبانی دعوے کی حمایت کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اہل کتاب نے مومن ہونے کا دعویٰ کیا لیکن اطاعت کے عمل سے اپنے دعوے کی تائید کرنے میں ناکام رہے۔ مسلمانوں کو اس طرز عمل سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ساتھ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ جس طرح اہل کتاب کے دعوے کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا تھا، اسی طرح ان مسلمانوں کے زبانی دعوے بھی رد کر دیے جائیں گے جو اسلام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ اپنے دعووں کی تائید میں ناکام رہیں گے۔ اطاعت کے اعمال.

باب 2 - البقرہ، آیات 92-93

۞ وَلَقَدْ جَآءَكُم مُّوسَىٰ بِٱلْبَيِّنَٰتِ ثُمَّ ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ
ظَٰلِمُونَ ﴿٩٢﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱسْمَعُوا۟ ۖ
قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا۟ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا
يَأْمُرُكُم بِهِۦٓ إِيمَٰنُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

اور یقیناً موسیٰ تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود'' بنالیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

اور)یاد کرو (جب ہم نے تم سے)بنی اسرائیل (کا عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو بلند کیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور سنو۔ انہوں نے کہا]اس کے بجائے[، "ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ "اور ان کے دلوں نے اپنے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت کو جذب کر لیا۔ کہو کہ کیا بری بات ہے جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دیتا ہے اگر تم مومن ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو یاد دلاتا ہے اور امت مسلمہ کو بھی بنی اسرائیل کی نافرمانی کے بارے میں یاد دلاتا ہے جب وہ ایک عبادت کرتے تھے۔ سنہری حیثیت اس حقیقت کے باوجود کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کردہ بہت سی شہادتیں دیکھی تھیں، جیسے کہ ان کی لاٹھی کا سانپ بن جانا اور معجزانہ ہونا۔ فرعون اور اس کی فوج کی تباہی باب 2 البقرہ، آیت 92:

اور یقیناً موسیٰ تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود'' بنالیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

اس زمانے میں سب سے واضح اور لازوال دلائل قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے ان کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رہے گا، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے طریقے سے جہالت اختیار کرے گا تو وہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر زیادہ چلیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر اپنی خواہشات کی تکمیل کا انتخاب کیا۔ اس سے دونوں جہانوں میں پریشانی ہی پیدا ہوتی ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 92:

اور یقیناً موسیٰ تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود'' بنالیا حالانکہ تم ظالم تھے۔

انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا جیسے سنہری بچھڑا ایک ایسی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جہاں وہ اپنی تمام دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے آزاد تھے، کیونکہ سنہرا بچھڑا انہیں ایسا ضابطہ اخلاق نہیں دے سکتا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر ان کی خواہشات کو اعتدال پر رکھ سکے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیمات نے انہیں ایک اعلیٰ ضابطہ اخلاق عطا کیا جس سے ان کی خواہشات اور برتاؤ میں اعتدال پیدا ہوا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کی ان تعلیمات کو نظر انداز کر کے اس طرز عمل سے بچیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں اور ان تعلیمات پر عمل کریں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ یہ چیری چننے والا رویہ بنی اسرائیل نے اپنایا اور یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے عذاب کا باعث بنتا ہے کیونکہ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 23:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟''

ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے خواہ وہ ان کی خواہشات کو چیلنج کرے کیونکہ یہ تعلیمات ان کے لیے بہترین ہیں، چاہے وہ ان کے پیچھے موجود حکمتوں کو سمجھنے میں ناکام ہوں۔ انہیں ان تعلیمات کو اسی طرح قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے جس طرح وہ اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، یہاں تک کہ جب انہیں کڑوی دوائیاں اور سخت خوراک کا منصوبہ دیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مضبوط عہد کا تذکرہ کیا جو اس نے بنی اسرائیل سے سچے دل سے اس کی اطاعت کا لیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

‘‘اور یاد کرو جب ہم نے تم سے)بنی اسرائیل (کا عہد لیا اور تم پر کوہ طور پر اٹھایا۔ ’’

غور طلب بات یہ ہے کہ ان پر پہاڑ اس لیے نہیں اٹھایا گیا کہ وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں جیسا کہ وہ پہلے سے ایمان لے آئے تھے۔ ایمان کو کبھی کسی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ روحانی دل کا معاملہ ہے۔ کسی شخص کے جسم کو کچھ کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن کسی کے روحانی دل کو زبردستی کسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین کی قبولیت میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔ ’’

ایک اور معجزہ کی گواہی دے کر ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے اوپر پہاڑ کھڑا کیا گیا اور یہ ان کے ایمان کے دعوے کی عملی طور پر عمل سے حمایت کرنے کی سنجیدگی کی یاد دہانی تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور پر بلند کیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے " "اسے پختہ عزم کے ساتھ لے لو۔

عزم کے ساتھ عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے الٰہی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب کوئی الٰہی تعلیمات کو ترک کردے یا ایسی زبان میں پڑھے جسے وہ سمجھ نہیں پاتا تو یہ ممکن نہیں ہے۔ عزم کا مطلب کمال نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کبھی لوگوں سے کمال کا مطالبہ نہیں کیا۔ وہ انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ الٰہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو اس نے انہیں دی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو عزم میں اس سے سچے دل سے توبہ کرنا بھی شامل ہے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ بن جائے، دوبارہ ایسا یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی بھی حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 6:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

باب 2 البقرہ، آیت 93:

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور پر بلند کیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے " "اسے پختہ عزم کے ساتھ لے لو۔

عزم میں الہٰی تعلیمات پر ثابت قدم رہنا اور مذہبی علم کے دیگر تمام ذرائع سے گریز کرنا بھی شامل ہے خواہ وہ اچھے اعمال کی طرف لے جائیں۔ لہٰذا قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے اور دینی علوم کے دیگر ذرائع سے اجتناب کرنا چاہیے، جیسا کہ کوئی دوسری چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ان دونوں پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ رہنمائی کے ذرائع جو گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

:باب 2 البقرہ، آیت 93

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو بلند کیا اور کہا کہ جو کچھ ہم نے ’’ ‘‘تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے لے لو اور سنو۔

سننا اس بات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس شخص کی طرح برتاؤ نہ کریں جو ایک کان سے کچھ سنتا ہے لیکن الفاظ اس کے دوسرے کان سے نکل جاتے ہیں اور اس کے رویے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سننا سماعت سے بلند ہے، کیونکہ سننے میں بولی گئی باتوں کو غور سے سننا، سنے گئے الفاظ پر غور کرنا اور ان تعلیمات کو اپنے کردار میں نافذ کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔ اس کی عکاسی یا عمل کے بغیر محض الفاظ سننا دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسے برتاؤ سے گریز کرنا چاہیے جیسے اسلامی لیکچر سننا کافی ہے۔ اس کے بجائے انہیں غور سے سننے کی کوشش کرنی چاہیے، جو بات کی گئی ہے اس پر غور کرنا چاہیے اور اس کی تعلیمات کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ اپنے طرز عمل اور طرز عمل میں نافذ کرنے کی کوشش

کرنی چاہیے۔ لیکن یہ وہ چیز ہے جسے بنی اسرائیل نے سمجھا لیکن ایسا نہ کر سکے کیونکہ اس نے ان کی خواہشات کو براہ راست چیلنج کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

"اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور پر اٹھایا، "جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور سنو۔ "انہوں نے کہا]اس کے بجائے[، "ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔"

اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بنی اسرائیل نے حقیقت میں یہ الفاظ کہے ہوں اور آیت ان کی زبانوں کے بجائے ان کے روحانی دلوں اور اعمال کی آواز کو بیان کر رہی ہے۔ یعنی انہوں نے زبانی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دعویٰ کیا لیکن ان کے عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے خدا کی تعلیمات سننے اور سیکھنے کے باوجود اس کی نافرمانی کی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے اس رویے سے گریز کریں، جبکہ عمل سے اپنے اعلان کی حمایت میں ناکام رہیں۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عملی اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر وہ پانی جیسی غذائیت سے محروم ہو جائے، اسی طرح مسلمان کا ایمان بھی اس صورت میں مر سکتا ہے جب وہ اپنے ایمان کے زبانی دعوے کو جسمانی عمل کے ساتھ نبھانے میں ناکام رہے۔ جو ایسا سلوک کرتا ہے وہ صرف بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

..."انہوں نے کہا]اس کے بجائے[، "ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔..."

اس کے علاوہ عملی اطاعت اس کا ثبوت ہے جو دنیا میں سکون قلب اور آخرت میں کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

چونکہ بنی اسرائیل ایک خدائی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے کو قبول نہیں کر سکتے تھے جس نے ان کی خواہشات کو معتدل کر دیا تھا، اس لیے ان کے روحانی دل اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے لیے بالکل سخت ہو گئے۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

اور ان کے دل ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی پوجا میں لگ گئے‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ پھر اس رویے پر تنقید کرتا ہے، جہاں کوئی زبانی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اطاعت کے جسمانی اعمال سے اس کی تائید کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ باب 2 البقرہ آیت 93:

"کہو، "کتنی بری بات ہے جو تمہارا ایمان تمہیں حکم دیتا ہے، اگر تم مومن ہو۔ ..."

یہ آخری تبصرہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کو دیا گیا، کیونکہ وہ اپنے اسلاف بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کیا، لیکن جسمانی اعمال سے اپنے دعوے کی تائید کرنے میں ناکام رہے جب انہوں نے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کر دیا، باوجود اس کے کہ ان کی سچائی کو تسلیم کیا گیا ہے، جیسا کہ ان دونوں میں بحث کی گئی تھی۔ آسمانی صحیفے باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو’’ پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’ جانتے ہیں‘‘۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اہل کتاب اور بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ان کے زبانی اعلان کی حمایت میں جسمانی طور پر اطاعت کے عمل سے گریز کریں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ وہی تنقید بنی اسرائیل اور اہل کتاب کو ملی تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 93:

"کہو، "کتنی بری بات ہے جو تمہارا ایمان تمہیں حکم دیتا ہے، اگر تم مومن ہو۔ ..."

اس بات کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ جو شخص یہ تنقید قبول کرے اور توبہ نہ کرے وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل نہیں کرے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 94-96

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ ٱلدَّارُ ٱلْـَٔاخِرَةُ عِندَ ٱللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ ٱلنَّاسِ فَتَمَنَّوُا۟ ٱلْمَوْتَ إِن
كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿٩٤﴾

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿٩٥﴾

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ ٱلنَّاسِ عَلَىٰ حَيَوٰةٍ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوا۟ ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِۦ مِنَ ٱلْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَٱللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

”کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں صرف تمہارے لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔“

لیکن وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

اور یقیناً آپ انہیں زندگی کے لیے سب سے زیادہ حریص پائیں گے، جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ایک کی خواہش ہے کہ اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے لیکن یہ اسے اس [آنے والی] سزا سے ذرا بھی دور نہیں کرے گا کہ اسے زندگی دی جائے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اہل کتاب یہ دعویٰ کریں گے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ تھے، اس لیے ان کے لیے آخرت میں نجات کی ضمانت دی گئی، خواہ ان کے طرز عمل اور عمل کچھ بھی ہوں۔ باب 5 المائدة، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے..."

ان کی گمراہ کن روش نے انہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ خواہش مندانہ سوچ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی سے منسلک ہوتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید ہمیشہ اس کی فرمانبرداری سے جڑی ہوتی ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہوتا ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس اختلاف کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے خواہش مندانہ سوچ سے بچنا چاہیے کیونکہ اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور صرف گمراہی کا باعث ہے۔ درحقیقت اہل کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی اہانت والا رویہ اختیار کرے گا۔ یہ دعویٰ کرنے سے کہ انہیں نجات کی ضمانت محض ان کے نسب کی وجہ سے دی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الہی رحمت نسل پرستی پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کے ساتھ بدکار کے برابر سلوک کرے گا جو کہ حق اور اس کے عدل کے بالکل خلاف ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ خواہش مندانہ سوچ کا رویہ بہت سے مسلمانوں نے اپنایا ہے جو وہی دعویٰ کرتے ہیں جیسا کہ اہل کتاب نے کیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چونکہ ان کا تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہے، اس لیے ان کی نجات کی ضمانت ہے۔ یہ انتہائی احمقانہ اور اہانت آمیز رویہ ہے جو کہ اسلام کی تعلیمات کے صریحاً متصادم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر سچی امید رکھنی چاہیے، سچے دل سے اس کی اطاعت کی کوشش کرتے ہوئے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ سچی توبہ میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ بن جائے، دوبارہ ایسا یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی بھی حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں پامال ہوئے ہیں۔ ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنے کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک شخص کا درجہ صرف اس بات سے مربوط ہے کہ وہ اس کی کتنی سچی ،اطاعت کرتا ہے۔ یہ کسی بھی دنیاوی عنصر سے منسلک نہیں ہے، جیسے کہ کسی کی جنس، نسل :نسب یا دولت۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار” ہے“۔

دوسری صورت میں یقین کرنے سے صرف اسی خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے کی ترغیب ملے گی جو اہل کتاب نے اختیار کی ہے۔

:اللہ تعالیٰ پھر اہل کتاب اور ان کے گمراہ رویہ کو چیلنج کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ 94

’’کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں صرف تمہارے لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔‘‘

اس چیلنج کو وہ شخص آسانی سے قبول کرے گا جو حقیقی معنوں میں یقین رکھتا ہے کہ وہ آخرت میں نجات کی ضمانت ہے چاہے اس کے رویے اور اعمال کچھ بھی ہوں۔ مشکلات، آزمائشوں، بیماریوں اور تناؤ سے بھری اس دنیا میں کوئی کیوں رہنا چاہے گا جب کہ موت کی تمنا کر کے یا خودکشی کر کے جنت حاصل کر سکتا ہے؟ یہاں تک کہ اگر خودکشی کو ان کے عقیدہ میں گناہ سمجھا جائے تو یہ انہیں جنت سے نہیں روکے گا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق انہیں نجات کی ضمانت پہلے ہی دی گئی ہے۔ پھر بھی، حقیقت یہ ہے کہ وہ سچائی سے پوری طرح واقف ہیں باوجود اس کے کہ وہ زبانی طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کیا جھوٹ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 95:

"لیکن وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھے ہوئے کاموں کی وجہ سے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے بچ نہیں پائیں گے اور اس لیے وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ لیکن خواہ وہ اس دنیا میں کتنا ہی رہنا چاہتے ہوں، اس میں انہیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، خواہ یہ نتائج ان پر ظاہر نہ ہوں، جیسے کہ وہ دنیاوی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حاصل ہوتی ہیں، وسیلہ بن جاتی ہیں۔ ان کی پریشانی اور تناؤ کا۔ اور آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ اس سے بھی بدتر ہوگا اگر وہ توبہ کرنے میں ناکام رہیں۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے نہیں بچ سکتے خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی اور نہ ہی اس کے اختیار اور قدرت سے کوئی چیز بچ سکتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 95:

''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔' '

باب 2 البقرہ، آیات 94-95:

''کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں صرف تمہارے لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ ''لیکن وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

کوئی سوال کر سکتا ہے کہ اہل کتاب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موت کی تمنا کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا اگر وہ یقین رکھتے کہ وہ راہ راست پر ہیں؟ اول تو مسلمان یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ مرے گا یا نہیں۔ چونکہ ایمان کے بغیر مرنے کا خطرہ موجود ہے، اس لیے ایک مسلمان کو موت نہیں مانگنی چاہیے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہیے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے

لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اس میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور پھر امید ہے کہ جب وہ آخرکار مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی حفاظت فرمائے گا۔ کہ وہ آخرت میں نجات حاصل کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے ایمان کے ساتھ مر بھی جائے تو پھر بھی یہ موقع ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا کے طور پر جنت میں جانے سے پہلے پہلے جہنم میں داخل ہو جائیں۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے اس لیے مسلمان کو موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کی ہو گی جو پہلے جہنم میں داخل ہوئے بغیر جنت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ عام طور پر دیکھا جائے تو دوسری طرف اہل کتاب ان دو نکات کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے کیونکہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اپنے نسب کی وجہ سے آخرت میں نجات کی ضمانت ہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ صرف چند دنوں کے لیے جہنم میں داخل ہوں گے وہ جہنم کا خوف نہیں رکھتے تھے اسلام مسلمانوں کو جہنم رکھنے کا درس دیتا ہے۔ مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ ایک لمحے کے لیے جہنم میں داخل ہونا ناقابل برداشت ہے، جبکہ اہل کتاب کا خیال ہے کہ ان کے لیے جہنم صرف ایک چھوٹی سی پریشانی ہوگی۔
باب 2 البقرہ، آیت 80:

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ کبھی نہیں چھوئے گی سوائے چند گنتی کے دنوں کے۔''

اس لیے اگر وہ سچ بولتے تو اس چیلنج کو قبول کرتے اور زبانی موت کی تمنا کرتے لیکن جیسا کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اس سے ان کا باطل عقیدہ کھل گیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 95:

''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔' '

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب کی دنیاوی زندگی سے شدید محبت کا ذکر کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 96:

اور یقیناً آپ انہیں زندگی کے لیے سب سے زیادہ حریص پائیں گے -]یہاں تک کہ [ان لوگوں سے " جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خواہش ہے کہ اسے ایک ہزار سال کی زندگی مل جائے...

یہ رویہ اس دور میں بھی واضح ہے کیونکہ اہل کتاب صرف وہی چیز چاہتے ہیں جس کی خواہش اور خواہش زیادہ دنیاوی چیزیں ہیں، جیسے کہ دولت، نوکری، شادی اور کیریئر۔ چونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آخرت میں نجات ان کے لیے پہلے سے ہی یقینی ہے، اس لیے وہ صرف دنیاوی چیزوں کے حصول اور لطف اندوز ہونے پر توجہ دیتے ہیں۔ اگرچہ اسلام اعتدال کے ساتھ حلال دنیاوی چیزوں کے حصول اور لطف اندوزی سے منع نہیں کرتا، یہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ ان کا مقصد دنیاوی چیزوں سے لطف اندوز ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے عملی طور پر تیاری کریں۔ جس پر ان کی نجات کی ضمانت نہیں ہے۔ اس عملی تیاری میں ان دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لہٰذا ایک مسلمان کو اہل کتاب کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جن کا مقصد صرف دنیاوی چیزوں کا حصول اور لطف اندوز ہونا ہے۔ چونکہ دنیا عارضی اور نامکمل ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو جو کچھ بھی حاصل ہو اور اس سے لطف اندوز ہو وہ ان کے لیے صرف طویل المدتی تناؤ اور مشکلات کا باعث بنے گا، کیونکہ ان کا یہ رویہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دے گا۔ عطا کیا باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس حقیقت کو پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 96:

اور یقیناً آپ انہیں زندگی کے لیے سب سے زیادہ حریص پائیں گے -]یہاں تک کہ [ان لوگوں سے " جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خواہش ہے کہ اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے، لیکن یہ اسے اس]آنے والی [سزا سے ذرا بھی دور نہیں کرے گا کہ اسے زندگی دی جائے۔

انسان کو اس دنیا میں کتنے ہی سال کیوں نہ دیے جائیں، آخرکار اسے اپنے آخری حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ چونکہ یہ آخری سفر اور احتساب ناگزیر ہے، اس کے لیے عملی طور پر تیاری کرنا معنی خیز ہے، کیونکہ ان کی طویل زندگی یا اس دنیا میں وہ جس آسائش سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے ناگزیر احتساب کو نہیں ہٹائے گی۔ اس عملی تیاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح ایک عقلمند طالب علم عملی طور پر اپنے ناگزیر امتحان کی تیاری کرتا ہے اسی طرح عقلمند مسلمان بھی اپنے ناگزیر حساب کی تیاری کرے گا، خواہ اس کو اس دنیا میں لمبی عمر کیوں نہ دی جائے۔ کسی کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس دنیا میں ان کی لمبی زندگی یا دنیاوی خواہشات جن سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں اگر وہ جہنم میں ختم ہو جائیں تو انہیں بہتر محسوس نہیں ہو گا، کیونکہ جہنم کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی شخص کی اچھی یادوں کو اس طرح چھین لیتا ہے جس سے وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کبھی نہیں اپنے میں ایک حدیث میں اس کی سنن ابن ماجہ آیت نمبر 4321 پورے وجود میں کچھ بھی اچھا تجربہ کیا۔ تنبیہ کی گئی ہے -

اس کے علاوہ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس دنیا میں اسے کتنے ہی سال کیوں نہ دیے جائیں، اس کی زندگی ایک دم سے گزر جائے گی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی شخص خواہ وہ کسی بھی عقیدے سے انکار نہیں کر سکتا۔ باب 10 یونس، آیت 45:

‘‘اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی باقی نہیں رہے تھے۔’’

اس لیے اس دنیا میں لذت کے لمحے سے لطف اندوز ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اگر یہ آخرت میں طویل المدتی مشکلات اور عذاب کا باعث بنے۔

باب 2 البقرہ، آیت 96:

اور یقیناً آپ انہیں زندگی کے لیے سب سے زیادہ حریص پائیں گے -]یہاں تک کہ [ان لوگوں سے " جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خواہش ہے کہ اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے، لیکن یہ اسے اس]آنے والی [سزا سے ذرا بھی دور نہیں کرے گا کہ اسے زندگی دی جائے۔

عام طور پر یہ آیت اس دنیا میں لمبی عمر کی امید رکھنے پر بھی تنقید کرتی ہے۔ لمبی عمر کی جھوٹی امیدیں اچھے کاموں میں تاخیر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس اچھے کام کرنے کے لیے کافی وقت ہے۔ لمبی عمر کی جھوٹی امیدیں انسان کو اپنے گناہوں سے مخلصانہ توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر بنانے میں تاخیر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس اپنے طرز عمل اور اعمال کو بدلنے کے لیے کافی وقت ہے۔ آخر میں، لمبی زندگی کی جھوٹی امیدیں انسان کو دنیاوی چیزوں کا ذخیرہ کرنے

اور اس سے لطف اندوز ہونے کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ اس دنیا میں طویل قیام کو آرام دہ بنایا جا سکے۔ دوسری طرف، یہ یقین کرنا کہ کسی کی زندگی ایک دم سے گزر جائے گی، انہیں نیک اعمال کرنے، اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر بنانے کی ترغیب دے گا اور یہ انہیں اپنے بنیادی اصولوں پر عمل کرنے کی ترغیب دے گا۔ اس دنیا میں ضروریات اور ضروریات۔ اس سے انسان آخرت میں اپنے آخری حساب کتاب کی تیاری پر توجہ مرکوز کرے گا جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک مسلمان کو یہ سمجھ کر دنیوی زندگی کے لالچ اور محبت سے بچنا چاہیے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ہمیشہ عارضی، چھوٹی اور نامکمل رہے گی۔ جبکہ آخرت کی سعادت ابدی، ناقابل تصور حد تک عظیم اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ دنیاوی نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ آخرت کی ابدی اور کامل سعادت حاصل کر سکیں، وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں کوشش کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انہیں دی گئی نعمتوں کو استعمال کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اس نیکی کو پورا کرنے پر توجہ دیں جو انہوں نے آخرت کے لیے آگے بھیجی ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 18:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو۔ اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا پیش کیا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔"

لیکن اگر کوئی اہل کتاب کا رویہ اختیار کرے گا تو وہ کوئی اچھی چیز آگے نہیں بھیجیں گے اور اس لیے صرف اپنی دنیاوی زندگی پر توجہ دیں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے واضح کر دیے ہیں۔ یہ سمجھنے کا راستہ کہ دنیا میں ذہنی سکون اور آخرت میں نجات اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ خواہش مندانہ سوچ سے۔ اور گمراہی کا راستہ جہاں کسی کو یقین ہو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کر سکتے ہیں اور پھر بھی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اب یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور بلاشبہ ان کے انتخاب اور اعمال کا جوابدہ ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 96:

"اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 97-99

قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ
﴿٩٨﴾

وَلَقَدْ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٩٩﴾

کہہ دو کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو، وہ]کوئی نہیں [ہے جس نے اسے)قرآن مجید (تمہارے دل'' پر اتارا ہے، اللہ کے حکم سے، تصدیق کرنے والا۔ جو اس سے پہلے تھا]تورات اور بائبل [اور "مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو یقیناً اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف آیات نازل کی ہیں، اور ان کا انکار نافرمانوں کے سوا کوئی نہیں کر "سکتا۔

مکہ کے غیر مسلموں کی طرح اہل کتاب بھی اپنے اسلام کے انکار کا جواز پیش کرنے کے لیے لنگڑے بہانے نکالتے تھے۔ ان میں سے ایک لنگڑا عذر ان آیات میں مذکور ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 97:

آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو وہ اس]قرآن مجید [کو آپ کے دل پر اتارا ہے ، اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہے۔ جو اس سے پہلے تھا]تورات اور بائبل[۔"

قرآن پاک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی قلب پر اترا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا مقصد لوگوں کے روحانی دلوں کو پاک کرنا ہے نہ کہ صرف ان کی ذہنیت کو درست کرنا۔ انسان اپنے روحانی قلب کو تبھی پاک کر سکتا ہے جب وہ قرآن پاک میں بیان کی گئی اچھی خصوصیات مثلاً سخاوت، صبر اور شکر کو اپنا لیں اور اس میں مذکور بُری صفات جیسے حسد، لالچ اور بے صبری سے بچیں۔ جو شخص پاکیزہ روحانی قلب کو اپنائے گا اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اور باب 26 اشعراء، آیات 88-89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ’’ آتا ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 97:

’’کہہ دو کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو، وہ [کوئی نہیں [ہے جس نے اسے (قرآن مجید (تمہارے دل پر اتارا ہے، اللہ کے حکم سے، تصدیق کرنے والا۔ جو اس سے پہلے تھا [تورات اور بائبل[۔"

قرآن کریم نے سابقہ آسمانی صحیفوں کی صحیح تعلیمات کی تصدیق کی اور ان غلطیوں کو درست کیا، جو ان میں لوگوں کی طرف سے ڈالی گئی تھیں۔ چونکہ تمام آسمانی صحیفوں کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے اہل کتاب میں سے علماء نے واضح طور پر قرآن کریم کی اصل کو تسلیم کیا، جیسا کہ ایک شخص جو کسی خاص مصنف سے واقف ہے وہ ان کے کام کو پہچانتا ہے۔ لیکن اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے صرف قرآن مجید کی اصل کو پہچاننا کافی نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 97:

"... اس کی تصدیق کرنا جو اس سے پہلے تھا [تورات اور بائبل [اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت کے طور پر۔"

قرآن پاک پر صحیح معنوں میں ایمان رکھنے والے ہی اس سے صحیح رہنمائی حاصل کر سکیں گے، کیونکہ صرف وہی اس پر خلوص نیت سے سیکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عقیدہ کے زبانی اعلان کو اعمال کے ساتھ حمایت کرنا ہے، کیونکہ عمل کے بغیر الفاظ صحیح رہنمائی کا باعث نہیں بنتے۔ محفوظ منزل کا نقشہ صرف اس وقت مفید ہے جب کوئی اسے عملی طور پر استعمال کرے۔ محض نقشہ رکھنے سے کسی کو ان کی محفوظ منزل تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اسی طرح صرف قرآن پاک پر ایمان رکھنا اور اس کا نسخہ گھر میں رکھنا ہر حال میں صحیح رہنمائی کا باعث نہیں بنتا، صرف اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ جب کوئی قرآن پاک کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو یہ ہر حال میں ان کی رہنمائی کرتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں۔ آسانی کے اوقات میں، یہ انہیں سکھائے گا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں۔ مشکل کے وقت قرآن پاک انہیں صبر و تحمل کا طریقہ بتائے گا، جس میں زبانی یا عملی طور پر شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا شامل ہے، جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ ہے کہ یہ ہر حال میں ثواب اور کامیابی کا باعث ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 97

کہہ دو کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو تو وہ]کوئی نہیں [ہے جس نے اللہ کے حکم سے اس)قرآن ’’ " ‘‘مجید (کو تمہارے دل پر اتارا ہے۔

اہل کتاب کا دعویٰ تھا کہ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قرآن مجید کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا، وہ اسے قبول نہیں کریں گے، جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ جبرائیل

علیہ السلام تھے۔ اس پر جو ان کے آباء و اجداد بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ نازل ہوں گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اگر فرشتہ میکائیل)علیہ السلام (قرآن پاک نازل کریں تو وہ اسے قبول کریں گے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 304-305 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ایک احمقانہ وجہ تھی کہ قرآن کریم کو فرشتوں کے طور پر رد کیا جائے، یہ سب صرف وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے۔ باب 66 تحریم، آیت 6:

"... فرشتے، سخت اور سخت؛ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

پس درحقیقت جو لوگ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر تنقید کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر تنقید کر رہے تھے جیسا کہ وہ اکیلا فرشتوں کو حکم دیتا ہے۔ درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر، خواہ وہ فرشتے ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پر تنقید کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر تنقید کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ جو بھی اپنے مخلص بندوں پر تنقید کرتا ہے وہ اس کا دشمن ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 98:

’’جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو یقیناً اللہ کافروں کا دشمن ہے۔‘‘

اس کے علاوہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی ایک کا انکار کرنا اور دشمنی رکھنا، مثلاً فرشتوں یا انبیاء علیہم السلام کا انکار کرنا اور ان سب سے دشمنی رکھنے کے برابر ہے۔ یہ اہل کتاب پر ایک باریک کھود تھی جنہوں نے بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا لیکن بعض کو رد کیا۔ اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ یہ رویہ صریح کفر ہے۔

اس آیت میں یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں پر تنقید کرنا کفر ہے اور اس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ ایسا اکثر اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر تنقید کرے کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ تنقید زبانی ہو۔ کوئی بھی شخص اسلام کی تعلیمات پر عملاً تنقید کر سکتا ہے جب انہیں ان کی اطلاع دی جائے تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔

چونکہ اہل کتاب کی تنقید غیر تعمیری تھی، اس لیے اسے اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا۔ عمومی طور پر دیکھا جائے تو یہ دنیاوی اور مذہبی آداب کے حوالے سے دوسروں کی غیر تعمیری تنقید کو نظر انداز کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے ۔ کسی شخص کو کبھی بھی غیر تعمیری تنقید کو ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے اور اس کے بجائے اپنے راستے پر چلنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو دنیاوی اور مذہبی دونوں معاملات میں کسی بھی تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے جب تک کہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہو، کیونکہ تعمیری تنقید کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے۔ ایک شخص کو چاہیے کہ لوگوں کی تنقید کا موازنہ اسلام کی تعلیمات سے کرے اور اگر یہ اسلام کی تعلیمات کے موافق ہو تو اسے قبول کرے یا اگر ایسا نہ ہو تو اسے نظر انداز کرے۔

،اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا کہ کس طرح اہل کتاب نے قرآن پاک کی حقانیت کو واضح طور پر پہچانا جیسا کہ سابقہ آسمانی صحیفوں میں اس کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بحث کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو" پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 99:

”اور یقیناً ہم نے آپ پر واضح دلیلیں نازل کی ہیں اور ان کا انکار نافرمانوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔“

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی کھلے ذہن کے ساتھ قرآن پاک تک پہنچتا ہے تو وہ اس کی بے مثال فطرت کو اس کی ہمہ جہت نصیحت، رہنمائی، لازوال فطرت اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت کو کسی بھی پس منظر اور نسل سے پہچانے گا۔ ان کے علم کی سطح سے قطع نظر۔ قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث

کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

لیکن جب کوئی وہ رویہ اختیار کرے گا جو اہل کتاب نے اختیار کیا ہے تو وہ قرآن کریم کے انکار کو جواز فراہم کرنے کے لیے لنگڑے بہانے نکالیں گے۔ وہ اس طرح کا برتاؤ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ قرآن پاک انہیں ایک اعلیٰ ضابطہ اخلاق فراہم کرتا ہے جو ان کے طرز عمل کو معتدل بناتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اپنی خواہشات کو ہوا دینا چاہتے ہیں تو وہ لنگڑے بہانوں سے قرآن پاک کا انکار کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 99:

" اور یقیناً ہم نے آپ پر واضح دلیلیں نازل کی ہیں اور ان کا انکار نافرمانوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔"

لہٰذا ایک مسلمان کو عملی طور پر اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ زبانی طور پر قرآن پاک پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے۔ قرآن پاک کا مطالعہ اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان مضبوط ہو اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی ہو۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، جس میں ان نعمتوں کا استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن اگر کوئی اہل کتاب کے نقش قدم پر چل کر قرآن کریم کا عملاً انکار کر دے تو وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو ان کو دی گئی ہیں جس سے دونوں جہانوں میں مشکلات پیدا ہوں گی، خواہ ان کے لیے تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ .باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 100

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾

"کیا یہ]حقیقت [نہیں ہے کہ جب بھی انہوں نے]اہل کتاب [کوئی عہد لیا ان میں سے ایک جماعت نے
اسے پھینک دیا؟ لیکن،]حقیقت میں[، ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔"

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر تنقید کی، جنہوں نے اس پر سچے ایماندار ہونے کا دعویٰ کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 100:

’’کیا یہ]حقیقت [نہیں ہے کہ جب بھی انہوں نے]اہل کتاب [کوئی عہد لیا ان میں سے کسی جماعت نے اسے پھینک دیا؟

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ، جیسے کہ ان کے آباء و اجداد، بنی اسرائیل، زبانی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کرنے میں اچھے تھے، لیکن عمل سے ان کی حمایت کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بجائے وہ جان بوجھ کر الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح اور تدوین کریں گے تاکہ وہ رشوت اور بدعنوانی کے ذریعے اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کر سکیں اور دولت اور قیادت جیسی دنیاوی چیزیں حاصل کر سکیں۔ باب 9 توبہ آیت 34:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بے شک بہت سے علماء اور راہب لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں‘‘۔

وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے وعدے کو نبھانے میں ناکام رہے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے جان بوجھ کر اسلام کو مسترد کر دیا، باوجود اس کے کہ انہوں نے اس کی حقانیت کو تسلیم کر لیا، جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیات 155-157:

’’اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری تقرری کے لیے چن لیا۔ اور جب ان کو زلزلے نے آپکڑا تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے اور مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا، کیا تو

ہمیں اس کے سبب سے ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے احمقوں نے کیا ہے، یہ تیرے سوا کچھ نہیں۔ تو جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو اس دنیا میں سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔]جو [اچھا ہے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عذاب میں جس کو چاہتا ہوں اس میں مبتلا کرتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس میں اس کا فیصلہ]خصوصاً [ان لوگوں کے لیے کروں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ،لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ اچھی بات ہے اور انہیں برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور ان بیڑیوں کو دور کرتی ہے جو ان پر تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی تعظیم کی، اس کی حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

:اور باب 6 الانعام، آیت 20

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

:اور باب 2 البقرہ، آیت 146

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

باب 2 البقرہ، آیت 100:

"کیا یہ]حقیقت [نہیں ہے کہ جب بھی انہوں نے]اہل کتاب [کوئی عہد لیا ان میں سے ایک جماعت نے اسے پھینک دیا؟ ..."

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام اہل کتاب یا بنی اسرائیل نے ایسا سلوک نہیں کیا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس گروپ کے کچھ ارکان کے اعمال کی بنیاد پر پورے گروپ کا فیصلہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ یہ اکثر امتیازی سلوک کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ نسل پرستی۔

مزید برآں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اہل کتاب کی تقلید کرنے سے گریز کریں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کے اپنے وعدے پر عمل نہ کریں، جیسا کہ کسی قوم کی نقل کرنے والا ان میں سے سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابو داؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو جان بوجھ کر غلط تشریح اور چیری چننے سے گریز کرنا چاہیے کہ کون سی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور کن کو نظر انداز کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ دونوں جہانوں میں پریشانی اور تناؤ کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان کا دعویٰ کرے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

درحقیقت زیر بحث اصل آیت یہ واضح کرتی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے اپنے وعدے کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے فراہم کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے ان کا ایمان ختم ہونے کا خطرہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 100:

"کیا یہ]حقیقت [نہیں ہے کہ جب بھی انہوں نے]اہل کتاب [کوئی عہد لیا ان میں سے ایک جماعت نے اسے پھینک دیا؟ لیکن،]حقیقت میں[، ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔"

اس لیے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اگر پانی جیسی خوراک حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے تو وہ مر جائے گا، اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان بھی اس صورت میں مر سکتا ہے جب وہ اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کر سکے۔ لہٰذا ان کے زبانی اعلان اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے وعدے کی تائید عمل کے ساتھ کرنی چاہیے، ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 100:

"کیا یہ]حقیقت [نہیں ہے کہ جب بھی انہوں نے]اہل کتاب [کوئی عہد لیا ان میں سے ایک جماعت نے اسے پھینک دیا؟ لیکن،]حقیقت میں[، ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔"

یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے وعدے کو پورا نہ کرنے کی اصل وجہ ایمان کی کمزوری ہے۔ جب کسی کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی کمزور ہو جائے تو اس بات کا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں جو انہیں دی گئی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اپنے وعدے کو پورا کرنے میں ناکام ہو کر ان نعمتوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کو خوش کرنے کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرتے ہوئے ایمان کی کمزوری سے بچنا چاہیے۔ یہ مضبوط ایمان کی طرف لے جائے گا، جس کے نتیجے میں ایک شخص کو قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اپنے وعدے کو پورا کرے گا، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 101-103

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟
ٱلْكِتَٰبَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

وَٱتَّبَعُوا۟ مَا تَتْلُوا۟ ٱلشَّيَٰطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَٰنَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَٰنُ وَلَٰكِنَّ
ٱلشَّيَٰطِينَ كَفَرُوا۟ يُعَلِّمُونَ ٱلنَّاسَ ٱلسِّحْرَ وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَٰرُوتَ
وَمَٰرُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا
مَا يُفَرِّقُونَ بِهِۦ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَزَوْجِهِۦ ۚ وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِۦ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ
وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا۟ لَمَنِ ٱشْتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِى ٱلْءَاخِرَةِ
مِنْ خَلَٰقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا۟ بِهِۦٓ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کے پاس موجود کتابوں کی تصدیق" کرتا تھا، تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب)تورات (کو اپنی پیٹھ کے پیچھے . پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ اس میں کیا ہے۔

اور وہ]بنی اسرائیل [نے]اپنے آسمانی صحیفوں کے بجائے [اس کی پیروی کی جو سلیمان کے دور میں شیاطین نے پڑھی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ]دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک یہ نہ کہیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا کفر نہ کرو۔ اور وہ ان سے وہ سیکھتے ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور وہ]لوگ [سیکھتے ہیں کہ ان کو کیا نقصان پہنچاتا ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتا۔ لیکن وہ)بنی اسرائیل (یقیناً

جانتے تھے کہ جس نے بھی اس)جادو (کو خریدا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور برا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، کاش وہ جانتے۔

،اور اگر وہ)اہل کتاب (ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کی طرف سے بہت اچھا اجر ہوتا "کاش وہ جانتے۔

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے سابقہ آسمانی صحیفوں تورات اور بائبل کی صحیح تعلیمات کی تصدیق کی اور ان خرابیوں کی اصلاح کی جو بدعنوان لوگوں کی طرف سے ان میں ڈالی گئی تھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 101:

"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کے پاس موجود چیزوں کی تصدیق کرنے والا تھا۔"

چونکہ تمام آسمانی صحیفوں کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے، اہل کتاب میں سے علماء نے واضح طور پر قرآن کریم کی ابتداء کو تسلیم کیا۔ ایک شخص جو کسی خاص مصنف سے واقف ہے وہ آسانی سے ان کے کام کو پہچانتا ہے۔ اس کے علاوہ، انہوں نے واضح طور پر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا کیونکہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں گفتگو کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"۔

حقیقت کو پہچاننے اور سمجھنے کے باوجود، اہل کتاب کے علماء میں سے بہت سے لوگوں نے اپنی قیادت اور اس کے ساتھ آنے والی چیزوں جیسے کہ دولت کے کھو جانے کے خوف سے اسلام کا انکار کیا اور انہیں اس خوف سے کہ وہ ان کے ہاتھوں زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ضابطہ اخلاق جس کے تحت انہیں اپنی دنیاوی خواہشات پر قابو رکھنا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 101:

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتا" تھا، تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ)یعنی تورات (کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا "گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ پر مشتمل ہے[۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کا اطلاق دینی اور دنیاوی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ملازم جیسا کہ ایک سرجن کو اس وقت تک تنخواہ نہیں ملے گی جب تک کہ وہ اپنے پاس موجود علم کو حاصل نہ کر لے اور نہ ہی کوئی مسلمان اس وقت تک اس اسلامی علم سے فائدہ اٹھا سکے گا جو اس کے پاس ہے جب تک کہ وہ اس پر صدق دل سے عمل نہ کرے۔ علم بذات خود نجات کا باعث نہیں بنتا جس طرح نقشہ بذات خود انسان کو اس کی مطلوبہ منزل تک نہیں پہنچاتا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ آیت 101 یہ بھی واضح کرتی ہے کہ تمام اہل کتاب یا بنی اسرائیل نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس گروپ کے کچھ ارکان کے اعمال کی بنیاد پر پورے گروپ کا فیصلہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے ، کیونکہ یہ اکثر امتیازی سلوک کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ نسل پرستی۔

باب 2 البقرہ، آیت 101:

"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتا تھا، تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ)یعنی تورات (کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ پر مشتمل ہے[۔"

مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے احترام میں اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ اس وقت آسانی سے ہو سکتا ہے جب کوئی چیری اپنی خواہشات کے مطابق کون سی اسلامی تعلیمات پر عمل کرے اور کن کو نظر انداز کرے۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے اسے یہ سوچ کر دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہے ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

اسلام اس زرہ کی مانند نہیں ہے جسے کوئی اپنی میٹھی مرضی کے مطابق پہنا اور اتار دے ۔ بلکہ یہ زندگی کا ایک طریقہ ہے جس پر ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے اور ہر نعمت کے ساتھ اسے عطا کیا گیا ہے، خواہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ ایک مسلمان کو اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ان کی خواہشات کے خلاف سخت خوراک کا منصوبہ ہوتا ہے۔ جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرتا ہے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوگی، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جب کہ جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کر کے خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، خواہ ان کی خواہشات کے خلاف ہوں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ " "

اگر چہ اہل کتاب تورات کے سچے ماننے والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی وہ اس کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیں گے جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں اور اس کے بجائے متبادل برائی اور گمراہ کن علم، جیسے کالا جادو کی پیروی کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

"...اور انہوں نے]اس کے بجائے [اس کی پیروی کی جو سلیمان کے دور میں شیاطین نے پڑھی تھی"

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دیگر تمام قسم کے نام نہاد مذہبی علم سے بچیں اور اس کے بجائے قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کریں، چاہے مذہبی علم کے دیگر ذرائع سے تجویز کردہ اعمال اچھے ہوں۔ اعمال یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی علم کے متبادل ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس پر ہو، جس کے نتیجے میں گمراہی ہو جاتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تنبیہ فرمائی کہ جس چیز کی جڑیں دو ذرائع ہدایت میں نہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دی جائے گی۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے ۔

اپنے گناہوں کا جواز پیش کرنے کے لیے اہل کتاب میں سے بہت سے علماء نے سابقہ آسمانی صحیفوں میں غلطیاں پیش کیں جن میں انبیاء علیہم السلام کو جھوٹا اور اہانت آمیز انداز میں رنگ دیا گیا تھا۔ ان غلطیوں کی تصحیح قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے کی گئی ہے ۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

‘‘سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔’’

مسلمانوں کو ایسے رویے سے گریز کرنا چاہیے جس کے ذریعے ان لوگوں کو دیکھا جائے جو ان سے بدتر دکھائی دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے برے اعمال اور باتوں کو درست ثابت کریں۔ یہ رویہ کسی کو بہتر محسوس کر سکتا ہے لیکن یہ دنیا یا آخرت میں ان کی مدد نہیں کرے گا۔ سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی دنیاوی جج کسی مجرم کو معاف نہ کرے کیونکہ وہ اس دنیا میں ان سے بھی بدتر مجرم ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو معاف نہیں کرے گا، چاہے وہ ان سے بھی بدتر ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر شخص کو ایک ہی معیار پر فائز کیا جائے گا، وہ معیار جو اسلام نے مقرر کیا ہے جس کی وضاحت قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں کی گئی ہے۔ لہٰذا، اس منفی رویے سے بچنا چاہیے، جو سستی کو جنم دیتا ہے، اور اس کے بجائے خود کو اسلام کے معیار سے موازنہ کرنا چاہیے تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ان میں کیا مثبت تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کتنے لوگوں نے اپنے آسمانی صحیفوں کو چھوڑ دیا اور اس کے بجائے علم کی پیروی کی جسے انہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے استعمال کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

لیکن شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھا رہے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ [یعنی دونوں فرشتے] کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا تم (جادو کرکے) کفر نہ کرو۔ اور [ابھی تک] وہ ان سے وہ کچھ سیکھتے ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا باعث بنتے ہیں..."

جیسا کہ دو فرشتوں کو عطا کردہ علم اور شیطانوں کے سکھائے گئے کالے جادو کو الگ کر دیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہے کہ دونوں فرشتے لوگوں کو کالا جادو سکھانے نہیں آئے تھے۔ اس کے بجائے انہیں علم عطا کیا گیا جو یا تو کالے جادو یا کسی اور قسم کے الہی علم کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ فرشتے لوگوں کو کچھ برائی سکھائیں گے۔ آیت کی ساخت بتاتی ہے کہ شیاطین اپنے پاس موجود علم سے لوگوں کو کالا جادو سکھاتے تھے اور دونوں فرشتوں کو دیے گئے علم کی جان بوجھ کر غلط تشریح کرتے تھے تاکہ کالا جادو کے ذریعے لوگوں کو مزید گمراہ کیا جا سکے۔ جان بوجھ کر الہی علم کی غلط تشریح کرنا وہی ہے جس کے خلاف دو فرشتوں نے آیت 102 میں لوگوں کو متنبہ کیا تھا۔ یہ سمجھنا آسان ہے، کیونکہ اچھے مقصد کے لیے بنائے گئے علم کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے اگر غلط شخص کے پاس ہو۔ مثال کے طور پر، سائنس بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لیے نازل ہوئی تھی، جیسے کہ بیماریوں کا علاج کرنے والی ادویات کی دریافت اور تیاری۔ لیکن اسی سائنسی علم کو غلط ہاتھوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ہتھیار تیار کرنا۔ علم الہی ایک ہی ہے۔ صحیح ہاتھوں میں اسے دونوں جہانوں کے لوگوں کے فائدے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن غلط ہاتھوں میں اسے برے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل آیت کی تفسیروں میں سے ایک ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ" "ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔

قرآن پاک دونوں جہانوں میں فائدے کا باعث ہے جب اسے سمجھ کر اس پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے۔ جبکہ اس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہو سکتا ہے جب کوئی جان بوجھ کر دنیاوی فائدے کے لیے اس کی غلط تشریح کرے۔

اس بحث کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس دن اور عمر میں بھی بہت سے لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کا کالا جادو اکثر اچھے الہی علم پر مشتمل ہوتا ہے جسے سیاق و سباق سے ہٹ کر اور شیطانی علم کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں فرشتے لوگوں کے ساتھ کالے جادو کے تصور پر صرف اس لیے گفتگو کر سکتے تھے تاکہ ان کو اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں فرق بتا سکیں، جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ۔ اس پر، جب اسے مافوق الفطرت مخلوقات پر قابو پانے کی صلاحیت دی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے کالا جادو سکھایا بلکہ صرف اس بات کی نشاندہی کی کہ اس سے لوگوں کو اس سے بچنے کی تنبیہ کی جاتی ہے کیونکہ یہ کفر ہے۔ یہ ہمیشہ سے تعلیم کی ایک قابل قبول شکل رہی ہے۔ ان دونوں باتوں کی تائید زیر بحث مرکزی آیت سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ دونوں فرشتوں نے لوگوں کو کالا جادو سکھایا تھا۔

باب 2 البقرہ، آیت 102:

لیکن شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھا رہے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا تم)جادو کرکے (کفر نہ کرو۔ اور وہ ان سے وہ سیکھتے

ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن وہ اس کے ذریعے ''اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔

اس آیت کا اختتام ایک طاقتور حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ اس کائنات میں کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر واقع نہیں ہوتی، چاہے وہ بڑی چیز ہو، جیسے سورج کا طلوع ہونا، یا کوئی چھوٹی چیز، جیسے ہوا میں پتے کا پھڑنا۔ اس حقیقت کو ماننے والا یہ سمجھے گا کہ ساری مخلوق انہیں کچھ نہیں دے سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور نہ ہی ساری مخلوق ان سے کچھ لے سکتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے۔ اس پر جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں بحث :کی گئی ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 2

اللہ تعالیٰ اہلِ رحمت کو جو کچھ عطا فرمائے، اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز کو وہ روکتا " ''ہے اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنا اور قبول کرنا انسان کو تخلیق اور دنیا کے اندر پائی جانے والی برائیوں جیسے کالا جادو سے ڈرنے سے روکے گا۔ اگر ان پر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت ایسی حکمتوں کی وجہ سے دی ہے جو ان پر ظاہر نہیں ہوتیں، جیسے کہ صبر کے ساتھ مشکل کا مقابلہ کر کے انہیں بے حساب اجر ملتا ہے۔ صبر میں کسی کے قول یا فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔ اگر وہ نقصان سے محفوظ ہیں تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے اور اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ شکرگزاری میں اس بات کو یقینی بنانا شامل ہے کہ کسی کی نیت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو۔ اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی احسان کی امید نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کی توقع رکھتے ہیں۔ شکر گزاری میں یہ بھی شامل ہے کہ کیا اچھا ہے وہ بولنا یا خاموش رہنا۔ آخر میں، شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں ، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ کبھی بھی اس ممکنہ برائی کے بارے میں بے وقوف نہیں ہوگا جو ان پر اثر انداز ہوسکتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان فنکاروں سے محفوظ رہے گا جو لوگوں کے روحانی اور دنیاوی مسائل کو فیس کے عوض حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 102:

لیکن شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھا رہے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا تم)جادو کرکے (کفر نہ کرو۔ اور وہ ان سے وہ سیکھتے ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور وہ سیکھتے ہیں کہ ان کو کیا نقصان پہنچاتا ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتا۔ لیکن وہ]یعنی بنی اسرائیل [یقیناً جانتے تھے کہ جس نے اسے خریدا]یعنی جادو [اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور برا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، کاش وہ جانتے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کالے جادو سے متعلق کسی بھی چیز پر عمل کرنا کفر ہے۔ یہ نہ صرف ایک بڑا گناہ ہے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے اور زہریلے خصائص اور افعال سے محفوظ رہنا چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر سکتا ہے اگر وہ غذا حاصل کرنے میں ناکام رہے، جیسے پانی، اور نقصان دہ مادوں سے محفوظ نہ ہو، اسی طرح انسان کا ایمان اس وقت مر سکتا ہے جب وہ اطاعت کے اعمال انجام دینے میں ناکام رہے اور اگر وہ بعض گناہوں پر اڑے رہے، جیسے کالے جادو کی مشق کے طور پر۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ دونوں جہانوں کی مصیبت اور عذاب کے عوض اپنے ذہنی سکون اور کامیابی کو دونوں جہانوں میں بیچ رہا ہے۔ جو شخص کالا جادو سے تعلق رکھتا ہے وہ دونوں جہانوں میں ضائع ہو جائے گا، چاہے اس دنیا میں اس کا نقصان ان پر ظاہر نہ ہو، کیونکہ دنیاوی عذاب اکثر لطیف ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

‘‘اور بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا، کاش وہ جانتے۔ ’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالے جادو کو تباہ کن گناہوں میں سے ایک قرار دیا۔ صحیح بخاری نمبر یعنی اگر کوئی سچے دل سے توبہ نہ کرے تو وہ جہنم میں داخل ہو سکتا ہے۔ 2766 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔ کالا جادو کرنا بھی ایک مہلک کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس پر عمل کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بدل سکتا ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت کا مقابلہ اور چیلنج کر سکتا ہے جو کہ صریح کفر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس مہلک کبیرہ گناہ سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 102:

لیکن شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھا رہے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا تم)جادو کرکے (کفر نہ کرو۔ اور وہ ان سے وہ سیکھتے ہیں جس سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور وہ سیکھتے ہیں کہ ان کو کیا نقصان پہنچاتا ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتا۔ لیکن وہ]یعنی بنی اسرائیل [یقیناً جانتے تھے کہ جس نے اسے خریدا]یعنی جادو [اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور برا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، کاش وہ جانتے۔

عام طور پر یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو شخص دنیاوی فائدے کے لیے علم الٰہی کی تاویل کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں پریشانی اور تناؤ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس رویے سے وہ جو دنیاوی چیزیں حاصل کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو بھول چکے ہیں۔ اور آخرت میں جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی بدتر ہے، جب تک کہ وہ صدق دل سے توبہ نہ کریں باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو دنیاوی فائدے کی خاطر اسلام کی تعلیمات سے سمجھوتہ کرتے ہیں۔

آیت نمبر 102 کا آخری حصہ واضح کرتا ہے کہ جہالت کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی جڑ ہے جس سے انسان دونوں جہانوں میں مصائب و آلام کا باعث بن سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

‘‘اور بری چیز ہے جس کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، کاش وہ جانتے۔’’

اس لیے جہالت سے بچنا چاہیے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق اسلامی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ گناہوں اور منفی خصوصیات کو آسانی سے پہچان سکے اور اس لیے ان سے اجتناب کرے۔ .جو جہالت کو اپنا راستہ سمجھتا ہے وہ آسانی سے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور منفی خصلتوں کو اپناتا ہے کیونکہ وہ ان اور ان کی سنگینی سے بے خبر ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ دنیاوی فائدے کی خاطر جان بوجھ کر علم الٰہی کی غلط تشریح کرنے سے گریز کرنا چاہیے تاکہ اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، انہیں اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت اعمال کے ساتھ کرنی چاہیے، جس میں اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کرنا شامل ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب 2 البقرہ، آیت 103:

"اور اگر وہ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کی طرف سے اجر بہت بہتر ہوتا، کاش وہ جانتے۔"

انسان کو یہ صحیح رویہ اختیار کرنا چاہیے خواہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیاں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ جو ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ اس مثبت رویے کے ذریعے ہی انسان ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 103:

"اور اگر وہ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کی طرف سے اجر بہت بہتر ہوتا، کاش وہ جانتے۔"

باب 2 - البقرہ، آیت 104

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَلِلْكَـٰفِرِينَ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

‘‘اے ایمان والو، "رعینہ "نہ کہو بلکہ "اَنْزَنَا "کہو اور سنو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں مومنین کے لیے اعلان فرماتا ہے تو وہ اسے عملی اطاعت کے کاموں سے جوڑ دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 104:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مت کہو "

اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے زبانی اعلان کو عمل کے ساتھ عملی شکل دینے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ اعمال اس بات کا ثبوت ہیں کہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایمان کے زبانی اعلان کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہونا اتنا ہی بے معنی ہے جتنا کہ ایک طالب علم جو اپنے استاد کو امتحان کا خالی پرچہ واپس کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ علم ان کے ذہن میں ہے اسے امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر عمل کے ذریعے اپنا علم ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح اس طالب علم کو ان کا استاد فیل کرے گا اسی طرح وہ مسلمان بھی ناکام ہوگا جو اپنے ایمان کے زبانی دعوے کو عمل سے ثابت کرنے میں ناکام رہے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی کے ایمان کی مضبوطی سے پوری طرح واقف ہے، اس سے کم نہیں، اس نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی زبانی اعلان کو عمل سے ثابت کریں۔

اس کے علاوہ، جو اپنے ایمان کو درست کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے اس کے کھو جانے سے ڈرنا چاہیے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح

ایک پودا جو پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جائے گا، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کر سکے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ نتائج کے خوف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلم کھلا توہین اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ نتیجتاً انہوں نے خفیہ طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کے لیے مکروہ منصوبے بنائے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے دو چہروں والا کردار اپنایا جس کے تحت وہ زبانی طور پر اس امن معاہدے کی پاسداری کا دعویٰ کریں گے جس پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق کیا تھا، پھر بھی انہوں نے اسلام کے دشمنوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا۔ اور اس پر درود ہو۔ ایک اور منحوس منصوبہ جس کا تذکرہ زیر بحث مرکزی آیت میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کس طرح جان بوجھ کر بعض الفاظ کا غلط تلفظ کریں گے جو کہ جب وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کریں گے تو ان کی توہین میں بدل جائیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 104:

اے ایمان والو، "راعینا "نہ کہو بلکہ "انغرنا "کہو۔ "

اس کے جواب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرنا چھوڑ دیں جن کے غلط تلفظ سے ان کی توہین ہو سکتی ہے، جس کی ایک مثال آیت 104 میں مذکور ہے۔

مسلمانوں کو اہل کتاب کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گستاخی اختیار کی تھی۔ اس کے بجائے تمام لوگوں کے ساتھ اخلاص اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خواہ ان کا کوئی بھی عقیدہ ہو، کیونکہ یہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں ایک حدیث میں اس کی نصیحت

کی گئی ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرے جس کی خواہش دوسرے ان کے ساتھ کریں۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو غور سے سنیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 104:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، "رعینہ "نہ کہو، بلکہ "اَنْزَنَا "کہو اور سنو۔ "

اہل کتاب جس لفظ کا غلط تلفظ کریں گے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استعمال کیا تھا، اسی طرح ایک طالب علم اپنے استاد سے کہتا ہے کہ وہ سست ہو جائے اور جو کچھ انہوں نے سکھایا ہے اسے دہرائیں۔ جب اس کا غلط تلفظ کیا گیا تو یہ توہین بن گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک مختلف لفظ استعمال کریں جس کا غلط تلفظ نہ کیا جا سکے اور توجہ سے سنیں تاکہ انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے آپ کو دہرانے کی ضرورت نہ پڑے۔ عام طور پر، کسی بھی اچھے علم کو ہمیشہ غور سے سننا چاہیے۔ سننے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے سننا، کسی کے ذہن میں معلومات کو اس بات پر غور کرنا کہ اسے ان کی زندگی میں کیسے لاگو کیا جا سکتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ کامیابی کے لیے صرف اسلامی معلومات کو سننا ہی کافی ہے۔ سننا ان تعلیمات کو اپنانے کا باعث نہیں بنتا جو کسی نے سنی ہے جبکہ سننا ہوتا ہے۔ اسلام سننے کا حکم دیتا ہے نہ کہ صرف اسلامی علم کو سننے کا۔ صحیح طریقے سے سننے میں ناکامی ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر دستیاب اور سنا جاتا ہے، اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 104:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، "رعینہ "نہ کہو، بلکہ "اَنْرَنَا "کہو اور سنو۔ "

یہ آیت مسلمانوں کو صاف اور سیدھی بات کرنے کا درس دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو مبہم انداز میں بات کرنے سے گریز کرنا چاہئے جسے دوسرے غلط طریقے سے لے سکتے ہیں۔ یہ اکثر رشتہ داروں کے درمیان ٹوٹنے اور ٹوٹنے کا باعث بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ اچھی اور صاف بات کرنی چاہیے یا خاموش رہنا چاہیے۔ صحیح مسلم، نمبر 176 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 70:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور انصاف کی بات کہو۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 104:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو،)اللہ کے رسول کو" (رَعْنَا "نہ کہو، بلکہ "اَنْرَنَا "کہو اور سنو۔ اور" "کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عام طور پر یہ آیت مسلمانوں کو متنبہ بھی کرتی ہے کہ وہ غیر مسلموں کے طرز عمل کی نقل نہ کریں۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے اور ایسی چیزوں پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ہدایت کے ان دونوں ذرائع میں نہیں ہیں۔ دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ مباح کاموں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 104:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو،)اللہ کے رسول کو" (رَعِنَا "نہ کہو، بلکہ "اَنْظُرْنَا "کہو اور سنو۔ اور" "کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے گریز کرے۔ جیسا کہ آیت 104 سے اشارہ ہے، یہ کفر ہے۔ یہ تب ہو سکتا ہے جب کوئی جان بوجھ کر اس کے احکامات اور نصیحتوں کو محض اس لیے نظر انداز کرتا ہے کہ وہ کسی کی خواہشات کے خلاف ،ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ممانعتوں اور نصیحتوں کے لیے دل سے سر تسلیم خم کرے، کیونکہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 4 النساء، آیت 65:

لیکن نہیں، آپ کے رب کی قسم، وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ کو اس بات " کا فیصلہ نہ کر لیں جس پر وہ آپس میں جھگڑتے ہیں اور پھر جو فیصلہ آپ کرتے ہیں اس سے اپنے " دل میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے اور)پوری رضامندی سے (سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے بہترین

ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسے بے وقوف مریض جیسا سلوک کرے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرے تو اسے ذہنی اور جسمانی صحت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 104:

‘‘اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔’’

باب 2 - البقرہ، آیت 105

مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ
خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَٱللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ

’’اہل کتاب]یہود و نصاریٰ [میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی غیرت مندانہ فطرت کو نمایاں کرتا ہے جنہوں نے اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود انکار کر دیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 105:

’’ اہل کتاب)یہود و نصاریٰ (میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو‘‘۔

اہل کتاب میں سے علماء نے واضح طور پر اسلام کی حقانیت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے تسلیم کیا اور قرآن کریم کو ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث لایا گیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

اہل کتاب اس بات پر رشک کرتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہونے کے بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جیسا کہ وہ تھے۔ چونکہ ان کا پورا مذہب حسب و نسب کی اہمیت کے گرد ڈھل گیا تھا جس کے مطابق ان کو باقی بنی نوع انسان پر فوقیت دی گئی تھی، اس لیے وہ ایک ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اور پیروی نہیں کر سکتے تھے، جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔ .یہ صرف ان کی برتری کے کمپلیکس کو تباہ کرے گا جو انہوں نے گھڑا تھا۔

چونکہ مکہ کے غیر مسلم عربی زبان کے ماہر تھے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چالیس سال گزارے تھے، نبوت کے اعلان سے پہلے وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

مکہ کے غیر مسلموں کے رئیس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے اور ان کی پیروی کرنے کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے تھے، جو ایک غریب یتیم تھے، باوجود اس کے کہ آپ کا تعلق شریف ترین قبیلے سے تھا۔ چونکہ وہ قیادت، تسلط اور دولت کے خواہش مند تھے، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور تمام مخلوقات پر امامت اور فضیلت عطا فرمائی تو ان پر رشک آیا۔

باب 2 البقرہ، آیت 105:

اہل کتاب)یہود و نصاریٰ (میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف ’’ سے کوئی بھلائی نازل ہو‘‘۔

عام طور پر، حسد ایک مہلک بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ آسانی سے کسی کو دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں حق اور صحیح راستے کو رد کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ جو شخص حق اور صحیح راستے سے انکار کرتا ہے وہ دنیا یا آخرت میں کبھی حقیقی کامیابی نہیں پا سکتا۔ اس کے علاوہ، یہ ایک بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، کیونکہ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ دنیا کی نعمت کس کو دی جاتی ہے، وہ اس پر رشک کرتے ہیں۔ پس حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 105:

لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے...

ایک مسلمان کو اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے اور اس لیے حسد سے بچنا چاہیے۔ حسد کی بری قسم وہ ہے جب کوئی شخص حسد کرنے والے سے نعمت چھیننے کی خواہش کرتا ہے اور اس نتیجہ کے لیے سرگرمی سے کوشش کرتا ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کو عطا کی گئی نعمت کے برابر کی خواہش کرتا ہے اور حسد کرنے والے کے پاس موجود نعمت سے محروم ہونے کی خواہش یا کوشش کے بغیر۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے لیکن اس قسم کا دنیاوی معاملات پر قبضہ کرنا قابل ملامت ہے اور دینی معاملات پر اس کا قبضہ کرنا قابل قبول ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل قبول قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس سے حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کا صحیح استعمال کرے اور لوگوں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند شخص کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنے میں مصروف رہے کیونکہ اسی سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور مزید برکات حاصل ہوں گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا ‘‘۔’’

اس حقیقت کی طرف زیر بحث مرکزی آیت کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 105:

‘‘اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔’’

جبکہ ناجائز حسد کو اختیار کرنا انسان کو سکون قلب حاصل کرنے سے روک دے گا اور یہ اس کے نیک اعمال کی بربادی کا باعث بنے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سے دونوں جہانوں کی بھلائی ہی خسارے میں رہے گی۔

جس مسلمان کو دنیاوی نعمتیں ملتی ہیں جن سے دوسرے رشک کر سکتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنے پر ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جس سے وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں گے اور منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے حسد کرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے، چاہے یہ تحفظ ان پر واضح نہ ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

’’کہہ دو، میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرتا ہے۔ ‘‘

اس کے علاوہ، انہیں ہمیشہ کسی بھی دنیوی نعمت پر فخر کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو انہیں حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے انہیں تخلیق اور عطا کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 105:

... لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے

اس لیے کسی نعمت پر فخر کرنا جو درحقیقت کسی اور کی ہے، محض حماقت ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 105:

’’ اہل کتاب)یہود و نصاریٰ (میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو‘‘۔

نازل شدہ خیر سے مراد خاص طور پر قرآن پاک ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا اور آخرت میں تب ہی بھلائی ملے گی جب وہ اس کی تعلیمات کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ کسی کو کبھی بھی یہ نہیں ماننا چاہیے کہ جس زبان میں اسے سمجھ نہیں آتی اس کو صرف پڑھنا دونوں جہانوں کی بھلائی کے لیے کافی ہے۔ قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے تلاوت کی کتاب نہیں۔ رہنمائی اسی وقت حاصل کی جاسکتی ہے جب کوئی شخص اس پر عمل کرے اور اس پر عمل کرے، بالکل اسی طرح جیسے نقشہ کسی کو اس کی مطلوبہ منزل تک پہنچا سکتا ہے جب وہ اس پر عمل کرے۔

عام طور پر، مرکزی آیت میں ذکر کردہ نیکی سے مراد کوئی بھی دنیاوی نعمت ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ دنیاوی نعمت صرف اس وقت دونوں جہانوں میں انسان کے لیے خیر کا ذریعہ بنے گی جب وہ اسے صحیح طریقے سے استعمال کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے،

،جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل :آیت 97

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ دنیوی نعمتوں کا غلط استعمال ان کے لیے دونوں جہانوں میں تنگی، مصائب اور مشکلات کا باعث بنے گا، کیونکہ وہ نعمتوں کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں۔ باب 20 طہٰ، آیات :124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 106-107

مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ
قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ
وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾

ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اسے بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس” سے ملتی جلتی آیت لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار؟

منسوخی کے عمل میں ایک مخصوص حکم یا ممانعت کو دوسرے کے ساتھ تبدیل کرنا شامل ہے۔ یہ عمل بہت سے دنیاوی حالات میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے کہ جب کوئی طبیب دوا تجویز کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر اکثر ابتدائی طور پر دوا کی پوری خوراک نہیں لکھتا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا مریض اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔ لہذا، وہ ابتدائی طور پر کم خوراک اور تعدد کی مقدار تجویز کرتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ خوراک اور استعمال کی تعدد میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ بتدریج تعمیر انسانی جسم کو کم سے کم ضمنی اثرات کے ساتھ تجویز کردہ دوا سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تکنیک کو وقت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ قرآن پاک ایک ہی بار میں نازل نہیں ہوا۔ باب 25 الفرقان، آیت 32:

"اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا؟ اس طرح ہم اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں۔ اور ہم نے اسے الگ الگ کر دیا ہے۔"

منسوخی تکنیک کو استعمال کرنے کی ایک مثال شراب کی ممانعت میں دیکھی جاتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

"وہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اور باب 4 النساء آیت 43:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو“۔

اور آخر میں باب 5 المائدہ آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مراحل میں شراب ممنوع تھی۔ ایک ہی بار میں اس کی ممانعت سے ان لوگوں پر منفی ردعمل ہوتا جو اس کے عادی تھے جن میں زیادہ تر عرب شامل تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 106:

”ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس سے ملتی جلتی آیت لے آئیں۔“

لہٰذا منسوخی کے عمل پر تنقید کرنا اور اسے قرآن مجید کی صداقت کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرنا محض حماقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو تعلیم دینا بہتر جانتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 106:

‘‘کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟’’

یہاں تک کہ اگر کوئی اس عمل سے مطمئن نہیں ہے، تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے انتظام کے طریقے میں کوئی بات نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 107:

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے‘‘۔ ’’

لہٰذا، انسان کو کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بے اختیار اور حقیر بندے کے طور پر اپنے مقام کو پہچاننا چاہیے، جس کا مقصد صرف اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنا ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کی خوشنودی میں ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اس کی نافرمانی سے اسے حاصل ہوتا ہے وہ دونوں جہانوں میں اس کے تناؤ، اضطراب اور مصائب کا باعث بن جاتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

کسی کو یہ یقین کرنے میں کبھی دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ، کائنات اور انسان کے روحانی قلب کو کنٹرول کرتا ہے، جو ذہنی سکون کا گھر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 107:

‘‘اور یہ کہ اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار؟’’

منسوخی کا یہ عمل اہل کتاب کے اس دعوے کی بھی تردید کرتا ہے کہ ان کے آسمانی صحیفے اور قانون کو قرآن کریم نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے ان کے حالات کے مطابق قوانین نازل کیے، اور پھر اپنے آخری زمانی قانون کے ساتھ ماضی کے تمام قوانین کو منسوخ کر دیا جس کی وضاحت قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں موجود ہے۔ یہ بات

اہل کتاب کے علماء کے لیے واضح تھی کیونکہ آخری وحی قرآن پاک اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

باب 2 البقرہ، آیات 106-107:

”ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اسے بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس سے ملتی جلتی آیت لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار؟

،یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اسلامی علوم میں لفظ فسخ اکثر وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ دو الگ الگ تصورات ہیں۔ منسوخی کا مطلب ہے کسی حکم اور ممانعت کو مختلف سے بدل دینا، جب کہ وضاحت اس وقت ہوتی ہے جب کسی خاص حکم کو واضح یا زیادہ مخصوص کیا جائے۔ جب کوئی ان دونوں تعریفوں کے درمیان فرق کو سمجھے گا تو وہ سمجھے گا کہ قرآن کریم میں صرف بہت کم، ممکنہ طور پر صرف ایک ہی آیات کو منسوخ کیا گیا ہے اور باقی صرف قرآن مجید کی دوسری آیات یا روایات سے واضح ہوئی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان دونوں معانی میں فرق کرنے میں ناکامی نے گمراہ لوگوں کو یہ دعویٰ کرنے کی ترغیب دی ہے کہ قرآن پاک میں بہت سی آیات کو دنیاوی فائدے جیسے طاقت اور دولت کی خاطر منسوخ کر دیا گیا ہے۔ آیت 107 کے آخری حصے میں لوگوں کو اس رویہ سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی حفاظت یا مددگار نہیں ہوگا جو ان کے پاس دنیاوی چیزوں کے باوجود دونوں جہانوں میں گھیرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 107:

‘‘اور یہ کہ اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار؟ ’’

باب 2 البقرہ، آیت 106:

ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس’’ سے ملتی جلتی آیت لے آئیں۔‘‘

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ قرآن پاک لوگوں کے لیے زندگی کو مشکل بنانے کے لیے نازل نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت زندگی کو آسان بنانے کے لیے نازل کیا گیا تھا تاکہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے۔ باب 10 یونس، آیت 57:

’’اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور سینوں کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آئی ہے۔‘‘

مثال کے طور پر الکحل کے بہت سے منفی اثرات لوگوں پر واضح نہیں تھے جب اسے قرآن کریم نے ممنوع قرار دیا تھا، جیسے کہ انسانی جسم کے بے شمار اعضاء پر اس کے مضر اثرات۔ ان منفی اثرات کی وجہ سے ہی اس کی ممانعت تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ صرف ان چیزوں کا حکم اور منع کرتا ہے جن سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ لہٰذا ایک مسلمان کو قرآن کریم کے احکام و ممنوعات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ انہیں کڑوی دوائیں اور سخت خوراک تجویز کرتے ہیں، جیسا کہ وہ جانتے ہیں ۔ نصیحت ان کے لیے بہترین ہے، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو یا ان کے مشورے کے فوائد ان پر ظاہر نہ ہوں۔

باب 2 البقرہ، آیت 106:

’’ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس سے ملتی جلتی آیت لے آئیں۔‘‘

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان کے ایمان کو بتدریج مضبوط کرنے کا یہ عمل بھی اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام نہ تو لوگوں سے کمال کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی راتوں رات اولیاء بننے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایک مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ قرآن پاک کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے باقاعدگی سے وقت دے اور اس پر عمل کرے یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ عمل ان کے ایمان کی مضبوطی میں بتدریج

لیکن مسلسل اضافے کا سبب بنے گا۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 106:

’’ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو بھلا دیتے ہیں مگر یہ کہ ہم اس سے بہتر یا اس سے ملتی جلتی آیت لے آئیں۔‘‘

یہ آیت اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ جب بھی کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے کوئی نئی چیز سیکھتا ہے تو اپنے طرز عمل کو مسلسل مثبت انداز میں بدلنے کی اہمیت رکھتا ہے۔ صرف ایک جاہل اور ضدی شخص اس وقت تبدیل نہیں ہوتا جب وہ نیا اسلامی علم سیکھتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس کے بجائے ایک لچکدار رویہ اختیار کرنا چاہیے جس کے تحت وہ ہمیشہ اپنی بات اور عمل کو کسی بھی نئے اسلامی علم کے مطابق جو وہ حاصل کرتے ہیں اس کے مطابق قبول کرتے ہیں۔ جبکہ، وہ اپنے رویے کو کسی دوسرے معیار، جیسے ثقافت، فیشن اور سوشل میڈیا کے مطابق تبدیل نہیں کریں گے۔ اس نقطہ نظر سے، منسوخی کا عمل ایک امتحان ہے کہ یہ واضح کر دے کہ کون نیا اسلامی علم سیکھنے کے بعد اپنا رویہ اور طرز عمل بدلتا ہے اور کون ضد کے ساتھ انکار کرتا ہے، کیونکہ جو علم ان کے پاس پہلے سے ہے وہ ان کی دنیاوی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 108

أَمۡ تُرِيدُونَ أَن تَسۡـَٔلُواْ رَسُولَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبۡلُۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ ٱلۡكُفۡرَ
بِٱلۡإِيمَٰنِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ١٠٨

یا تم اپنے رسول سے پوچھنا چاہتے ہو جیسا کہ موسیٰ سے پہلے پوچھا گیا تھا؟ اور جس نے ایمان"
کو کفر سے بدل دیا وہ یقیناً راستی سے بھٹک گیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ غیر متعلقہ سوالات کرنے پر اصرار نہ کریں جس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی ہو، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل سے پریشان تھے۔ .باب 2 البقرہ، آیات 67-71:

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ یہ کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری، بلکہ اس کے درمیان درمیانی ہے، لہٰذا آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کریں۔ انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمیں دکھائے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک پیلے رنگ کی گائے ہے، جس کا رنگ چمکدار ہے، دیکھنے والوں کو اچھا لگتا ہے، انہوں نے کہا: اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیا ہے، بے شک تمام گائے ایک جیسی نظر آتی ہیں۔ اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت پا جائیں گے۔ "اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک گائے ہے جو نہ تو زمین کو جوتتی ہے اور نہ کھیت کو سیراب کرتی ہے، بے عیب ہے جس پر کوئی داغ بھی نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے ذبح کر دیا، لیکن وہ اسے مشکل سے کر سکے۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 108:

‘‘یا تم اپنے رسول سے پوچھنا چاہتے ہو جیسا کہ موسیٰ سے پہلے پوچھا گیا تھا؟’’

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق آیات میں واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ غیر متعلقہ سوالات پوچھنا لوگوں کو صرف ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنے سے روکتا ہے جو ان سے متعلقہ ہے جس کے نتیجے میں ان کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان مسائل کی تحقیق اور استفسار پر توجہ دینی چاہیے جن کے

بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باقی کسی بھی چیز کو ایک طرف چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ صرف ان چیزوں سے ان کی توجہ ہٹائے گا جو انہیں سیکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 3257 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بے مقصد سوالات کرنے سے گریز کریں اور اس کے بجائے ان چیزوں سے اجتناب کریں جن سے انہیں منع کیا گیا ہے اور جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے اسے پورا کرنے پر توجہ دیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان حتیٰ کہ علماء بھی ایسے غیر متعلقہ مسائل پر بحث اور بحث کرنے میں پڑ گئے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ رویہ صرف ملت اسلامیہ کے اندر تفرقے کا باعث بنا ہے حالانکہ انہیں متحد رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس رویہ پر قائم رہنے سے انسان کو راحت عقیدہ سے دور لے جاتا ہے، جو ہمیشہ ان متعلقہ مسائل اور موضوعات سے جڑا رہتا ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، کفر کی طرف، جو ہمیشہ غیر متعلقہ موضوعات اور مسائل سے جڑا ہوا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 108:

"یا تم اپنے رسول سے پوچھنا چاہتے ہو جیسا کہ موسیٰ سے پہلے پوچھا گیا تھا؟ اور جس نے ایمان کو کفر سے بدل دیا وہ یقیناً راستی سے بھٹک گیا۔ اور جس نے ایمان کو کفر سے بدل دیا وہ یقیناً راستی سے بھٹک گیا۔

یہ آیت اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پریشانی پیدا کرنے اور دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لیے بے مقصد سوالات کرنے سے متنبہ بھی کر سکتی ہے۔ اہل کتاب کو اپنے اسلاف یعنی بنی اسرائیل سے غیر متعلقہ سوالات کرنے سے گریز کرنے کی اہمیت سیکھنی چاہیے تھی۔ چونکہ ان کے علماء کے پاس آسمانی صحیفے موجود تھے جن میں قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر بحث کی گئی تھی، اس لیے انہیں اس طرز عمل کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اسلام کی حقیقت ان پر بالکل واضح تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [اپنے] بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

اور مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے چالیس سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور اس لئے جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اور چونکہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اس لیے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں ورنہ وہ لوگوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے ان کے علم کی سطح، ان کی سماجی حیثیت، وقت کے لحاظ سے آسانی سے اس سے میل کھا لیتے۔ وہ رہتے ہیں اور ہر سماجی، ذاتی، مالی اور سیاسی مسئلے کو حل کرنے کی صلاحیت کسی فرد یا قوم کو درپیش ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

اور اگر تم اس)قرآن (کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی" " ایک سورت بنا لو اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں سے دوسروں کو اسلام سے گمراہ کرنے کے لیے فضول باتوں پر عمل کرنے والوں نے صرف اس عقیدے کا تبادلہ کیا جو انہیں کفر کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 108:

‘‘اور جس نے ایمان کو کفر سے بدل دیا وہ یقیناً راستی سے بھٹک گیا۔’’

راہِ راست سے بھٹکنے والے کو اس دنیا میں مشکلات کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور اگلے جہان میں ان کا راستہ جنت میں ختم نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو بھول چکے ہیں، جس میں نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے۔ اس کی خوشنودی کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 109-110

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا
مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلْحَقُّ ۖ فَٱعْفُوا۟ وَٱصْفَحُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ
بِأَمْرِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا۟ لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں، ان پر حق" واضح ہو جانے کے بعد بھی اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے۔ پس درگزر کرو اور درگزر کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نہ دے دے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جو بھلائی تم اپنے لیے پیش کرو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔ ‘‘بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے۔

ہمیشہ کی طرح جب بھی اللہ تعالیٰ کسی مخصوص گروہ پر تنقید کرتا ہے تو وہ ہمیشہ واضح کرتا ہے کہ اس گروہ کے تمام افراد نے ایک جیسا عمل نہیں کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 109:

"...اہل کتاب میں سے بہت سے"

یہ اس گروپ کے کچھ ارکان کے اعمال کی بنیاد پر پورے گروپ کا فیصلہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس رویہ پر قائم رہنا اکثر امتیازی سلوک کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ نسل پرستی، جس کی اسلام میں سختی سے ممانعت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں کی حسد کو نمایاں کرتا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 109:

’’بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔‘‘

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اسلام کا ایک لازمی پہلو ہے۔ اس طرز عمل سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے سچا عقیدہ اختیار کرنا چاہیے، جس میں دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا شامل ہے جو کوئی چاہتا ہے۔ خود صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے -

اہل کتاب اس بات پر رشک کرتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، بجائے اس کے کہ ان کے نسب سے ہوں، بلکہ ان کے بھائی کی اولاد سے ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام۔ چونکہ ان کا پورا عقیدہ ان کے نسب پر مرکوز تھا، جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ ان کا نسب تھا جس نے انہیں باقی بنی نوع انسان پر فوقیت دی، اس لیے وہ کسی دوسرے نسب سے تعلق رکھنے والے کو قبول یا پیروی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس سے ان کے اعلیٰ ہونے کا جھوٹا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کا خون سب کے لیے صاف ہے۔ اس کے علاوہ، وہ مسلمانوں سے حسد کرتے تھے کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی کے بردار بن گئے تھے، جس پر اہل کتاب کو بڑا فخر تھا۔ اس کے نتیجے میں، ان کی خواہش تھی کہ مسلمان الہامی وحی پر مبنی اپنے عقیدے کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف واپس لوٹ جائیں۔
باب 2 البقرہ، آیت 109:

’’بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔‘‘

حسد ایک بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت عطا کر کے غلطی کی ہو۔ جو شخص اپنی حسد کو زبانی اور جسمانی طور پر اس کے خلاف لڑنے دیتا ہے جس سے وہ حسد کرتے ہیں وہ صرف ان کے اپنے اعمال کو تباہ کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس جیسی نعمت حاصل کرنا چاہے بغیر اس کے کہ وہ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے، لیکن یہ صرف دینی معاملات میں قابل تعریف اور دنیوی معاملات میں قابل ملامت ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں حلال اور قابل تعریف حسد کی دو صورتیں بتائی ہیں۔ جو شخص اپنے علم کا صحیح استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے حسد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے حسد وہ ہے جس نے حلال مال حاصل کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا۔

یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا، دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مزید برکات اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ دوسروں سے حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی بھول جائے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبتیں آئیں گی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 109:

بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے ’’ پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔‘‘

عمومًا یہ آیت اس فہم کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس کی جڑیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ہوں تو وہ ہمیشہ دوسروں کی تنقید کا نشانہ بنے گا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ تنقید اکثر ان کے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب لوگ غلط طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جس شخص پر وہ تنقید کرتے ہیں وہ ان کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ چن رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ ان کا راستہ برا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا اور صرف ایک مختلف راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بعض اوقات، ان کی تنقید کی جڑ حسد ہوتی ہے کیونکہ وہ اس حقیقت پر حسد کرتے ہیں کہ ان کا رشتہ دار اسلامی علم حاصل کر رہا ہے اور دوسرے اسے ان سے بہتر سمجھیں گے۔ اس تجربے کے ذریعے یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے لیے واقعی مخلص کون ہے، کیونکہ جو لوگ ان کے لیے مخلص ہیں وہ انہیں اپنے راستے پر چلنے کی ترغیب دیں گے، چاہے وہ ان کے رویے

میں تبدیلی کو نہ بھی سمجھیں، جیسا کہ وہ واضح طور پر پہچانتے ہیں کہ یہ انسان کو خوش کرتا ہے۔ اور جیسا کہ وہ کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں، ایک مسلمان کو اپنے نئے اعلیٰ راستے پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور ان پر کی جانے والی تنقید کی راہ میں رکاوٹ بننے سے بچنا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا جاری رکھنا چاہیے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ اس راستے سے ہی انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر ان کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود اسلام سے حسد اور انکار پر تنقید کی، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 109:

’’ اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں، اپنی طرف سے حسد کی وجہ سے جب کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ حسد کرنے والوں کو اپنے حسد کرنے والوں کے نقصانات پر صبر کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اہل کتاب، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا اور حسد کرنے والوں کو عذاب دے گا۔ سچے دل سے توبہ کرنا .باب 2 البقرہ، آیت 109:

"... پس درگزر کرو اور درگزر کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نہ دے دے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

لہٰذا حسد کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے حسد کرنے والوں کی زبانی اور جسمانی حرکتوں پر صبر کرے اور صرف اسلام کی حدود میں اپنا دفاع کرے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس طرح ان کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

''کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرتا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم و حکمت کے مطابق کام کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی محدود سوچ ، کے مطابق۔ .باب 2 البقرہ، آیت 109:

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنے کے پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 110:

''اور نماز قائم کرو۔''

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع " انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر قوم کو]خوف سے [گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا" جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اکثر نماز کے قیام کو فرض صدقہ کے ساتھ جوڑتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 110:

اور زکوٰۃ دو‘‘۔’’

واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہا اور اس کے بجائے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے انہیں عطا کی گئی نعمتیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کی ملکیت ہے اور اس وجہ سے واجب صدقہ دینے سے باز رہے، اس کو جرمانے کا سامنا کرنا پڑے گا، بالکل اسی طرح جو ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ دنیاوی قرض کو سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اطاعت میں عطا کی گئی ہر نعمت کو استعمال کرنے کی اہمیت کا خلاصہ کیا ہے، جس میں قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا استعمال شامل ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 110:

’’اور جو بھی بھلائی تم اپنے لیے پیش کرو گے وہ اللہ کے ہاں پاؤ گے۔‘‘

یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ صرف اپنے آپ پر احسان کر رہے ہیں جب وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں دی گئی ہیں۔ وہ اللہ، عالی، یا دوسرے لوگوں پر احسان نہیں کرتے، کیونکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سچائی جسے اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ ہے کہ جب کوئی ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے عطا کی گئی ہیں، تو یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس سے اس دنیا میں، ان کی قبر میں اور قیامت کے دن فائدہ اٹھائیں، یعنی یہ ان کے قبضے میں رہتا ہے اور ان تمام مراحل میں ان کی مدد کرتا ہے۔ جبکہ جو شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو اسے عطا کی گئی ہیں وہ اس کے لیے اس دنیا میں، اس کی قبر میں اور قیامت کے دن اس کے لیے تناؤ اور مشکلات کا باعث بنیں گے، اگرچہ وہ چیز اس کی انگلیوں سے نکل جائے گی، خواہ اس دوران ان کی زندگی یا ان کی موت کے بعد؟ سیدھے الفاظ میں، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیاوی نعمتوں کو برقرار رکھے جو اسے عطا کی گئی ہیں اور ان کے لیے دونوں جہانوں میں امن کا ذریعہ بننا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان کا استعمال ایسے طریقوں سے کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 110:

‘‘اور جو بھی بھلائی تم اپنے لیے پیش کرو گے وہ اللہ کے ہاں پاؤ گے۔’’

لیکن چاہے کوئی ان نعمتوں کو اپنے ساتھ لے کر اگلے جہان میں لے جائے اور دونوں جہانوں میں ان کے لیے امن کا ذریعہ بنے، ان کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، یا نہیں، دونوں طرح سے ان کے لیے جوابدہ ہوگا۔ انتخاب، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم اور نظر سے کوئی چیز نہیں بچتی۔ باب 2 البقرہ، آیت 110:

‘‘بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے۔’’

اگر وہ صحیح انتخاب کریں گے تو انہیں دونوں جہانوں میں فضل اور اجر ملے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

لیکن اگر وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا انتخاب کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں تو وہ دونوں جہانوں میں ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بن جائیں گے، کیونکہ وہ اس نعمت کو فراموش کر چکے ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 111-112

وَقَالُوا۟ لَن يَدْخُلَ ٱلْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَـٰرَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا۟
بُرْهَـٰنَكُمْ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١١١﴾

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُۥٓ أَجْرُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے یہودی یا عیسائی کے۔ یہ ان کی آرزو مندانہ سوچ ہے۔ کہو اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

ہاں،]اس کے برعکس[، جو کوئی نیکی کرنے والے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دے ‘‘تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ اہل کتاب میں سے علماء نے یہ سمجھا اور قبول کیا کہ ان کی آسمانی تعلیمات کو گمراہ لوگوں نے مدون کیا ہے اور اس حقیقت کے باوجود کہ انہوں نے اسلام کی حقانیت کو واضح طور پر تسلیم کیا، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی تھی، پھر بھی انہوں نے اسلام کا انکار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ وہ صحیح ہدایت یافتہ ہیں۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

لیکن جس چیز نے اللہ تعالیٰ کو زیادہ غضبناک کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے جاہل پیروکاروں کو بھی اسلام سے انکار کرنے کے لیے گمراہ کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 111:

“اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے یہودی یا عیسائی کے۔”

لیکن ان کا یہ دعویٰ خواہش مندانہ سوچ کے سوا کچھ نہیں تھا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ خواہش مندانہ سوچ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنے کے ساتھ منسلک ہوتی ہے، عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی حقیقی امید ہمیشہ اس کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ اس فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اہل کتاب نے اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہوئے خواہش مندانہ سوچ اختیار کی۔ انہوں نے ایسے عقائد بھی اپنائے جو اللہ تعالیٰ کی عدل و انصاف کو براہ راست چیلنج کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اپنے نسب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 18:

"لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے..."

یہ ایک انتہائی توہین آمیز رویہ تھا کیونکہ اس نے نسل پرستی اور ناانصافی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تھا، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ نیکی کرنے والے کے ساتھ جو ان میں سے نہیں ہے ان میں سے برے کام کرنے والے کے برابر سلوک کرے گا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

لہٰذا ان کا یہ دعویٰ جھوٹا تھا جیسا کہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ ان کے آسمانی صحیفوں کی تدوین اور خود تاریخ نے کی تھی۔ جب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے تو انہیں سزا دی گئی۔ یہ

اللہ عزوجل کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے جو کسی قوم کے لیے کبھی نہیں بدلے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 111:

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے یہودی یا عیسائی کے۔ یہ ان کی آرزو مندانہ سوچ ہے۔ کہو اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کی خواہش مندانہ سوچ کو بہت سے مسلمانوں نے اپنایا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہیں، ان کے اعمال سے قطع نظر نجات کی ضمانت ہے۔ وہ تاریخ کے اوراق پلٹنے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روایت، جس میں اس کی نافرمانی پر قائم رہنے والوں کو سزا دینا شامل ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، کبھی نہیں بدلا۔ لہٰذا یہ رویہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے اور اس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کو ترک کرنے کا باعث بنتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس سے دونوں جہانوں میں پریشانی ہی پیدا ہوتی ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے، جس کی بہت سی احادیث میں بحث ہوئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، کوئی بھی کم نہیں، بعض مسلمان پھر بھی اس پر عمل کریں گے۔ جہنم میں داخل جہنم میں ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہے۔

مزید برآں، جو خواہش مندانہ سوچ اختیار کرتا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے، وہ اپنی موت سے پہلے اپنے ایمان کے کھو جانے کا خطرہ مول لے لیتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر وہ پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے جو اپنے ایمان کی پرورش اطاعت کے عمل سے نہیں کر پاتا۔ لہٰذا انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خواہش مندانہ سوچ سے گریز کرے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش میں سچی امید کو اپنائے، جس کی جڑ اس کی مخلصانہ اطاعت میں ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 111:

اور وہ)اہل کتاب (کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے یہودی یا عیسائی کے۔ یہ ان کی " آرزو مندانہ سوچ ہے۔ کہو اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

یہ آیت واضح ثبوتوں پر اپنے عقائد اور اعمال کی بنیاد رکھنے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے عقائد و افعال بالخصوص مذہبی معاملات میں دوسروں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے چوپایوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کریں۔ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے عقائد اور اعمال کی بنیاد ٹھوس شواہد پر رکھے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر حال میں اسلام کی تعلیمات پر قائم رہیں، کیونکہ جاہل مسلمان آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، جب ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ وہ عقائد اور اعمال جو جہالت یا اندھی تقلید پر مبنی ہوتے ہیں ہمیشہ انحراف کا باعث بنتے ہیں، جیسے خواہش مندانہ سوچ کو اپنانا، اور ایمان کے اندر بدعات کا داخل ہونا۔ یہ دونوں ایک شخص کے ایمان کے لیے تباہ کن ہیں اور اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے بچنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، عمل کے ذریعے اپنے ایمان کو حقیقی بنانے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 112:

"ہاں،]اس کے برعکس[، جو کوئی نیکی کرنے والے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دے، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔"

یہ آیت بھی بے شمار دوسروں کی طرح واضح کرتی ہے کہ کامیابی کے لیے محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہے۔ اچھے اعمال کے ساتھ ایمان کے اپنے زبانی دعوے کی تائید کرنی چاہیے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی باطنی حالت سے پوری طرح واقف ہے، اس سے کم نہیں، اس نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ظاہری ایمان کو ظاہری طور پر ظاہری طور پر اطاعت کے جسمانی اعمال سے ظاہر کرے۔ عمل کے بغیر اسلام میں الفاظ کی بہت کم اہمیت ہے۔ لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنی چاہیے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور باب 2 البقرہ، آیت 112:

ہاں،]اس کے برعکس[، جو کوئی نیکی کرنے والے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دے، اس "
"کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔

،صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ اس لیے علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کرنا چاہیے خواہ وہ اعمال صالحہ کی طرف لے جائیں، جیسا کہ علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کیا جائے گا، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ ، عالی۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 112:

ہاں،]اس کے برعکس[، جو کوئی نیکی کرنے والے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دے، اس "
"کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔

اس آیت کی ساخت کسی کے عقیدے کو تقسیم نہ کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس کے تحت وہ صرف اس وقت اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں جب یہ ان کے لیے مناسب ہو۔ اسلام اس زرہ کی طرح نہیں ہے جسے کسی کی خواہش کے مطابق پہنا اور اتار دیا جائے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کو ہر حال میں سر تسلیم خم کرنا چاہیے اور ہر نعمت کے ساتھ معاملہ کرتے وقت قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ جس نے بھی اس طرح کا برتاؤ کیا اس نے حقیقتاً اپنا چہرہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں انتہائی جذبات سے محفوظ رکھے گا، جیسے خوف اور غم، جو دماغی صحت کی خرابی اور ذہنی سکون کے نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 112:

‘‘اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔’’

اگر چہ صحیح سلوک کرنے والے مسلمان کو اس دنیا میں پھر بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ دنیا آزمائشوں اور آزمائشوں کی آماجگاہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے وہ ان شدید جذبات سے محفوظ رہیں گے جو حوصلہ افزائی کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور بے صبری کرنا۔ اس کے بجائے، انہیں تناؤ اور غم کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن وہ ان جذبات پر قابو پا لیں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ نتیجتاً، وہ ہر حال میں ذہنی سکون کے ساتھ سفر کریں گے یہاں تک کہ وہ آخرت میں بحفاظت پہنچ جائیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، خواہ ان کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کریں جو اپنے طبی ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوائیوں اور سخت ڈائٹ پلان کو یہ جانتے ہوئے بھی قبول کرتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ یہ مشورہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔

دوسری طرف، جو شخص خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہتا ہے، وہ یہ پائے گا کہ وہ مختلف حالات کی وجہ سے پیدا ہونے والے شدید جذبات پر قابو پاتا ہے، چاہے اس کے پاس تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

یہ ان گنت ذہنی مسائل کا باعث بنے گا، جیسے ڈپریشن، انتہائی موڈ میں تبدیلی اور یہاں تک کہ خودکشی کے رجحانات۔ لیکن ان کے لیے آخرت میں جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا، جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 113

وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ لَيْسَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ عَلَىٰ شَىْءٍ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ لَيْسَتِ ٱلْيَهُودُ عَلَىٰ شَىْءٍ وَهُمْ
يَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَٱللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ
فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾

یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے" ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح جو نہیں جانتے وہ اپنے الفاظ کی طرح بولتے ہیں۔ لیکن اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب، یہود و نصاریٰ پر تنقید کرتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دوسرے کا ایمان کسی ٹھوس ثبوت یا ثبوت پر مبنی نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 113:

،یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے ہیں " یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت" "...کرتے ہیں

درحقیقت، ان کا کوئی بھی عقیدہ ٹھوس الہٰی ثبوت پر مبنی نہیں تھا کیونکہ ان کے دونوں صحیفوں میں گمراہ لوگوں نے ترمیم کی تھی، جس کا کسی گروہ نے انکار نہیں کیا۔ ان کے علماء نے، جو اپنے صحیفوں پر عبور رکھتے تھے، واضح طور پر قرآن کریم کی الہٰی اصل کو پہچان لیا، کیونکہ وہ اس کے مصنف اور اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہی قرآن کریم کے نزول تھے۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی، پھر بھی انہوں نے اسلام کو رد کیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو'' "...پہچانتے ہیں

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو'' جانتے ہیں''۔

عام طور پر، کسی کو اپنے رویے کو نہیں اپنانا چاہیے جس میں دوسروں کے رویے پر تنقید شامل ہو اور اپنے گمراہ کن رویے سے غافل ہو۔ انسان کو ایسا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں علم اور شہادت پر مبنی نہ ہو۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ دوسروں کے عقائد اور رویوں کی فکر کرنے سے پہلے ان کے عقائد و اعمال ٹھوس شواہد اور صحیح رہنمائی پر مبنی ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 113:

"یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ [دونوں [کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ یہ آیت ایسے علم پر تنقید کرتی ہے جس کی تائید اعمال سے نہیں ہوتی۔ اہل کتاب میں سے دونوں علماء اپنے اپنے صحیفوں میں پڑھے ہوئے تھے لیکن ان پر عمل کرنے میں ناکام رہے۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بغیر عمل کے علم کی اسلام میں بہت کم اہمیت ہے۔ جس طرح علم کسی منزل تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ علم پر عمل نہ کرے، اسی طرح اسلامی علم کسی مسلمان کو اس وقت تک ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف لے جائے گا جب تک وہ اس پر عمل نہ کریں۔ توسیع کے طور پر، انہیں قرآن پاک کے معنی سمجھے بغیر اندھا ہو کر تلاوت کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ انہیں اس پر عمل کرنے سے بھی روک دے گا۔ قرآن مجید تلاوت کی کتاب نہیں، کتاب ہدایت ہے۔ ہدایت صرف صحیح علم پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے، صرف علم سے نہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 113:

،یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے ہیں " یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت" "...کرتے ہیں

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے ایمان کی بنیاد ٹھوس شہادتوں پر نہیں تھی بلکہ دوسروں کے خلاف ان کا موقف ان کی اپنی طرف سے اندھی وفاداری پر مبنی تھا۔ لوگوں کے ساتھ اندھی وفاداری کو اپنانا انتہائی ناپسندیدہ خصوصیت ہے کیونکہ یہ ہمیشہ گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ مثال کے طور پر، گروہوں کا پورا تصور ایک دوسرے کے ساتھ اندھی وفاداری پر مبنی ہے۔ اندھی وفاداری کسی کو سچائی کا ساتھ دینے سے روکے گی اگر اس کا مطلب ان لوگوں کی حمایت کرنا ہے جو ان کے ساتھ نہیں ہیں اور یہ کسی کو غلط کے خلاف انتباہ کرنے سے روکتا ہے اگر یہ ان کے اپنے اور لوگوں سے جڑا ہوا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ انتہائی ناپسندیدہ رویہ بہت سے مسلم علماء میں بھی پایا جاتا ہے جن کی اپنے اساتذہ اور مکتبہ فکر سے اندھی وفاداری انہیں مختلف مکاتب فکر کے دیگر علماء کی طرف سے دی گئی اسلامی تشریحات کی حمایت کرنے سے روکتی ہے حالانکہ وہ خفیہ طور پر ان سے متفق ہیں۔ اس کے بجائے، ان کی اندھی وفاداری انہیں دوسرے مکاتب فکر پر تنقید کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس طرح عیسائی اور یہودی ایک دوسرے پر تنقید کرتے تھے۔ ایک ایسا عالم جس کا کام ہی قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دینا ہے، وہ غیر جانبدارانہ طریقے سے اپنے مکتب فکر کے نظریہ کے مطابق تعلیم دیتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ علم کے حاصل کیا ہے بعض صورتوں میں ان کے مکتبہ فکر کے نظریے سے متفق نہیں ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا احترام کریں لیکن انھیں ان سے یا دوسروں کے ساتھ اندھی وفاداری نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری رکھ کر۔ یہی ،وجہ ہے کہ وہ احترام کے ساتھ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ آنکھیں بند کرکے ایک دوسرے کی پیروی نہیں کرتے تھے۔ اس کی مثال صحیح بخاری نمبر 7284 اور 7285 میں موجود احادیث میں موجود ہے، جہاں عمر بن خطاب نے احترام کے ساتھ اپنے پیشوا، خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر سوال کیا اور چیلنج کیا۔ جو شخص صحیح رویہ اختیار کرے گا وہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ساتھ اخلاص اختیار کرے گا اور اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان پر صحیح عمل بھی کرے گا۔ .

ایک اور نکتہ سمجھنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو بعض عقائد کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ درست ماننا چاہئے اس طرح ان لوگوں پر تنقید اور نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص مکتبہ فکر کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے مکتبہ فکر کے عقیدہ اور حمایت سے مختلف ہوں۔

اہل کتاب میں سے علماء پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے جاہل پیروکاروں کو اس وقت گمراہ کیا جب انہوں نے اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 113:

یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح جو نہیں جانتے وہ اپنے الفاظ کی طرح بولتے ہیں...

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف دنیوی اور دینی معاملات میں صحیح اور بھلائی کی وکالت کرے کیونکہ جو شخص لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اس کے خلاف وہی گناہ لکھا جائے گا جو ان کے پیروکار ان کی بری نصیحت اور ہدایت کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے بجائے ہر حال میں حق کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی وہی ثواب حاصل کریں جو ان کے پیروکار اپنی نیکی پر عمل کرتے ہوئے حاصل کرتے ہیں۔ مشورہ

باب 2 البقرہ، آیت 113:

یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے " ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت ...کرتے ہیں۔ اس طرح جو نہیں جانتے وہ اپنے الفاظ کی طرح بولتے ہیں

اس کے علاوہ، یہ آیت دوسروں کی اندھی تقلید پر تنقید کرتی ہے کیونکہ یہ گمراہی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ چوپایوں کی طرح دوسروں کی پیروی کرنے سے گریز کرے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں مفید علم سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ اپنے تمام معاملات میں صحیح رہنمائی حاصل کر سکے۔ اسلام چوپایوں کی طرح کام کرنے پر تنقید کرتا ہے اور مسلمانوں کو ہمیشہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ وہ اندھی تقلید کے بجائے بصیرت اور فہم کے ساتھ زندگی گزاریں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو" "...میری پیروی کرتے ہیں

باب 39 از زمر، آیت 9:

کہو، "کیا جاننے والے برابر ہیں جو نہیں جانتے؟ "صرف وہی لوگ یاد رکھیں گے جو سمجھدار..." ہیں۔

:اور باب 2 البقرہ، آیت 113

یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے " ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح جو نہیں جانتے وہ اپنے الفاظ کی طرح بولتے ہیں...

جو لوگ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تاکہ ان کے طرز عمل اور اعمال ٹھوس شواہد پر مبنی ہوں، وہ لوگ جو اپنی بُری نصیحت کے ذریعے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو لوگ اندھی تقلید کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں اپنے رویے کا خمیازہ بھگتیں گے۔ :باب 2 البقرہ، آیت 113

یہودی کہتے ہیں، "عیسائیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، "اور عیسائی کہتے" ہیں، "یہودیوں کے پاس کھڑے ہونے کے لیے کچھ نہیں ہے، "حالانکہ وہ]دونوں [کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح جو نہیں جانتے وہ اپنے الفاظ کی طرح بولتے ہیں۔ لیکن اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

عام طور پر، اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں کون سا راستہ چنتا ،ہے، جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہے، اسے اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صحیح راستے کا انتخاب کریں تاکہ قیامت کے دن ان کا حتمی فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ اس صحیح راستے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص صحیح انتخاب کرے گا اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں :میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ ان کے آخری فیصلے کو نظر انداز کرنے والا بلاشبہ غلط راستے کا انتخاب کرے گا جس میں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ نتیجتاً انہیں دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ وہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرنا بھول گئے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 114

وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذۡكَرَ فِيهَا ٱسۡمُهُۥ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَآۚ أُوْلَٰٓئِكَ مَا كَانَ
لَهُمۡ أَن يَدۡخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَۚ لَهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا خِزۡيٞ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ
عَظِيمٞ ١١٤

"اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کی تباہی کی کوشش کرے۔ ان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ان میں داخل ہوں سوائے خوف کے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ، مکہ کے غیر مسلموں پر تنقید کرتا ہے، جنہیں اس بات پر بہت فخر تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 114:

"اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے؟"

جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکیں گے، حالانکہ یہ ان کے اپنے دیرینہ اصول کی خلاف ورزی ہے، جس نے کسی کو اجازت دی، چاہے دشمن کا دوست، مکہ میں مسجد حرام کے اندر آزادانہ طور پر عبادت کرنا۔ مثال کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک مرتبہ اعلان کیا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے تو مکہ میں مسجد حرام میں نماز پڑھتا ہے۔ کعبہ کو سجدے کی حالت میں گردن سے روندتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کے پاس پہنچا لیکن وہ جلدی سے بھاگتا ہوا اس طرح بھاگتا ہوا جیسے کسی جنگلی شکاری سے گدھا بھاگتا ہے۔ جب ان سے اس کے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آگ کی ایک کھائی دیکھی ہے جو دہشت اور پروں سے بھری ہوئی ہے جو اس کے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نمودار ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں تبصرہ فرمایا کہ اگر ابو جہل اپنے منصوبے پر قائم رہے تو فرشتے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ صحیح مسلم نمبر 7065 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اس کے گھر میں روک کر غیر مسلم مکہ درحقیقت اس کی حرمت کو تباہ کر رہے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 114:

’’اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کی تباہی کی کوشش کرے‘‘۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مساجد کے مقصد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور قرآن پاک کا مطالعہ کرنا، سیکھنا اور سکھانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات شامل ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کو اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے مساجد کو دنیاوی گفتگو کے لیے سماجی کلبوں میں تبدیل کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں کی تسبیح کرنے اور ایسے علم کی تعلیم دینے کے لیے جو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے منسلک نہیں ہیں۔ اس طرح کا برتاؤ صرف ان کے مقصد کے خلاف ہے اور اس آیت میں جو تنقید کی گئی ہے وہ ان پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ مسجد بنانا کافی نہیں ہے، مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ اس کا مقصد حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 125:

”اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور عبادت کے لیے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر دو۔“

اس طرح کا برتاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حصہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 114:

“ان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ان میں داخل ہوں سوائے خوف کے۔”

جس کے پاس اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ مساجد کے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن جو اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے جیسا کہ مکہ کے غیر مسلموں نے کیا، اسے دنیاوی معاملات میں اجتماعیت کی جگہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں کی تسبیح کرنے اور قرآن کریم کے علاوہ دینی علوم کی تعلیم دینے والا۔ اور

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو دونوں جہانوں میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملے گا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی طرح بدتمیزی کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 114:

‘‘ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔’’

باب 2 - البقرہ، آیت 115

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ پس تم جدھر رخ کرو گے وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔ بے شک اللہ"
‘‘ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ آیت نماز کے دوران مسلمانوں کے مرکزی نقطہ کی تبدیلی کی طرف اشارہ تھی، جو یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے مکہ میں مسجد الحرام میں تبدیل ہو گئی۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

’’ہم نے یقیناً آپ کا چہرہ آسمان کی طرف پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور ہم آپ کو ضرور قبلہ کی طرف پھیریں گے جس سے آپ خوش ہوں گے۔ تو اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو۔‘‘

اور باب 2 البقرہ، آیت 115:

’’اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے‘‘۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے تمام پہلوؤں کا مالک ہے، انسان کے پاس اس کے قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص جو کسی کمیونٹی یا ملک کے اندر کسی خاص قانون کو ناپسند کرتا ہے وہ ایسی سرزمین پر ہجرت کرنے کے لیے آزاد ہے جس پر قانون لاگو نہیں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لیے کوئی بھی شخص اس کے قانون یا کنٹرول سے بچنے کے لیے ہجرت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کسی کو اپنی خاطر اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ان کو فائدہ پہنچاتا ہے، چاہے وہ اس کے احکام کے پیچھے چھپی حکمتوں سے ناواقف ہوں۔ باب 7 الاعراف، آیت 157:

"وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ جو

نیکی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور طوق سے جو ان پر پڑی تھیں ان کو دور کرتا ہے۔

ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کے لیے بہترین ہے، حالانکہ یہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک عقلمند مریض اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور خوراک کا سخت منصوبہ۔ اس طریقے سے برتاؤ کرنے سے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ورنہ جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے انکار کرتا ہے اسے ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو ماننے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ مرکز صرف مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو فروغ دینے کی ایک سمت ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کسی ایک سمت میں نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 115:

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے۔ پس تم جدھر رخ کرو گے وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔ "

اس حقیقت کو یاد رکھنے سے ایک مسلمان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کرنے میں مدد ملے گی، یہ جانتے ہوئے کہ وہ ہر وقت ان کی نیت، قول اور فعل کا مشاہدہ کر رہا ہے، نہ کہ صرف نماز کے وقت۔ جو شخص اپنی توانائی اس حقیقت پر مرکوز کرتا ہے وہ آخر کار ایمان کی فضیلت حاصل کر لے گا جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جیسے کام کرتے ہیں، گویا وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، انہیں دیکھ رہے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 115:

‘‘بے شک اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ ’’

جبکہ اس حقیقت کو فراموش کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا جب وہ نماز پڑھتے ہیں اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اپنے عقیدے کو اس طرح تقسیم کرنے سے صرف اللہ کی اطاعت کو ترک کرنے کی ترغیب ملے گی جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ کسی کے عقیدے کو تقسیم کرنا انسان کو یہ سمجھنے سے بھی روکتا ہے کہ اسلام ایک طرز زندگی ہے جو انسان کو درپیش ہر صورت حال پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ ہر اس نعمت کو کس طرح استعمال کرتا ہے جو اسے دی گئی ہے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے ایمان کو چند رسومات کے طور پر دیکھیں گے جن کا ان کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں گمراہی اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 116-117

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ﴿١١٦﴾

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن
فَيَكُونُ ﴿١١٧﴾

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ بلند ہے !بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر عیسائیوں اور کچھ یہودیوں کے عقیدے پر تنقید کرتا ہے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیاتیاتی بیٹا تھا یا کسی انسان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 116:

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ پاک ہے!...

اور باب 9 توبہ آیت 30:

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہ سے نکلا ہوا بیان ہے۔ وہ ان لوگوں کے قول کی نقل کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر تھے۔ اللہ ان کو غارت کرے۔ وہ کیسے دھوکے میں ہیں؟"

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا سارا عقیدہ اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انسان کو چوپایوں کی طرح ایک دوسرے کی پیروی کرنے سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کرنے کے بجائے مفید علم حاصل کرنے کی کوشش کرے اور پھر اس پر عمل کرے، خواہ یہ ان کے بزرگوں کے طرز عمل اور رویے سے متصادم ہو۔ اسلام نے واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی کے ہر پہلو، خاص طور پر مذہبی معاملات میں اپنے عقائد اور اعمال کی بنیاد ٹھوس شہادتوں پر رکھنی چاہیے۔ یہ اسلام اور دیگر تمام مذاہب اور طرز زندگی کے درمیان ایک بڑا فرق ہے۔ اسلام لوگوں کو دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اپنی عقل کو استعمال کرنے اور ٹھوس شواہد پر مبنی فیصلے کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو۔‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط عقائد کے پھیلنے کی وجوہات میں آپ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کی حیات طیبہ میں آسمان پر چڑھنا شامل تھے۔ قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تصدیق کرتا ہے اور واضح طور پر ان کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی نشانی کے طور پر بیان کرتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 47:

وہ (مریم رضی اللہ عنہا) کہنے لگیں کہ اے میرے رب، میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا؟ (فرشتے نے) کہا کہ اللہ ایسا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ اس حقیقت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ الہی ہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 59:

’’بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

عجیب بات ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے، حالانکہ وہ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ذہنیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہلانے کا حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہے، لیکن وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق کیسے کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق قرآن پاک سے ہوئی ہے۔ تاہم یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی مرضی، اجازت اور حکم سے انجام دیے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی یا اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔ باب 3 علی عمران، آیت 49:

"اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بناؤ،]جو کہے گا [کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے بناتا ہوں۔ جو پرندے کی طرح ہے پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں - اللہ کے حکم سے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو..."

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سفر میں لے لیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو اپنی فطری قوت سے یہ سفر طے کر سکتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 55:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ، بیشک میں تمہیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور’’ ‘‘تمہیں کافروں سے پاک کروں گا۔

قرآن کریم عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے برعکس سولی نہیں دی گئی۔ صلیب پر جس کی تصویر نظر آئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ وہ شخص تھا جسے آپ جیسا بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا۔ باب 4 النساء، آیات 156-158:

اور ان کے کفر اور مریم کے خلاف ان کے کہنے کی وجہ سے بہت بڑا بہتان ہے۔ اور ان کے" کہنے پر کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ اور اُنہوں نے اُسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی اُسے سولی پر چڑھایا۔ لیکن]دوسرے [کو ان سے مشابہ کیا گیا... بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلط عیسائی عقیدہ، آپ کا مصلوب ہونا، مارا جانا، اپنے آپ میں عجیب ہے کیونکہ ایک حقیقی الٰہی ہستی موت کا سامنا کرنے سے بہت دور ہے۔ اگر کوئی ہستی مر سکتی ہے تو وہ الہی نہیں ہو سکتی۔ تو درحقیقت، مصلوب کے ذریعے اس کی موت کے بارے میں ان کا غلط عقیدہ خود ان کی الوہیت کے غلط عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

ایک الہٰی ہستی فطرتاً ایک ایسی چیز ہے جو خود کو برقرار رکھنے کے معنی رکھتی ہے، انہیں برقرار رکھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہستی دوسرے کے ذریعہ برقرار ہے تو وہ الہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں آسمانی مخلوق نہیں تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرورش کی ضرورت تھی، یعنی وہ خود کفیل مخلوق نہیں تھے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 75:

مسیح ابن مریم نہیں تھا مگر ایک رسول۔ اس سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اور اس" کی ماں حق کی حامی تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے کیسے نشانیاں بیان "کرتے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کس طرح بہک رہے ہیں۔

اس کے علاوہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ فرشتے نہیں کھاتے انہیں خدا سمجھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف طریقے سے برقرار ہیں اس لیے وہ بھی خود کفیل نہیں ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخلیق کیے گئے ہیں اور باقی مخلوقات کی طرح موت کا تجربہ کریں گے، الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایک حیاتیاتی بچہ ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ کچھ خصوصیات کا اشتراک کرے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی صفات میں شریک نہیں ہیں۔ درحقیقت اس کی تمام خصوصیات دوسرے انسانوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ وہ پیدا کیا گیا تھا، اسے خوراک اور پانی سے پالا گیا تھا، وہ مرے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، بالکل دوسرے انسانوں کی طرح۔ اس کی خصوصیات الوہیت کی نفی کے لیے کافی ہیں۔

عیسائیت اختیار کرنے والے رومیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور کو اپنے عقیدے میں الٰہی ہونے کے تصور کو متعارف کرایا، وہ تصورات جو انہوں نے اپنے سابقہ عقیدے، بت پرستی ،سے لے کر چلائے تھے۔ انہوں نے ایک عظیم اور بابرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا اور اسے زیوس، ہرکولیس اور اوڈن جیسے افسانوں اور افسانوں کے ساتھ رکھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے صرف تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے کہ جو وجود کسی اور کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو، اسے برقرار رکھا گیا ہو اور وہ مر سکتا ہے وہ کبھی بھی الٰہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ چیزیں الہی ہستی کے معیار سے متصادم ہیں۔

جیسا کہ زیر بحث اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کو بچہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ اکیلا پوری مخلوق کا مالک ہے، ایسی چیز جو کسی دوسرے کو منتقل نہیں ہوگی۔ ایک مخلوق ایک بچے کی خواہش کرتی ہے تاکہ وہ ان کی مدد اور مدد کریں، خاص طور پر

کمزوری کے وقت، اور جب وہ بالآخر مر جائیں تو ان سے میراث حاصل کریں۔ بچہ لینے کی ان یا دیگر ممکنہ وجوہات میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر لاگو نہیں ہوتا۔ باب 2 البقرہ، آیات 116-117:

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ بلند ہے !بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ "

آسمانوں اور زمین اور ان کی تعمیر پر غور کرنے والا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو واضح طور پر پہچان لے گا۔ اگر ایک سادہ عمارت کسی بلڈر کے بغیر صحیح طریقے سے تعمیر نہیں ہو سکتی تو آسمانوں اور زمین کے اندر کامل نظام کیسے قائم ہو سکتے ہیں، جیسے پانی کا چکر، سمندروں اور سمندروں کی کامل کثافت، زمین کی کامل کثافت، کامل فاصلہ۔ سورج زمین سے ہے اور زمین کی کامل اونچائی، کسی خالق کے بغیر بنایا جائے؟ اس کے علاوہ، اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں گے تو یہ مخلوق کے لیے سراسر افراتفری کا باعث بنے گا، جیسا کہ ہر ایک خدا کچھ مختلف چاہتا ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

اس لیے جیسا کہ زیر بحث آیات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق پر تھوڑا سا غور و فکر ہی اللہ تعالیٰ کے سوا سب کی الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اکیلے ہی تمام مخلوقات کو پیدا کیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں، اللہ تعالیٰ مخلوق کو برقرار رکھتا ہے، ان کے لیے موت کا حکم دیتا ہے اور ان کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لیے انہیں دوبارہ زندہ کرے گا، یہ سب ایک حکم سے۔ ہو اور یہ ہے۔

آخر میں، اہم آیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کس طرح اور کیوں کمال کی صفات صرف اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔ اول یہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز بھی اس کی تابع ہے، نہ چاہتے ہوئے یا اپنی مرضی سے، یعنی کوئی چیز اس کے اختیار یا کنٹرول کو چیلنج نہیں کر سکتی۔ سوم، وہ آسمانوں اور زمین کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے۔ چہارم، اس کی تخلیق کی طاقت اتنی زبردست ہے کہ اسے آلات یا مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صرف ایک چیز کا حکم دیتا ہے اور وہ ہوتا ہے۔ یہ چار خوبیاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ کم از کم ان میں سے کسی ایک خوبی کو اس کے ساتھ بانٹتے لیکن کوئی بھی مخلوق ان میں سے کسی ایک کی بھی مالک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ درحقیقت اس کی طرف اولاد منسوب کرنے والے بھی اس سچائی پر یقین رکھتے تھے۔ لہٰذا، ان کا اپنا عقیدہ ان کے اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ اس کی اولاد ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 116-117:

بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ آسمانوں اور" زمین کا پیدا کرنے والا۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

عام طور پر یہ آیات مسلمانوں کو یاد دلاتی ہیں کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام مخلوقات کو پیدا کرتا ہے، برقرار رکھتا ہے اور اس کا کنٹرول کرتا ہے، اس لیے کوئی بھی اس کے احکام سے بچ نہیں سکتا، اس لیے وہ ان کے تابع ہو جاتے ہیں چاہے وہ پسند کریں یا نہ کریں، اس لیے صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ .یہ یقین کرنا بے وقوفی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے، جس میں تمام چیزوں کا خالق اور کنٹرول ہے، جس میں سکون قلب، روحانی قلب بھی شامل ہے۔ اگر کوئی اس حقیقت کو جان لے تو وہ خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 :النحل، آیت 97

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانیوں اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 118-119

وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ لَوۡلَا يُكَلِّمُنَا ٱللَّهُ أَوۡ تَأۡتِينَآ ءَايَةٞۗ كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ مِن
قَبۡلِهِم مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡۘ تَشَٰبَهَتۡ قُلُوبُهُمۡۗ قَدۡ بَيَّنَّا ٱلۡأٓيَٰتِ لِقَوۡمٖ يُوقِنُونَ ١١٨

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ بِٱلۡحَقِّ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗاۖ وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَحِيمِ ١١٩

جو لوگ نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اس طرح ان سے پہلے والوں نے ان کی باتوں کی طرح کہا۔ ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کے لیے نشانیاں واضح کر دی ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔

بے شک ہم نے آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے جہنمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ان آیات کا آغاز جاہلیت اور اس کے لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 118:

"...جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں"

دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں جہالت ایک ناپسندیدہ خصوصیت ہے کیونکہ یہ کبھی گمراہی کا باعث بن سکتی ہے۔ جو نہیں جانتا کہ صحیح کیا ہے وہ زندگی میں ہمیشہ غلط انتخاب کرے گا۔ دینی معاملات میں جاہل ہمیشہ اپنے قول و فعل سے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ گناہوں اور ان کے انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی کے عمل کے بارے میں جہالت کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اسلام قبول کرنے والا۔ ایمان نے اپنے ساتھ آنے والے فرائض اور ذمہ داریوں کو قبول کر لیا ہے۔ جس طرح لائسنس یافتہ ڈرائیور کو جہالت کا دعویٰ کرنے پر معاف نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اس نے ڈرائیونگ کے اصول جاننے کی ذمہ داری قبول کی ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان جہالت کا دعویٰ کرے تو قیامت کے دن معاف نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا کسی کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یہ سیکھے کہ اسے درپیش ہر صورت حال کا صحیح طریقے سے مقابلہ کرنا ہے اور وہ ہر اس نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے اسے دی گئی ہے۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

‘‘اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔’’

باب 16 النحل، آیت 97 اور:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جہالت انسان کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتی ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبت آتی ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 118:

"...جو لوگ نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا "

جیسا کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جاہل لوگ جاہلانہ باتیں کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے ہر شخص سے بالواسطہ گفتگو فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ براہ راست گفتگو کرنا غیب کا ایک عنصر ہے جو قیامت تک باقی رہنا چاہیے۔ اگر اس دنیا میں جہنم اور جنت جیسی غیب چیزیں نازل ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا مشکل نہ ہو گا اور اس لیے یہ ایمان بے معنی ہو جائے گا، جس طرح قیامت کے دن غیر مسلموں کا ایمان قبول کرنا بے معنی ہو گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

الفاظ، مفہوم، قرآن پاک کا مطالعہ اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس سے پہلے کہ اس وقت تک پہنچ جائے جب ان پر غیب کی باتیں نازل ہوں گی اور ان کے اعمال، جیسے کہ سچی توبہ۔ اب انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

باب 2 البقرہ، آیت 118:

"جو لوگ نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟"

دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لیے مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین حتیٰ کہ اہل کتاب کے علماء مدینہ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کریں گے۔ اللہ عزوجل کی روایت کبھی نہیں بدلی۔ جب کسی قوم نے ان معجزات کا انکار کیا جو انہوں نے مانگے تو وہ تباہ ہو گئیں۔ نتیجتاً، اللہ تعالیٰ نے ان کی حاجت کو اپنی خاطر پورا کرنے سے گریز کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ایمان کو قبول نہیں کریں گے اور محض یہ دعویٰ کریں گے کہ ان کی آنکھوں پر جادو کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مکہ کے غیر مسلموں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مکہ کے ایک پہاڑ کوہ صفا کو ان کے لیے سونا بنا دیں اور پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ فصلیں اگائیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ فیصلہ اس پر ہے کہ وہ مہلت دے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرے یا اگر وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کر دے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد انہوں نے اسلام سے کفر کیا تو وہ بالکل اسی طرح تباہ ہو جائیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جس معجزے کی درخواست کی تھی اسے مسترد کر دیا تھا بالکل تباہ ہو گئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مہلت دینے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کے بعد بھی کفر کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ 17 الاسراء آیت 59 نازل فرمائی:

اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ پہلے لوگوں نے ان کا" انکار کیا۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی بطور نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں نہیں "بھیجتے مگر تنبیہ کے لیے۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 17:59، صفحہ 104 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اعلان کی تصدیق کے لیے انہیں قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ دکھایا۔ اس نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ اس واضح نشانی کے بعد بھی انہوں نے محض دعویٰ کیا کہ اس نے ان کی آنکھوں کو دھوکہ دیا۔ اس دوران باب 54 القمر، آیات 1-3 نازل ہوئیں:

"قیامت قریب آ گئی ہے، اور چاند [دو حصوں میں] پھٹ گیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی نشانی [یعنی معجزہ] دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "جادو"۔ اور انہوں نے انکار کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ لیکن ہر معاملے کے لیے ایک طے شدہ وقت ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3637 میں موجود ایک حدیث بھی اس واقعہ پر بحث کرتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 118:

جو لوگ نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اس طرح ان سے پہلے والوں نے ان کی باتوں کی طرح کہا۔ ان کے دل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں..."

اللہ تعالیٰ پھر سمجھنے کے لیے ایک اہم تصور پر روشنی ڈالتا ہے۔ جب کوئی شخص پہلے ہی اپنا ذہن بنا لیتا ہے کہ وہ کسی خاص خیال یا تصور کو قبول نہیں کرے گا تو وہ ہمیشہ اس خیال یا تصور کو مسترد کرنے کا جواز پیش کرنے کے لیے ناقص عذر پیش کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ان لوگوں کا رویہ رہا ہے جو پہلے ہی اپنا ذہن بنانے کے بعد حالات سے رجوع کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو اس گمراہ کن رویہ سے بچنا چاہیے اور ہر دنیاوی اور دینی صورت حال کو کھلے ذہن کے ساتھ اپنے فیصلے سے پہلے طے کیے بغیر رجوع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طریقے سے برتاؤ کرنے سے وہ صحیح انتخاب کر سکیں گے، اپنی خواہشات کے بجائے واضح ثبوت، منطق اور عقل پر مبنی انتخاب۔

اس کے علاوہ، معاشرے کے گمراہ رہنما، جو نئے خیالات اور تصورات کے آنے سے اپنی حیثیت اور اثر و رسوخ کو کھونے سے ڈرتے ہیں، ہمیشہ احمقانہ سوالات کے ساتھ دوسروں کو نئے خیالات اور تصورات کی سچائی کو قبول کرنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے بھی ایسا ہی سلوک کیا۔ انہیں خوف تھا کہ اسلام ان کا وقار اور سماجی اثر و رسوخ چھین لے گا اور انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے پر مجبور کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ احمقانہ اسباب کے ساتھ سامنے آئے کہ عام لوگ اسلام کو کیوں مسترد کر دیں۔ ایک مسلمان کو اس طریقے سے دوسروں کو گمراہ کرنے سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے پیروکاروں کے برابر گناہ کمائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مشوروں اور آراء پر آنکھیں بند کر کے چلنے سے گریز کرے۔ اس کے بجائے، انہیں ہر نئے تصور یا خیال کا عام فہم، منطق اور ثبوت کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے تاکہ یہ تعین کیا جا سکے کہ آیا اسے قبول کیا جانا چاہیے اور اس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 118

اس طرح ان سے پہلے والوں نے ان کے الفاظ کی طرح کہا۔ ان کے دل ایک دوسرے سے ملتے..." "...جلتے ہیں

یہ آیت لوگوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں کے رویوں اور اعمال سے سبق نہ سیکھیں جو ان سے پہلے گزرے، حتیٰ کہ ان کے دور میں رہنے والے بھی۔ دوسروں کے رویے اور انتخاب اور ان کے انتخاب کے نتیجے میں ان کو جن نتائج کا سامنا کرنا پڑا ان کا مشاہدہ کرکے کوئی بھی آسانی سے زندگی کا صحیح راستہ سیکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ جاننے کے لیے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں ہے کہ ذہنی سکون دنیاوی چیزوں سے نہیں ہوتا، جیسے کہ دولت اور شہرت، کیونکہ ان چیزوں کے حامل افراد کو مسلسل ذہنی مسائل کا سامنا رہتا ہے، جیسے کہ بے چینی، تناؤ، ڈپریشن، نشے کی لت اور خودکشی کے رجحانات .لہٰذا، انسان کو چاہیے کہ اپنی بصارت کو استعمال کرے اور دوسروں کے انتخاب اور عمل سے اہم سبق سیکھے تاکہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں صحیح راستہ پہچانیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ وضاحت کرتا ہے کہ جو لوگ اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہیں وہ ایک صاف اور غیرجانبدار ذہن اس کی سچائی کو معجزات کی گواہی کی ضرورت کے بغیر تسلیم کرے گا :قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، امن اور ان پر درود و سلام کافی ہے باب 2 البقرہ، :آیت 118

ہم نے واضح طور پر نشانیاں دکھا دی ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں‘‘۔’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال مکہ کے غیر مسلموں کے درمیان گزارے تاکہ وہ بخوبی جانتے ہوں کہ وہ جھوٹے یا دیوانے نہیں ہیں۔ درحقیقت وہ اسے کھلے عام سچا اور امانت دار کہتے تھے۔ عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو پورا کرتے کہ قرآن پاک سے میل کھاتا۔ ، افادیت، اس کی قابلیت کسی کے ذریعہ آسانی سے استعمال کی جاسکتی ہے، قطع نظر اس کے کہ ان کے علم، سماجی حیثیت، جنس، نسل اور وہ جس وقت میں رہتے ہیں اور ہر ذاتی کو حل کرنے کی صلاحیت، سماجی، خاندانی اور سیاسی مسائل کا معاشرہ کبھی بھی سامنا کر سکتا ہے۔ باب 10 یونس، آیت 38:

یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے ایجاد کیا ہے؟ "کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت" لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی بلاؤ)مدد کے لیے (پکارو۔

یہ حقیقت قرآن کریم کی الٰہی اصل کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور نہ ہی کوئی اور کر سکتا ہے۔ اس کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 119:

‘‘بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 118:

ہم نے واضح طور پر نشانیاں دکھا دی ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں‘‘۔’’

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے اندر موجود نشانیوں پر غور کرنے سے بھی کوئی شخص اسلام کی حقانیت کو قبول کر سکتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 119:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ "

جو شخص آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر کرے گا وہ بلاشبہ ایک اللہ، اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قیامت کے آنے کا نتیجہ اخذ کرے گا۔ اگر ایک عمارت کسی بلڈر کے بغیر صحیح طور پر نہیں بن سکتی تو آسمانوں اور زمین کے اندر کامل نظام خالق کے بغیر کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ جیسے سورج سے زمین کا کامل فاصلہ، سمندروں کی کامل کثافت، جو سمندری زندگی کو اپنے اندر پھلنے پھولنے دیتی ہے جب کہ ان کے اوپر بڑے بڑے بحری جہاز چلتے ہیں، زمین کی کامل ساخت، جو کمزور پودوں کو اگنے دیتی ہے۔ اس سے جب کہ اس پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں اور پانی کے چکر کا کامل نظام جو مخلوق کو خالص اور صاف پانی فراہم کرتا ہے۔ بے ترتیب کوئی چیز کبھی بھی اتنے کامل نظاموں کی طرف نہیں لے جا سکتی۔ اگر وہ ایک سے زیادہ خدا تھے، تو ہر خدا کچھ مختلف چاہتا ہے، جو تخلیق کے لئے افراتفری کا باعث بنتا ہے .جیسا کہ ظاہری طور پر ایسا نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی خدا ہو سکتا ہے، اللہ، بلند۔ آسمانوں اور زمین کے اندر جو کامل نظام پائے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، سب بالکل متوازن ہیں تاکہ مخلوق ان سے فائدہ اٹھائے۔ تخلیق کے اندر اب تک جو سب سے بڑی چیز غیر متوازن رہی ہے وہ لوگوں کے اعمال ہیں۔ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا اور نہ برائی کرنے والے کو اس کی پوری سزا ملتی ہے۔ یہ قبول کرنا غیر منطقی ہے کہ جس نے کائنات کے اندر بے شمار متوازن نظام بنائے ہیں وہ لوگوں کے اعمال کو غیر متوازن چھوڑ دے گا۔ لہٰذا، ایک دن ضرور آنا ہے جب بنی نوع انسان کے اعمال متوازن ہوں گے، یعنی قیامت کا دن۔ اس کے علاوہ، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے بغیر، اس دنیا کی زندگی بے معنی ہے کیونکہ اس میں ہر چیز نامکمل ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو جو کچھ بھی حاصل ہو وہ آخرکار وقت کے گزرنے یا موت کے ذریعے اس سے الگ ہو جائے گا۔ اس لیے اس دنیا میں وجود قیامت اور آخرت کے بغیر بے معنی اور بے معنی ہو گا، کیونکہ کسی کے پاس کوئی اعلیٰ، کامل اور مستقل مقصد نہیں ہو گا۔

جیسا کہ آیت 118 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں تک کھلے ذہن کے ساتھ پہنچتا ہے اسے یقین کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 118:

ہم نے واضح طور پر نشانیاں دکھا دی ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں‘‘۔’’

یقین کا یقین اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی قدر کرنے میں ناکام رہتا ہے، وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے، جب بھی اس کی خواہشات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں، آسانی سے اس کی نافرمانی کرے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 119:

‘‘بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔’’

جو شخص حق، مفہوم، قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے منہ موڑے گا اور نظر انداز کرے گا وہ لازماً باطل کے ساتھ رہ جائے گا۔ جیسا کہ جھوٹ ناپختہ اور نامکمل ہے، اس

لیے انسان کو اس کے ذریعے دنیا یا آخرت میں کبھی بھی ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔
باب 10 یونس، آیت 32:

"کیونکہ وہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، حق ہے۔ اور سچائی سے بڑھ کر غلطی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ تو تم کیسے ٹال رہے ہو؟"

لہٰذا، اگر کوئی ذہنی سکون اور کامیابی چاہتا ہے، تو اسے حق پر قائم رہنا چاہیے، جس میں یہ شامل ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہﷺ کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے علاوہ ،ہدایت کے ان دو ذرائع پر عمل کرنا چاہیے اور دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کرنا چاہیے خواہ وہ نیک اعمال کی طرف لے جائیں۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی کم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حق پر عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ بات جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں وہ رد کر دی جائے گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 119:

”بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کسی شخص کو انتباہات یا اچھی خبروں سے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ان پر عمل نہ کرے۔ جس طرح ایک ڈرائیور سڑک پر خطرے کی وارننگوں

کو نظر انداز کرنے سے فائدہ نہیں اٹھائے گا، اسی طرح اسلامی تعلیمات میں مذکور انتباہات اور خوشخبریوں کو نظر انداز کرنے والے مسلمان کو بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا انسان کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر سکیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں اسلامی تعلیمات کی طرف سے دی گئی انتباہات اور اچھی خبروں سے مستفید ہوں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ اگر وہ ان تنبیہات اور خوشخبریوں کو نظر انداز کریں گے تو وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ تجربہ کریں گے جس کے بارے میں انہیں خبردار کیا گیا ہے اور وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائیں گے جن کے بارے میں انہیں خوشخبری دی گئی ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 119:

‘‘بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔’’

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام توازن کا مذہب ہے۔ اس صورت میں دونوں جہانوں میں عذاب کے خوف اور جزا کی امید کے درمیان توازن پیدا ہوتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ خوف گناہوں سے دور کرتا ہے اور امید نیکیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ جبکہ ایک کو دوسرے پر اختیار کرنا گمراہی کا باعث بنے گا۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس صرف خوف ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنا چھوڑ دے، کیونکہ وہ نجات کی تمام امیدیں کھو چکے ہیں۔ اور جو صرف امید کو اپنائے، وہ خواہش مندانہ سوچ کو اپنا سکتا ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں گے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ ان کی بخشش ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے۔ امید ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے وابستہ ہے جس میں گناہوں سے بچنا اور نیک اعمال کی کوشش کرنا شامل ہے۔ امید اور خواہش کے درمیان یہ فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان ہوا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات کو پہنچانے اور انسانیت کو تقلید کا کامل نمونہ فراہم کرنے کا اپنا فرض ادا کیا۔ اس لیے وہ ان لوگوں کے لیے ذمہ دار نہیں ہوگا جنہوں نے اس پیغام کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کیا جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 119:

‘‘اور تم سے جہنمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ ’’

عام طور پر، کسی کو دینی یا دنیاوی معاملات میں لوگوں پر صحیح رہنمائی کرنے پر مجبور کر کے ان پر کنٹرولر کی طرح برتاؤ نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے بجائے، انسان کو منطق، عقل اور شواہد کے مطابق دوسروں کے سامنے سچائی پیش کرنی چاہیے اور خود اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ دوسروں کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکے اور پھر لوگوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، چاہے وہ صحیح یا غلط انتخاب کریں۔ .

باب 2 - البقرہ، آیت 120

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ وَلَئِنِ
ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾

اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ” کریں۔ کہو، بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اگر تم علم کے آنے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کرو تو اللہ کے مقابلے میں تمہارا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جسے ہر شخص کو سمجھنا چاہیے۔
باب 2 البقرہ، آیت 120:

’’اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں‘‘۔

جب بھی کوئی شخص دوسروں سے مختلف حلال راستہ کا انتخاب کرتا ہے، خواہ دنیوی یا مذہبی معاملات میں، وہ ہمیشہ دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنے گا، خاص طور پر ان کے رشتہ داروں کی طرف سے، جنہیں سفر میں سب سے پہلے اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس آیت کے سلسلے میں اہل کتاب میں سے علماء کو چاہیے تھا کہ وہ اولین لوگ ہوتے جو مسلمانوں کی حمایت کرتے کیونکہ وہ اسلام کی حقانیت سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔
باب 6 الانعام، آیت 20 اس پر ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی تھی۔

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

لوگ ان لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جو ان کے راستے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس سے وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا اپنا راستہ خراب ہے۔ لیکن یہ، زیادہ تر معاملات میں، ایک غلط جگہ کا احساس ہے، کیونکہ وہ شخص صرف دوسرے راستے کا انتخاب کرتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ان کے لیے ایک بہتر آپشن ہوگا۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں زیادہ کوشش کرے۔ اگر ان کے رشتہ دار ان کے رویے کو شریک نہیں کرتے ہیں، تو وہ ان کے راستے پر نہ رہنے کے لئے ان پر تنقید کریں گے .یہ ایک وجہ تھی کہ ہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معاشرے کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے لوگوں کو ایک نیا اور اعلیٰ راستہ متعارف کرایا تھا۔ اس طرح کے معاملات میں، ایک مسلمان کو اپنی پسند پر ثابت قدم رہنا چاہیے، جب تک کہ یہ ایک حلال ہے، اور دوسروں کی غیر تعمیری تنقید میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ ایمان کے معاملات میں ایسا کرنا اور بھی ضروری ہے۔ کسی کو دوسروں کی غیر تعمیری تنقید سے کبھی بھی اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آنا چاہیے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جس سے وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

زیر بحث مرکزی آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 120:

یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور

عام طور پر، کسی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کی زندگی کا مقصد دوسرے لوگوں کو خوش کرنا نہیں ہے۔ ان کا مقصد اپنے خالق اور رب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ لوگوں کو ان کی چست طبیعت کی وجہ سے راضی کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں ناکام رہتے ہیں جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبت آتی ہے۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتا ہے جو اس کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان ہوا ہے۔ اس پر سکون قلب اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی، خواہ لوگ ان سے خوش نہ ہوں۔

:باب 2 البقرہ، آیت 120

یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ اور کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ رہنمائی صرف اس وقت کسی کو فائدہ دے گی جب وہ اس پر عمل کرے۔ صرف راستے کا علم رکھنے سے انسان اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے علم پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ محض عمل کے بغیر اسلامی علم حاصل کرنے سے صحیح رہنمائی نہیں ہوتی اور نہ ہی قرآن پاک کو سمجھے بغیر پڑھنا۔ اس کے علاوہ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ہدایت کے دو ذرائع سے ہی صحیح ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے بچنا چاہیے، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، جیسا کہ دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو میں موجود سنن ابوداؤد نمبر 4606 ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جس . چیز کی جڑیں دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 120:

کہہ دو، بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے‘‘۔ ’’

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں، خواہ مشکل کا وقت ہو یا آسانی کا، صحیح رہنمائی حاصل کرنا قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس حقیقت کو فراموش کر دینا ایک بنیادی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان، جو بنیادی فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں، پھر بھی اپنے معاملات میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ زندگی کے چیلنجوں پر کامیابی سے قابو نہیں پاتے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے علاوہ ہر راستہ صرف لوگوں کی خواہشات پر مبنی ہے۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی اس بات پر غور کرتا ہے کہ جو لوگ کسی خاص مذہب پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات کے مطابق زندگی کیسے گزارتے ہیں جبکہ چند دنیاوی مذہبی رسومات کے ذریعے خود کو راستبازی کا لباس پہنا رہے ہیں جن کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہ نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ انہیں ان کی روزمرہ کی سرگرمیوں کے دوران عطا کیا گیا ہے۔ وہ لوگ بھی جو کسی خاص مذہب کی پیروی نہیں کرتے، صرف ان چیزوں کی پیروی کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کو پورا کرتی ہیں، جیسے کہ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت۔ باب 2 البقرہ، آیت 120:

’’اور یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی نہ کرو، اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو اس کے بعد کہ جو علم تمہارے پاس آچکا ہے تو اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا‘‘۔

اس لیے اس دنیا میں وجود دو راستوں پر مشتمل ہے۔ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا راستہ، جس میں نعمتوں کا استعمال شامل ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے جس میں سکون قلب، روحانی قلب بھی شامل ہے، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

زندگی کے دیگر تمام راستے صرف اپنی خواہشات یا دوسروں کی خواہشات کی پیروی پر مشتمل ہیں۔ یہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں پریشانی اور مشکلات پیدا ہوں گی۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 120 اور:

اگر تم علم کے آنے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو اللہ سے تمہارا کوئی حامی و'' مددگار نہ ہوگا''۔

باب 2 - البقرہ، آیت 121

ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ يَتْلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُو۟لَٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِۦ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ
ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿١٢١﴾

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی سچی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ]وہ ہیں جو [اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس سے کفر کرے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

جیسا کہ پچھلی آیات میں اہل کتاب کا ذکر آیا ہے اور بعد کی آیات میں بھی ان کا ذکر ہے، اس لیے یہ آیت بھی ان کی طرف اشارہ کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ حسب معمول واضح فرماتا ہے کہ اہل کتاب کے تمام ارکان ، جن پر اس نے تنقید کی ہے، ایک جیسا سلوک نہیں کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 121:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی صحیح تلاوت کرتے ہیں‘‘۔’’

یہ اس گروپ کے کچھ ارکان کے اعمال کی بنیاد پر پورے گروپ پر تنقید کرنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس انداز میں برتاؤ آسانی سے امتیازی سلوک کی طرف جاتا ہے، جیسے نسل پرستی۔ اس کے بجائے، ہر شخص کو ان کے اپنے اعمال کی بنیاد پر پرکھا جانا چاہیے۔ کسی پوری تنظیم یا گروہ پر صرف اس صورت میں تنقید کی جا سکتی ہے جب اس کے پاس واضح ثبوت موجود ہو کہ وہ سب ایک جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 121:

"...جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی سچی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں’’

خواہ یہ آیت اہل کتاب اور تورات کے بعض ارکان کی طرف اشارہ کرتی ہو یا مسلمانوں اور قرآن کریم کی، کسی بھی طرح سے کسی آسمانی کتاب کی صحیح تلاوت کرنا محض پڑھنے سے بہت آگے ہے۔ تلاوت کے لیے عربی لفظ کا اصل معنی ہے پیروی کرنا، معنی، عملاً پیروی کرنا۔ اس لیے واقعی آسمانی صحیفوں کی تلاوت کا مطلب اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ سمجھے یا عمل کیے بغیر محض قرآن پاک پڑھنے کا مسئلہ صرف اس بات کا باعث بنتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے

جو تلاوت کر رہے ہیں اس کے خلاف ہو۔ اس کی تعریف قرآن پاک پر ایمان لانے سے بالکل نہیں کی جا سکتی۔ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں صحیح طور پر لاگو کریں۔ یعنی وہ اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کی ایک صورت ان علماء میں بھی ہو سکتی ہے جن کی اپنے مکتبہ فکر سے اندھی وفاداری اور اساتذہ انہیں قرآن پاک کی تفسیر غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کے ساتھ کرنے کے بجائے اپنے مکتب فکر کے مطابق کرنے کے لیے قرآن پاک کی تفسیر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور ساتھیوں کا احترام کرے لیکن ان کی وفاداری صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ قرآن پاک کی صحیح تفسیر غیر جانبدارانہ انداز میں کریں، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔

جو لوگ قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں یا وہ لوگ جو جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اس لیے اس پر صحیح یقین نہیں رکھتے۔ گویا وہ قرآن کریم پر اپنی زبان سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے ایمان لاتے ہیں۔ نتیجتاً وہ قرآن پاک کی تعلیمات سے متصادم ہوں گے جب وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں صرف پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 121:

''اور جو کوئی اس کا انکار کرے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کو قبول کرے اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرے، تاکہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو، خواہ اس کی تعلیمات اس کی خواہشات کے خلاف ہوں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

انہیں اس کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 122-123

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ١٢٢

وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٞ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَٰعَةٞ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ
١٢٣

”اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہ ہو گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب کو ان ان گنت احسانات کی یاد دلاتے ہوئے قبول اسلام کی دعوت دیتا ہے جو اس نے ان پر کی ہیں، جیسے تورات، بائبل اور بہت سے انبیاء علیہم السلام، جو ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 122:

’’اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے، جو کہ اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا تھا کیونکہ انہوں نے اس کی حقانیت کو واضح طور پر تسلیم کر لیا تھا جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دونوں کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں گفتگو کی گئی ہے۔ ان کی اکثریت نے پھر بھی اسلام سے انکار کیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

وہ جانتے تھے کہ اسلام ان کو عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دے گا اور چونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس لیے اہل کتاب کی اکثریت نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے مسترد کر دیا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو بھی قبول نہیں کر سکتے تھے جو ان کے نسب بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے۔ جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ بنی نوع انسان پر ان کی برتری صرف اور صرف ان کے نسب کی بنیاد پر ہے، اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنا اور ان کی پیروی کرنا ان کے باطل عقیدے کی صریح تردید کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ نہیں رہ سکتے تھے۔

باب 2 البقرہ، آیت 122:

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام" جہانوں پر فضیلت دی۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہو کر اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ شکر گزاری میں شامل ہے کہ کسی کے تمام کاموں میں اچھی نیت اختیار کی جائے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی اجر یا انعام کی امید نہیں رکھتے اور نہ ہی امید رکھتے ہیں۔ زبان سے شکر گزاری میں شامل ہے کہ وہ بولنا جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ کسی کے اعمال کے ساتھ شکرگزاری کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 122:

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام'' جہانوں پر فضیلت دی۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمین پر اپنا نمائندہ مقرر کر کے باقی بنی نوع انسان پر فضیلت دی۔ ان کا مقصد اپنی الہٰی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنا اور باقی بنی نوع انسان کے لیے بہترین نمونہ کے طور پر برتاؤ کرنا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے، ان کا کردار ان سے لے کر مسلمانوں کو منتقل کر دیا گیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم" دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو...

لیکن جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا فرض پورا کریں گے، جب وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھیں گے اور ان پر عمل کریں گے اور ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ پوری انسانیت کی تقلید کے لیے بہترین رول ماڈل کے طور پر برتاؤ کریں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، کوئی مسلمان قیامت کے دن اس فرض میں ناکامی کے نتائج کا سامنا کرنے سے بچ نہیں سکے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 123:

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی''۔''

جس طرح ایک بادشاہ اپنی بادشاہت کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکامی پر اپنے سفیر کو برطرف کر دیتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان کو اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب اور مسلمانوں کو توسیع دے کر خبردار کیا کہ اگر وہ اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے تو قیامت کے حوالے سے ان کے غلط عقائد انہیں عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 123:

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی دوسرے نفس کے لیے کافی نہ ہو گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

درحقیقت جو شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، اس طرح ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے دنیا میں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ .ان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کی دولت اور خاندان، ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور افسردگی کا باعث بنیں گے۔ نتیجے کے طور پر، یہ شخص ایک ذہنی مسئلہ سے دوسرے میں جائے گا، یہاں تک کہ اگر اس کے قدموں میں دنیا ہو .وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کر سکتے ہیں لیکن وہ زیادہ دیر نہیں چل پائیں گے اور مجموعی طور پر وہ تناؤ سے بھری زندگی گزاریں گے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لیکن چونکہ یہ دنیاوی سزا اکثر باریک ہوتی ہے، اس لیے لوگ اپنی مصیبتوں کی وجہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں۔ جبکہ قیامت کے دن ان کے عذاب کی وجہ ان پر واضح کر دی جائے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 123:

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی دوسرے نفس کے لیے کافی نہ ہو گی اور نہ اس سے کوئی" معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔"

اہل کتاب کے ساتھ ساتھ آج بہت سے مسلمانوں نے بھی یوم جزا کے بارے میں ایک تحریف شدہ عقیدہ اپنایا ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، وہ کسی نہ کسی طرح اپنی مسلسل نافرمانی کی سزا سے بچ جائیں گے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے..."

ایسی بات ماننا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی بے عزتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کرے گا۔ یہ احمقانہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے منافی ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

قیامت کے بارے میں ان کے مسخ شدہ عقائد میں یہ یقین شامل ہے کہ وہ سزا سے بچنے کے لیے اپنی گمراہی کے لیے کسی اور کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ابلیس پر الزام تراشی بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ہر شخص اپنے انتخاب اور اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 22:

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرائیں۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 123:

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی‘‘۔ ’’

یومِ جزا کا ایک اور مسخ شدہ عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا بدلہ لے گا۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح کر لیں گے۔ لیکن یہ وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی بھی قبول نہیں کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ صلح اس دنیا میں اس کی مخلصانہ اطاعت سے ہونی چاہیے۔ باب 30 اروم، آیت 57:

پس اس دن ان کا عذر ان لوگوں کو فائدہ نہیں دے گا جنہوں نے ظلم کیا اور نہ ہی ان سے اللہ کو " "راضی کرنے کا کہا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 123:

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان دوسری جان کے لیے کافی نہیں ہوگی اور اس سے کوئی ’’ معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا‘‘۔

یومِ جزا کا ایک اور مسخ شدہ عقیدہ یہ ہے کہ جب کسی کو یقین ہو کہ کوئی اور شفاعت کے ذریعے اسے نجات دے گا۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسے کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308، کوئی بھی کم نہیں، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بھی بعض احادیث میں موجود ہیں۔ مسلمان اب بھی جہنم میں جائیں

گے اور جہنم میں ایک لمحہ واقعی ناقابل برداشت ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے اور قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھتا ہے اسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ان کا ایمان ختم ہو جائے۔ اس صورت میں ان کی طرف سے کوئی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر اسے پانی جیسی پرورش نہ ملے، اسی طرح انسان کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اگر وہ اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 123:

‘‘نہ کوئی شفاعت فائدہ دے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔’’

قیامت اور جہنم کی ہولناکیوں کی ایک بڑی وجہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہے، ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کے بارے میں جو کج فہم عقائد اختیار کر چکے ہیں، ان کو دور کیا جائے۔ جب کوئی شخص قیامت کے حوالے سے مسخ شدہ عقائد رکھتا ہے تو یہ انہیں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے کی ترغیب دے گا جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنے سے جڑی ہوتی ہے۔ جبکہ قیامت کی اصل نوعیت کو سمجھنا انسان کو خلوص دل سے سچی توبہ میں گناہ کا احساس توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے کی ترغیب دے گا۔ کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں شامل ہے کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اس کو راضی ہوں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 123:

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی دوسرے نفس کے لیے کافی نہ ہو گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔‘‘

باب 2 - البقرہ، آیت 124

۞ وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَـٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّى جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِى قَالَ لَا
يَنَالُ عَهْدِى ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے الفاظ کے ذریعے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ" نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔]ابراہیم [نے کہا اور میری اولاد میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن پاک میں اکثر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ مکہ کے بت پرستوں اور اہل کتاب دونوں کے آباؤ اجداد ہیں جو بنیادی طور پر مدینہ میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بار بار اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کیا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ الہی تعلیمات میں .باب 2 البقرہ، آیت 124:

" اور جب ابراہیم کو ان کے رب کی طرف سے الفاظ کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان کو پورا کیا۔"

یہ مکہ کے بت پرستوں اور اہل کتاب پر براہ راست تنقید ہے جو اس بات پر بہت فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، باوجود اس کے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سلوک نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے۔ درحقیقت دونوں گروہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کو برقرار رکھنے کا دعویٰ بھی کیا، حالانکہ وہ دونوں واضح طور پر اس کی توہین کر رہے تھے۔ ان کی نافرمانی اس وقت اپنے عروج پر پہنچ گئی جب انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود انکار کر دیا۔ مکہ کے بت پرستوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 40 سال گزارے، اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور اس لیے وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں تھے۔ اور عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے علماء نے قرآن مجید کو اس طرح پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے اور انہوں نے اسلام کی حقانیت کو قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

مسلمانوں کو ان دو گروہوں کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے اور ان کے پیروکار ہونے پر فخر کا دعویٰ کرتے ہوئے، عملی طور پر ان کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی مستقل اور مخلصانہ اطاعت سے گریز کرنا چاہیے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح انسان تمام انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چل کر دنیا کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 124:

"اور جب ابراہیم کو ان کے رب کی طرف سے الفاظ کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان کو پورا کیا۔"

اس کے علاوہ یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ چونکہ یہ دنیا آزمائشوں اور آزمائشوں کی جگہ ہے اس لیے کوئی بھی شخص امتحان سے نہیں بچتا، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی نہیں۔ اس حقیقت کو یاد رکھنے سے ٹیسٹ کے اوقات میں صبر کرنے میں مدد ملے گی۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جب وہ علم اور یقین کے ذریعے یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی چنتا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے، خواہ وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ پہچانے تب بھی صبر کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جب کوئی شخص اپنے صبر میں یقین کا اضافہ کرے گا تو اسے روحانی قیادت عطا کی جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی۔ باب 32 بطور سجدہ، آیت 24:

اور ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو اپنے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب کہ وہ صبر'' کرتے تھے اور ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے تھے۔''

اور باب 2 البقرہ، آیت 124:

اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے الفاظ سے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔

ایمان کا یقین تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی علم الہی سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اس سے انسان دوسروں کی اندھی پیروی کرنے کے بجائے واضح ثبوت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے۔ جس کے پاس ایمان کا جتنا زیادہ یقین ہو گا، وہ آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے گا۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم اخلاص کا تذکرہ کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے رکھے تھے، جیسا کہ آپ نے یہ چاہا کہ وہ اللہ کے نمائندے بن کر سیدھے راستے پر چلیں اور دوسروں کی رہنمائی کریں۔ زمین پر باب 2 البقرہ، آیت 124:

اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے الفاظ کے ذریعے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے " "فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔]ابراہیم [نے کہا" :اور میری اولاد میں سے؟

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے اس قسم کا اخلاص رکھتا ہو اور سب سے پہلے اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اسے عمل سے ثابت کرے تاکہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے طور پر اپنا کردار ادا کر سکے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور پھر آنے والی نسلوں کو اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت سکھائی تاکہ وہ بھی اللہ کے نمائندے کے طور پر اپنا کردار ادا کریں۔ بلند، زمین پر۔ صرف اس طریقہ کے ذریعے ہی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اور دوسروں جیسے کہ نوجوان نسل کے لیے اپنا فرض پورا کرے گا۔ جو اس طرح اپنے فرض کو پورا کرے گا اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور دوسروں کے تئیں اپنے فرض کو ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے کے بجائے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، اسے ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ باب 2 البقرہ، آیت 124:

[اللہ نے [فرمایا، "بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔] "ابراہیم [نے کہا اور میری اولاد ... " میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عہد میں ظالموں کو شامل نہیں ہے۔

اور باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 124:

[اللہ نے [فرمایا، "بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔] "ابراہیم [نے کہا اور میری اولاد ..." میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عہد میں ظالموں کو شامل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کے بت پرستوں اور اہل کتاب کو بھی متنبہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ہونا دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ دونوں گروہوں کا دعویٰ تھا کہ جیسا کہ وہ ہیں۔ اس کی اولاد کو ان کے اعمال سے قطع نظر دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ نسب کسی کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ وہ عملاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کریں، جیسا کہ ان کے نیک باپ دادا نے کیا تھا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ اگر کسی شخص میں اعمال صالحہ کی کمی ہو تو اس کا نسب آخرت میں اس کے درجات بلند نہیں کرے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ ماننا کہ کسی کا نسب اسے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی انتہائی بے عزتی ہے، کیونکہ یہ اس کے عدل و انصاف کو چیلنج کرتا ہے۔

باب 2 – البقرہ، آیت 125

وَإِذْ جَعَلْنَا ٱلْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَٱتَّخِذُوا۟ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ
وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿١٢٥﴾

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ اور حفاظت کی جگہ بنایا۔ اور)اے’’ ایمان والو (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے نماز کی جگہ بنا لو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور عبادت کے لیے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر دو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ کے غیر مسلموں کو یاد دلاتا ہے کہ انہیں اپنے گھر کعبہ کی وجہ سے جزیرہ نمائے عرب میں شرافت، حیثیت، رزق اور سلامتی نصیب ہوئی ہے۔ صرف یہی احسان ان کے اسلام قبول کرنے کے لیے کافی تھا۔ جس کی حقیقت کو انہوں نے واضح طور پر پہچان لیا، جیسا کہ انہوں نے اعلان نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چالیس سال گزارے تھے اور اس لیے جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عربی زبان کے ماہر تھے اور اس لیے جانتے تھے کہ قرآن کریم کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 125:

''اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ اور حفاظت کی جگہ بنایا۔ ''

واپسی کی جگہ زیارتِ مقدسہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے جاری تھی، حالانکہ اس کے صحیح طریقوں کو گمراہ لوگوں نے بدل دیا تھا۔ اس کے علاوہ، جس طرح مسلمان نماز کے دوران کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں، اسی طرح انہیں ہر حال میں اپنے فیصلوں اور فیصلوں کو مالک کعبہ، اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا چاہیے۔ یعنی انہیں ہر حال کا سامنا کرنا چاہیے اور ہر نعمت کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ واپسی کا مقام بھی مسلم قوم کے اندر اتحاد کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مسلم قوم کے اندر چاہے قومیت، زبان اور نسل جیسے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں، ان کی نیت اور کوششیں ایک مشترکہ مقصد پر مرکوز ہونی چاہئیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جس کی نمائندگی اس کا خانہ کعبہ کرتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے نماز کی سمت ہے۔ واپسی کا مقام یہ بھی بتاتا ہے کہ مسلمان خواہ کتنا ہی دنیوی مصروفیات میں مشغول ہو جائے، اسے چاہیے کہ وہ دن بھر اپنی توجہ اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ رکھیں، جس طرح وہ اپنے جسم کو اللہ کے گھر کی طرف پھیرتے ہیں۔ عالیہ، کعبہ، نماز کے دوران۔ واپسی کا مقام مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ قیامت کے دن ان کی آخری واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی، جس طرح وہ اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں جب بھی وہ اس کے خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ جو شخص اس بات کو مسلسل ذہن میں رکھتا ہے وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی آخری واپسی کی تیاری کرے گا، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم

باب 2 البقرہ، آیت 125:

‘‘اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ اور حفاظت کی جگہ بنایا۔ ’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس کے باشندوں کے لیے امن کا گڑھ بنایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 126:

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس کو محفوظ شہر بنا دے‘‘۔’’

مکہ کے اندر خانہ کعبہ کی موجودگی کی وجہ سے اس شہر اور اس کے مکینوں کو اس تشدد سے تحفظ حاصل ہوا جو اس کے باہر مختلف قبائل کے درمیان باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ وہاں کے باشندے اس قدر محفوظ تھے کہ ان کے تجارتی قافلے جو مکہ سے روانہ ہوتے تھے ان پر چوروں کے ذریعے حملہ اور لوٹ مار نہ کی جائے کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی سمجھے جاتے تھے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 67:

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے)مکہ کو (ایک محفوظ پناہ گاہ بنا دیا ہے جب کہ ان کے چاروں’’ طرف سے لوگ اٹھائے جا رہے ہیں۔ پھر کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت پر کفر کرتے ہیں؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے لیے یہی کافی تھا۔ لیکن جیسا کہ ایسا کرنے سے ان کی دنیاوی خواہشات کو براہ راست چیلنج کیا جاتا اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کے سماجی اور سیاسی اثر و رسوخ کو نقصان پہنچتا، مکہ کے غیر مسلموں کی اکثریت نے اسلام کی شدید مخالفت کی۔

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکمل اخلاص کا مظاہرہ کیا اور خاص طور پر جب انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کوششوں کو یاد رکھا۔ قیامت تک زندہ باب 2 البقرہ، آیت 125:

''اور)اے ایمان والو (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے نماز کی جگہ بنا لو۔''

جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ، کعبہ کی تعمیر کے لیے کھڑا کیا تھا، وہ قیامت تک تمام مسلمانوں کے لیے عبادت گاہ ہے۔ عام طور پر دیکھا جائے تو یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان کی نیک نیتی اور ان کاموں میں مخلصانہ کوششیں جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں نہ صرف انہیں دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچائیں گی بلکہ ان کی کوششوں کو کسی نہ کسی شکل میں زندہ رکھا جائے گا۔ جبکہ مادی دنیا سے جڑی چیزوں کی طرف انسان کی کوشش وقت اور موت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ناگزیر قسمت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ باب 16 النحل، آیت 96:

''تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا، لیکن جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور دیں گے۔"

لہٰذا انسان کو ان چیزوں پر صبر کرنا چاہیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، خواہ یہ ان کی خواہشات یا لوگوں، معاشرے اور سوشل میڈیا کے خیالات کے خلاف کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کے فائدے دونوں جہانوں میں موجود ہیں۔ ایک مسلمان کو اس آیت کی تکمیل کے لیے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر اس نعمت کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ ان کے مخلصانہ اعمال کی برکتیں دونوں جہانوں میں برقرار رہیں گی اور اس کے مثبت اثرات اس دنیا میں باقی رہیں گے تاکہ دوسرے اس سے مستفید ہو سکیں، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخلصانہ کاوشیں کرۂ ارض پر باقی رہ گئی ہیں، ہزاروں لوگ۔ اس کے انتقال کے سال بعد.

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف مساجد کی تعمیر بلکہ ان کے مقصد کی تکمیل کی اہمیت کو بھی واضح کرتا ہے، جو مسلمانوں کو اپنے اندر خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسلامی علم کو پھیلانے کی اجازت دینا ہے۔ اس مقصد میں مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے رکاوٹ ڈالی جا رہی تھی باوجود اس کے کہ وہ خانہ خدا، کعبہ کے متولی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 125:

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا،]کہا[، "میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور عبادت ..." "کے لیے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر دو۔

لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام ہو کر مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ تمام مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ مساجد کو جسمانی اور روحانی طور پر صاف رکھا جائے۔ ان کے اندر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہیے۔ انہیں تفریحی گفتگو کے لیے سوشل کلب کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں اگلی نسل کی تعلیم کے لیے محفوظ اور محفوظ جگہوں کے طور پر استعمال کیا جانا چاہیے تاکہ وہ نمونہ مسلمان بننے کے لیے پروان چڑھ سکیں۔ صحیح اسلامی علم جو براہِ راست قرآن پاک سے اخذ کیا گیا ہو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کو ان کے اندر سکھایا جائے اور دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے گریز کیا جائے، خواہ وہ نیکیوں کا باعث کیوں نہ ہوں۔ سیدھی

سی بات یہ ہے کہ دوسرے ذرائع سے حاصل کردہ دینی علم پر جتنا زیادہ عمل کیا جائے گا، وہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 126

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَـٰذَا بَلَدًا ءَامِنًا وَٱرْزُقْ أَهْلَهُۥ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ مَنْ ءَامَنَ مِنْهُم بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ
قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُۥ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُۥٓ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلنَّارِ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر کو محفوظ بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔)اللہ تعالیٰ نے (فرمایا اور جو کفر کرے گا میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف مجبور کروں گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں کو یاد دلایا کہ انہوں نے جزیرہ نمائے عرب میں سلامتی، رزق اور عزت صرف اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے حاصل کی ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ خود حق پر تھے۔ ہدایت یافتہ باب 2 البقرہ، آیت 126:

’’اور جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب اس کو محفوظ شہر بنا اور اس کے باشندوں کو پھلوں سے رزق دے‘‘۔

اس وقت مکہ کے اطراف کے قبائل مسلسل ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے اور تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے جو ان کی سرزمین کے قریب سے گزرتے تھے لیکن اللہ کے گھر کے احترام کی وجہ سے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے سلامتی کا مظہر تھا۔ وہ مکہ کے غیر مسلموں کو ہر گز نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ باب 106 قریش، آیات 1-4:

قریش کی عادی سلامتی کے لیے۔ سردیوں اور گرمیوں کے قافلے میں ان کی عادی حفاظت۔ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں کھانا کھلایا،]انہیں [بھوک سے بچایا اور انہیں خوف سے]بچایا[۔

صرف یہی نکتہ مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اسلام قبول کرنے کے لیے کافی تھا، خاص طور پر جب انھوں نے اس کی سچائی کو واضح طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ انہوں نے نبوت کے اعلان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 40 سال گزارے اور اس لیے جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں اور چونکہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کے الفاظ نہیں ہیں۔ ایک تخلیق شدہ وجود .ان تمام باتوں کے باوجود، مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے اسلام کو رد کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو خوش کرنے کے طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔ یہ وہ چیز ہے جسے وہ قبول نہیں کر سکتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ کے غیر مسلموں کے گمراہ کن رویے کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کے علمبردار ہیں، حالانکہ انہوں نے ان کے رویہ اور طرز زندگی کے خلاف دعا کی تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 126:

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر کو محفوظ بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو" پھلوں سے رزق دے جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے"۔

اس نے اللہ عزوجل سے اخلاص کے ساتھ اس طرح دعا کی، کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ صرف دوسروں کو گمراہ کرے گا اور زمین پر فساد پھیلا دے گا۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بالکل بھی ایمان نہیں رکھتا یا عمل سے ان کے ایمان کے دعوے کی تائید نہیں کرتا اور جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا یا اس کے لیے عملی طور پر تیاری نہیں کرتا وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ عطا کیا گیا یہ رویہ دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنے گا، جیسے کہ وہ لوگ جو مشہور شخصیات کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ جو شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کی جسمانی یا سیاسی طاقت، وہ ناگزیر دوسروں پر ظلم کرے گا۔ اور جو شخص قیامت کے دن اپنے احتساب پر یقین نہیں رکھتا یا ان سے ڈرتا ہے وہ آسانی سے دوسروں پر ظلم کرے گا، خاص طور پر جب وہ یقین رکھتے ہوں کہ کوئی بھی ان کا احتساب نہیں کرے گا، جیسے کہ پولیس۔ جب کہ جو شخص عملی طور پر اللہ تعالیٰ، برگزیدہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں گے وہ اللہ تعالیٰ، برگزیدہ اور مخلوق کے حقوق کو پورا کریں گے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے، کیونکہ وہ اس کے نتائج سے ڈرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ دنیاوی حکام سے بچ سکتے ہیں۔ ، جیسے پولیس۔ یہ صحیح رہنمائی والا رویہ معاشرے میں امن اور انصاف کو پھیلائے گا۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ یہ اسلامی سلطنت کے اندر اس وقت ہوا جب لوگوں نے ان نعمتوں کا صحیح استعمال کیا جو انہیں

عطا کی گئی تھیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس خوف کی طرف بقیہ اہم آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 126:

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس کو محفوظ شہر بنا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :اور جو کفر کرے گا، میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف مجبور کروں گا، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اخلاص اور وفاداری کو سب سے بڑھ کر رکھیں، کیونکہ ان کی دعا میں ان کی اپنی اولاد بھی شامل تھی۔ اس کی طرف پہلے کی ایک آیت میں اشارہ ہو چکا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 124:

]اللہ [نے فرمایا، "بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔] "ابراہیم [نے کہا اور میری اولاد..." میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عہد میں ظالموں کو شامل نہیں ہے۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں خصوصاً اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے لیکن انسان کی وفاداری صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ لوگوں کی وفاداری کو ترجیح دینا صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سبب بنے گا تاکہ دوسرے لوگوں کو خوش اور ان کی حمایت کی جاسکے۔ یہ رویہ صرف اختلاف کا باعث بنے گا، کیونکہ کسی خاص شخص کے ساتھ وفاداری لامحالہ دوسرے شخص کو پریشان کر دے گی۔ جبکہ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی وفاداری کو باقی سب پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ لامحالہ متحد ہو جائیں گے کیونکہ ان کا ایک مشترکہ مقصد ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس پر عمل کرنے میں ناکامی ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے رشتہ داروں اور دوستوں کے درمیان تعلقات وقت کے ساتھ منقطع ہو جاتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 126:

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس کو محفوظ شہر بنا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :اور جو کفر کرے گا، میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف مجبور کروں گا، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح ہدایت پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس دنیا کا مقصد منحرف ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا امتحانوں کی آماجگاہ ہے اور اس لیے ہر ایک کو یہ انتخاب کرنے کی آزادی دی گئی ہے کہ آیا وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کریں گے، تاکہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو، یا نہیں۔ .لہٰذا انسان کو اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکے، خواہ اسلام ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، باوجود اس کے کہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جیسا کہ مرکزی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، کسی شخص کو یہ یقین کرنے میں کبھی دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ وہ دنیاوی چیزوں کی وجہ سے صحیح راہ پر گامزن ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو فراہم کرتا ہے، خواہ اس کے عقیدے یا اعمال سے قطع نظر۔ صحیح رہنمائی صرف اس بات پر

مبنی ہے کہ آیا کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں ،سے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ مرکزی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ اس کے بجائے وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات کو پہچاننے، قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بے شمار مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ لیکن ایک شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ان گنت مواقع سے دھوکہ نہ کھائے، کیونکہ یہ مواقع آخرکار ایک دن رک جائیں گے۔ اگر کوئی شخص ان سے استفادہ نہ کر سکے تو اس کے پاس کوئی بہانہ باقی نہیں رہے گا جو اسے دونوں جہانوں میں عذاب سے بچا سکے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی شخص کوئی بھی راستہ چنتا ہے، اسے بلاشبہ دونوں جہانوں میں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس دنیا میں اس کے نتائج اکثر باریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے جو دنیاوی چیزیں کسی کو عطا کی گئی ہیں وہ ان کے لیے دباؤ، مشکلات اور مصائب کا باعث بنتی ہیں، جیسے کہ ان کی دولت، خاندان اور کیریئر۔ جبکہ آخرت کے نتائج ان پر بالکل واضح کر دیے جائیں گے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ خواہ ان کے پاس تفریح اور تفریح کے لمحات ہوں، وہ دونوں جہانوں میں اپنے مصائب سے نہیں بچ سکیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسے کہ دنیا کی مشہور شخصیات۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 126:

ابراہیم نے کہا، ’’اے میرے رب، اس شہر کو محفوظ بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے ’’ رزق دے، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔) ‘‘اللہ تعالیٰ نے (فرمایا اور جو کفر کرے گا میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف مجبور کروں گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو مکہ کے غیر مسلموں کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کے پرچم بردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ ان کے اعمال ان کے راستے کے خلاف تھے۔ ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یوم آخرت پر عملاً ایمان لانے میں ناکام رہے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جو اسلام کا طریقہ ہے، وہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی قسمت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کی اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ ہو تو اس کا ایمان بھی مر جاتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 127-129

وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ وَإِسۡمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ
١٢٧

رَبَّنَا وَٱجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةٗ مُّسۡلِمَةٗ لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَآۖ إِنَّكَ أَنتَ
ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ١٢٨

رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ
وَيُزَكِّيهِمۡۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ١٢٩

اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

اے ہمارے رب اور ہمیں اپنا مسلمان بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک مسلمان امت بنا۔ اور ہمیں ہماری عبادتیں دکھا اور ہم پر رحم فرما۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اے ہمارے رب اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں ‘‘کتاب و حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں اور اہلِ کتاب کو ان کے اسلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نیک نیت اور خلوص نیت کی کتاب یاد دلائی جب وہ تعمیر کر رہے تھے۔ مکہ میں اللہ کا خانہ کعبہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 127:

’’اور اس وقت کا ذکر کریں جب ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما۔‘‘

خانہ کعبہ کی تعمیر میں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی علامت بن جائے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کو بیان کرنا مکہ کے ان غیر مسلموں پر براہ راست تنقید تھی جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ وہ ان کی تعلیمات اور طریقہ کے بالکل خلاف تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ شرک کیا تاکہ وہ اپنے لیے ایک ایسا طرز زندگی بنا سکیں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کو لے کر چلیں، ہر وقت صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے، ان کے پاس موجود نعمتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی خوشنودی کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا زبانی دعویٰ کرتے ہوئے عملی طور پر آپ کی وراثت کو برقرار رکھنے سے کسی مسلمان کو دنیا یا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہو گا جیسا کہ مکہ کے غیر مسلموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کے علمبردار ہونے کے ان کے زبانی دعوے کی وجہ سے ، حالانکہ انہوں نے عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی۔

باب 2 البقرہ، آیت 127:

’’اور اس وقت کا ذکر کریں جب ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما۔‘‘

عام طور پر یہ آیت ان چیزوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ ایک مسلمان کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کون کچھ کر رہا ہے اور پھر فیصلہ کرے کہ ان کی حمایت کرنا ہے یا نہیں۔ اس کے بجائے، انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی کیا کر رہا ہے اور اگر یہ اچھا ہے، تو انہیں اپنے وسائل کے مطابق ان کی مدد کرنی چاہئے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

’’اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔

یہ رویہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص اندھی وفاداری سے ان چیزوں میں دوسروں کی مدد نہ کرے جو بری ہیں۔ اس کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ وہ لوگوں کے ساتھ اپنی وفاداری پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 127:

’’اور اس وقت کا ذکر کریں جب ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما۔‘‘

یہ آیت مسلمانوں کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنے کی اہمیت کی بھی یاد دلاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں، بجائے اس کے کہ ان چیزوں کو ترجیح دیں جو دنیا سے جڑی ہوئی ہیں، جیسے کہ جائیداد کی سلطنت۔ سچی بات یہ ہے کہ انسان صرف اپنے نیک اعمال کو اپنے ساتھ قبر تک لے جائے گا اور باقی تمام چیزیں مثلاً جائیداد کی سلطنت، دوسرے لوگوں کے لطف اندوز ہونے کے لیے چھوڑ دی جائے گی، جبکہ میت کو اس کے حصول کے لیے جوابدہ ہو گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کریں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، نیک اعمال کو آگے بھیجنا چاہیے۔ ایک روحانی میراث جو ان کے مرنے کے بعد بھی فائدہ مند ہو گی، یعنی ایک جاری صدقہ، جیسے مسجد کی تعمیر۔ جو اس طرح نیکیوں میں گھرا ہوا ہے اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔

باب 2 البقرہ، آیت 127:

اور اس وقت کا ذکر کریں جب ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور "کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما۔"

یہ آیت بھی نیک نیت رکھنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو خوش کرنے کے لیے کام کرتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو خوش کرنا چاہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی اجر نہیں ملے گا، کیونکہ وہ صرف ان لوگوں کو جزا دیتا ہے جو صرف اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ خوشی جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی قسم کے بدلے یا شکرگزاری کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس کی امید رکھے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی پوشیدہ نیتوں کو جانتا ہے اور ان کے قول و فعل کو جانتا اور سنتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ ان کی نیت ہمیشہ درست ہو اور اچھی بات کے ساتھ اس کی پیروی کریں، جس کے ذریعے وہ اچھی بات کریں یا خاموش رہیں، اور اچھے اعمال کے ساتھ اپنی نیت کی پیروی کریں۔ یعنی انہیں ان نعمتوں کا استعمال کرنا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 127:

’’اور جب ابراہیم)علیہ السلام (اور اسماعیل)علیہ السلام (بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

اگر کوئی نیک نیت رکھنے میں ناکام رہتا ہے اور اچھی باتوں اور اعمال کے ساتھ ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اسے دنیا یا آخرت میں اپنی کوششوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104:

’’کہہ دو کیا ہم تمہیں سب سے بڑے خسارے میں رہنے والوں کے بارے میں ان کے اعمال کے بارے میں بتائیں؟

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پوری طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے شوق کو نمایاں کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 128:

"اے ہمارے رب، اور ہمیں اپنا مسلمان بنا۔"

اس عرضداشت میں شامل ہے کہ ایک شخص اپنے روحانی دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اپنے قول و فعل سے اس کی تائید کرتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے قول و فعل سے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ روحانی قلب میں ایمان ظاہری اعمال کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس ظاہری مظہر میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام پر عمل نہ کرنے والے مسلمان ہونے کی کوئی چیز نہیں ہے، جیسا کہ لفظ مسلم کا مطلب ہے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ اس کے علاوہ، یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دینی چاہیے، جیسے کہ اپنی خواہشات، دوسروں کی خواہشات کی اطاعت اور فیشن، ثقافت اور سوشل میڈیا کی پیروی کرنا۔ اگر کوئی ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ترجیح دیتا ہے تو وہ ان کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے۔ لہٰذا کسی کو اپنی نیت اور اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینا چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے، کیونکہ زبان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، جبکہ اپنے عمل سے ثابت کرنے میں ناکام رہنے کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 128:

"اے ہمارے رب، اور ہمیں اپنا مسلمان بنا۔"

انبیاء ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے جب یہ دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر چکے تھے۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت ہے۔ اس لیے کامیابی کے لیے صرف اسلام پر ایمان کا اعلان کافی نہیں ہے۔ ہر وقت، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہتے ہوئے اپنے ایمان کے اعلان کی حمایت کرتے رہنا چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب بھی گناہ سرزد ہو جائے تو اسے اپنے طرز عمل کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ آئندہ اس گناہ کو دوبارہ نہ دہرایا جائے۔ اس کی طرف بہت سی اسلامی تعلیمات میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسے جامع ترمذی، نمبر 1987 میں موجود حدیث۔ باب 41 فصیلات، آیت 6:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی اولاد کو اپنی اطاعت کی طرف رہنمائی کرنے کی اہمیت کو بھی واضح کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 128:

‘‘...اور ہماری اولاد میں سے ایک مسلمان قوم ہے جو آپ کی فرمانبردار ہے’’

یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلے، جنہوں نے اپنی اولاد کو اپنے قول و فعل سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی اہمیت سکھائی۔ یعنی وہ خود الٰہی تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کر کے اپنے بچوں کے لیے رول ماڈل بن گئے اور پھر اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی قدر و اہمیت سے آگاہ کیا۔ باب 2 البقرہ، آیات 132-133:

"اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہا کہ اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی رہو۔ "یا تم اس وقت کے گواہ تھے جب یعقوب کو موت آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان بچے پیدا کرنے کے بے حد شوقین ہیں لیکن وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سکھانے میں ناکام رہتے ہیں، مثال کے طور پر اور انہیں قرآن پاک کا علم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دے کر ۔ اس پر ہو

جیسا کہ آیت 128 کے اگلے حصے میں اشارہ کیا گیا ہے، مثال کے طور پر رہنمائی کرنا اور آنے والی نسلوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اہمیت بتانا بغیر علم کے ممکن نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 128:

‘‘اور ہمیں ہماری عبادتیں دکھاؤ’’

لہٰذا اس سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرسکتا اور نہ ہی دوسروں کو اس کی اطاعت کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے جب تک کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے اسلامی علم حاصل کیے بغیر اس کی اطاعت کیسے کی جائے۔ اس پر باب 35 فاطر، آیت 28:

‘‘اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔’’

اس لیے اسلامی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ جہالت ہی انسان کو بری نیت، بری بات اور برے اعمال کی طرف لے جاتی ہے اور اس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 128:

"...اور ہمیں ہماری]زندگی گزارنے کی [رسومات دکھاؤ..."

یہ آیت اس ضابطہ اخلاق کی طرف بھی اشارہ کر سکتی ہے جس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے تاکہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ اس سے الہٰی تعلیمات پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے، جو اس دور میں قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ہیں، اور دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے گریز کرنا، خواہ وہ خیر کی طرف لے جائیں۔ اعمال حقیقت یہ ہے کہ علم دین کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔ مزید برآں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تخلیق کیا ہے، وہی بہترین ضابطہ اخلاق جانتا ہے جو ان کے لیے موزوں ہے اور جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا اس ضابطہ اخلاق کی پابندی کرنی چاہیے، چاہے یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو کیوں کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے۔ انہیں اسلامی ضابطہ اخلاق کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔

آیت 128 کا اگلا حصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اس کی رحمت سے کر سکتا ہے کیونکہ علم، الہام، صلاحیت، موقع اور نیک اعمال کی قبولیت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 128:

‘‘اور ہماری طرف]رحم کے ساتھ [رجوع فرما۔’’

ہماری طرف رجوع کے لیے استعمال ہونے والے عربی لفظ کا مطلب ہماری توبہ قبول کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں تشریحات عاجزی کو اپنانے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ ایک عاجز آدمی جان لے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، اور عاجز انسان ہمیشہ اپنی خامیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ان کی درگزر اور معافی مانگے گا۔ اس عاجزی کی طرف آیت 128 کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 128:

‘‘بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔’’

اس لیے ایک مسلمان کو اس حقیقت سے فائدہ اٹھانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے لوگوں کی طرف رحمت اور بخشش کے ساتھ مسلسل رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہوئے یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا۔ اس کے بجائے، انسان کو اس کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی رحمت میں حقیقی امید کو اپنانا چاہیے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر، اور پھر یقین کریں کہ وہ ان کی طرف رحمت اور بخشش کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خواہش مند سوچ اور حقیقی امید کے درمیان یہ فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان ہوا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں دونوں پر واضح فرماتا ہے کہ دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ سچ ہے۔ آپ کی وراثت کے

جھنڈے گاڑنے والے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی۔ اس حقیقت کو انبیاء ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام نے واضح کر دیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 129:

"اے ہمارے رب، اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج"

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی دعا ہزاروں سال بعد پوری ہوئی۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی حلال دنیاوی خواہشات کے حصول کے سلسلے میں عجلت سے پرہیز کرنے کی اہمیت ہے۔ اللہ، عالی، سب سے زیادہ سخی ہے اور صرف فوری طور پر جواب دینے سے روکتا ہے اس طرح اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق کام کرتا ہے کیونکہ یہ ہر ایک کے لئے بہترین ہے۔ بہت سی اسلامی تعلیمات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 10 یونس، آیت 89:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :تمہاری دعا قبول ہوئی، لہٰذا تم سیدھے راستے پر رہو اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلو جو نہیں جانتے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوئے اچھی اور حلال دعاؤں پر قائم رہنا چاہیے، وہ بہترین وقت پر بہترین طریقے سے جواب دے گا اور اس طریقے سے جواب دے سکتا ہے جو ان کے لیے ظاہر نہیں ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 129:

"اے ہمارے رب، اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں سے ہونے کی وجہ سے اپنے دعویٰ نبوت کی مزید تائید کی کیونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کے لیے کوئی اجنبی نہیں تھے۔ درحقیقت آپ نے اپنی زندگی کے 40 سال ان کے درمیان نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے گزارے اور اس وجہ سے انہوں نے آپ کے اخلاص اور سچائی کو پہچانا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

جیسا کہ اہل کتاب نے اپنے عقیدے میں حسب و نسب کی اہمیت کو متعارف کرایا، یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی براہ راست اولاد تھے، بالکل اسی طرح جیسے وہ تھے۔ انہیں اس کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی ترغیب دینی چاہیے تھی، خاص طور پر جب انہوں نے اسے اور قرآن پاک کو پہچان لیا، جیسا کہ ان دونوں کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [بیٹوں کو] اپنے پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

باوجود اس کے کہ مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں اور اہل کتاب دونوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو پہچان لیا، پھر بھی وہ آپ پر ایمان لانے میں ناکام رہے۔ جن مسلمانوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے زبانی دعوے کی تائید کریں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی میں بیان کیا گیا ہے۔ تعلیمات، عمل کے بغیر ایمان کے زبانی دعوے کے طور پر اسلام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کسی کی نیت، تقریر یا عمل کی تطہیر کا باعث نہیں بنتی ۔ اس کی طرف آیت 129 کے اگلے حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔
:باب 2 البقرہ، آیت 129

”ہمارے رب اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب اے و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے“۔

اس کتاب سے مراد وہ قانون اور ضابطہ اخلاق ہے جس پر قرآن پاک میں بحث کی گئی ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جن پر انسانوں کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ لوگ علم کا غلط استعمال کر سکتے ہیں، اس لیے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ کوئی اپنے علم کا صحیح استعمال کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ جب کوئی اسلامی علم کو حکمت کے ساتھ جوڑتا ہے تو یہ ان کی نیت، قول اور عمل کی تطہیر کا باعث بنے گا تاکہ وہ ان :باب 2 البقرہ، آیت 129 نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

’’اے ہمارے رب اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے‘‘۔

یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ قرآن پاک کی اندھی تلاوت کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے اگر کوئی اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے۔ صرف اسلامی علم پر عمل کرنے سے ہی انسان اپنی نیت، قول اور عمل کو پاک کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں، ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ کے غیر مسلموں اور اہل کتاب کے نقش قدم پر چلے، جنہوں نے اسلام کو ان کی خواہشات کے منافی قرار دے کر یہ دعویٰ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کے علمبردار ہیں۔ جب کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرتے ہوئے عملی طور پر ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتے ہیں، تو یہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اسلام پر ایمان رکھتا ہو۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

انسان جس بھی راستے کا انتخاب کرے، اسے بلاشبہ دونوں جہانوں میں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قدرت سے بچ نہیں سکتے اور نہ ہی اس کی طرف سے ان پر ظلم کیا جائے گا، جیسا کہ وہ ہمیشہ حکمت کے ساتھ کام کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 129:

''بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ ''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، وہی جانتا ہے کہ کون نبوت کا مستحق ہے۔ یہ مکہ کے غیر مسلموں اور اہل کتاب پر بھی براہ راست تنقید ہے، جنہوں نے حسد کی بنا پر یہ سوال کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی کیوں چنا گیا؟ ان پر ہو باب 43 از زخرف، آیات 31-32:

"اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ "کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟''

حسد ایک بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد عام طور پر کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت عطا کر کے غلطی کی ہو۔ جو شخص اپنی حسد کو زبانی اور جسمانی طور پر اس کے خلاف لڑنے دیتا ہے جس سے وہ حسد کرتے ہیں وہ صرف ان کے اپنے اعمال کو تباہ کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس جیسی نعمت حاصل کرنا چاہے بغیر اس کے کہ وہ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے، لیکن یہ صرف دینی معاملات میں قابل تعریف اور دنیوی معاملات میں قابل ملامت ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں حلال اور قابل تعریف حسد کی دو صورتیں بتائی ہیں۔ جو شخص اپنے علم کا صحیح استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے حسد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے حسد وہ ہے جس نے حلال مال حاصل کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا۔

یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا، دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مزید برکات اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ دوسروں سے حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی بھول جائے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبتیں آئیں گی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حسد کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے حسد کرنے والے کی زبانی اور جسمانی حرکات پر صبر کرے اور صرف اسلام کی حدود میں اپنا دفاع کرے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس طرح ان کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرتا’’ ہے۔‘‘

،اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم و حکمت کے مطابق کام کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی محدود سوچ کے مطابق۔ .

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کو اپنی خاطر اسلام کی حقانیت کے واضح ثبوت کو قبول کرنا چاہیے، اس کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں اس کی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، باوجود اس کے کہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ اگر وہ اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کرتے ہیں، تو یہ صرف خراب ذہنی اور جسمانی صحت کا باعث بنے گا۔ اسی طرح جو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا اسے دونوں جہانوں میں مشکلات، تناؤ اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

باب 2 - البقره، آیات 130-134

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَٰهِـۧمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُۥ ۚ وَلَقَدِ
ٱصْطَفَيْنَٰهُ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُۥ فِى ٱلْءَاخِرَةِ لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ١٣٠

إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ١٣١

وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبْرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَٰبَنِىَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم
مُّسْلِمُونَ ١٣٢

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِى قَالُوا۟
نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ
١٣٣

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ١٣٤

اور کون ہے جو ابراہیم کے دین کو ناپسند کرے گا سوائے اس کے جو اپنے آپ کو بے وقوف" بنائے۔ اور ہم نے اسے دنیا میں بھی چنا تھا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہو گا۔

جب اس سے اس کے رب نے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو تو اس نے کہا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا ہوں۔

اور ابراہیم)علیہ السلام (نے اپنے بیٹوں اور یعقوب)علیہ السلام (کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی رہو۔

یا تم اس وقت کے گواہ تھے جب یعقوب کو موت آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

یہ وہ قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں اور اہل کتاب کے رویے پر تنقید کی ہے ، جو دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ وہ دونوں اس کے خلاف تھے۔ اس طرح اپنے آپ کو بے وقوف بنانا۔ باب 2 البقرہ، آیت 130:

"اور کون ہے جو ابراہیم کے دین سے نفرت کرے گا سوائے اس کے جو اپنے آپ کو بے وقوف بنائے۔"

انہوں نے اس کے راستے کی مخالفت کی کیونکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی خلوص کے ساتھ اطاعت میں شامل تھا، اس نعمت کا استعمال کرتے ہوئے جو اسے عطا کی گئی تھیں ان طریقوں سے جو اس کو پسند ہیں۔ اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں نے اس کے طریقے سے اختلاف کیا کیونکہ اس نے ان کی دنیاوی خواہشات کو چیلنج کیا تھا، جیسا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنا چاہتے تھے جو انہیں دی گئی تھیں ان طریقوں سے جو انہیں خوش کرتے تھے۔

باب 2 البقرہ، آیت 130:

"اور کون ہے جو ابراہیم کے دین سے نفرت کرے گا سوائے اس کے جو اپنے آپ کو بے وقوف بنائے۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان ایسا رویہ اختیار کر کے اپنے آپ کو بیوقوف بنا سکتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے متصادم ہو، جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔ مثال کے طور پر، کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہ سکتا ہے، جب کہ یہ یقین رکھتا ہے کہ کوئی اور اسے قیامت کے دن بچا لے گا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی اسلامی تعلیمات میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود حدیث، اس کے باوجود کچھ مسلمان اس کی طرف جائیں گے۔ جہنم چونکہ جہنم میں ایک لمحہ ناقابل برداشت ہے، اس لیے اس رویے سے بچنا چاہیے، کیونکہ وہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہ کر اپنے آپ کو بے وقوف بنا سکتا ہے، جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہنا اور پھر یہ امید رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ نافرمانی ہمیشہ خواہش مندانہ سوچ سے جڑی ہوتی ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ اور اللہ عزوجل میں امید کے درمیان یہ فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ذہنی سکون اور اس دنیا میں کامیابی دنیاوی خواہشات کی پیروی میں مضمر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ ذہنی سکون کس کو حاصل ہو۔ اس نے واضح کیا ہے کہ صرف وہی جو اس کی سچی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو خوش کرتا ہے جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو ان کو دی گئی ہیں اسے سوائے تناؤ، مصائب اور مشکلات کے کچھ نہیں ملے گا، خواہ اس کے پاس ساری دنیا ہی کیوں نہ ہو اور تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

دوسرے یہ یقین کر کے اپنے آپ کو بیوقوف بناتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اس کی اطاعت کسی کو اس وقت فائدہ دے گی جب یہ اس دنیا :میں کی جائے گی۔ باب 30 اروم، آیت 57

"پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کا کہا جائے گا۔"

بعض احمق یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائیں گے حالانکہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرتے ہیں۔ .لہٰذا انسان کو دینی علم کے دوسرے ذرائع سے بچنا چاہیے، خواہ یہ نیکیوں کی طرف لے جائے کیوں کہ علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کیا جائے گا، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا :قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ ، عالی۔

لہٰذا ہر قسم کے گمراہ کن رویوں اور ٹوٹے پھوٹے عقائد سے بچنا چاہیے جو صرف اپنے آپ کو بیوقوف بنانے کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے بجائے انہیں چاہیے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے مخلصانہ کوشش کریں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ انسان کو اپنی خاص رحمت صرف اس وقت حاصل ہوگی جو کہ دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی کا باعث بنتی ہے، جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر کاربند رہے اور آپ کی سیرت کی پیروی کرے ۔ راستہ جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 130:

''اور ہم نے اسے دنیا میں چنا تھا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ ''

یہ بیان اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ ایک ہی چیز جو انسان کو دوسروں پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے تمام معیارات مثلاً جنس، نسل، نسب اور سماجی حیثیت ،کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے درجے کا تعین کرتے وقت کوئی اہمیت نہیں ہے۔ باب 49 الحجرات آیت 13:

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔

یہ اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں دونوں پر ایک اور تنقید تھی جن کا خیال تھا کہ ان کا نسب ان کی نجات کی ضمانت کے لیے کافی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 130:

‘‘اور ہم نے اسے دنیا میں چنا تھا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اگر کوئی آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملنا چاہتا ہے تو ان کے راستے پر چلنا چاہیے جو کہ راستبازی کا راستہ ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس دنیا میں نیک لوگوں کا ساتھ دینا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ ان کی مثبت خصوصیات کو اپنانے کا باعث بنتا ہے، جس کے نتیجے میں نیکی کو اپنانے میں مدد ملتی ہے۔ لوگوں کے ایک گروہ کے اعمال کو اختیار کرنے والا ان میں شمار ہوتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو شخص برے صحبت اختیار کرے گا وہ بلاشبہ ان کی صفات کو اپنائے گا اور اس لیے ان سے غور کیا جائے گا۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

کسی مسلمان کو اس حقیقت سے بے وقوف نہیں ہونا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ایک شخص آخرت میں ان صحیح بخاری نمبر 3688 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے نے لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حقیقی محبت کا اظہار الفاظ سے نہیں عمل سے ہوتا ہے جس میں عملاً متقین کی پیروی شامل ہوتی ہے۔ ورنہ اگر زبانی اعلانِ محبت ہی کافی ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دوسری قومیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتی ہیں اور ان سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ ہو گی۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے، باوجود اس کے کہ وہ زبانی طور پر ان سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے چنا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 131:

"جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو تو اس نے کہا کہ میں نے رب العالمین کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

اس میں اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں پر مزید نکتہ چینی کی گئی ہے اور توسیع کے ساتھ ،مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ عزوجل اپنی رحمت دنیاوی عوامل کی بنیاد پر لوگوں پر نہیں کرتا جیسا کہ نسب۔ اس کی رحمت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی عملاً اس کی اطاعت کے لیے سرتسلیم خم کرے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ سوشل میڈیا، معاشرت، فیشن، ثقافت یا اپنی خواہشات کی پیروی اور اطاعت کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں، تو وہ عملی طور پر ان چیزوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، خواہ زبانی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا اعلان کریں۔ .اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں کا اس طرح برتاؤ تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کی صریح مخالفت کی۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ انسانوں کو اس طرح تخلیق کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز کے تابع ہو جائیں۔ خواہ یہ عرضی ان کی اپنی خواہشات، دوسرے لوگوں، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت یا کسی خدا کے سامنے ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی نیت، قول اور فعل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ لازماً کسی اور چیز کے تابع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ میں نے اللہ رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں کمال شامل نہیں ہے۔ اس میں خلوص نیت سے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے طریقوں سے استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اور اپنے رویے کو درست کرکے سچے دل سے توبہ کرنا شامل ہے۔ اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔

:باب 2 البقرہ، آیت 131

"جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو تو اس نے کہا کہ میں نے رب العالمین کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

رب العالمین کا ذکر شاید اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے کیا گیا تھا کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کر دے تو وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرے کیونکہ وہ اکیلا ہی پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے۔

:باب 16 النحل، آیت 97

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جب کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا فرمانبردار ہو جائے، جو ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرے، اسے دونوں جہانوں میں تناؤ، اضطراب اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، خواہ اس کے پاس ساری دنیا ہی کیوں نہ ہو۔ رب العالمین، پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے بشمول ان کے روحانی قلب، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی وہ میراث تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچوں کو سونپی تھی اور اس کے نتیجے میں ان کی اولاد بشمول ان کے پوتے حضرت یعقوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔ باب 2 البقرہ، آیات 131-132:

جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ تسلیم کرو تو اس نے کہا :میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور " ابراہیم)علیہ السلام (نے اپنے بیٹوں اور یعقوب)علیہ السلام (کو حکم دیا کہ اے میرے بیٹو، بیشک اللہ "نے تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم اس وقت تک نہ مرو۔ تم مسلمان ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ اہل کتاب کے آباؤ اجداد تھے جنہیں بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ یہ اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلموں دونوں پر ایک اور تنقید تھی کہ وہ کس طرح اپنے اسلاف کی میراث کی صریح مخالفت کر رہے تھے :خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی میراث۔ یہ مخالفت اس وقت اپنے عروج پر پہنچ گئی جب دونوں گروہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا۔

مکہ کے غیر مسلموں نے نبوت کے اعلان سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ 40 سال گزارے اور اس وجہ سے وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں تھے۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اور عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے انہوں نے واضح طور پر پہچان لیا کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اسلام ان کی خواہشات سے متصادم تھا، اس لیے مکہ کے بہت سے غیر مسلموں نے اسلام کو رد کر دیا اور اس لیے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی وراثت کی مخالفت کی۔

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے تو انہوں نے قرآن مجید کو اس طرح پہچانا جیسا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے مانوس تھے اور انہوں نے قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو پہچانا جیسا کہ ان دونوں کو تھا۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو’’ پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’ جانتے ہیں‘‘۔

لیکن چونکہ اسلام ان کی خواہشات کے خلاف تھا، اس لیے اکثر اہل کتاب نے اسلام کا انکار کیا اور اس لیے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی میراث کی مخالفت کی۔

باب 2 البقرہ، آیت 132:

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہا، "اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے " تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی رہو"۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آئندہ نسلوں کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی ترغیب دیں، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مثال پیش کی تھی۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنے میں اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے تاکہ دوسرے اپنے عمل اور تقریر سے اس کی سچائی کو پہچانیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم کے لیے وقت نکالیں تاکہ وہ اندھی تقلید کے بجائے ثبوتوں کے ذریعے اسلام کی حقانیت کو سمجھ سکیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ زندگی بھر اسلام کی تعلیمات پر قائم رہیں گے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان والدین آنے والی نسلوں کو دنیاوی علم سکھانے کے لیے کس قدر بے تاب ہیں جو دنیاوی کامیابی کا باعث بنتے ہیں لیکن وہ اپنی دینی تعلیم کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنی دینی تعلیم کو دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اسلام کی بنیادیں براہ راست گو کہ اگلی نسل کو دنیاوی علم حاصل کرنے کی ترغیب دینا قابلِ تعریف ہے، لیکن والدین کو بھی دینی علم کی تعلیم کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ بغیر سمجھے قرآن پاک کی تلاوت سیکھنے کے لیے بچوں کو مساجد میں بھیجنا کافی اچھا نہیں ہے۔ ایک نوجوان کو ثبوت کی بنیاد پر اسلام قبول کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ اندھی تقلید کی، ورنہ وہ صرف وقت گزرنے کے ساتھ اسلام سے دور ہو جائیں گے کیونکہ وہ اسلام کو ثقافت کے ایک حصے کے طور پر دیکھیں گے جسے وقت کے ساتھ ساتھ رد کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی ثبوت کی بنیاد پر اسلام کو قبول کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اسلام ایک طرز زندگی ہے، جس کا اطلاق ہر حال میں ہونا چاہیے اور اس وقت لاگو ہونا چاہیے جب وہ ہر عطا کردہ نعمت کو استعمال کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 132:

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو]ایسا کرنے کی [اور]اسی طرح [یعقوب کو ہدایت کی،]کہا[، "اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے..."

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بنی نوع انسان کے لیے مذہب کے طور پر منتخب کیا ہے کیونکہ یہ ان کی فطرت کے مطابق ہے اور یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے، وہی جانتا ہے کہ کون سا ضابطہ اخلاق ان کی فطرت اور صلاحیتوں کے مطابق ہے۔ جب کوئی اس الٰہی ضابطہ اخلاق کو ترک کر کے انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق کی پیروی کرتا ہے تو یہ صرف ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنے گا، کیونکہ یہ مکمل طور پر انسانوں کی فطرت کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہے۔ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کے بارے میں علم کے سلسلے میں لوگ خواہ کتنی ہی ترقی کر لیں، وہ کبھی بھی ہر ممکن چیز کو دریافت نہیں کر پائیں گے تاکہ ایک کامل ضابطہ اخلاق تشکیل دیا جا سکے جو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جائے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس کی ذہنی اور جسمانی حالت غیر متوازن ہو وہ کبھی بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات کو اپنی خاطر قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے، باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ ایک سخت غذا کی منصوبہ بندی.

باب 2 البقرہ، آیت 132:

"اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہا، "اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی رہو"۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ آج کا مسلمان ہونا اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ کل مسلمان مرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جائے گا اگر وہ غذا حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے، جیسے کہ پانی، اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اگر وہ اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کر سکے۔ لہٰذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کریں تاکہ وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مریں۔ اس کی مزید تائید صحیح مسلم نمبر 7232 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ ایک شخص کو اسی حالت میں زندہ کیا جائے گا جس میں وہ مرے تھے۔ پھر وہ ایک مضبوط مسلمان

کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔ اور کسی کی موت کی حالت ان کے رہنے کے طریقے سے طے ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 132:

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہا، "اے میرے بیٹو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی رہو"۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنی چاہیے، کیونکہ کسی کا نسب یا کسی متقی شخص سے تعلق اس کو بچا نہیں سکتا اگر وہ خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام ہو جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی خلوص نیت سے اطاعت کی اہمیت کو مزید واضح کرتا ہے اور کس طرح ماضی کے انبیاء علیہم السلام، جیسے کہ اہل کتاب کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام اس روش پر قائم رہے۔ اور ہمیشہ اگلی نسل کو ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، ان کے لیے اس قدر اہم تھا کہ اس زمین پر اپنے آخری لمحات میں بھی انھوں نے اس پر بحث کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 133:

”یا تم گواہ تھے جب موت یعقوب کو پہنچی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر زور دیا جب آپ نے لوگوں کو فرض نمازوں پر قائم رہنے کی تاکید کی، کیونکہ یہ انسان کے ایمان کا مرکزی ستون ہیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2698 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔

یہ ان اہل کتاب پر ایک اور تنقید تھی جنہوں نے اپنے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور دوسروں کو اس کی تلقین کرنے کے اپنے رویے پر عمل کرنے میں ناکام رہے تھے۔ آخری سانس تک ایسا ہی کرو۔ باب 2 البقرہ، آیت 133:

"یا تم گواہ تھے جب موت یعقوب کو پہنچی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کے بعد آپ کے بچے کس کی عبادت کریں گے بلکہ یہ پوچھا کہ آپ کے بعد کس کی عبادت کریں گے۔ وہ اپنے بچوں کو یاد دلا رہا تھا کہ کوئی بھی بے جان چیزوں جیسے سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت اور اپنی خواہشات کی آسانی سے اسی طرح عبادت کر سکتا ہے جس طرح وہ کسی جاندار کی پوجا کر سکتے ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟"

لہٰذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کو باقی سب پر ترجیح دیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کی خوشنودی میں ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ دوسری چیزوں کی اطاعت اور پیروی کو ترجیح دینے والا ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور مصائب پیدا ہوں گے، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے اخلاص کو نمایاں کرتا ہے جس نے ان کی اولاد یعنی اہل کتاب میں پائی جانے والی بے حسی کی مکمل مخالفت کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 133:

"یا تم گواہ تھے جب موت یعقوب کو پہنچی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ "انہوں نے کہا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

یہ حقیقت کہ انہوں نے اپنے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر کرنے سے پہلے اپنے بڑے چچا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے برعکس حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام یا ان کے سلسلہ نسب کے لیے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، کوئی حسد نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بجائے وہ ایک متحد خاندان تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

اپنے آسمانی صحیفوں میں تبدیلی کی وجہ سے جو گمراہ لوگوں نے متعارف کرایا تھا، اہل کتاب نے اپنے پورے عقیدے کی بنیاد اپنے نسب پر ڈال دی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ ان کا نسب تھا جس نے انہیں باقی بنی نوع انسان پر فوقیت دی اور اسی وجہ سے انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ایک مختلف نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کو قبول کرنا اور اس کی پیروی کرنا اس بنیاد کو تباہ کر دے گا جس پر ان کا ایمان قائم تھا اور یہ ان کے دعویٰ برتری کے براہ راست خلاف ہو گا۔ یہ وہ چیز ہے جسے وہ قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کا سارا رویہ ان کے اسلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کے طریقے کے بالکل خلاف تھا۔

باب 2 البقرہ، آیت 133:

یا تم گواہ تھے جب موت یعقوب کو پہنچی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی " عبادت کرو گے؟ "انہوں نے کہا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی چیزوں سے زیادہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور ایمان کی اہمیت ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے بیشتر مسلمانوں میں اس کے برعکس ہے جو دنیاوی معاملات میں اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں زیادہ فکر مند ہیں۔ گو کہ دنیاوی معاملات سے تعلق رکھنا اسلام میں قابل قبول ہے لیکن اسے اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال کے حوالے سے دینی معاملات پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ دنیاوی معاملات تو صرف دینی کاموں کی خدمت کا ذریعہ ہیں تاکہ اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ یہ ،اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے دنیاوی وسائل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اگر وہ خود خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام ہو جائیں تو اس کا نسب اس کی دنیا یا آخرت میں کچھ مدد نہیں کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 134:

یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم " نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اس سے اہل کتاب، مکہ کے غیر مسلموں اور یہاں تک کہ آج کے بعض مسلمانوں کے ذریعہ اختیار کیے گئے غلط عقیدہ کو ختم کر دیا گیا، جو ان کا سلسلہ نسب اور انبیاء علیہم السلام جیسے نیک لوگوں سے تعلق کو مانتے ہیں، کافی ہے۔ تاکہ دونوں جہانوں میں ان کی نجات کی ضمانت ہو۔ اس پر یقین کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی بے عزتی ہے، جیسا کہ یہ تجویز کرے گا کہ وہ تعصب اور یہاں تک کہ نسل پرستانہ رویہ اختیار کرتا ہے جب وہ ایسا نہیں کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس رویہ کے خلاف بارہا تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے واضح طور پر تنبیہ کی ہے کہ اگر کسی شخص میں نیک اعمال کی کمی نہ ہو تو اس کا نسب قیامت کے دن اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔ باب 53 عن نجم، آیت 39:

‘‘اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔’’

اور باب 31 لقمان، آیت 33:

’’ اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔‘‘

لہٰذا ایک مسلمان کو عملی طور پر اپنے نیک بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ وہ ان کے ساتھ آخرت میں شامل ہوں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ نافرمانوں کے نقش قدم پر چلیں گے تو قیامت کے دن ان کے ساتھ جمع ہوں گے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 134:

یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم " نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہ آیت لوگوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنی سستی یا اپنے برے طرز عمل کا جواز پیش کرنے کے لیے اپنے اعمال کا دوسروں کے اعمال سے موازنہ کرنے کی ذہنیت سے بچیں۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مسلسل اپنے طرز عمل کا موازنہ دوسروں کے طرز عمل سے کرتا ہے جو ان سے بدتر دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان جو نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے آپ کو ایک قاتل سے تشبیہ دے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کمی کا جواز پیش کرے گا۔ جیسا کہ آیت 134 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ رویہ ایک بے وقوف انسان کو دنیا میں تو بہتر محسوس کر سکتا ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا کیونکہ کسی شخص سے نہ دوسروں کے طرز عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور نہ ہی اس کا موازنہ کیا جائے گا۔ دوسروں کا طرز عمل .واحد ،معیار جس سے ہر شخص کا موازنہ کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہے۔ اس دور میں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو کتنا سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔

اسی طرح، کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمی کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے، یہ دعویٰ کر کے کہ دوسرے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ مثال کے طور پر، جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے اسے یہ دعویٰ کر کے خود کو بہتر محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ کسی اور کے لیے اپنی توانائی اور وقت اسلامی علم کے مطالعہ کے لیے وقف کرنا آسان ہے کیونکہ وہ صرف جز وقتی کام کرتے ہیں۔ اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ صرف سستی کو ہوا دے گا۔ اس کے بجائے، انسان کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اگرچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں کم اچھے کام کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ مقدار کو نہیں معیار کو دیکھتا ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 134

یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم " نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں اپنے طرز عمل پر توجہ دیں کیونکہ قیامت کے دن ان سے یہی سوال کیا جائے گا۔ وہ تمام چیزیں جن کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سابقہ نسلوں کے طرز عمل سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ ان مسائل میں پڑنے سے انسان کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2317 میں ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے ایمان کو بہترین نہیں بنائے گا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز نہ کرے جن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں لہٰذا کسی کے کاروبار کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اسے زندگی کے ہر پہلو پر لاگو کیا جائے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 135-138

وَقَالُوا۟ كُونُوا۟ هُودًا أَوْ نَصَٰرَىٰ تَهْتَدُوا۟ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِـۧمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ

﴿١٣٥﴾

قُولُوٓا۟ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ
وَمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِىَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ
مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ
ٱللَّهُ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

صِبْغَةَ ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُۥ عَٰبِدُونَ

﴿١٣٨﴾

وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی]تو ہدایت پاؤ گے۔ "کہو، بلکہ)ہم (ابراہیم کے دین پر، حق" کی طرف مائل تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو موسیٰ کو دیا گیا اور عیسیٰ اور جو کچھ انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا تھا ہم ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

پس اگر وہ)اہل کتاب (اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم مانتے ہو تو وہ ہدایت پا چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہ صرف اختلاف میں ہیں اور اللہ ان کے مقابلے میں تمہارے لیے کافی ہے۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اور کہو کہ ہمارا رنگ اللہ کا رنگ ہے اور دین میں اللہ سے بہتر کون ہے اور ہم اسی کے بندے ہیں۔

اہل کتاب کے علماء، یہود و نصاریٰ، مدینہ میں رہنے والے دوسروں کو، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے کی تاکید کرتے، حالانکہ وہ دونوں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتے تھے - باب 2 البقرہ، آیت 135:

‘‘وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہوجاؤ یا نصاریٰ)تو (ہدایت پاؤ گے۔’’

اہل کتاب کے علماء نے قرآن مجید کو اس لیے پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ اور انہوں نے اس کی سچائی کو تسلیم کیا کیونکہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث آئے ہیں۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

انہوں نے جان بوجھ کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی، کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اگر عام لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنے معاشرے میں اپنا اختیار اور اثر و رسوخ کھو دیں گے۔ لہٰذا انسان کو دنیاوی چیزوں جیسے کہ دولت اور سماجی حیثیت سے زیادہ محبت سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے ایمان پر سمجھوتہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ مال و دولت کی خواہش انسان کے ایمان کے لیے دو بھوکوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑیے جنہیں بھیڑوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کسی کو یہ سمجھ کر دنیاوی چیزوں کے لیے ضرورت سے زیادہ محبت پر قابو پانا چاہیے کہ یہ دونوں جہانوں میں صرف اس صورت میں فائدہ مند ہو گا جب وہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کریں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہو باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص عطا کردہ چیزوں کا غلط استعمال کرتا ہے وہ یہ پائے گا کہ ان کے پاس جو دنیاوی چیزیں ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور مصائب کا باعث بنیں گی، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :اعلیٰ، ان کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 135

‘‘وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہوجاؤ یا نصاریٰ)تو (ہدایت پاؤ گے۔’’

یہ آیت دوسروں کی اندھی تقلید سے بھی خبردار کرتی ہے، کیونکہ یہ اکثر گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ انسان کو چوپایوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس عقل کو استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہے تاکہ سچے دل سے واضح ثبوت کی بنیاد پر سچائی کی تلاش اور اسے قبول کیا جا سکے۔ دوسرے مذاہب اور طرز زندگی کے برعکس، اسلام نے ہمیشہ لوگوں کو اندھی تقلید کے بجائے واضح ثبوت کی بنیاد پر اپنی عقل کو استعمال کرنے اور اسلام اور دیگر سچے معاملات کو قبول :کرنے کی ترغیب دی ہے ۔ باب 12 یوسف، آیت 108

کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو’’ ‘‘...میری پیروی کرتے ہیں

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو صرف اچھے طریقے سے ہدایت کرے کیونکہ جو شخص دوسروں کو گمراہی کی طرف نصیحت کرتا ہے، جیسے کہ گناہ کرنا، وہ ہر اس شخص کا گناہ اٹھائے گا جسے وہ گمراہ کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو علم اور واضح دلائل کی بنیاد پر نصیحت کرے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں ان کی صحیح رہنمائی کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب کے رویے پر تنقید کرتا ہے، جنہوں نے جان بوجھ کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ صحیح ہدایت یافتہ ہیں، جیسا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کو برقرار رکھے ہوئے تھے، حالانکہ وہ ان کے خلاف تھے۔ اس کے طریقے سے متصادم، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کا طریقہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 135:

وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی]تو ہدایت پاؤ گے۔ "آپ کہہ دیجئے کہ بلکہ)ہم (ابراہیم کے" دین پر ہیں جو حق کی طرف مائل ہیں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

حق کی طرف مائل ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بھی کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا یا کسی نعمت کے ساتھ تعامل کیا گیا تو ان کی نیت، تقریر اور عمل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف متوجہ رہے۔ اس سے یہ یقینی ہو گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، خواہ وہ اپنی نیت سے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے کام کر کے، اپنی تقریر کے ذریعے، ایسی بات کہ کر جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، اور اس کے ذریعے۔ اس کے اعمال، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو اسے عطا کی گئی تھیں۔ یہ اللہ عزوجل کے سامنے حقیقی سر تسلیم خم کرنا، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ اور اسلام کا طریقہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 135:

’’کہہ دیجئے کہ بلکہ)ہم (دین ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں، حق کی طرف مائل ہیں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ نہ تو اہل کتاب اور نہ ہی مکہ کے غیر مسلم اس پر یقین رکھتے تھے، حالانکہ دونوں نے اس کے برعکس دعویٰ کیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 136:

’’کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد پر نازل ہوا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے ہم ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔"

مکہ کے غیر مسلموں اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، جب کہ یہودیوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، جب کہ انہوں نے یہ انتخاب کیا کہ کون سے انبیاء علیہم السلام کو ماننا ہے اور کس کو رد کرنا ہے اور کن آسمانی آیات کو قبول کرنا ہے۔ جس کو رد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اس پر ایمان اُس وقت تک نامکمل ہے جب تک کہ کوئی انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ لائے اور جو کچھ ان کو عطا کیا گیا تھا۔ وہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اس کا دین تمام زمانوں میں ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، دین اسلام، یعنی صرف اسی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا مذہب۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اسے خوش کرتے ہیں جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جو ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر، انبیاء کرام علیہم السلام پر، یا ان پر نازل کردہ آسمانی وحی پر صحیح طور پر ایمان نہیں رکھا، خواہ وہ ان پر زبانی ایمان کا دعویٰ کرے، بالکل غیر مسلموں کی طرح۔ مکہ اور اہل کتاب نے کیا۔ لہٰذا یہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ عمل سے اس کی تائید کیے بغیر ایمان کا زبانی اعلان کرنا کافی نہیں ہے۔ درحقیقت، جیسا کہ آیت 136 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، ایمان کو اعمال کے ساتھ جوڑنا ہی ایک مسلمان کی تعریف ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 136:

‘‘اور ہم اُس کے فرمانبردار مسلمان ہیں۔’’

مزید برآں، ایک مسلمان کو اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے جنہوں نے چیری چن کر کن انبیاء علیہم السلام اور وحی الٰہی کو قبول کیا اور کن کو رد کیا، چیری چن کر انہیں کن اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے۔ انہیں کون سی اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ اسلام کی ہر تعلیم کو اپنی استطاعت کے مطابق مکمل طور پر تسلیم کرے خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی یہی تعریف ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔ .چیری چننے والا صرف ان کی خواہشات کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نہیں، چاہے وہ کوئی اور دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی تاکید فرماتا ہے کہ حقیقی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے پر مشتمل ہے جو کہ اس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 137:

پس اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم مانتے ہو، تو وہ ہدایت پا گئے‘‘۔’’

اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ اہل کتاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان لائیں تو وہ راہ راست پر ہوں گے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعلیٰ درجے کے ایمان کے مطابق ہوں، جیسا کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ لوگوں کو صحابہ کی طرح ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہو کر صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کیا کیونکہ اس کا حصول تقریباً ناممکن ہو گا۔ لہٰذا کسی کو ایسے ناقص بہانوں کو ترک کرنا چاہیے جو انہیں اپنی صلاحیتوں کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کریں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر درود ہو۔

اس کے علاوہ یہ آیت قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہر وقت سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور دینی علوم کے دیگر ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کرتی ہے، خواہ وہ خیر کی طرف لے جائیں۔ اعمال، جیسا کہ یہ ہدایت کے راستے سے متصادم ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جس چیز کی جڑیں دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔ .یہ تنبیہ آیت 137 میں بھی دی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 137:

پس اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم مانتے ہو تو وہ ہدایت پا چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ" منہ پھیر لیں تو وہ صرف اختلاف میں ہیں..."

ہدایت کے دو ذرائع سے بھٹکنا ہی تفرقہ کا باعث بنے گا۔ یہ بات اس وقت بالکل واضح ہوتی ہے جب آج کوئی مسلمان قوم کا مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ کس طرح گروہوں میں بٹ گئے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک مذہبی علم کے مختلف ذرائع پر کاربند ہیں اور ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اسلام کے اصول دوسرے ذرائع سے لیے گئے اس علم کے گرد گھومتے ہیں، حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے۔ .مسلمانوں کو یہ رویہ

اپنانے سے گریز کرنا چاہیے، جو ماضی کی قوموں نے اختیار کیا تھا جو قیادت کی خواہش رکھتی تھیں اور اس لیے اپنے آسمانی صحیفوں میں بیان کردہ ایمان کے بنیادی اصولوں سے الگ ہو گئیں۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا ہوگا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ اس بات کو بھی یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کرے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ جو شخص اس طرزِ فکر پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کی حفاظت اور رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 137:

''اور اللہ تمہارے لیے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اسلام کے دشمن، مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ یہ تحفظ ان کے نقش قدم پر چلنے والے کسی بھی شخص کو پیش کردہ توسیع کے ذریعہ ہے۔ ایک مسلمان کو زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، ہر حال میں ان کی حفاظت اور رہنمائی کی جائے گی، خواہ وہ آسانی کا وقت ہو یا مشکل کا۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا''

یہ اللہ کے لیے واضح طور پر آسان ہے، کیونکہ وہ مخلوق کے اندر جو کچھ ہوتا ہے اسے سنتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 137:

‘‘اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔’’

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ صرف وہی بہترین ضابطہ حیات جانتا ہے، بہترین طرزِ زندگی ،جو لوگوں کے لیے موزوں ہے، تاکہ وہ ہر وقت ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور جسم دونوں جہانوں میں۔ باب 2 البقرہ، آیت 138:

‘‘اور کہو کہ ہمارا دین اللہ کا ہے، اور دین میں اللہ سے بہتر کون ہے؟’’

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے، وہ اکیلا ہی ان کو ایک ایسا ضابطہ اخلاق عطا کرنے کی بہترین پوزیشن میں ہے جو ان کی فطرت، صلاحیتوں، ذہنی اور جسمانی حالتوں کے مطابق ہو۔ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کو سمجھنے میں کوئی معاشرہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جائے، وہ کبھی بھی اس کا مکمل علم حاصل نہیں کر سکے گا۔ نتیجے کے طور پر، وہ جو بھی ضابطہ اخلاق بناتے ہیں وہ کبھی بھی انسانوں کی فطرت کے مطابق نہیں ہو گا۔ یہ ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنے گا، جس کے نتیجے میں انسان ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ جیسا کہ آیت 138 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، جو شخص اس سادہ سی حقیقت کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ اخلاق کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ وہ ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کریں گے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 138:

‘‘اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔’’

اس کے علاوہ، ایک شخص کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اس کائنات کو کنٹرول کرتا ہے جس میں لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر بھی شامل ہے۔ لہٰذا، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ جو شخص خلوص دل سے اس کی اطاعت کرتا ہے، جو نعمتیں اس کی خوشنودی کے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اس کو ذہنی سکون عطا کیا جائے گا۔ جسم دونوں جہانوں میں، خواہ زندگی بھر مشکلات کا سامنا ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص ایک مختلف ضابطہ اخلاق کی پیروی کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ صرف ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، اسے دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور لمحات کا تجربہ کرتے ہوں۔ تفریح اور تفریح .باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 138:

]اور کہو کہ ہمارا [اللہ کا رنگ]دین [ہے، اور دین میں اللہ سے بہتر کون ہے اور ہم اسی کے بندے" ہیں۔"

جس طرح رنگ کا رنگ لباس کو مکمل طور پر ڈھانپ لیتا ہے اور دائمی ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان ان کی زندگی کے ہر پہلو جیسا کہ ان کی ذاتی اور کام کی زندگی اور ان کے پورے دن کا احاطہ کرتا ہے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کو ہر اس حال میں لاگو کرنا چاہیے جس کا وہ تجربہ کرتے ہیں اور ہر دنیوی نعمت جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ اپنا وقت اور مال۔ لہٰذا اسلام کے مذہبی رنگ کو ان کے ارادوں میں گھسنا اور ڈھانپنا چاہیے، تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کام کریں، نہ کہ کسی اور کی خاطر۔ یہ ان کی تقریر کو گھسنا اور ڈھانپنا چاہیے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بولیں، جس میں اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ اور اسلام کے مذہبی رنگ کو ان کے اعمال میں گھسنا اور اس کا احاطہ کرنا چاہیے، تاکہ وہ صرف ان طریقوں سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کا برتاؤ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی میراث کو برقرار رکھنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 138:

‘‘اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 138:

]اور کہو کہ ہمارا [اللہ کا رنگ]دین [ہے، اور دین میں اللہ سے بہتر کون ہے اور ہم اسی کے بندے" ہیں۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ، یعنی اسلام، ایک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سماجی اور دنیاوی رکاوٹ جو انسانوں کو الگ کرتی ہے، جیسے جنس، نسل اور ذات، کی اسلام میں کوئی قدر نہیں، کیونکہ تمام مسلمان ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اسلام کا رنگ اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک شخص صرف اس بات پر دوسروں سے برتر ہوتا ہے کہ اسلام کا رنگ اس کی زندگی میں کتنا داخل ہوا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی اطاعت کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی میں بیان کیا گیا ہے۔ تعلیمات جس قدر سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے گی وہ اتنا ہی اعلیٰ درجہ کا مالک ہوگا۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار" ہے"۔

،لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ چونکہ لوگوں کی نیت پوشیدہ اور صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتی ہے اس لیے کوئی شخص یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا دوسروں سے بہتر ہے یا نہیں، کیونکہ وہ اپنی پوشیدہ نیت سے بے خبر ہوتے ہیں، خواہ ان کے اچھے اعمال کو دیکھیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 138:

"اور کہو کہ ہمارا [اللہ کا رنگ]دین [ہے، اور دین میں اللہ سے بہتر کون ہے اور ہم اسی کے بندے ہیں۔"

جیسا کہ مسلمان اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے لوگوں کا ایک خاص گروہ کسی تنظیم کی نمائندگی کرتا ہے جب وہ اس تنظیم کی وردی پہنتے ہیں، جیسے کہ پولیس فورس۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح طریقے سے نمائندگی کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو اس کی خوشنودی کے لیے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں کے حقوق کو پورا کریں گے۔ اس کے نتیجے میں غیر مسلموں کو اسلام کی سیدھی فطرت دکھائی دے گی۔ جبکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہیں گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام ہوں گے۔ اس سے وہ اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے غلط طریقے سے پیش کریں گے، جس کا انہیں دونوں جہانوں میں جواب دینا پڑے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 139

قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِي ٱللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُخْلِصُونَ ١٣٩

کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے’’
‘‘لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، اور ہم اس کے لیے مخلص ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں اور اہل کتاب دونوں کو ان کی استدلال پسندانہ ذہنیت کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا حالانکہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 139:

’’کہہ دو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے؟‘‘

اگر وہ اللہ رب العزت کو اپنا رب مانتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور غیر واضح حکم تھا۔ اعلانِ نبوت سے قبل مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چالیس سال گزارے اور اس لیے وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے اعلانِ نبوت سے پہلے کسی قسم کے مذہبی علم کا مطالعہ کیا تھا۔ .باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

چونکہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اس لیے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے اپنے دعوے کی تائید کریں، اس پر صحیح ایمان لا کر، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے تو انہوں نے قرآن پاک کو اس طرح پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے جس نے ان پر سابقہ آسمانی صحیفے نازل کیے تھے۔ انہوں نے اسلام کی حقانیت کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تسلیم کیا اور قرآن پاک کو ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث لایا گیا تھا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو’’
"...پہچانتے ہیں

:اور باب 2 البقرہ، آیت 146

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’
جانتے ہیں‘‘۔

ان کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے اپنے دعوے کی تائید کریں، اس پر صحیح
:ایمان لا کر، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 139

‘‘کہہ دو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے؟ ’’

یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے، صحیح معنوں میں، قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق، تو یہ لوگوں کے درمیان جھگڑوں کو روکے گا اور رہنمائی کرے گا۔ اتحاد کے لیے، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، اسی طرح متحد تھے کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ پر صحیح طور پر ایمان رکھتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کر دیں، صحیح طور پر، اسلام کی

تعلیمات کے مطابق، اس کی مخلصانہ اطاعت کو ہر چیز پر مقدم رکھ کر۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اسے خوش کرتے ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جب مسلمان دوسری چیزوں مثلاً معاشرت، ثقافت اور فیشن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر فوقیت دیں گے تو اس سے جھگڑے اور اختلاف ہی پیدا ہوں گے۔ یہ اس دن اور عمر میں بالکل واضح ہے، یہاں تک کہ ایک مسلمان خاندان میں بھی۔

باب 2 البقرہ، آیت 139:

‘‘کہہ دو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے؟ ’’

یہ آیت مسلمانوں کو پچھلی امتوں کے رب کے طور پر یاد دلاتی ہے اور امت مسلمہ ایک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہی امت مسلمہ پر بھی لاگو ہوگا ۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے ارکان کو جو خلوص دل سے اس کی اطاعت کرتے تھے، ذہنی سکون اور کامیابی عطا فرمائی، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کر کے جو اس کی خوشنودی کے لیے الہٰی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، وہ بھی اس کا بدلہ دے گا۔ مسلمان جو ایسا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، جس طرح اس نے ماضی کی قوموں کو سزا دی جو اس کی نافرمانی پر اڑے رہے، باوجود اس کے کہ وہ اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے، اسی طرح وہ مسلمانوں کو بھی سزا دے گا جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی روایت کبھی نہیں بدلی۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن تم اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔’’

لہٰذا، ایک مسلمان کو اہل کتاب کے اس رویے سے بچنا چاہیے کہ وہ خاص ہیں اور اس لیے دونوں جہانوں میں نجات کا ضامن ہے، خواہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ جیسا کہ یہ ماضی کی قوموں کے لیے درست نہیں تھا، یہ یقینی طور پر مسلم قوم کے لیے بھی درست نہیں ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔ کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے..."

اس کے بعد اسلام کا ایک بنیادی اصول بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 139:

’’کہہ دو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں‘‘۔

ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدے، رائے یا طرز زندگی کو دوسرے لوگوں پر مسلط نہ کرے کیونکہ یہ اکثر بحث و مباحثہ کا باعث بنتا ہے۔ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ مضبوط ثبوتوں کا استعمال کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے سچائی کو واضح کریں اور پھر دوسروں کو خود فیصلہ کرنے دیں کہ کس چیز کی پیروی کرنی ہے اور کس کو رد کرنا ہے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ باب 18 الکہف، آیت 29:

‘‘اور کہو حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔’’

ایک مسلمان کو اپنی کوششیں ان لوگوں کی تعلیم پر مرکوز کرنی چاہئیں جو کھلے ذہن کے ساتھ اسلام سے رجوع کرتے ہیں اور ان لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو صرف بحث و مباحثہ میں دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ اس سے وقت اور توانائی کا ضیاع ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 139:

‘‘…ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال’ ’

یہ اس بات کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ دوسروں کے اعمال کے ساتھ اپنے بارے میں سوچنے سے پہلے اپنے اعمال کو درست کرنے پر توجہ دی جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی نیت کو درست کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کرے، تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرے، اور اسے چاہیے کہ وہ اپنی بات درست کرے، اچھی بات کہہ کر یا خاموش رہے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے اس راہ میں فعال جدوجہد کرنے کے بعد، ایک مسلمان اس پوزیشن میں ہے کہ وہ دوسروں کے اعمال کے بارے میں فکر مند ہو۔ اس بحث کی طرف کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 139 139:

‘‘اور ہم اُس کے لیے]عمل اور نیت میں [مخلص ہیں۔’’

اس بحث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنے طرز عمل کے بارے میں دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے کمال حاصل کرنا چاہیے، کیونکہ کمال حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرنی چاہیے، کیونکہ جاہل شخص ہی دوسروں کو گمراہ کرے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 139:

‘‘...ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال’ ’

غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دوسروں کے اعمال سے غافل رہے اور صرف اپنے عقیدے پر ہی اکتفا کرے، کیونکہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے تنبیہ کرنا تمام مسلمانوں پر ان کی طاقت کے مطابق فرض ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے لیے باب 3 علی عمران، آیت 110:

"تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے [مثال کے طور پر] پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو..."

کم از کم فرض یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کو اچھے کام کرنے کی ترغیب دے اور برے کاموں سے خبردار کرے، چاہے وسیع تر معاشرہ اس کے اپنے انداز اور سوچ میں گم نظر آئے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سڑا ہوا سیب صرف اچھے سیبوں کو آلودہ کرتا ہے۔ اسی طرح اگر برائی کو روکا نہ جائے تو اس کا اثر معاشرے کے اچھے عناصر پر پڑے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کی نصیحت کرے اور برائی سے خبردار کرے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایسا کرنے کے بعد انہیں لوگوں سے بحث کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک’’
"کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ رب اور شاید وہ اس سے ڈریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 139:

‘‘…ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال’ ’

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت مسلمانوں کو گمراہ کن رویہ سے بچنے کی بھی یاد دہانی کراتی ہے جس کے تحت انسان کو یقین ہے کہ ان سے جڑے ہوئے دوسرے لوگوں کے اچھے اعمال اور طرز عمل انہیں قیامت کے دن بچا لے گا چاہے وہ خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں۔ حالانکہ قیامت کے دن شفاعت ایک حقیقت ہے لیکن یہ رویہ اختیار کرنا شفاعت کے تصور کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ قیامت کے دن دوسروں کی شفاعت سے بھی محروم رہ سکتا ہے۔ بنی نوع انسان کے قائدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت پر توجہ مرکوز کرے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ الہی تعلیمات، اور تب ہی انہیں قیامت کے دن دوسروں سے شفاعت کی امید رکھنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 139:

‘‘اور ہم اُس کے لیے مخلص ہیں۔’’

انسان کی نیت اسلام کی باطنی بنیاد ہے۔ اگر کسی کی بنیاد ہی کرپٹ ہے تو اس کے اوپر جو کچھ وہ بنائے گا وہ کرپٹ ہو گا۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کریں، صرف اس کی رضا کے لیے عمل کریں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے کام کرے یا اس کے ساتھ دوسروں کے لیے عمل کرے اسے اس سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی انعام یا شکر کی امید نہ رکھے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 140-141

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطَ كَانُوا۟ هُودًا أَوْ
نَصَـٰرَىٰ ۗ قُلْ ءَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ ٱللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَـٰدَةً عِندَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ ۗ وَمَا ٱللَّهُ
بِغَـٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا
تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی طرف سے اپنی گواہی کو چھپائے؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

یہ وہ قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب پر ان کے غیر منطقی دعووں پر تنقید کرتا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے آباء و اجداد، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان، یہودی یا عیسائی تھے، حالانکہ یہودیت اور تثلیث کا تصور ان کے بہت بعد، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی متعارف ہوا۔ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

"یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ "

اور باب 3 علی عمران، آیات 65-67:

"اے اہل کتاب، تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جبکہ تورات اور انجیل ان کے بعد تک نازل نہیں ہوئیں؟ پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟ یہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس کے بارے میں بحث کی جس کا تمہیں کچھ علم ہے لیکن تم اس کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں؟ اور اللہ جانتا ہے جبکہ تم نہیں جانتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی، بلکہ وہ حق کی طرف مائل، مسلمان]اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے [تھے۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو تقویت دیتا ہے کہ وہ اکیلا ہی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس لیے حق بیان کرنے کے لیے بہترین پوزیشن میں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

‘‘کہو، کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟’’

جیسا کہ اہل کتاب میں سے علماء نے قرآن مجید کو حق تسلیم کیا، جیسا کہ وہ اس کے مصنف اللہ عزوجل سے واقف تھے، اور انہوں نے قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ ان دونوں کو ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث لایا گیا تھا، وہ، اہل کتاب، اس لیے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچائی بیان کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

‘‘اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی طرف سے گواہی کو چھپائے؟’’

انہوں نے سچائی کو چھپایا کیونکہ اسلام نے براہ راست ان کی دنیاوی خواہشات کو چیلنج کیا اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کیا جو انہیں عطا کی گئی تھیں۔ چونکہ وہ ان نعمتوں کا استعمال جاری رکھنا چاہتے تھے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ اپنے لیے خوشنما طریقے سے استعمال کرتے تھے اور چونکہ انھیں معاشرے میں اپنی سماجی حیثیت کے کھو جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے انہوں نے اسلام اور اس واضح حقیقت کو رد کر دیا جس سے وہ پوری طرح واقف تھے۔ اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو قبول کرنا درحقیقت ایک عہد تھا جو ان کے آباء و اجداد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اسلام کے آنے تک یہ بعد کی نسلوں تک منتقل ہوتا رہا۔ باب 7 الاعراف، آیات 155-157:

’’اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری تقرری کے لیے چن لیا۔ اور جب ان کو زلزلے نے آپکڑا تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے اور مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا، کیا تو ہمیں اس کے سبب سے ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے احمقوں نے کیا ہے، یہ تیرے سوا کچھ نہیں۔ تو جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو اس دنیا میں سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔]جو [اچھا ہے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عذاب میں جس کو چاہتا ہوں اس میں مبتلا کرتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس میں اس کا فیصلہ]خصوصاً [ان لوگوں کے لیے کروں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے

ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ اچھی بات ہے اور انہیں برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور ان بیڑیوں کو دور کرتی ہے جو ان پر تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی تعظیم کی، اس کی حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے عہد لیا جب انہوں نے اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا۔ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عہد، ہر وقت، ہر حال میں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے کیے گئے اپنے عہد کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں مصائب، تناؤ اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ دنیاوی نعمتیں توڑنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد، دونوں جہانوں میں ان کی پریشانیوں کا ذریعہ بنے گا، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتا ہے، وہ اسے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی عطا کرتا ہے، جو رب العالمین کا وعدہ ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

مسلمان جس بھی راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرے گا اسے دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں نے کیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو‘‘۔ ’’

باب 2 البقرہ، آیت 140:

‘‘کہو، کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟’’

عام طور پر، یہ کسی کی زندگی کے ہر پہلو کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا ایک اہم اصول ہے۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم انتہائی محدود ہے اور اس لیے انہیں یہ مان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو کچھ بھی مقرر کیا ہے وہ سب سے بہتر ہے، خواہ ان کے پاس یہ سمجھنے کی کمی ہو کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جو شخص اس اہم اصول کو سمجھتا ہے وہ ہر حال میں صبر و تحمل سے کام لے گا، جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھتے ہوئے کسی کے قول یا فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ جو شخص اس اہم اصول کو سمجھنے میں ناکام رہتا ہے وہ جب بھی ایسے حالات کا سامنا کرتا ہے جو ان کی خواہشات سے متصادم ہوں تو جلد ہی بے صبر ہو جاتا ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں پریشانی ہی پیدا ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو''۔ ''

یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت سے بے وقوف نہیں بننا چاہیے۔ صرف اس وجہ سے کہ کسی شخص کو اس کے گناہوں کی فوری سزا نہیں دی جاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بالکل بھی سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو وقت دیتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کا موقع ملے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی نافرمانی پر اڑے رہے اور یہ مان کر کہ وہ احتساب سے بچ گیا ہے تو

اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے پہلے صرف وقت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ باب 2 البقرہ، آیت 140:

اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو‘‘۔ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ پھر اس بات کا اعادہ فرماتا ہے کہ اگرچہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کرنے کے تصور کی تبلیغ کی تھی، یعنی اسلام، کوئی بھی کم نہیں، ہر شخص، ماضی ہو یا حال۔ ان کے اپنے انتخاب اور اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اور کسی کو بھی ان کے آباؤ اجداد کے اعمال کی بنیاد پر نجات نہیں دی جائے گی، خواہ اس نے جو کچھ بھی کیا ہو یا وہ جو بھی ہوں۔ تھے باب 2 البقرہ، آیت 141:

" یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اس سے اہل کتاب، مکہ کے غیر مسلموں اور یہاں تک کہ آج کے بعض مسلمانوں کے ذریعہ اختیار کیے گئے غلط عقیدہ کو ختم کر دیا گیا، جو ان کا سلسلہ نسب اور انبیاء علیہم السلام جیسے نیک لوگوں سے تعلق کو مانتے ہیں، کافی ہے۔ تاکہ دونوں جہانوں میں ان کی نجات کی ضمانت ہو۔ اس پر یقین کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی بے عزتی ہے، جیسا کہ یہ تجویز کرے گا کہ وہ تعصب اور یہاں تک کہ نسل پرستانہ رویہ اختیار کرتا ہے جب وہ ایسا نہیں کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس رویہ کے خلاف بارہا تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے واضح طور پر تنبیہ کی ہے کہ اگر کسی شخص میں نیک اعمال کی کمی نہ ہو تو اس کا نسب قیامت کے دن اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔ باب 53 عن نجم، آیت 39:

‘‘اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔’’

اور باب 31 لقمان، آیت 33:

’’ اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔‘‘

لہٰذا ایک مسلمان کو عملی طور پر اپنے نیک بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ وہ ان کے ساتھ آخرت میں شامل ہوں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ نافرمانوں کے نقش قدم پر چلیں گے تو قیامت کے دن ان کے ساتھ جمع ہوں گے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 134:

" یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا، اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔‘‘

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ زبانی اور عمل کے ذریعے اس کی نافرمانی کرنے سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایمان ایک پودے کی طرح ہے جس کی پرورش عمل

سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کی اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کی جائے تو اس کا ایمان بھی مر جائے گا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، اگر کسی شخص میں اچھے اعمال کی کمی ہے تو اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 134:

"یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہ آیت لوگوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنی سستی یا اپنے برے طرز عمل کا جواز پیش کرنے کے لیے اپنے اعمال کا دوسروں کے اعمال سے موازنہ کرنے کی ذہنیت سے بچیں۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مسلسل اپنے طرز عمل کا موازنہ دوسروں کے طرز عمل سے کرتا ہے جو ان سے بدتر دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان جو نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے آپ کو ایک قاتل سے تشبیہ دے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کمی کا جواز پیش کرے گا۔ جیسا کہ آیت 134 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ رویہ ایک بے وقوف انسان کو دنیا میں تو بہتر محسوس کر سکتا ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا کیونکہ کسی شخص سے نہ دوسروں کے طرز عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور نہ ہی اس کا موازنہ کیا جائے گا۔ دوسروں کا طرز عمل .واحد ،معیار جس سے ہر شخص کا موازنہ کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہے۔ اس دور میں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو کتنا سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔

اسی طرح، کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمی کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے، یہ دعویٰ کر کے کہ دوسرے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ مثال کے طور پر، جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے اسے یہ دعویٰ کر کے خود کو بہتر محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ کسی اور کے لیے اپنی توانائی اور وقت اسلامی علم کے مطالعہ کے لیے وقف کرنا آسان ہے کیونکہ وہ صرف جز وقتی کام کرتے ہیں۔ اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ صرف سستی کو ہوا دے گا۔ اس کے بجائے، انسان کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اگرچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں کم اچھے کام کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ مقدار کو نہیں معیار کو دیکھتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 134:

" یہ ایک قوم تھی جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں اپنے طرز عمل پر توجہ دیں کیونکہ قیامت کے دن ان سے یہی سوال کیا جائے گا۔ وہ تمام چیزیں جن کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سابقہ نسلوں کے طرز عمل سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ ان مسائل میں پڑنے سے انسان کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2317 میں ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے ایمان کو بہترین نہیں بنائے گا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز نہ کرے جن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں لہٰذا کسی کے کاروبار کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اسے زندگی کے ہر پہلو پر لاگو کیا جائے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 142-145

۞ سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ مَا وَلَّىٰهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ ٱلَّتِى كَانُوا۟ عَلَيْهَا قُل لِّلَّهِ ٱلْمَشْرِقُ
وَٱلْمَغْرِبُ يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ
شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ
عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَٰنَكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ
بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى ٱلسَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَىٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ وَإِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ
لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

وَلَئِنْ أَتَيْتَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ بِكُلِّ ءَايَةٍ مَّا تَبِعُوا۟ قِبْلَتَكَ وَمَآ أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا
بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ
إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٥﴾

’’لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ کس چیز نے انہیں ان کے قبلے سے ہٹا دیا جس کا وہ رخ کرتے تھے؟ کہہ دو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک درمیانی جماعت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔ اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔ اور بے شک یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہ کرتا۔ بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

ہم نے یقیناً آپ کا چہرہ آسمان کی طرف پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور ہم آپ کو ضرور قبلہ کی طرف پھیریں گے جس سے آپ خوش ہوں گے۔ لہٰذا اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرلو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو)نماز میں (اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔ بیشک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

اور اگر آپ ان کے پاس تمام نشانیاں لے کر آئیں جنہیں کتاب دی گئی ہے تو وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ نہ تم ان کے قبلہ کے پیرو بنو گے۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کے قبلے کے پیروکار ہوں گے۔ پس اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو اس کے بعد کہ جو علم تمہارے پاس آچکا ہے تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔‘‘

عام طور پر، احمق احمقانہ باتیں کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی تقریر کے نتائج کی سنگینی کا علم نہیں رکھتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 142:

''...لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے''

اسلام کی تعلیمات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس رویہ سے بچنا چاہیے تاکہ وہ اپنی بات پر قابو پانے کی اہمیت سے آگاہ ہو جائیں، کیونکہ یہ قیامت کے دن لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم گناہ کی بات ہے، جیسے غیبت، جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ دوسری قسم کی تقریر دنیاوی اور دینی معاملات میں اچھی گفتگو ہے۔ تقریر کی آخری قسم فضول تقریر ہے۔ اگرچہ یہ گناہ نہیں سمجھا جاتا، کوئی بھی کم نہیں، یہ اکثر گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو اکثر دوسروں کی غیبت کا باعث بنتی ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن بڑے افسوس کا باعث ہو گی، خاص طور پر جب وہ اس ممکنہ اجر کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے جب وہ بیہودہ باتوں سے گریز کرتے اور اس کے بجائے فائدہ مند الفاظ بولتے۔ اس لیے گناہ اور لغو باتوں سے بچنا چاہیے، اچھی بات کہنے یا خاموش رہنے سے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اس کی خاموشی کا بھی ثواب ملے گا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

زیر بحث اہم آیات میں مرکزی نقطہ کی تبدیلی کا ذکر ہے جہاں تمام مسلمان نماز ادا کرتے وقت رجوع کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے دوسرے سال تک، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رخ یروشلم میں مسجد اقصیٰ کی طرف ہوتا تھا۔ مکہ میں قیام کے دوران خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے ہوئے یہ حاصل ہوا لیکن مدینہ میں دونوں سمتوں میں صلح نہ ہوسکی اور انہوں نے مکہ کی طرف پیٹھ پھیرتے ہوئے مسجد اقصیٰ کا سامنا کیا۔ لیکن جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کی آرزو کی، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نماز کا رخ مستقل طور پر بدل دیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 248 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

چونکہ ابتدائی نماز کی سمت یروشلم میں مسجد اقصی تھی، اس سے اہل کتاب خوش ہوئے، جیسا کہ ان کی نماز کی سمت بھی تھی۔ درحقیقت، وہ اس بات کو مسلمانوں کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کریں گے کہ وہ سیدھے راستے پر تھے جب انہوں نے اس سمت کا سامنا کیا جس سے اللہ تعالیٰ راضی تھا۔ جب نماز کا رخ مکہ کی طرف تبدیل کیا گیا تو اس نے ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا، جس کی آیت 142 میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 142:

”لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ انہیں ان کے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس کا وہ رخ کرتے تھے؟“

یہ بیان اسلام کی صداقت کو چیلنج کرنے کا بھی ان کا طریقہ تھا، جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو مسلمانوں کو پہلے دن سے ہی صحیح مرکزی سمت کی طرف رہنمائی مل جاتی۔ مطلب، اگر اسلام سچا ہوتا تو انہیں برسوں بعد اپنی نماز کا رخ تبدیل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ چونکہ وہ اکیلا ہی ساری مخلوق کا مالک ہے، اسی لیے وہ فیصلہ کرتا ہے کہ مسلمان اپنی نماز کے لیے کب اور کس سمت کا رخ کریں گے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ یہ سمت ہر روز بدلتی رہے تو اس معاملے میں کسی اور کا کوئی کہنا نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 142:

”کہہ دو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے“۔

اس کے علاوہ، فوکل پوائنٹ صرف نماز کے لیے ایک سمت سے زیادہ ہے۔ درحقیقت یہ مسلمانوں کے لیے ایک نصیحت ہے کہ وہ اپنی نیت، قول اور عمل کو اس سمت میں پھیر دیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جس طرح ان کے جسم نماز کے لیے مکہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔

عام طور پر، جیسا کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے مکمل کنٹرول اور دائرہ اختیار میں ہے، اس لیے انسان کے پاس اس کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ جس طرح ایک شخص کسی خاص ملک کے انچارج حکومت کے مقرر کردہ اصولوں کی تعمیل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اسے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح اگر وہ مشرق اور مغرب کے مالک کے احکام کی تعمیل میں ناکام رہے تو کیا اسے دونوں جہانوں میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ .ایک شخص کسی ملک کو چھوڑنے کے قابل ہو سکتا ہے اگر وہ اس کے قوانین سے راضی نہ ہو لیکن وہ ایسی جگہ فرار نہیں ہو سکے گا جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام اور دائرہ اختیار کا اطلاق نہ ہو۔ لہذا، ایک کو ان کے اپنے مفاد کے لئے، ان قوانین کی تعمیل کرنا ضروری ہے .جو شخص اس حقیقت کو سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی خوشنودی کے لیے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم جیسا کہ آیت 142 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے ، یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے رہنمائی کر رہے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 142:

‘‘وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔’’

باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

،جبکہ جو شخص کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے میں ناکام رہتا ہے، وہ اکیلا ہے اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی نہیں ملے گی۔ اس کے بجائے، ان کے پاس جو دنیاوی چیزیں ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور مصیبت کا باعث بنیں گی، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 142:

’’لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ انہیں ان کے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس کا وہ رخ کرتے تھے؟‘‘

یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ ہر تنقید اس قابل نہیں کہ قبول کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دلائل اور منطق کی بنیاد پر تعمیری تنقید کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں قبول کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ لیکن غیر تعمیری تنقید کو نظر انداز کر دینا چاہیے، خاص طور پر جب وہ اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہو، جب اس کی تائید ثبوت یا منطق سے نہ ہو اور خواہ وہ کسی محبوب کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ جذباتی اور عملی طور پر دوسروں کی غیر تعمیری تنقید سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسے قبول یا رد کرنے سے پہلے اسلام کی تعلیمات، دنیاوی شواہد اور منطق کے خلاف ہونے والی تمام تنقیدوں کا موازنہ کرنا چاہیے ۔ جب تک کوئی اس ذہنیت کو اپنائے گا وہ تعمیری تنقید کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں ان کے طرز عمل میں بہتری آئے گی اور ان کے دنیاوی معاملات میں بہتری آئے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ غیر تعمیری تنقید کو اس سے متاثر ہوئے بغیر کب نظر انداز کرنا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 142:

’’لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ کس چیز نے انہیں ان کے قبلے سے ہٹا دیا جس کا وہ رخ کرتے تھے؟ کہہ دو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے...

عام طور پر، جب بھی کوئی زندگی میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جو اپنے اردگرد کے لوگوں کے راستے سے مختلف ہو، تو یہ اکثر تنقید کا باعث بنے گا، یہاں تک کہ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے بھی۔ جب کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو دوسروں کو ناراضگی محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس سے ان کا راستہ غلط لگتا ہے، چاہے نیا راستہ منتخب کرنے

والا شخص ایسا محسوس نہ کرے۔ اس طرح کے معاملات میں، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، خواہ اس کی وجہ سے انہیں ان لوگوں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے جن سے وہ حمایت کی توقع رکھتے ہیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے والے کو ان کے تمام معاملات میں صحیح رہنمائی، ذہنی سکون اور ان پر تنقید کرنے والوں سے آزادی دی جائے گی، چاہے اس میں کچھ وقت لگے۔ باب 2 البقرہ، آیت 142:

"وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہر ایک کے لیے دستیاب ہے، خواہ کسی بھی دنیاوی چیز سے جو لوگوں کو دوسروں سے الگ کرتی ہو، جیسے سماجی طبقے، جنس اور نسل۔ لیکن صحیح رہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جو اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسلامی علم کو نظر انداز کر دے، خواہ وہ اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرے، تو وہ اس دنیا میں صحیح رہنمائی حاصل نہیں کر سکے گا، کیونکہ ہدایت حاصل کرنے کے لیے حقیقی کوشش، جدوجہد اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے بعد مسلم کمیونٹی کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

"...اور اس طرح ہم نے آپ کو ایک درمیانی برادری بنا دیا ہے"

اسلام اپنے تمام معاملات میں توازن کا درس دیتا ہے۔ ایک ایسا توازن جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق، لوگوں کے حقوق اور ان کے اپنے حقوق کی پوری طرح سے تکمیل کرے، ساتھ ہی ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے تاکہ معاشرے میں عدل و انصاف قائم ہو اور

وہ ذہنی سکون حاصل کرے۔ دونوں جہانوں میں کامیابی اس متوازن طرز عمل کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو دنیا کو ترک کرنے اور صرف آخرت میں کامیابی حاصل کرنے پر توجہ دینے کا درس نہیں دیتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں دنیاوی کامیابی کے حصول پر پوری توجہ مرکوز کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کو عملی طور پر نظر انداز کرنا سکھاتا ہے۔ اس کے بجائے، یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ ان حلال دنیاوی وسائل اور مواقع کا صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں عطا کیے گئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ عام طور ،پر، اگرچہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا حصول تمام لوگوں کا کام ہے، خواہ ان کے عقیدے خواہشات سے قطع نظر، یہ کبھی بھی صرف لوگوں کے پاس موجود علم کی بنیاد پر حاصل نہیں کیا ،جا سکتا۔ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کے مطالعہ میں خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ ہو جائے وہ کبھی بھی ان سب کا احاطہ نہیں کر سکیں گے۔ یہ علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جیسا کہ اس نے ،انسان کو تخلیق کیا ہے۔ لہٰذا ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت، جو ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے، جو کہ قرآن پاک اور نبی . کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ہیں۔

:باب 2 البقرہ، آیت 143

"...اور اس طرح ہم نے آپ کو ایک درمیانی برادری بنا دیا ہے"

اسلام نے ایک متوازن مذہب کی تشکیل کے لیے پچھلی قوموں کے انتہائی رویوں کو درست کیا۔ مثال کے طور پر، کچھ مذاہب نے ایک غیر فعال ذہنیت کو اپنایا جس کے تحت وہ اپنا دفاع کرنے میں بھی ناکام رہے اور ان پر ظلم کیا جا رہا تھا۔ دوسرے مذاہب نے سخت رویہ اپنایا جس کی وجہ سے تفرقہ ،پیدا ہوا۔ کچھ مذاہب اچھے اخلاق کو اپنانے میں انتہا پسند ہو گئے لیکن پھر بھی قانون کو چھوڑ دیا ،اور دوسرے مذاہب نے اس کے برعکس کیا۔ کچھ مذاہب نے پوری توجہ اس دنیا پر مرکوز رکھی جبکہ کچھ نے صرف آخرت کی فکر کرنا سکھایا۔ یہ سب، اور اس سے زیادہ، انتہائی رویوں کو جو وقت کے ساتھ ساتھ اختراع کیے گئے تھے، اسلام نے درست کر دیا۔ اس نے لوگوں کو عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی تعلیم دے کر حاصل کیا تاکہ وہ دماغ اور جسم کی متوازن حالت حاصل کر سکیں جس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ جب بھی

کوئی اس طرزِ عمل کو ترک کرتا ہے تو وہ آخر کار ایک انتہائی رویہ اختیار کر لیتا ہے، جو دماغ اور جسم کی غیر متوازن حالت کا باعث بنتا ہے، جو کہ انسان کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر مسلم کمیونٹی کے مزید کردار کا خاکہ پیش کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

"اور اس طرح ہم نے تم کو ایک درمیانی [متوازن] جماعت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے۔ "

مسلم قوم صرف اسی وقت باقی بنی نوع انسان پر گواہ سمجھی جا سکتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے سفیر کے طور پر اپنا کردار ادا کریں۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

" تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے [مثال کے طور پر] پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو...

اس میں باقی بنی نوع انسان کے لیے ایک رول ماڈل بننا شامل ہے تاکہ وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی سچائی کو پہچان سکیں۔ ایک مسلمان کو یہ تب ہی حاصل ہو گا جب وہ اپنے کردار، قول و فعل کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ڈھالیں۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ اسلام کی غلط تشریح کرے گا اور اس کے نتیجے میں وہ غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلام سے ناگوار گزرے گا۔ ایک مسلمان نے اسلام کے سفیر کی حیثیت سے ان کے کردار کو اسی لمحے قبول کیا جب انہوں نے اسلام کو اپنا ایمان تسلیم کیا اور اگر وہ اسے پورا نہ کر سکے تو دنیا اور آخرت میں اپنی ناکامی کا جواب دیں گے۔ اس کی طرف آیت 143 کے اگلے حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

‘‘کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔’’

جس طرح بادشاہ کے سفیر کو برطرف کیا جائے گا اگر وہ بادشاہ کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکام رہے، اسی طرح مسلمان کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکام رہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے مکہ میں مسجد الحرام کی طرف مسلمانوں کے مرکزی رخ کو تبدیل کرنے کی ایک وجہ بیان کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

’’اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر اس لیے کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔‘‘

امتحان بہت آسان ہے کہ آیا کوئی شخص جس سمت میں بھی چلے گا اس کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ، ان کو اپنی سچی اطاعت کے ساتھ پھیرتا ہے یا نہیں۔ یہ امتحان اسلامی تعلیمات میں دیے گئے ہر حکم ممانعت اور نصیحت پر لاگو ہوتا ہے۔ جو لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے زبانی اعلانِ ایمان کی حمایت کرتے ہیں، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوں گے، خواہ وہ ان کی خواہشات یا دوسرے لوگوں کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جبکہ جو شخص صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب وہ اس کے لیے مناسب ہو۔ اس لیے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات میں دیے گئے احکامات، ممانعتوں اور نصیحتوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے تاکہ رویوں میں اس فرق کو واضح کیا جا سکے۔ ہر حال میں اپنی سچی

،اطاعت کو برقرار رکھنا ایک حقیقی مومن کی نشانی ہے جو صحیح رہنمائی کا پابند ہے۔ باب 2 البقرہ
آیت 143:

اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے‘‘۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 143:

اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر اس لیے کہ ہم یہ ظاہر کر دیں’’
‘‘کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔

اس امتحان کا ایک اور پہلو یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب اہل کتاب کی طرف سے مرکزی نقطہ کی تبدیلی کو چیلنج کیا گیا تو کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، فوکل پوائنٹ کی تبدیلی کو غلط طور پر اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا گیا کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، جیسا کہ y کا دعویٰ تھا کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو پہلے دن سے ہی صحیح فوکل پوائنٹ کا انتخاب کیا جاتا۔ لیکن وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ فوکل پوائنٹ میں تبدیلی محض یہ دیکھنے کا امتحان ہے کہ کون مانے گا اور کون نافرمانی کرے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 143:

اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے‘‘۔

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن اہل کتاب نے اسلام قبول کیا یا جو اسلام قبول کرنے پر غور کر رہے تھے ان کے لیے یہ مشکل ہو گی کیونکہ وہ اسلام کے آنے سے پہلے اپنی نماز کے لیے یروشلم کا رخ کرنے کے عادی تھے۔ لیکن اگر وہ حق پر ثابت قدم رہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں صحیح ہدایت نصیب ہوتی۔

باب 2 البقرہ، آیت 143:

’’اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا ۔ اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے..."

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کا مرکز مکہ بدل گیا تو ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مدینہ ہجرت کے بعد ان کا مکہ کے غیر مسلموں سے میل جول اور جدوجہد ختم نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے مرکز کا انتخاب نہیں کرے گا جو بت پرستوں کے ہاتھ میں رہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کو بحال کرنے کے لیے مکہ کے غیر مسلموں کو چیلنج کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر، کعبہ اور مکہ کو پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مینارہ بنانے کا۔ اس جدوجہد کو قبول کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بلاشبہ مشکل تھا، خاص طور پر کئی سالوں کے ظلم و ستم کے بعد جب وہ مکہ کے غیر مسلموں کے ہاتھوں نشانہ بنے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی حیثیت سے اپنے کردار کو قبول کیا تو وہ اس کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہے اور جو راستہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے منتخب کیا تھا اس کی پیروی کی۔ عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو یہ ثابت قدمی اختیار کرنی چاہیے کہ وہ صحیح راستے، قرآن پاک کے راستے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہر وقت

ثابت قدم رہیں، چاہے یہ راستہ کہیں بھی کیوں نہ جائے۔ انہیں اور راستے میں جو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرز عمل سے ہی انسان کو سکون قلب اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کیا تھا۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 143:

’’اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔ اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے..."

مرکزی نقطہ میں اس تبدیلی کا ایک مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ کون غیر منطقی تعصبات میں اندھا ہو کر زمین اور خون سے بے وقوفانہ وابستگیوں میں جکڑا ہوا ہے اور جو خود کو ان بندھنوں سے آزاد کر کے ان گھٹیا رویوں سے اوپر اٹھ کر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور حق پر قائم رہیں، جس طرف بھی یہ انہیں لے گیا۔

ایک طرف عرب تھے جو اپنے قومی اور نسلی تکبر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے لیے، یروشلم کو اپنے مرکزی نقطہ کے طور پر لینا، جو کہ اصل مرکزی سمت تھی، ان کے قومی باطل پر ایک ایسا دھچکا تھا جسے آسانی سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف، اہل کتاب بنیادی طور پر مختلف نہیں تھے۔ وہ بھی نسلی تفاخر کے جنون میں مبتلا تھے کہ ان کے لیے اس مرکزی نقطہ کے علاوہ

کسی اور چیز کو قبول کرنا مشکل تھا جو انہیں ماضی سے وراثت میں ملا تھا۔ جن لوگوں کے دل ایسے بتوں سے بھرے ہوئے تھے وہ اللہ کی بندگی کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایسے بتوں کی پرستش کرنے والے سب سے پہلے یروشلم کو مرکز بنا کر اس کے حقیقی پرستاروں سے ممتاز ہیں۔ اس سے عرب اور اس کے رسوم و رواج کی پرستش کرنے والے تمام لوگوں کو الگ کر دینا تھا۔ بعد میں، مکہ کی طرف مرکزی نقطہ بدلنا ان لوگوں کی بیگانگی کا باعث بنا جو اسرائیل کے بت کی پرستش میں مگن تھے۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت اور اطاعت نہیں کرتے تھے۔

،لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، ہر حال میں قوم پرستی، قبائلی وابستگی، بھائی چارے اور آپس کے رشتوں پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو ترجیح دیں۔ رشتہ داری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کا رخ بدل گیا تو سے دریافت کیا کہ کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز جن کا انتقال ہونے سے پہلے ہی ہو گیا تھا؟ دعا کی سمت میں، قبول ہو جائے گا .اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ البقرہ آیت 143 نازل فرمائی:

اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہیں کرے گا]یعنی آپ کی پچھلی نمازیں[۔ بے'' ''شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اس کا تذکرہ صحیح بخاری نمبر 40 میں موجود حدیث میں آیا ہے ۔ سب سے پہلی چیز جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک دوسرے کے لیے اخلاص ہے وہ ہے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی کامیابی کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اس طرح دوسروں کے لیے مخلص ہونا اسلام کا ایک لازمی پہلو ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خود پسندانہ رویہ

سے اوپر اٹھے جس کے تحت وہ صرف اپنی بھلائی یا اپنے پیاروں کی بھلائی کا خیال رکھتا ہو۔ .ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ اخلاص اختیار کرے خواہ ان کا تعلق ان کے ساتھ کچھ بھی ہو۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مومن کی یہی تعریف ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 143:

اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہیں کرے گا]یعنی آپ کی پچھلی نمازیں[۔ بے ’’شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نماز کی جگہ ایمان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کو قائم کیے بغیر کوئی سچا ایمان نہیں رکھ سکتا۔ یہ، ایک بار پھر، اپنے ایمان کو عمل میں لانے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اکیلے ایمان کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب تک کہ اسے جسمانی اعمال سے مدد نہ ملے۔ لفظ مسلم کی تعریف ہی سے مراد وہ ہے جس نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو۔ اس لیے اپنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنے کے گمراہ کن رویہ سے بچنا چاہیے اور اپنے عمل میں اسے ظاہر کرنے میں ناکام رہنا چاہیے۔ ان اعمال میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اپنے ایمان کو درست کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے اس کے کھو جانے سے ڈرنا چاہیے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جائے گا، اسی طرح اس مسلمان کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو اپنے ایمان کی پرورش اطاعت کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ جیسا کہ آیت 143 کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے، اطمینان قلب اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری اطاعت کے اعمال، ہر شخص کی طاقت اور اسباب کے اندر ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر کبھی بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس سے زیادہ جو وہ برداشت کر سکتے ہیں، چاہے ان میں حکم، ممانعت، مشورہ یا ٹیسٹ شامل ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 143:

‘‘بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔’’

اس کے علاوہ نیک اعمال کرنے کی طاقت، موقع، صلاحیت، علم اور الہام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس بات کو یاد رکھنے سے انسان کو اپنی اطاعت پر فخر کرنے سے روکنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

‘‘بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔’’

اللہ تعالیٰ پھر ان ذرائع کی وضاحت کرتا ہے جن میں مسلمانوں کا مرکز یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے مکہ میں مسجد الحرام میں تبدیل کیا گیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

ہم نے یقیناً آپ کا چہرہ آسمان کی طرف پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور ہم آپ کو ضرور قبلہ کی طرف پھیریں گے جس سے آپ خوش ہوں گے۔ لہٰذا اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرلو۔ ''

یہ ایک اور مقام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبے کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ مرکزی نقطہ اللہ کا گھر ہو، جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عظیم درجہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوا، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دیتے، اس کی طرف رخ کرتے۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ یا سستی کے آثار دکھائے ان کی ہر نیت، قول اور فعل کا رخ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف تھا۔ اس معاملے میں، اس نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ وہ اس پر راضی تھا جو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور سستی کے اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنی نیت، قول اور فعل کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرے اور اسے سیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر راضی ہونا ، بجائے اس کے کہ وہ اپنی خواہشات کو بتانے میں جلدی کریں، جیسا کہ انسان کی خواہشات اکثر اسے مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔ دونوں جہانوں میں ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس بات پر بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی ان کے لیے چنتا ہے وہ سب سے بہتر ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے دنیاوی چیزیں مانگنے سے باز آنا بھی شامل ہے، کیونکہ ایک عقلمند مسلمان یہ نہیں جانتا کہ ان کی خواہش ان کے لیے بہتر ہے یا نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس کے بجائے، وہ عمومی دنیاوی خیر خواہی کے لیے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ کے لیے خصوصیت کو چھوڑ دیں، جو ان کے لیے بہتر جانتا ہے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے پر بھروسہ کرتا ہے، اسے قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ

جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 201:

ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت لیکن میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ ہمیشہ اس راستے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے جو ان کو خوش کرتا ہے، اگرچہ یہ راستہ ان کے لیے پہلے سے واضح نہ تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ سمت جس نے اسے خوش کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

’’…اور ہم ضرور آپ کو قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ خوش ہوں گے ‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے اس طرزِ عمل کی طرف آپ کے طرزِ عمل کی طرف اشارہ آیت 144 کے اگلے حصے میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ آیت 144:

’’اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔ ‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب پر ان کی نکتہ چینی کی وجہ سے مرکزی نکتہ کی تبدیلی پر تنقید کرتا ہے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آخری قوم یعنی مسلم قوم کا مرکزی نقطہ ہمیشہ اللہ کا گھر ہے۔ کعبہ، مکہ میں، جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

’’بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے [یہود و نصاریٰ] خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔‘‘

انہیں اپنی الہامی تعلیمات سے چیری چننے کی عادت تھی کہ کس پر عمل کرنا ہے اور کس چیز کو نظر انداز کرنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 85:

"... تو کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض پر کفر کرتے ہو؟ تو تم میں سے جو ایسا کرتے ہیں ان کی سزا موجودہ زندگی میں رسوائی کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ اور قیامت کے دن انہیں سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔‘‘

ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں رسوائی کا باعث ہے۔ اس کے بجائے، انہیں چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے اسلام کی تمام تعلیمات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں، خواہ ان کی خواہشات کو چیلنج کیا جائے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت سے بیوقوف نہیں بننا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کو ان کے گناہوں کی فوری سزا نہیں دیتا تاکہ انہیں توبہ اور اصلاح کا موقع فراہم کیا جا سکے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

"اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

جیسا کہ اس آیت میں واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی گئی مہلت محدود ہے اور جو مہلت دی گئی ہے اسے استعمال کرنے میں ناکام رہے تو اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے پہلے صرف وقت کی بات ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

‘‘اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب کی ضدی فطرت پر روشنی ڈالی جنہوں نے اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے سے انکار کردیا باوجود اس کے کہ انہوں نے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا جیسا کہ ان دونوں کے پاس تھا۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

:اور باب 2 البقرہ، آیت 146

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو’’ جانتے ہیں‘‘۔

:باب 2 البقرہ، آیت 145

اور اگر تم ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی ہر نشانی لے کر آؤ تو وہ تمہارے قبلے کی " پیروی نہیں کریں گے۔ نہ تم ان کے قبلہ کے پیرو بنو گے۔ اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے قبلہ کے "...پیرو ہوں گے

انہوں نے صرف اس طرح کا برتاؤ کیا جب اسلام نے ان کی دنیاوی خواہشات کو چیلنج کیا اور انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے روکا جو انہیں ان کی خوشنودی کے لیے دی گئی تھیں اور جیسا کہ انہیں خدشہ تھا کہ اسلام ان کے معاشرے میں جو اعلیٰ سماجی مقام حاصل کر چکا تھا اسے ختم کر دے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 145

اور اگر تم ان لوگوں کے پاس تمام نشانیاں لے کر آؤ جنہیں کتاب دی گئی تھی، تو وہ تمہارے قبلے "
"کی پیروی نہیں کریں گے۔

آیت کا یہ حصہ مسلمانوں کو متنبہ بھی کرتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو حقیقت بیان کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں جس نے پہلے ہی اپنا ذہن بنا رکھا ہے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ توجہ اور دیکھ بھال کا مستحق صرف وہی ہے جو کھلے ذہن کے ساتھ ہر صورت حال سے رجوع کرتا ہے اور سچائی کو سمجھنے اور قبول کرنے کی حقیقی خواہش رکھتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے وقت وقف کرنا جنہوں نے پہلے ہی اپنا ذہن بنا لیا ہے صرف غیر تعمیری بحثوں اور دلائل کا باعث بنتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 145:

’’نہ ہی تم ان کے قبلہ کے پیرو بنو گے۔ ‘‘

آیت کا یہ حصہ مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ دوسرے معاشروں کو خوش کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات پر سمجھوتہ نہ کریں۔ دوسرے معاشروں کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آنے میں، جس چیز کا اسلام حکم دیتا ہے، اور دوسرے معاشروں کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے میں بڑا فرق ہے۔

ہدایت کے دو ماخذ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کردہ ضابطہ اخلاق پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے ۔ دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کرنا چاہیے، خواہ وہ اچھے اعمال کی طرف لے جائیں، جیسا کہ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 145:

نہ ہی وہ ایک دوسرے کے قبلہ کے پیروکار ہوں گے‘‘۔’’

اس کے علاوہ، آیت کا یہ حصہ اس بات پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ اہل کتاب کے دو ارکان، یہود و نصاریٰ، کبھی بھی صحیح معنوں میں متحد نہیں ہوں گے، خواہ باقی دنیا میں ایسا کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے درمیان جو بھی رشتہ بناتے ہیں وہ ہمیشہ دنیاوی فائدے پر مبنی ہوتا ہے، جیسے کہ دولت اور طاقت۔ چونکہ دنیاوی چیزیں فطرتاً چست ہوتی ہیں، اس لیے دنیاوی چیزوں پر مبنی تمام بندھن وقت کے گزرنے اور حالات کے بدلنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ تاریخ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب مضبوط اتحادی بالآخر دشمن بن گئے کیونکہ وقت گزرنے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان کے درمیان دنیاوی دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس رویے سے بچنا چاہیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، جو آپس میں متحد رہے کیونکہ ان کا رشتہ دنیاوی چیزوں پر نہیں بلکہ ایمان پر تھا۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایمان کے بندھن کو دیگر تمام بندھنوں، یہاں تک کہ خاندانی بندھنوں پر ترجیح دینی چاہیے، کیونکہ یہ ان کے درمیان اتحاد کا باعث بنے گا، کیونکہ ان سب کا مشترکہ مقصد ہے، قرآن پاک پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ جب کسی گروہ کا مشترکہ مقصد ہو تو وہ ہر حال میں متحد رہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایک گہری خاص اور عمومی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چونکہ اہل کتاب صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے، جیسا کہ وہ چیری نے چن لیا تھا کہ کن آسمانی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، کن میں ترمیم کرنی ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے، ان کا ایمان اپنی خواہشات کی پرستش کے علاوہ کسی چیز پر مبنی نہیں تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 145:

‘‘تو اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو۔’’

اللہ تعالیٰ نے ان کے مذہب یا عقیدے کی پیروی سے خبردار نہیں کیا، بلکہ اس نے ان کے ایمان اور طرز زندگی کی سچائی کی طرف اشارہ کیا کہ اس کی بنیاد ان کی خواہشات کی عبادت کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اس دنیا میں زندگی کے دو ہی راستے ہیں۔ صحیح راستہ اور طرزِ زندگی میں شامل ہے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جو نعمتیں اس کی رضامندی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .یہ راستے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

دوسرا راستہ اپنی خواہشات کی عبادت کا راستہ ہے۔ یہ راستہ کئی شکلیں لے سکتا ہے لیکن ان شکلوں کا جوہر ایک ہی ہے۔ یہ کسی کے مذہب کی تعلیمات، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت اور دوسرے لوگوں کی اطاعت اور پیروی سے چیری چننے کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ان سب کا نچوڑ اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کو پورا کرنا ہے۔ یہ راستہ دونوں جہانوں میں مصائب، مشکلات اور

پریشانیوں کی طرف لے جاتا ہے، خواہ کسی کو تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا ہو اور خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ان دونوں راستوں کا خلاصہ آیت 145 کے آخر میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 145:

پس اگر تم علم کے آنے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کرو تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ ’’ گے۔‘‘

یہ ہر شخص پر منحصر ہے کہ وہ تاریخ اور اپنے اردگرد کے لوگوں کا مشاہدہ کرے تاکہ اس بحث کی سچائی کو سمجھے اور پھر فیصلہ کرے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ اختیار کرے، کیونکہ کوئی بھی اپنی پسند اور عمل کے نتائج کا سامنا کرنے سے بچ نہیں پائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 147-146

ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَعۡرِفُونَهُۥ كَمَا يَعۡرِفُونَ أَبۡنَآءَهُمۡۖ وَإِنَّ فَرِيقٗا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُونَ ٱلۡحَقَّ
وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ١٤٦

ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكَۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡمُمۡتَرِينَ ١٤٧

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ البتہ ان میں سے ایک جماعت حق کو چھپاتی ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

حق تیرے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔“

ان آیات کے پہلے حصے کو مختلف چیزوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔’’

اسم ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اہل کتاب کے علما کو اسی طرح معلوم تھی جس طرح ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات جو تورات میں درج ہیں ان کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2125 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔ اہل کتاب سے علماء۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔’’

اسم ضمیر سے اس کا مطلب بھی ہو سکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن کریم کا حوالہ دے رہا ہو۔ اہل کتاب کے علماء نے قرآن مجید کو اس لیے پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ ایک شخص جو کسی خاص مصنف سے واقف ہے وہ آسانی سے ان کے کام کو پہچانتا ہے۔

اس کے علاوہ سابقہ آسمانی صحیفوں میں بھی قرآن پاک پر بحث کی گئی۔ لیکن پھر اس علم کو اہل کتاب سے بعض اہل علم نے چھپایا اور تدوین کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔’’

جیسا کہ پچھلی آیات میں مرکزی نقطہ کی تبدیلی پر بحث کی گئی تھی اور یہ حقیقت اہل کتاب کو کس طرح معلوم ہوئی تھی، اسم ضمیر جس کا مطلب ہو سکتا ہے، مسلمانوں کے آخری مرکز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے، جو ایوان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی، مسجد الحرام، مکہ میں۔ لیکن پھر اس علم کو اہل کتاب سے بعض اہل علم نے چھپایا اور تدوین کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

ہر معاملے میں اہل کتاب میں سے علماء کے اسلام کو رد کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان کے طرز زندگی کو چیلنج کیا۔ انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی عادت تھی جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ اپنے لیے راضی تھے اور اسلام نے اس کو چیلنج کیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی کے لیے ان کا صحیح استعمال کریں۔ اس کے علاوہ اسلام کے آنے سے ان کی اعلیٰ سماجی حیثیت بھی ختم ہو جائے گی جو انہیں اپنے معاشرے میں حاصل تھی۔ مزید برآں چونکہ اہل کتاب بالخصوص یہودیوں کا عقیدہ حسب و نسب پر مرکوز تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اور پیروی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ان سے مختلف نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر وہ اسے قبول کرتے اور اس کی پیروی کرتے تو اس سے ان کے نسب کی وجہ سے باقی بنی نوع انسان سے برتر ہونے کے ان کے جھوٹے دعوے کو ختم کر دیا جاتا۔ یہ بات وہ قبول نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے ان حصوں کو نظر انداز کرنے کے اس رویے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تمام تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے ،اور ان پر اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے چاہے وہ ان کے پیچھے موجود حکمت کو نہ سمجھ سکے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض دل اور جسم کو سکون حاصل کرے گا، اسی طرح وہ مسلمان جو سچے دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرے گا جو اس کی رضامندی کے لیے قرآن پاک اور روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خواہ یہ طرز عمل ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو شخص جان بوجھ کر اس بات کا انتخاب کرتا ہے کہ کن اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے، وہ ان دنیاوی نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مصائب اور مشکلات کا باعث بنے گا، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو سے نہیں بچ سکتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

:باب 9 توبہ آیت 82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 146

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

عام طور پر، ایک مسلمان کو مفید علم کو دوسروں سے چھپانے کے اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص بغیر کسی وآلہ وسلم نے جواز کے علم کو چھپائے گا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے حاصل کردہ مفید علم کو دوسروں کے ساتھ بانٹیں۔ نہ کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ہے جو مرنے کے بعد بھی مسلمان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مفید علم بانٹنا چاہیے بلکہ ہر وقت سچائی پر عمل کرنا چاہیے۔ انہیں اپنی نیت میں سچائی اختیار کرنی چاہیے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کر کے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بات میں سچائی کو اپنائیں، تاکہ وہ صرف وہی بات کریں جو اچھی اور سچی ہو یا خاموش رہیں۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال میں سچائی کو اپناتے ہوئے ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے فراہم کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کا برتاؤ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا لکھا جائے گا۔ جبکہ جو شخص اپنی نیت، قول اور فعل میں جھوٹ کو اپنائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس بات کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن بہت بڑا جھوٹا لکھا ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

یہ اس وقت بھی ہو سکتا ہے جب کسی کے پاس علم ہو لیکن وہ اس پر عمل کرنے میں ناکام ہو۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلامی اور دنیاوی علم اسی وقت مفید ہے جب کوئی اس پر عمل کرے، ورنہ اسلام کی نظر میں اس کی بہت کم اہمیت ہے۔ جس طرح حفاظت کے راستے کا علم حاصل کرنا کسی کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ وہ اس راستے پر چل کر سلامتی تک نہ پہنچ جائے،

اسی طرح اسلامی علم اس پر عمل نہ کرنے پر ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 146:

لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔ ’’

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام اہل کتاب نے ایسا سلوک نہیں کیا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس گروپ کے کچھ ارکان کے اعمال کی بنیاد پر پورے گروپ کا فیصلہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ یہ اکثر امتیازی سلوک کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ نسل پرستی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ دوسروں کے اعمال کی وجہ سے اسلام کی حقانیت پر شک میں نہ پڑیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 147:

‘‘حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔’’

عام طور پر، یہ ایک غیر مسلم کے لیے عام فہم ہے اور ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو دوسرے لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر پرکھنے سے گریز کرے۔ اس کے بجائے، ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات، اور کسی بھی دنیاوی معاملے کو کھلے ذہن کے ساتھ سمجھے اور اس موضوع پر مستند ماخذ سے تحقیق کرے تاکہ وہ خود اس بات کا تعین کر سکے کہ آیا یہ سچ ہے یا نہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے جاہل مسلمان دوسرے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں جن کے پاس قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ غلط سلوک کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اس قسم کے طرز عمل کی تعلیم دیتا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے عذر کو کبھی قبول نہیں کرے گا جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے جیسا کہ انہیں دوسرے لوگوں نے ایسا کرنے سے روک دیا تھا جنہوں نے اسلام کی غلط تشریح کی۔ ہر فرد ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے لیے سچائی کی تلاش اور شناخت کرنے کے لیے دی گئی عقل کو استعمال کرے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو دوسرے لوگوں کے سامنے اسلام کی غلط تشریح سے گریز کرنا چاہیے تاکہ وہ انہیں اسلام کے بارے میں سیکھنے سے باز رکھیں۔ ہر مسلمان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے اور اس لیے وہ اس فرض کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ فریضہ اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اپنے کردار میں تبدیلی لائے تاکہ دوسرے اپنے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان سکیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 147:

''حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔''

لوگ، جیسے رشتہ دار اور دوست، اکثر ایک مسلمان کو اس شک میں مبتلا کر سکتے ہیں کہ آیا اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ اپنے ساتھیوں کا انتخاب دانشمندی سے کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان سے متاثر ہوں گے، مثبت یا منفی۔ لاعلمی کی وجہ سے، کوئی

رشتہ دار یا دوست دوسروں کو اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے روک سکتا ہے جب کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھی کو مخلصانہ مشورہ دے رہے ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے اور عام طور پر ایمان کی کمزوری پر قابو پانے کے لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ ایمان کا یقین حاصل کر سکے۔ علم کے ذریعے مسلمان بری صحبت کو اچھی صحبت سے اور بری نصیحت کو اچھی نصیحت سے الگ کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، یقین کا یقین انہیں اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور مشورے پر شک کرنے سے روکے گا، خاص طور پر جب وہ مشکلات کا سامنا کریں۔ اس کے بجائے، یقین کا یقین انہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ آسانی کے وقت، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ اور مشکل کے وقت، وہ اللہ کو جانتے ہوئے صبر کرتے رہیں گے، وہ صرف وہی چنتا ہے جو بہتر ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے فعل یا بات سے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ لہٰذا یقین کی بدولت انسان کو ہر حال میں ثواب اور ذہنی سکون ملے گا۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ایمان کا یقین اسلامی علم سے جڑا ہوا ہے، یہ عادت سے حاصل نہیں ہوتا، جیسے کہ کئی سالوں سے پانچ وقت کی فرض نمازیں ادا کرنا۔

باب 2 البقرہ، آیت 147:

”حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔“

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر

کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

باب 2 - البقرہ، آیات 148-150

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللَّهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي
وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف ان کا سامنا ہے۔ پس]وہ سب [اچھائی کی طرف" دوڑو۔ تم جہاں کہیں بھی رہو گے، اللہ تم سب کو)فیصلے کے لیے (اکٹھا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس تم جہاں سے بھی نکلو)نماز کے لیے (اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف کر لیا کرو، بے شک یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اور تم جہاں سے بھی نکلو]نماز کے لیے [اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اس کی طرف کرلو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر کوئی حجت نہ رہے سوائے ان میں سے جو ظالم ہیں۔ پس ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

،ہر ایک، چاہے ان کے عقائد سے قطع نظر، ایک سمت ہوتی ہے جس میں اس کا سامنا ہوتا ہے، مطلب زندگی کا ایک خاص راستہ جس کا اس نے انتخاب کیا ہے۔ کچھ نے دنیاوی چیزوں کا سامنا کرنے اور اپنے آپ کو وقف کرنے کا انتخاب کیا ہے، جیسے کہ شہرت، قسمت، اختیار، خاندان یا دوست۔ اگرچہ ہر شخص کی سمت دوسروں سے مختلف ہوتی ہے، کوئی بھی کم نہیں، وہ سب ایک ہی چیز کی تلاش میں ہیں، ذہنی سکون۔ ہر شخص کو ایک خاص سمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ زندگی میں ایک خاص راستے کا انتخاب کرتا ہے کیونکہ وہ حقیقی طور پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ انہیں ذہنی سکون کی طرف لے جائے گا۔ اس دنیا میں ہر مقصد اور مقصد کے پیچھے ہمیشہ سے یہی آخری مقصد رہا ہے۔ مثال کے طور پر، لوگ دولت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اس کے پاس رکھنے سے ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 148:

"...ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے"

،لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ، اکیلا، کائنات کو کنٹرول کرتا ہے، اور خاص طور پر لوگوں کے روحانی دلوں ذہنی سکون کا گھر، وہ اکیلا ہی یہ طے کرتا ہے کہ ذہنی سکون کس کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ لوگوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس سمت کا سامنا کریں جس سے دونوں جہانوں میں فائدہ ہو، یعنی اپنے وسائل کو ان چیزوں کے لیے وقف کریں جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 148:

"...تو]وہ سب کچھ [اچھائی کی طرف دوڑو ..."

جیسا کہ اس نیکی کو عام چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک فرد خواہ اس کی سماجی حیثیت یا دنیاوی چیزیں اسے عطا کی گئی ہوں، اس نیکی

کو حاصل کر سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہو۔ کوئی بھی اس موقع سے مستثنیٰ نہیں ہے، کیونکہ اس کا انحصار بہت سی دنیاوی چیزوں پر نہیں ہے ، جیسے کہ دولت۔ اس میں صرف یہ شامل ہے کہ جو بھی نعمتیں کسی کو عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنا، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ کوئی بھی راستہ اختیار کرنے کے لیے اور اپنے وسائل کو بھی وقف کرنے کے لیے، خواہ یہ رخ دنیاوی چیزوں کی طرف ہو یا یہ رخ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف ہو، دونوں جہانوں میں انہیں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ کوئی چیز قابو سے نہیں بچ سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا اختیار۔ باب 2 البقرہ، آیت 148:

‘‘تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تم سب کو ایک ساتھ باہر لائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔’’

جو شخص اپنی کوششوں اور وسائل کو دنیاوی چیزوں کا سامنا کرنے کا انتخاب کرتا ہے وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ دونوں جہانوں میں مصائب، مشکلات اور تناؤ کو حاصل کریں گے، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہوتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ جو شخص اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کرتے ہوئے اس سمت کا سامنا کرتا ہے جس سے ،اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنے عطا کردہ وسائل کو اس کی خوشنودی کے لیے وقف کر دے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، وہ ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ اور دونوں جہانوں میں :کامیابی باب 16 النحل، آیت 97

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اس لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بہتر ہے اور ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، باوجود اس کے کہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ اور ایک سخت غذا کی منصوبہ بندی.

:باب 2 البقرہ، آیت 148

"...ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف ان کا سامنا ہے۔ تو]وہ سب [اچھائی کی طرف دوڑو"

زندگی کی ہر سمت اور جدوجہد کے پیچھے ایک ارادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ نیت درست کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے کیونکہ یہی نیت دونوں جہانوں کی بھلائی کا ذریعہ ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام کی باطنی بنیاد انسان کی نیت ہے۔ اگر یہ باطنی بنیاد خراب ہے تو جو کچھ اس سے نکلے گا وہ خراب ہو جائے گا۔ جو شخص دیگر وجوہات کی بنا پر عمل کرتا ہے اسے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان چیزوں اور لوگوں سے اپنا اجر حاصل کرے جن کو انہوں نے خوش کرنے کے لیے کیا ہے، جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ صحیح نیت اختیار کرنے کی ایک اچھی علامت یہ ہے کہ انسان کو لوگوں سے کسی اجر یا احسان کی امید نہ ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 148:

"...ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف ان کا سامنا ہے۔ تو]وہ سب [اچھائی کی طرف دوڑو"

خاص طور پر اس آیت میں جن نیکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد فرض نمازیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال کا نچوڑ فرض نمازیں ہیں۔ ان کے بغیر ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی عام طور پر ممکن نہیں ہے۔ یہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور فرض نمازوں کو قرآن مجید میں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیال کیا ہے، یہ ان کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے اور اس حقیقت کے لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں متنبہ کیا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2618 کہ عقیدہ اور کفر میں فرق فرض نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے، ان میں سب سے اہم نماز فرض ہے۔ جس طرح ایک پودا جو پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جائے گا، اسی طرح اس مسلمان کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے جو اپنے ایمان کی پرورش فرض نماز جیسے اعمال سے نہیں کر سکتا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ باب 74 المدثر، آیات 42-43:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے" والوں میں سے نہیں تھے۔

باب 2 البقرہ، آیت 148:

"...تو]وہ سب [اچھائی کی طرف دوڑو..."

اس آیت میں نیک کاموں میں جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اس دنیا میں لوگوں کا وقت انتہائی محدود ہے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 35:

جس دن وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے" سوا]دنیا میں [ٹھہرے ہی نہیں تھے۔"

لہٰذا مسلمانوں کو شیطان کے سب سے بڑے پھندے یعنی نیک کاموں میں تاخیر سے بچنا چاہیے۔ چونکہ اس دنیا میں کسی کی عمر معلوم نہیں ہے، اس لیے ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر موقع اور وسائل کو صحیح طریقے سے استعمال کرے تاکہ وہ ذہنی سکون کے ذریعے دونوں جہانوں میں اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ انہیں اسلامی تعلیمات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں بعد کی تاریخ تک تاخیر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ وہ اس مستقبل کی تاریخ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور یہ

تاخیر انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گی جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جو دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتی ہیں۔

زندگی کی عمومی سمت کی نشاندہی کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ، جس کا سامنا انسان کو ہوتا ہے، پھر نماز کے دوران ایک خاص سمت، جو مسلمانوں کا مرکز و محور ہوتا ہے، کا ذکر کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 149:

"پس تم جہاں سے بھی نکلو)نماز کے لیے (اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرو، بے شک یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔"

اس خاص سمت، جس کا مسلمانوں کو دن میں کم از کم پانچ بار سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے ان کو اس عمومی سمت کی یاد دلانا ہے جس کا سامنا وہ اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کے دوران کرتے ہیں۔ یہ پانچوں فرض نمازوں کو دن میں پھیلانے کا ایک بڑا فائدہ ہے۔ جب بھی کوئی دنیاوی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کو ان کے لیے وقف کرنا شروع کر دیتا ہے تو اگلی فرض نماز جس کے دوران ان کا رخ بیت اللہ، مسجد الحرام کی طرف ہوتا ہے، اس کا مقصد ان کے طرز عمل کو درست کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ان کے لیے مشکلات کا سامنا کریں۔ روزمرہ کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ فرض نماز کے اس مقصد کو نہ سمجھنے والا اپنی نماز تو پڑھ سکتا ہے لیکن اپنے روزمرہ کے کاموں میں نماز کے درمیان اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامنا کرنے میں ناکام رہے گا۔ یہ رویہ انہیں صرف ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اپنی فرض نمازیں ادا کرنے کے باوجود انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی فرض نمازوں کے درمیان اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں پر خاص توجہ دینی چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ زندگی میں مسلسل صحیح سمت کا سامنا کر رہے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے اور اس لیے ان کو تھامے گا۔ دونوں جہانوں میں جوابدہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 149:

اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو‘‘۔ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 150:

اور جہاں سے بھی آپ]نماز کے لیے [نکلیں، اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر لیں۔ اور تم جہاں کہیں بھی رہو، اس کی طرف منہ کرو۔‘‘

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں زندگی کی صحیح سمت کا سامنا صرف اسی صورت میں کر سکتا ہے جب وہ اس سمت سے میل کھاتا ہے جس کا سامنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اس سے ہدایت کے دو منابع پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے :قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات، اور دینی علوم کے دیگر ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کیا جائے، خواہ وہ اچھے اعمال کی طرف لے جائیں۔ . دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں وہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ .

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے روزمرہ کے کاموں میں اس سمت کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خوش ہوتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات، انہیں دوسروں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا جو ایک ہی سمت کا سامنا نہیں کرتے۔ یہ تنقید اکثر اپنے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے، جن لوگوں سے حمایت کی توقع ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 150:

’’اور تم جہاں کہیں بھی رہو اپنا منہ اس کی طرف کرلو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر کوئی حجت نہ رہے، سوائے ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں‘‘۔

خاص طور پر، اہل کتاب نے مرکزی نقطہ کی تبدیلی پر تنقید کی اور اسے اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، ورنہ مسلمان پہلے دن سے ہی آخری مرکز کا انتخاب کر لیتے۔ لیکن یہ ایک احمقانہ رویہ تھا، کیونکہ فوکل پوائنٹ کو تبدیل کرنا محض ایک امتحان تھا کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی گئی کسی بھی سمت میں کون رخ کرے گا، خاص طور پر فوکل پوائنٹ کی تبدیلی کے سلسلے میں یا عام طور پر۔ کسی کی زندگی کا کوئی بھی پہلو، اور کون اللہ کی نافرمانی کرے گا، جیسا کہ نئی سمت نے ان کی خواہشات کو چیلنج کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 143:

’’اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔ اور درحقیقت یہ مشکل ہے سوائے ان کے جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے..."

،تمام صورتوں میں، ایک مسلمان کو ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی طرف سے جس طرف بھی رخ کیا جائے خواہ اس پر تنقید کی جائے۔ جیسا کہ آیت 150 میں اشارہ کیا گیا ہے، ایک مسلمان کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ لوگوں کو خوش کرنا انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتائج سے نہیں بچائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان کی اطاعت انہیں لوگوں کو ناراض کرنے کے منفی نتائج سے بھی محفوظ رکھے گی۔ اگر یہ تحفظ ان کے لیے واضح نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 150:

‘‘تو ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔’’

میں طلاق، آیت 2 65 اور ج:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

لوگوں کی طرف سے کی جانے والی تنقید اور مشکلات سے نکلنے کا یہ طریقہ بلا حد ہر صورت حال ،پر لاگو ہوتا ہے۔ وہ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سامنا کرنے کے رویے پر قائم رہتا ہے ہر حال میں ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس پر اس دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت یعنی ہر حال میں صحیح ،رہنمائی حاصل ہوگی تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں۔ باب 2 البقرہ آیت 150:

‘‘اور یہ اس لیے ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ ’’

جب کہ جو شخص لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی غیر تعمیری تنقید سے بچنے کے لیے عمل کرتا ہے وہ لامحالہ لوگوں کو خوش نہیں کرے گا، کیونکہ لوگ فطرتاً چست ہوتے ہیں اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں صحیح رہنمائی سے محروم اور دونوں جہانوں میں ذہنی سکون سے محروم کرنے کا سبب بنے گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 150:

‘‘اور یہ اس لیے ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ ’’

ایک نیا اور مختلف فوکل پوائنٹ مقرر کرنے کے اس احسان کا ایک پہلو اس کے بعد اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے نئے نمائندے مقرر کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم " دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو...

ایک مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کرنے پر رضامندی ظاہر کی، جب انہوں نے اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا اور اگر وہ اس کی صحیح نمائندگی کرنے میں ناکام رہے تو ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات میں مذکور مثبت خصوصیات کو سیکھتا اور اپناتا ہے، جیسے سخاوت، دیانت اور اخلاص اور اس میں مذکور منفی خصوصیات جیسے کہ حسد، لالچ اور غرور کو ترک کر دیتا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ دوسرے مسلمان اور غیر مسلم اپنے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کی تعریف کریں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل میں ناکام رہے اور اس کے بجائے غلط کردار اختیار کرے تو وہ اسلام کو دنیا کے سامنے غلط طریقے سے پیش کرے گا۔ انہیں بلاشبہ اس ناکامی کا خمیازہ دونوں جہانوں میں بھگتنا پڑے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 151-152

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا۟ تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

’’جس طرح ہم نے تم میں سے تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو اور میری تکذیب نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ مکہ کے غیر مسلموں کو اس اہم حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل چالیس سال ان کے درمیان گزارے تھے اور اس لیے آپ ان کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 151:

‘‘جس طرح ہم نے تم میں سے تم میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔’’

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاشرے میں اسے قابل اعتماد اور دیانت دار شخص کہا اور ہمیشہ اس کے بے مثال کردار کی تعریف کی یہ ان کے پیغام کو قبول کرنے کے لئے کافی ہے۔ درحقیقت اپنے بچپن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان برائیوں سے بچایا جو زمانہ جاہلیت میں پھیلی ہوئی تھیں :اسلام سے پہلے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بلوغت کو پہنچے تو آپ اپنی امت میں سب سے بہترین شخصیت، کردار اور شہرت میں سب سے اچھے، ہمسایوں میں سب سے اچھے، سب سے زیادہ ہوشیار، بات میں سب سے زیادہ ایماندار اور سب سے زیادہ ایماندار تھے۔ قابل اعتماد وہ تمام بری خصلتوں سے بالکل دور ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اہل مکہ میں ثقہ اور سچے کے طور پر مشہور ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 180 میں بحث کی گئی ہے۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اپنے معاشرے میں اپنی سماجی حیثیت کے کھو جانے کے خوف اور روکے جانے کے خوف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو رد کر دیا، جسے انہوں نے واضح طور پر تسلیم کیا تھا۔ ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا۔ باب 43 از زخرف، آیت 78:

‘‘ہم یقیناً تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے تھے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 151:

‘‘جس طرح ہم نے تم میں سے تم میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔’’

یہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل کتاب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کو اسی طرح پہچانا جس طرح ان دونوں کا ذکر ان کے آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

یہ ان کے لیے اسلام قبول کرنے کی ایک وجہ کافی ہونی چاہیے تھی لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے معاشرے میں اپنی سماجی حیثیت کے کھو جانے کے خوف سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال نہ کرنے کے خوف سے اسے رد کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کا مقصد بتاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 151:

’’جس طرح ہم نے تم میں سے تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔‘‘

نیت کو پاک کرنے کا عمل، تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے، کسی کی بات کو پاک کرے، تاکہ وہ صرف اچھی بات کہے یا خاموش رہے اور اپنے عمل کو پاک کرے، تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو ان کو ملی ہیں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے ، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے ، تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ صرف قرآن پاک کی تلاوت کو اس زبان میں سننا جس کی سمجھ میں نہیں آتی ہے اس تزکیہ کا باعث نہیں بنے گی۔ صرف اس صورت میں جب کوئی اپنے دماغ اور جسم کو اس طرح سے پاک کرے گا تو وہ دونوں جہانوں میں دماغ اور جسم کا سکون حاصل کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 151:

تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہوں اور تمہیں پاک کرتا ہوں اور تمہیں کتاب سکھاتا ہوں‘‘۔’’

یہ کتاب قانون اور ضابطہ اخلاق کا حوالہ دے سکتی ہے جس پر معاشرے کے ہر فرد کو عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پورے معاشرے میں ذہنی سکون اور انصاف پھیل سکے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دیتے ہوئے ہمیشہ متعصب رہیں گے۔ مثال کے طور پر، امیروں کو معاشرے کے غریب افراد پر ترجیح دی جاتی ہے۔ الہی ضابطہ اخلاق کو صحیح طریقے سے نافذ کرنے کے ایک پہلو کو آیت 151 میں حکمت کہا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 151:

تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہوں اور تمہیں پاک کرتا ہوں اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا’’ ہوں‘‘۔

حکمت ایک شخص کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنے پاس موجود علم کا صحیح استعمال کیسے کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ حکمت بہت ضروری ہے کیونکہ ،کسی بھی علم یا ضابطہ اخلاق کو برے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سائنس کو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے صحیح طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ دوائیں بنانا، یا لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ہتھیار بنانا۔ یہ حکمت اچھے اخلاق اور خصائص کی شکل اختیار کر سکتی ہے، جیسے سخاوت، صبر اور شکرگزاری، تاکہ کسی کو ان کی طرف سے تاکید کی جائے کہ وہ اس ضابطہ اخلاق کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر لاگو کریں۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ آیت 151 میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے مسائل سے نمٹنے کے حوالے سے لوگوں کا علم انتہائی محدود ہے، صرف وہی ہے جو ایک مکمل ضابطہ اخلاق فراہم کر سکتا ہے جو کہ مکمل طور پر ڈیزائن کیا گیا ہو۔ انسانوں کی فطرت کے لیے اور بہترین نتائج کے حصول کے لیے معاشرے کے ہر قسم کے مسائل کو درست کرتا ہے، وہی ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے، یعنی اللہ عزوجل۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ان معاشروں میں انصاف اور امن پھیلے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ اخلاق کو درست طریقے سے نافذ کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 151:

‘‘اور تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔’’

جب کوئی شخص زیر بحث صحیح رویہ اختیار کرتا ہے، جس کا خلاصہ ان کی نیت، تقریر اور عمل کو شامل کرنے کے لیے کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کی شرائط کو اس طرح پورا کرتے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہوتا۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی۔ باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو

اور باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

جبکہ جو شخص اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے، وہ یہ پائے گا کہ ان کے پاس جو دنیاوی چیزیں ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں گی، خواہ وہ اس کے لمحات کا سامنا کریں۔ تفریح اور تفریح .باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 152

میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو اور میری تکذیب نہ کرو۔ ۔ پس مجھے یاد کرو

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یقین کو شکر کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور کفر کو ناشکری کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ یہ اکثر اسلامی تعلیمات میں ہوتا ہے۔ یہ سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔ یعنی شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر حقیقی یقین کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ عمل کے ساتھ اپنے زبانی اعتقاد کی حمایت کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے، کیونکہ شکرگزاری کا اظہار عمل کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھے اعمال کے بغیر یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔
:باب 2 البقرہ، آیت 152

‘‘اور میرا شکر ادا کرو اور میرا انکار نہ کرو۔ ’’

اس کے علاوہ، یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکثر لوگوں کو بعض نعمتیں دوسرے لوگوں، جیسے کہ اپنے والدین تک پہنچانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو ان کے احسانات کا بدلہ دے کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، خواہ یہ صرف ان کی طرف سے خیر و عافیت کی دعا کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع الثانی کی ایک حدیث میں متنبہ فرمایا ہے۔ ترمذی نمبر 1954 کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے، باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے، ایک مسلمان کو اللہ کو یاد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں صحت مند ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں خواہ یہ طرز عمل ان کی دنیاوی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہو۔

باب 2 - البقرہ، آیات 153-157

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَعِينُواْ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ١٥٣

وَلَا تَقُولُواْ لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتُۢ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ١٥٤

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ وَبَشِّرِ
ٱلصَّٰبِرِينَ ١٥٥

ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ١٥٦

أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ ١٥٧

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کے بارے میں یہ مت کہو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

اور ہم تمہیں ضرور کسی نہ کسی خوف اور بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے لیکن صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔

جن پر جب کوئی آفت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمتیں اور رحمتیں ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 153:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے مدد طلب کرو۔ "

صبر وہ ہے جب کوئی شخص اپنے عمل یا تقریر کے ذریعہ اپنی مشکل کی شکایت کرنے سے گریز کرتا ہے اور اپنی آزمائش کے دوران اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھتا ہے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے اس کی خوشنودی کے لیے جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ صبر کرنے کی جڑ اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھے گا اور اس پر عمل کرے گا، اتنا ہی وہ سمجھے گا کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو، کیونکہ ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں۔ ان سے پوشیدہ .مثال کے طور پر اسلامی تعلیمات کے اندر اس طرح کے بہت سے واقعات زیر بحث ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، جنہیں ان کے بھائیوں نے چھوٹی عمر میں اپنے والدین سے جدا کر دیا، ایک اندھیرے اور گہرے کنویں میں چھوڑ دیا، بچپن میں غلام کے طور پر بیچا گیا اور غلط طریقے سے جیل میں ڈال دیا گیا۔ لیکن ان واقعات میں سے ہر ایک نے اسے کچھ اسباق سیکھنے کا موقع دیا جس نے اسے مصر کی آبادی کو ایک بڑے قحط سے بچانے کے لیے تیار کیا۔ اگر وہ اپنی مشکلات کو برداشت نہ کرتا تو وہ لاکھوں جانیں بچانے کی پوزیشن میں نہ ہوتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ان حکمتوں پر ایمان لانا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنا اس کے ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آسانی کے وقت اس کی حمد و ثنا کرنا آسان ہے لیکن اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مشکل کا سامنا کرے اور پھر بھی اس کی اطاعت اور حمد کرے۔

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو اپنی مشکلات کا دوسرے لوگوں سے موازنہ کرنے میں بھی مدد ملتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، اور زیادہ مشکلات برداشت کیں۔ یہ موازنہ کسی کو اپنی مشکل کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ مریض کو باقی رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ اس وقت بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی اپنے وقت کے اندر دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان سے زیادہ مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات انسان کو تقدیر کی اہمیت کو سمجھنے کی بھی اجازت دیتی ہیں اور یہ کہ وہ اپنی زندگی میں کس طرح ہر واقعہ کا سامنا کرے گا، خواہ آسانی کا وقت ہو یا مشکلات کا، ناگزیر ہے۔ کسی ناگزیر اور ناگزیر چیز کے بارے میں شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایک شخص صرف ان لاتعداد انعامات سے محروم ہو جائے گا جو وہ حاصل کر سکتا تھا اس ناگزیر مشکل پر صبر کرنے سے جس کا سامنا اس کا مقدر ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

لہٰذا ایک شخص کے پاس ایک انتخاب ہوتا ہے کہ صبر کے ساتھ ناگزیر واقعہ کا سامنا کرنا اور بے شمار انعام حاصل کرنا یا کسی ناگزیر واقعہ کا بے صبری سے سامنا کرنا اور اس انعام سے محروم ہونا جو اسے ملنا چاہیے تھا۔ کسی بھی طرح سے وہ ناگزیر واقعہ کا سامنا کریں گے، لہذا دونوں جہانوں میں اس سے فائدہ اٹھانا سمجھ میں آتا ہے۔ باب 57 الحدید، آیات 22-23:

"کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے..."

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ انسان کو یہ سمجھنے کا باعث بھی بنتا ہے کہ اس دنیا میں وہ جو چیزیں چاہتے ہیں وہ ضروری نہیں کہ ان کے لیے بہترین ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ہر شخص کی زندگی میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو ایک شخص یہ ماننا چاہتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، صرف ان چیزوں کے لیے جو اس کے لیے تناؤ کا باعث بنیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ایک شخص کو ناپسند ہے کہ اسے ان کے لیے برا مانیں، صرف وہی چیزیں اس کے لیے خیر کا ذریعہ بنیں۔ جو شخص اس بات کو سمجھتا ہے وہ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے کم بے صبری کا مظاہرہ کرے گا جو ان کی خواہشات سے متصادم ہوں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حالات کا سامنا کرنا ان کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔

اس کے علاوہ جس طرح سونا گرمی سے پاک ہوتا ہے، اسی طرح لوگ مشکلات کا سامنا کرکے ذہنی طاقت حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ آسان زندگی کے عادی ہیں، وہ اکثر ذہنی خرابی کا سامنا کرتے ہیں جب معیاری اور چھوٹی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے شادی کے مسائل۔ آزمائشوں کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کی ذہنی حالت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ مستقبل کی مشکلات کا آسانی کے ساتھ سامنا کر سکیں۔

جیسا کہ اسلام نے سکھایا ہے، ہر حال میں صبر کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ آسانی کے وقت بھی۔ آسانی کے وقت، ایک شخص کو صبر و تحمل کو اپنانا چاہیے تاکہ وہ اپنے آپ کو عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روکے، جیسے کہ اچھی صحت یا اپنی تنخواہ میں اضافہ۔

اس دنیا میں مشکلات کا سامنا کرنے کے پیچھے اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اسلامی تعلیمات میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کا مطالعہ کریں، سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ وہ ہر حال میں صبر کو اپنائیں تاکہ دونوں جہانوں میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ انسان کو ہر حال میں صبر سے رہنا چاہیے، جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے ،مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے باوجود اس کے کہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔

صبر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بے عمل ہو جائے۔ صبر کا ایک پہلو حالات سے نمٹنا اور اسے اسلام کی تعلیمات کے مطابق درست کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک بیوی جو اس کے شوہر کی طرف سے بدسلوکی کا نشانہ بنتی ہے اسے اپنے اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں، جیسے کہ اپنے شوہر سے علیحدگی۔ اس طرح کا برتاؤ صبر سے متصادم نہیں ہے جب کہ غیر فعال ہونے کا صبر یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح رونے جیسے جذبات کا اظہار کرنا بھی صبر کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے غم پر اس قدر روئے کہ اندھے ہو گئے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر کبھی تنقید نہیں کی۔ باب 12 یوسف، آیت 84:

اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا، "یوسف پر میرا افسوس "اور اس کی آنکھیں غم سے سفید " ہو گئیں، کیونکہ وہ دبانے والا تھا۔

ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات جیسی افسوسناک صورتحال پر رو پڑے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنے قول و فعل سے ظاہر موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ کرنا صبر کے منافی ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز قابل قبول اور انسانی فطرت کا حصہ ہے، جیسے رونا اور غمگین ہونا۔ .

یہ جاننا ضروری ہے کہ مشکل شروع ہونے سے لے کر اس دنیا سے رخصت ہونے تک صبر کا ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1302 کی مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد صبر کرنا اصل صبر نہیں ہے، یہ محض قبولیت ہے جو قدرتی طور پر ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ مشکل کے آغاز سے ہی اپنے قول و فعل پر قابو رکھتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کرے تاکہ وہ بے صبری کے آثار نہ دکھائے اور یہ رویہ اس وقت تک برقرار رکھے جب تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں، کیونکہ بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے صبر کا اجر آسانی سے ضائع ہو سکتا ہے۔ لائن

باب 2 البقرہ، آیت 153:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ "

دعا کے ذریعے مدد مانگی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت فطری طور پر مشکلات کو دور کرتی ہے اور مسلمان کو تقویت دیتی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔

اس کے علاوہ، جب یہ صحیح طریقے سے قائم ہو جائے تو، نماز روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی ہے۔ فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

"اور تم ہر قوم کو]خوف سے [گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

لہٰذا، نماز قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں مدد ملتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ کسی بھی مشکل سے کامیابی کے ساتھ نمٹنے کے لیے الٰہی رحمت اور ذہنی طاقت کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی صورت حال سے محفوظ نکلنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کی اطاعت پر قائم رہتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا''

اس کے علاوہ، جیسا کہ دعائیں قیامت کی یاد دلاتی ہیں، جس کی ہولناکیاں اور مشکلات اس دنیا کی مشکلات سے بالاتر ہیں، اس لیے یہ یاد دہانی انہیں اس مشکل کو کم کرنے میں مدد دے گی جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں، کیونکہ دنیا کی تمام مشکلات کے مقابلے میں بہت معمولی ہیں۔ قیامت کا دن۔ دنیا میں آنے والی مشکلات کو جتنا حقیر سمجھے گا، اتنا ہی صبر کے ساتھ ان کا سامنا کرے گا۔

صبر اور نماز قائم کرنے والے کو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 153:

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ۔ صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے کو دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی ملے گی خواہ راستے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

جس طرح انسان اس دنیا میں آنے والی آزمائشوں اور مشکلات کے پیچھے موجود تمام حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح وہ ان لوگوں کے اجر و ثواب کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتا جو اپنی زندگی اور دنیاوی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 154:

جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کے بارے میں یہ مت کہو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم نہیں جانتے۔

اس عظیم مرتبے کو حاصل کرنے کے لیے صبر اور نماز کی پابندی کے ذریعے ذہنی قوت کو اپنانا چاہیے، کیونکہ اپنی زندگی اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنا ایک مشکل کام ہے جیسا کہ شیطان، باطنی شیطان اور مادی دنیا ہیں۔ کسی شخص کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی دعوت دینا جو اسے عطا کی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیات 153-154:

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ ۔ صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو کی راہ میں مارے جائیں ان کے بارے میں یہ مت کہو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو اپنی زندگی اور وسائل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرتا ہے وہی اس دنیا اور آخرت میں حقیقی معنوں میں زندہ ہے۔ جبکہ جو شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو ان کی عطا کی گئی ہے وہ دونوں جہانوں میں مردہ ہے خواہ وہ حیاتیاتی اعتبار سے زندہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے

میں ناکام رہے ہیں اور جو شخص اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اس میں زندہ اور مردہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 6407 میں یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ زندہ اور مردہ میں فرق اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ یعنی جو اللہ موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، وہ زندہ ہے۔ مرنے کے بعد بھی .تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات عیاں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا سلوک کرنے والوں کو زندہ رہتے ہوئے مثبت طریقے سے یاد کیا جاتا تھا اور ان کے انتقال کے بعد بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی تعلیمات اور زندگیوں کا اس طرح مطالعہ کیا جاتا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ اب بھی لوگوں میں زندہ ہیں۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے۔ یہ بات اس وقت بھی ظاہر ہوتی ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو دنیاوی چیزوں کے باوجود افسردہ اور غمگین زندگی گزارتے ہیں، ایسی زندگی جو زندگی سے بھری ہوئی نظر آتی ہے جبکہ اندرونی طور پر وہ گلدان کی طرح خالی ہے۔ یہ بالکل زندہ نہیں ہے۔ اور ان کے مرنے کے بعد، انہیں شاید ہی دنیا ایک مثبت انداز میں یاد رکھتی ہے اور تاریخ میں فوٹ نوٹ بن جاتی ہے جب کہ ان کے پرستار اندھی تقلید کے لیے اگلی مشہور شخصیت پر چلے جاتے ہیں۔ اور اگر میت کا خاتمہ جہنم میں ہو جائے تو وہ فراموشی میں چھوڑ دیا جائے گا، نہ زندہ رہے گا نہ مرے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 74:

بے شک جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے۔ وہ اس میں نہ مرے گا " اور نہ جیے گا۔"

لہٰذا جو شخص دونوں جہانوں میں حقیقی معنوں میں رہنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے فراہم کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ باب 2 البقرہ، آیت 154:

جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کے بارے میں یہ مت کہو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم نہیں جانتے۔

عام طور پر، آیت 154 کا آغاز اپنی بات پر اچھی طرح قابو رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی بری تقریر ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری اچھی تقریر ہے جو مناسب وقت پر بولی جائے۔ تقریر کی آخری قسم فضول تقریر ہے۔ اس قسم کی تقریر کو گناہ یا نیکی نہیں سمجھا جاتا لیکن چونکہ یہ قسم برائی کی طرف لے جاتی ہے اس سے بچنا بھی بہتر ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی جب وہ ان مواقع اور وقت کو دیکھے گا جو اس نے فضول گفتگو میں ضائع کیے تھے۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو اس دنیا کا مقصد اور اس دنیا میں زندگی کی آزمائش یاد دلاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 155:

اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف اور بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے"۔

زندگی کا امتحان آسان ہے :اللہ تعالیٰ نے انسان کو بعض نعمتیں عطا کی ہیں اور ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ اس امتحان کے مکمل اور منصفانہ ہونے کے لیے، انسان کو آسانی اور مشکلات دونوں وقتوں میں اس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کائنات پر مکمل اور مکمل کنٹرول رکھتا ہے اور انسان کو جن واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زندگی کے اس امتحان میں سوال کرنا اور چیلنج کرنا اس کی اس دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرے گا۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس دنیا میں زندگی بنائی ہے اسے قبول کرنا چاہیے اور اس دنیا میں اپنے امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، جس طرح ایک عقلمند طالب علم قبول کرتا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے اسکول، تعلیمی اسائنمنٹس، ہوم ورک اور امتحانات کا تجربہ اور برداشت کرنا چاہیے۔ اس دنیا میں کامیابی، اگرچہ طلباء کی اکثریت پڑھائی کو ناپسند کرتی ہے۔ اسی طرح، لوگوں کی اکثریت اس دنیا میں کوئی کام نہیں کرے گی اگر وہ اس کے بغیر اپنے آپ کو برقرار رکھنے کا کوئی راستہ تلاش کریں۔ لیکن چونکہ یہ ممکن نہیں ہے، زیادہ تر معاملات میں، لوگوں کی اکثریت کو خود کو اور اپنے زیر کفالت افراد کو برقرار رکھنے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ یہ دنیاوی حقیقتیں ہیں ہر کوئی قبول کرتا ہے، چاہے وہ کسی بھی عقیدے سے ہو۔ اسی طرح انسان کو اس دنیا میں زندگی کے امتحان کی حقیقت کو قبول کرنا چاہیے، چاہے وہ اس کے لیے کوئی معنی نہ رکھتا ہو، کیونکہ اس کا سامنا کرنا ناگزیر ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ صبر اور نماز قائم کرنے کے ذریعے ذہنی قوت حاصل کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 153:

‘‘اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ "

اللہ تعالیٰ کی صحبت دونوں جہانوں میں رحمت الٰہی کا باعث بنتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 155:

‘‘لیکن مریض کو خوشخبری سنا دو۔’’

یہ خوشخبری ایک مسلمان کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے ساتھ ہے اور یہ انہیں تقویت دے گی تاکہ وہ ہر حال میں کامیابی کے ساتھ سفر کر سکیں۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، حتیٰ کہ مشکل وقت میں بھی، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ میں ڈالے جانے پر ذہنی سکون حاصل ہوا۔ باب 21 الانبیاء، آیات 68-69:

انہوں نے کہا، "اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو - اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو"۔ ہم نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔

یہی صابر لوگ ہیں جو اس فطری سچائی کو پہچانتے ہیں کہ ان کو درپیش ہر صورتِ حال ناگزیر اور ناگزیر تھی، بالکل ایسے تیر کی طرح جو اپنے مطلوبہ شکار پر لگ جائے۔ یہ معنی آیت 156 میں استعمال ہونے والے عربی لفظ سے ماخوذ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 156:

"...کون، جب ان پر آفت آتی ہے"

وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ تقدیر سے بچ نہیں سکتے، یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان سے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثواب کمانا، بجائے اس کے کہ بے صبری کا مظاہرہ کرکے ان گنت انعامات گنوائیں۔ باب 57 الحدید، آیات 22-23:

" کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے..."

جو شخص ان کی تقدیر کو قبول کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ پہچان سکے، اسے صبر کی رہنمائی ملے گی۔ باب 64 تغابن، آیت 11:

" اللہ کے حکم کے بغیر کوئی آفت نہیں آتی۔ اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دے گا...

باب 2 البقرہ، آیت 216 اور:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہی صابر لوگ ہیں جو اس بات کو پہچانتے ہیں کہ وہ اور جو کچھ اس دنیا میں ان کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے پیدا کیا اور عطا کیا ہے، اس لیے وہ یہ انتخاب کرتا ہے کہ یہ نعمتیں کب عطا کی جائیں اور کب اس کی طرف لوٹائی جائیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 156:

"...کہہ دو کہ ہم اللہ کے ہیں"

اسی طرح کسی شخص کو سوال کرنے یا شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ جب کوئی ادارہ یا کوئی شخص کسی دوسرے کو قرض پر دی گئی کوئی چیز واپس لے لے، جیسے کہ رقم، نہ ہی کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے خلاف شکایت کرنے کا حق ہے، جب وہ اس دنیا میں جو کچھ بھی انہیں دیا گیا ہے وہ واپس لے لیتا ہے، جیسا کہ انہیں ہر چیز عطا کی گئی ہے، حتیٰ کہ ان کی اپنی جان بھی، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قرض ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ تمام نعمتیں جو اسے عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے، کیونکہ اس طرح وہ ان نعمتوں کو ادا کرتا ہے جو اس پر قرض کی گئی ہیں۔ جبکہ جنت کی نعمتیں ایک تحفہ ہیں جو ایک شخص کو وراثت میں ملتی ہیں اور اس لیے وہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرنے میں آزاد ہو گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 43:

"اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔"

یہ صبر کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی واپسی کو یاد کرتے ہیں، اور اپنے تمام اعمال کے لیے جوابدہ ہوتے ہیں، بشمول وہ وقت جب وہ مشکلات میں صبر کرتے رہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 156:

"اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

قیامت کے دن اپنے احتساب کو یاد رکھنا ہمیشہ ایک بہترین ذریعہ رہا ہے کہ وہ مشکل کے وقت صبر و تحمل کی ترغیب دیتا ہے، کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھتا ہے۔ اور آسانی کے اوقات میں شکر ادا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے

اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، قیامت کے دن اپنے احتساب کو یاد رکھنا اس دنیا میں درپیش کسی بھی مشکل کو کم کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، کیونکہ تمام دنیاوی مشکلات قیامت کی ہولناکیوں اور مشکلات کے مقابلے میں اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ رویہ صبر کو برقرار رکھنے کے لیے مزید حوصلہ افزائی کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 156:

‘‘اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔’’

وہ لوگ جو صبر اور اپنی نماز قائم کرنے کے ذریعے ذہنی طاقت حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ان کو درپیش ہر حال میں صحیح رہنمائی حاصل کریں گی تاکہ وہ ذہنی سکون کے ساتھ ان میں داخل ہوں اور باہر نکلیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 157:

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمتیں اور رحمتیں ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔"

:اور باب 16 النحل، آیت 97

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ صبر کو ترک کر دینے والا اور نماز قائم کرنے میں ناکام رہنے والا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا مخلصانہ فرمانبردار رہنے کی ذہنی قوت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس سے وہ صرف ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا :تجربہ کریں، کیونکہ وہ اس کے کنٹرول سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ عزوجل۔ باب 9 توبہ آیت 82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 – البقرہ، آیت 158

۞ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن
يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

’’بے شک اصفہ اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر ان دونوں کے درمیان چلنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص نیکی کرے تو یقیناً اللہ قدر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

صبر کی اہمیت اور کچھ مختلف طریقوں پر بحث کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس دنیا میں لوگوں کو آزماتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کون ہر حال میں اس کی سچی اطاعت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ پھر ایک مثال بیان کرتا ہے۔ ذکر کردہ ٹیسٹوں پر مشتمل ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 155-157:

"اور ہم تمہیں ضرور کسی نہ کسی خوف اور بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے، لیکن صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ جن پر جب کوئی آفت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمتیں اور رحمتیں ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 158:

‘‘بے شک اصفہ اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔’’

مکہ کے دو مشہور پہاڑوں، کوہ صفا اور کوہ مروہ کے پیچھے کی اصل کہانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام شامل ہیں، جن کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اہلیہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شیر خوار بیٹے کو چھوڑ دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، ایک بنجر صحرا میں جہاں رزق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، جو بعد میں مکہ بن گیا۔ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو صبر و اطمینان کے ساتھ قبول کیا اور اپنے امتحان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ وہ دو پہاڑوں کے درمیان بھاگی :کوہ صفا اور کوہ مروہ بار بار اپنے بیٹے کے لیے پانی یا کھانے کی کوئی علامت تلاش کرتی رہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین سے ایک معجزاتی چشمہ پھوٹا جو آج بھی جاری ہے اور اسے زمزم کا کنواں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا صبر اور عمل اس قدر پسند تھا کہ اس نے دو پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کو عمرہ اور حج کا حصہ بنا دیا۔ اس نے اور اس کے خاندان نے پہلے کی آیات میں مذکور تمام امتحانات کو کامیابی سے برداشت کیا :خوف، بھوک اور اس کی زندگی اور اس کے نوزائیدہ بیٹے کی زندگی کے لیے حقیقی خطرہ۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 3364 میں موجود حدیث میں تفصیل سے آیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 158:

‘‘بے شک اصفہ اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔’’

عام طور پر، ایک مسلمان کو اس ادراک کو اختیار کرنا چاہیے جس کے تحت وہ مخلوق کے اندر موجود ہر چیز اور ان واقعات کا مشاہدہ کرے جو وہ اللہ تعالیٰ کی نشانی کے طور پر، اور اس کی لامحدود قدرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مسلسل یاددہانی، اس کی اطاعت کو برقرار رکھنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جب کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں یا قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہوں تو وہ آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں کیونکہ ان کا صحیح استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کا مستقل ذکر ضروری ہے۔ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا جن کو صرف عطا کیا گیا ہے دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، چاہے ان کے پاس پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو اور تفریح اور تفریح کے اوقات کا تجربہ ہو۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

تخلیق کے سلسلے میں، آسمانوں اور زمین کے اندر مختلف تخلیق شدہ اجسام کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی ایک آخری اور لامحدود طاقت کی یاد دلاتا ہے۔ یہ ایک مسلمان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے، اس لیے انہیں ہر وقت خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ دنیا کے اندر مسلسل تبدیلیاں، جیسے دنوں اور راتوں کا آنا جانا، ان کی موت کی یاد دلانا چاہیے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کا سامنا کرنا چاہیے۔ یہ ان کی حوصلہ افزائی کرے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اپنے آخری احتساب کے لیے تیاری کریں۔ زیارت اور زیارت کرنے والے مسلمان کا رویہ اور تصور یہی ہونا چاہیے۔ ان کے سفر کا ہر مرحلہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مکمل طاقت اور کنٹرول اور قیامت کے دن ان کے آخری احتساب کی یاد دلاتا ہے۔ جو شخص اس طریقے سے زیارت اور زیارت کرے گا وہ بدلے ہوئے شخص کو واپس کرے گا جو کامیاب سفر کی علامت ہے۔ اور کامیاب حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان صحیح ادراک اور رویہ کے ساتھ گھر اس کی تلقین کی گئی ہے۔ واپس آئے گا، جو انہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب دے گا۔

اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ناگزیر واقعات کے طور پر دیکھنا، جو صرف اس چیز کا انتخاب کرتا ہے جو اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے کی حکمتیں لوگوں سے پوشیدہ ہوں، کسی کو اجازت دیتا ہے۔ ہر حال میں صبر کو برقرار رکھنے کے لیے۔ صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام کو دیکھتا ہے، اس کے سامنے آنے والے ہر واقعے کے پیچھے وہ یاد رکھے گا کہ وہ مسلسل ان کو دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔ یہ ان کی حوصلہ افزائی کرے گا کہ وہ اپنی تقریر اور اعمال کو کنٹرول کریں، خاص طور پر مشکل کے وقت۔

باب 2 البقرہ، آیت 158:

"بے شک اصفہ اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمان مقدس مقامات اور دنوں کی عزت و تکریم کرنے میں اچھے ہیں جو اسلام میں مقدس سمجھے جاتے ہیں لیکن دوسری چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں، جیسے لوگوں اور ان کے اموال کا تقدس۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔ لہٰذا، انسان کو ان تمام چیزوں کا احترام اور احترام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جنہیں اسلام نے مقدس قرار دیا ہے، نہ کہ صرف مقدس مقامات اور ایام۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتا ہے جس طرح وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج مقدس کا اہتمام کیا جاتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رسمیں شرک سے بدظن ہوگئیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے صفا و مروہ کے دو

پہاڑوں کے درمیان دوڑنے سے اس خوف سے پرہیز کیا کہ یہ کافرانہ فعل تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی سوچ کو درست کیا اور واضح کر دیا کہ اسلام کے حکم کے مطابق دو پہاڑوں کے درمیان دوڑنا ایک نیک عمل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1643 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ :باب 2 البقرہ، آیت 158

" بے شک اصفہ اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر ان دونوں کے درمیان چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ حج کا اصل طریقہ تب ہی بگڑ گیا تھا جب علم الہی کو ترک کر دیا گیا تھا۔ .لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے دو ذرائع کو اختیار کرے اور دینی علم کے دوسرے ذرائع کو چھوڑ دے، خواہ وہ کسی نیک کام کی طرف لے جائیں۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع کی جتنی زیادہ پیروی کرے گا، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل سنن ابوداؤد کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو منابع ہدایت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کی پیروی ایک عام بیان کے ساتھ کرتا ہے جو کسی بھی نیک عمل کو انجام دینے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، خواہ اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 158:

اور جو شخص نیکی کرے تو یقیناً اللہ قدر کرنے والا ہے‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ کسی عمل کی مقدار کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے معیار، معنی، نیکی کے پیچھے نیت کو دیکھتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے ایک کھجور کے پھل کے برابر صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پہاڑ سے بھی بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے بہانوں کو ترک کرے جو اسے اچھے کام کرنے سے روکتے ہیں اور ہر اس موقع کو استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسے نیک کام کرنے کے لیے دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

نیکی سے مراد صرف ان نعمتوں کو استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص خواہ اس دنیا میں اس کے پاس کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، نیک اعمال کرنے سے معذرت نہیں کرتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 158:

اور جو شخص نیکی کرے تو یقیناً اللہ قدر کرنے والا ہے‘‘۔ ’’

یہ آیت مسلمانوں کو فرض کے علاوہ ہر قسم کے نیک اعمال انجام دینے کی ترغیب دیتی ہے، کیونکہ یہ اس شخص کی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا جو عمر بھر نیک اعمال پر ثابت قدم رہے۔ اس کے علاوہ فرائض سے آگے بڑھنے سے محبت الٰہی کی طرف راغب ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اس کے لیے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کی دعا قبول ہوگی اور انہیں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ

اور پناہ ملے گی۔ صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے ۔ سادہ لفظوں میں جو شخص جتنا زیادہ نیکی کرے گا اتنا ہی اسے دونوں جہانوں میں فائدہ ہوگا۔ لہٰذا ہر فرد کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے آپ کو کتنا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ باب 47 محمد، آیت 7:

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اگر چہ نیک عمل کرنے کی طاقت، موقع، صلاحیت، ترغیب اور علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے نہیں، پھر بھی وہ اپنے بندوں کی نیک اور مخلصانہ کوششوں کی قدر کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 158:

اور جو شخص نیکی کرے تو یقیناً اللہ قدر کرنے والا ہے‘‘۔ ’’

انسان کو اس الٰہی صفت پر اپنی پیدا کردہ صلاحیت کے مطابق عمل کرنا چاہیے، دوسروں کے ساتھ جو اچھائی کرتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اس لیے ہر وقت اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرکے اپنی نیت میں شکر ادا کرنا شامل ہے۔ اس میں کسی کی تقریر میں شکر ادا کرنا، اچھی بات کہہ کر یا خاموش رہنا بھی شامل ہے اور اس میں کسی کے اعمال میں شکر ادا کرنا بھی شامل ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ شکر کے ان تمام پہلوؤں کو سمیٹنے والا دونوں جہانوں میں برکتوں اور اجروں میں اضافے کا ضامن ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

دوسرے لوگوں کی بھی تعریف کی جانی چاہیے، جیسے کہ کسی کے والدین، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکثر لوگوں کو بعض دنیوی نعمتیں دوسروں تک پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اس لیے اس نیت کے ساتھ دوسروں کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرے گا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت اور استطاعت کے مطابق دوسروں کے احسانات کا بدلہ دے کر شکر ادا کرے، چاہے اس میں ان کی طرف سے دعا ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ جتنے بھی نیک اعمال ہوسکے اخلاص کے ساتھ کوشش کرے، خواہ ان کا حجم کچھ بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا شکر ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت قول و فعل سے پوری طرح باخبر ہے اور اس پر عمل کرے گا۔ وہ دونوں جہانوں میں جوابدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 158:

‘‘اور جو کوئی نیکی کرے تو یقیناً اللہ قدر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔’’

باب 2 - البقرہ، آیات 159-160

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ ٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِى ٱلْكِتَٰبِ
أُو۟لَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟ وَبَيَّنُوا۟ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

"بے شک جو لوگ اس چیز کو چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلائل اور ہدایت کو ہم نے کتاب]تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لئے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں]جو انہوں نے چھپا رکھا تھا [وہ - میں ان کی توبہ قبول کروں گا، اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔"

اللہ تعالیٰ اہل کتاب میں سے علماء پر تنقید اور تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آسمانی صحیفوں میں پائے جانے والے علم کو جان بوجھ کر تدوین، غلط تشریح اور چھپانے سے گریز کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 159:

" بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب]تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

انھوں نے اس طرح کا برتاؤ اس لیے کیا کہ انھیں دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا جائے اور اپنے روپے کو دولت حاصل کرنے، رشوت کے ذریعے اور اپنے معاشروں میں اعلیٰ سماجی مقام حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس کے علاوہ، انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا تاکہ دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جا سکے کیونکہ انہیں اپنی سماجی حیثیت کھونے کا اندیشہ تھا، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دونوں کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں گفتگو کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

اس کے علاوہ، انہوں نے قرآن پاک کو اس طرح پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں کے اندر موجود علم کی تدوین، غلط تشریح اور چھپائی ،جس میں قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی کیونکہ اسلام نے براہ راست ان کے طرز زندگی کو چیلنج کیا تھا اور انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روکا تھا جو انہیں حاصل تھیں۔ عطا کیا اس کے علاوہ چونکہ ان کے عقیدے کی جڑیں حسب نسب میں گہری تھیں، خاص طور پر یہودیوں کے عقیدے میں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول یا پیروی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے نسب بنی اسرائیل سے نہیں تھے۔ اس کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے ان کا اعلیٰ نسل ہونے کا جھوٹا دعویٰ ختم ہو جاتا کیونکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ یہ، وہ کرنا قبول نہیں کر سکتے تھے۔

اپنے اس طرز عمل کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے گمراہ کیا اور اس لیے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دی۔ باب 2 البقرہ، آیت 159:

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب [تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت مسلمانوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ دانستہ طور پر قرآن کریم کے اندر پائے جانے والے علم کی غلط تشریح اور چھپانے سے اور دنیاوی فائدے کی خاطر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو بڑھا کر ان کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں۔ .اس میں یہ چننا اور چننا شامل ہے کہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کن اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا، وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

ایک مسلمان کو اسلام کو ایک کوٹ کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرنا چاہیے، جسے وہ پہنتے ہیں اور جب ان کے لیے مناسب ہو اتار دیتے ہیں۔ اسلام ایک طرز زندگی ہے جس پر ہر حال میں عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو یا وہ اسلام کے احکام و ممنوعات کے پیچھے موجود حکمت کو سمجھتے ہوں۔ صرف اس رویے سے ہی انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

انہیں بجائے اس کے کہ وہ عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کریں جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور خوراک کا سخت منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح ایک احمق مریض جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو رد کرتا ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے ، اسے ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تمام تعلیمات پر اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرنے میں ناکام رہے گا، چاہے وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض علماء کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور لعنت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کے اعمال نے بہت سے لوگوں کو حق سے گمراہ کیا۔ عام طور پر، ایک مسلمان کو دوسروں کے اعمال اور رویے سے گمراہ ہونے سے بچنے کے لیے دوسروں کی اندھی پیروی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے جو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جیسا کہ وہ واضح دلائل اور ہدایت پر مشتمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ اس کی طرف آیت 159 میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 159:

" بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب]تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

انسان کو چاہیے کہ وہ چوپایوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے وہ عقل اور عقل کا استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے لیے اسلام کی حقیقت کو دریافت کر سکے۔ یہ انہیں دوسروں کے گمراہ ہونے سے محفوظ رکھے گا اور اسلام پر ان کا ایمان مضبوط ہو

جائے گا تاکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، انسان کو دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے کر گمراہ کرنے سے بچنا چاہیے۔ انسان کے گناہ اس بات پر بڑھتے ہیں کہ کتنے لوگ مرنے کے بعد بھی اس کی بری ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص دوسروں کو نیکیوں کی طرف دعوت دیتا ہے اس کے نیک اعمال اس وقت تک بڑھتے رہیں گے جب تک کہ کوئی ان کی نیک ہدایت اور نصیحت پر عمل کرتا رہے، چاہے وہ فوت ہو جائے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 159:

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب]تورات اور بائبل[میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

یہ آیت دنیاوی چیزوں جیسے اعلیٰ شہرت حاصل کرنے کی نیت سے دینی علم حاصل کرنے کے خلاف بھی تنبیہ کرتی ہے، کیونکہ یہ نیت ہمیشہ اپنے دینی علم کی غلط تشریح کرنے اور اسے چھپانے کا باعث بنتی ہے۔ سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 253 میں اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو جہنم سے ڈرایا گیا ہے۔ اسلام کی باطنی بنیاد نیت ہے اور اگر یہ خراب ہے تو اس کے تمام اعمال فاسد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ نیک نیت ان کے اعمال سے ظاہر ہو گی کیونکہ وہ جان بوجھ کر غلط تشریح نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کے حاصل کردہ مذہبی علم کو چھپائیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان روزی کمانے کے لیے عالم نہیں بن سکتا، کیونکہ حلال روزی حاصل کرنا بذات خود ایک نیکی ہے اور جب تک ان کی نیت اللہ

تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، انہیں جان بوجھ کر غلط بیانی کی ترغیب نہیں دی جائے گی۔ یا جو دینی علم حاصل کیا ہے اسے چھپائیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 159:

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب]تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

ایک مسئلہ جو اس آیت سے بالواسطہ طور پر جڑا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی عالم یا مبلغ ان اہم مسائل پر بحث کرنے سے گریز کرتا ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا اور اس کے بجائے وہ اپنی توانائی ایسے موضوعات پر وقف کر دیتے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا، اور اس طرح وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اسے واضح کریں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے موضوع یا مسئلے کے مطالعہ یا تبلیغ سے گریز کرے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ صرف اپنی اور دوسروں کو زیادہ اہم مسائل سے ہٹاتا ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ یہ رویہ بھی انتشار کا باعث بنتا ہے، کیونکہ آج اکثر مسلم فرقے ایسے مسائل پر بٹ چکے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا۔

حسبِ معمول اللہ تبارک وتعالیٰ تمام لوگوں کو اپنی رحمت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 160:

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔ وہ - میں "
"ان کی توبہ قبول کروں گا، اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

،عام طور پر، سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے شامل ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے ایک ہی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں کو دوبارہ کرنے سے بچنے کا مخلصانہ وعدہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے ،جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کریں۔ خاص طور پر، جیسا کہ آیت 160 میں اشارہ کیا گیا ہے اپنے کردار کی اصلاح کا ایک حصہ جان بوجھ کر خدائی علم کی غلط تشریح اور چھپانا ترک کرنا ہے جو کسی کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے۔ اس میں انتخاب کو ترک کرنا اور یہ چننا شامل ہے کہ اپنی خواہشات کے مطابق کن اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ جو شخص اس طریقے سے اپنی اصلاح کرے گا وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش پائے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے محیط ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت اور ترغیب دی جائے گی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں ،النحل 16 بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی"
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 160:

‘‘اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔’ ’

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اپنی پیدا کردہ صلاحیتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی الوہی صفات پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس صورت میں، وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو معاف کرنا سیکھیں۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنے حالات کو تبدیل نہیں کرنا چاہئے تاکہ دوسرے شخص کے ذریعہ دوبارہ ظلم نہ ہو، کیونکہ ایسا کرنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ لیکن اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بعد تاکہ وہ تاریخ کے دہرانے سے محفوظ رہے، اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا سیکھے، کیونکہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ سربلند سنن ابوداؤد نمبر 4941 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 161-162

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كُفَّارٌ أُو۟لَـٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ ٱللَّهِ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ وَٱلنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

خَـٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ ٱلْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب" کی لعنت ہے۔

‘‘اس میں ہمیشہ رہنا۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

ایک آلہ جو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے ہمیشہ ناکامی کا لیبل لگا دیا جائے گا، چاہے اس میں بہت سی دوسری مثبت خصوصیات ہوں۔ اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56 ہے جس کا ایک مقصد ہے:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

باب 67 الملک، آیت 2:

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے‘‘۔ ’’

اس مقصد میں اس دنیا میں زندگی کے امتحان سے گزرنا شامل ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ اس امتحان میں ناکام ہونے والے کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے دونوں جہانوں میں مصائب، تناؤ اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، خواہ اس کے پاس ساری دنیا ہی کیوں نہ ہو اور اس کے پاس تفریح اور تفریح کے لمحات ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 161:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور کافر ہی کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی ’’ اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔‘‘

ایک شخص اس امتحان میں ناکام ہونے کا حتمی طریقہ یہ ہے کہ اس ذات کا انکار کرے جس نے انہیں پیدا کیا اور ان کو بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ جس طرح ایک ایجاد جو اپنے مقصد کی تکمیل میں ناکام ہو جاتی ہے اسے ضائع کر دیا جاتا ہے، اسی طرح وہ شخص بھی ضائع ہو جائے گا جس نے اپنی تخلیق کے مقصد کو ناکام بنایا۔ باب 2 البقرہ، آیات 161-162:

"بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔ اس میں ہمیشہ رہنا۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔''

عام طور پر، جیسا کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے مکمل کنٹرول اور دائرہ اختیار میں ہے، اس لیے انسان کے پاس اس کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ جس طرح کسی شخص کو کسی خاص ملک کے انچارج حکومت کے مقرر کردہ اصولوں کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح اگر وہ مالک کائنات کے احکام کی تعمیل میں ناکام رہے تو اسے دونوں جہانوں میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک شخص کسی ملک کو چھوڑنے کے قابل ہو سکتا ہے اگر وہ اس کے قوانین سے راضی نہ ہو لیکن وہ ایسی جگہ فرار نہیں ہو سکے گا جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام اور دائرہ اختیار کا اطلاق نہ ہو۔ لہٰذا، ایک کو ان کے اپنے مفاد کے لئے، ان قوانین کی تعمیل کرنا ضروری ہے .جو شخص اس حقیقت کو سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی خوشنودی کے لیے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم

باب 2 البقرہ، آیت 161:

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور کافر ہی کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔''

یہ آیت لوگوں کو بری صحبت کے بارے میں بھی متنبہ کرتی ہے، کیونکہ انسان لازماً اپنے ساتھیوں کی خصوصیات کو اپناتا ہے، خواہ وہ مثبت ہوں یا منفی۔ جو بری صحبت اختیار کرے گا وہ آخر کار منفی طور پر متاثر ہوگا اور اس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن اپنی صحبت اور ساتھیوں پر لعنت بھیجے گا۔ باب 25 الفرقان، آیات 27-29:

"اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا]افسوس سے [وہ کہے گا، کاش میں نے رسول کے ساتھ کوئی راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے ہائے میری، کاش میں نے اس کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ میرے پاس آنے کے بعد اس نے مجھے اس سے دور کر دیا اور انسان کے لیے ہمیشہ سے ہی شیطان ہے۔"

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کے سب سے بڑے جال میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بری صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دیں کیونکہ یہ گمراہی کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے بجائے اچھے ساتھی کو اپنانا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف ترغیب دیں کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں فائدہ ہوگا۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

اگر کسی مسلمان کی صحبت کافی خراب ہے، تو یہ انہیں اپنے عقیدے پر عمل کرنے سے بچنے کی ترغیب دے سکتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اس دنیا سے جانے سے پہلے اپنا ایمان کھو سکتا ہے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے عمل سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جس کی پرورش نہیں ہوتی، مثلاً پانی، مر جائے گا، اسی طرح اس مسلمان کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو اپنے ایمان کی پرورش اطاعت کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اہم آیات سے ظاہر ہے،

یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اس کے علاوہ، اچھے اعمال بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا، محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا اس وقت تک اچھا نہیں ہے جب تک کہ اسے اطاعت کے جسمانی اعمال کی تائید حاصل نہ ہو۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اہم آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان جس طرح اس دنیا میں رہتا ہے، اسی طرح وہ مرے گا اور جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 7232 میں ہے کہ انسان کو اسی حالت میں زندہ کیا جائے گا جس میں وہ مرے گا۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش حاصل کرنے والے مسلمان کے طور پر دوبارہ زندہ کیا جائے تو اسے مسلمان کی حیثیت سے مرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان کی حیثیت سے مرنا چاہتا ہے تو اسے مسلمان کی حیثیت سے جینا اور عمل کرنا چاہیے۔ لفظ مسلم کا لغوی معنی ہے وہ شخص جس نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں، انہیں اپنے ایمان کو حقیقی معنوں میں ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے کرنا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 161-162:

"بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔ اس میں ہمیشہ رہنا۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔"

یہ آیات لوگوں کو امید بھی دلاتی ہیں کیونکہ یہ سزا صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہوئے مرتے ہیں۔ اس سے ہر ایک کے لیے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب تک وہ اس دنیا میں زندہ ہیں۔ سچائی کو قبول کرنے اور تخلیق کے اپنے مقصد کو پورا کرنے کا دروازہ، تاکہ وہ ایک بامعنی وجود کی رہنمائی کریں جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی سے بھرپور ہو۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ رحمت کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے، اس لیے کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم پر کبھی بددعا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ مسلمان ہی مرے گا یا نہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت کو اپناتے ہوئے غیر مسلموں کی رہنمائی کے لیے دعا کرے اور اس کے بجائے اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اپنے ایمان کی پرورش اور مضبوطی پر توجہ مرکوز کرے۔ ان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کریں۔ دوسرے لفظوں میں، کسی کو اپنے حتمی انجام کے بارے میں زیادہ فکر مند ہونا چاہیے، کیونکہ کسی کو بھی

مسلمان کی موت کی ضمانت نہیں دی گئی ہے، پھر اپنی کوششیں دوسرے لوگوں پر تنقید کرنے پر مرکوز کریں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 163-167

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا
يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن
كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا
لِّلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ
أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود]عبادت کے لائق [نہیں ہے جو بڑا" مہربان نہایت رحم والا ہے۔

درحقیقت آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور ان)بڑے (بحری جہازوں میں جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور جو اللہ نے آسمانوں سے بارش نازل کی ہے۔ اس کے ذریعہ زمین کو اس کے بے جان ہونے کے بعد زندگی

بخشنا اور اس میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانداروں کو منتشر کرنا اور ہواؤں اور بادلوں کو آسمان کے درمیان کنٹرول کرنا۔ اور زمین ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا کسی کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ انہیں اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ لیکن جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی محبت میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اور کاش وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو)یقین کریں گے (کہ تمام طاقت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

]اور انہیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ [جب پیروی کرنے والے اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ کر لیتے ہیں جنہوں نے]ان کی [پیروی کی تھی، اور وہ]سب [عذاب کو دیکھتے ہیں، اور ان سے تعلقات منقطع ہوجاتے ہیں۔

پیروی کرنے والے کہیں گے کہ کاش ہمارے پاس]دنیا کی زندگی میں [ایک اور موڑ ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح الگ ہوجاتے جس طرح انہوں نے ہم سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ اس طرح اللہ ان "کے اعمال ان پر حسرت کے طور پر دکھائے گا۔ اور وہ کبھی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔

اسلام انسانوں کو سکھاتا ہے کہ ان کو ہر حال میں جس کی اطاعت کرنی چاہیے وہ ان کا خالق اور پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 163:

"...اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود]عبادت کے لائق [نہیں "

درحقیقت، جو کوئی اس کی اطاعت کرتا ہے اس کے مطابق اپنی زندگی کا نمونہ بناتا ہے، وہ اسی کی پوجا کرتا ہے، چاہے وہ کسی بھی دیوتا کو نہ ماننے کا دعویٰ کرے۔ انسانوں کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ کسی چیز کی اطاعت اور پیروی کریں۔ چاہے یہ کچھ دوسرے لوگ ہوں، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت یا حتیٰ کہ ان کی اپنی خواہشات۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

کوئی شخص جس کی بھی اطاعت کرتا ہے اور جس کی پیروی کرتا ہے وہ اسی کی عبادت کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے زبانی اعلان ایمان کی حمایت عمل کے ساتھ کریں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے دیگر تمام چیزوں پر عمل کریں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے رحمن کی طرف سے ذہنی سکون اور کامیابی عطا ہوگی۔ باب 2 البقرہ، آیت 163:

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود]عبادت کے لائق [نہیں جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

:باب 16 النحل، آیت 97 اور

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی"
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے اور اس کے بجائے دوسری چیزوں کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے وہ اس رحمت سے محروم رہے گا جو دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہے، خواہ اس کے پاس پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو اور لمحات کا تجربہ ہو۔ تفریح اور تفریح، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اختیار سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ باب 9 توبہ آیت
:82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت"
کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 163

‘‘...اور تمہارا معبود ایک ہی ہے’’

پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی نافرمانی اور ان کی سزا پر بحث کرنے کے بعد، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا دعویٰ کیا تھا، واضح کرتا ہے کہ وہی خدا جس نے بنی اسرائیل کو عذاب دیا تھا۔ ان کی نافرمانی، کسی دوسری برادری کو بھی سزا دے گی، جیسے کہ مسلم کمیونٹی، اگر وہ اس کی نافرمانی پر بھی قائم رہیں، جیسا کہ قوانین اور روایات اللہ تعالیٰ ہر امت کے لیے عالمگیر ہے۔
:باب 33 الاحزاب، آیت 62

]یہ [اللہ کا قائم کردہ طریقہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کی راہ میں" "کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

لہٰذا مسلمانوں کو یہ ماننے کے گمراہ کن رویہ سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ پچھلی امتوں سے برتر ہیں، اس طرح ایسا برتاؤ کریں کہ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام ان پر لاگو نہیں ہوتے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ پیدا ہوتی ہے، نہ کہ اس سے امید۔ رحم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ہمیشہ اس کی مخلصانہ اطاعت سے وابستہ ہے جس کے تحت کوئی شخص ان نعمتوں کو ان ،طریقوں سے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، پھر امید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا۔ وہ

دونوں جہانوں میں رحمت اور بخشش۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوئے انہیں دونوں جہانوں میں رحمت اور بخشش عطا کرے گا صرف اس لیے کہ وہ زبانی طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ امید اور خواہش کے درمیان اس فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہنے والوں کو سزا دینے کی روایت نہ ماضی میں کسی قوم کے لیے بدلی ہے اور نہ ہی بدلے گی۔ مسلمان قوم کے لیے تبدیلی، سوچ ورنہ دونوں جہانوں میں صرف خواہش مند سوچ اور عذاب کا باعث بنتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 163:

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود [عبادت کے لائق] نہیں ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جس طرح مخلوق کو پیدا کرنے کا سبب ان پر رحم کرنا ہے، اسی طرح اس رحمت کو حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور غضب کو حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے لیے صرف اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرے۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کائنات کے اندر کچھ نشانیاں بیان فرماتا ہے جو واضح طور پر اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیات 163-164:

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود]عبادت کے لائق [نہیں ہے جو بڑا " "...مہربان نہایت رحم والا ہے۔ بے شک، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں

جب کوئی آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لاتعداد بالکل متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، تو یہ ،واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کو بنانے اور برقرار رکھنے والا صرف ایک ہی ہے۔ مثال کے طور پر سورج کا زمین سے کامل فاصلہ ایک واضح علامت ہے، کیونکہ اگر سورج اس سے تھوڑا قریب یا اس سے زیادہ دور ہو تو زمین قابل رہائش نہیں ہوگی۔ اسی طرح زمین کو اس طرح بنایا گیا ہے جو ایک متوازن اور پاکیزہ ماحول بناتا ہے جس سے اس پر زندگی کی نشوونما ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 164:

‘‘...اور رات اور دن کا ردوبدل ’’

دن اور رات کے بہترین اوقات اور سال بھر میں ان کی مختلف لمبائی لوگوں کو ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتی ہے۔ اگر دن لمبے ہوتے تو لوگ طویل گھنٹوں سے تھک جاتے۔ اگر راتیں لمبی ہوتیں تو لوگوں کے پاس اتنا وقت نہ ہوتا کہ وہ اپنی روزی کما سکیں اور دوسری مفید چیزیں مثلاً علم۔ اگر راتیں کم ہوتیں تو لوگ زیادہ سے زیادہ صحت حاصل کرنے کے لیے کافی آرام نہیں کر پاتے۔ دن اور رات کی لمبائی میں تبدیلی سے فصلوں پر بھی اثر پڑے گا جس سے انسانوں اور جانوروں کے رزق پر نقصان دہ اثر پڑے گا۔ یہ حقیقت کہ کائنات کے اندر دن اور راتیں اور دوسرے متوازن نظام کامل ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے ہیں، یہ بھی واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ متعدد خدا مختلف چیزوں کی خواہش کرتے ہیں، جو کائنات کے اندر افراتفری کا باعث بنتی ہیں۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 164:

’’ اور وہ]عظیم [بحری جہاز جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اور جو اللہ نے آسمان سے بارش نازل کی ہے۔‘‘

جب کوئی بالکل متوازن پانی کے چکر کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتا ہے۔ سمندر سے پانی بخارات بن کر ابھرتا ہے اور پھر گاڑھا ہو کر تیزابی بارش پیدا کرتا ہے جو پہاڑوں پر اترتی ہے ۔ یہ پہاڑ تیزابی بارش کو بے اثر کرتے ہیں تاکہ لوگ اور جانور اس سے استفادہ کر سکیں۔ اگر اس بالکل متوازن نظام میں کوئی تبدیلی ہوئی تو یہ زمین پر انسانوں اور جانوروں کے لیے تباہی کا باعث بنے گی۔ سمندر کا نمک سمندر کے اندر موجود مردہ مخلوق کو آلودہ ہونے سے روکتا ہے۔ اگر سمندر کو آلودہ ہونے دیا جائے تو سمندری زندگی ممکن نہیں رہے گی اور سمندروں کی نجاست خشکی پر بھی زندگی پر حاوی ہو جائے گی۔ سمندروں اور سمندروں کے اندر پانی کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ سمندری زندگی اس کے اندر پھل پھول سکتی ہے جبکہ اس کے اوپر بھاری بحری جہاز چل سکتے ہیں۔ اگر پانی کی ساخت قدرے مختلف ہوتی تو عدم توازن پیدا ہوتا جس کی وجہ سے یا تو سمندری حیات پانی کے اندر پنپتی یا اس کے اوپر بحری جہازوں کو چلنے دیتی لیکن دونوں ایک ہی وقت میں ممکن نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ آج تک، سمندر کے ذریعے نقل و حمل دنیا بھر میں سامان کی نقل و حمل کی سب سے زیادہ استعمال شدہ شکل ہے۔ یہ کامل توازن اس لیے زمین پر زندگی کے لیے ضروری ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 164:

’’ اور جو اللہ نے آسمان سے بارش برسائی، اس سے زمین کو اس کے بے جان ہونے کے بعد زندگی بخشی۔‘‘

قیامت کے دن انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے امکان سے انکار کرنا ایک عجیب دعویٰ ہے جب کہ قیامت کی کئی مثالیں موجود ہیں جو دنوں، مہینوں اور سالوں میں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ بارش کا استعمال کرتے ہوئے ایک مردہ بنجر زمین کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق کو مہیا کرنے کے لیے ایک مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مردہ بیج کو بھی زندہ کر سکتا ہے جس کا نام انسان ہے، جو زمین میں دفن ہے، اس مردہ بیج کی طرح جو زندہ ہو جاتا ہے۔ موسموں کا بدلنا قیامت کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سردیوں میں درختوں کے پتے مر کر گر جاتے ہیں اور درخت بے جان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دوسرے موسموں میں، پتے ایک بار پھر اگتے ہیں اور درخت زندگی سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کی نیند کے جاگنے کا چکر قیامت کی ایک اور مثال ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جیسے سونے والے کے حواس کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کی روح ان کو واپس کردیتا ہے اگر وہ اس پر زندہ رہنا مقصود ہو تو سوئے ہوئے شخص کو ایک بار پھر زندگی بخشتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

"اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں قبض کرتا ہے۔ پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کیا ہے ان کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقیوں کو ایک معین مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

ان اور بہت سی مثالوں پر غور کرنا قیامت کے دن آخری قیامت کے امکان کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 164:

اور اس میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جاندار کو منتشر کردے گا‘‘۔ ’’

ارتقاء اتپریورتن کی ایک شکل ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نامکمل ہے۔ لیکن جب کوئی ان گنت انواع کا مشاہدہ کرے گا تو وہ پائیں گے کہ انہیں بالکل متوازن طریقے سے تخلیق کیا گیا ہے تاکہ وہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس میں پھل پھول سکیں۔ مثال کے طور پر، اونٹ کو زیادہ درجہ حرارت کو برداشت کرنے اور طویل عرصے تک چلنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ پانی پینے کی ضرورت کے بغیر .وہ بالکل صحرائی زندگی کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ باب 88 الغاشیہ، آیت 17:

‘‘پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟’’

بکری کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا تھا کہ اس کے جسم کے اندر موجود نجاست اس سے پیدا ہونے والے دودھ سے بالکل الگ ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے دودھ پینے کے قابل نہیں ہو گا۔ باب 16 النحل، آیت 66:

اور درحقیقت تمہارے لیے مویشی چرانے میں عبرت ہے۔ ہم آپ کو ان کے پیٹوں میں سے پیتے ہیں’’ "اخراج اور خون کے درمیان - خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہے۔ -

ہر پرجاتی کو ایک مخصوص زندگی کا دورانیہ دیا گیا ہے جو ایک پرجاتیوں کو دوسروں پر قابو پانے سے روکتا ہے۔ مثال کے طور پر، مکھیوں کی زندگی بہت کم ہوتی ہے، 3-4 ہفتے، اور 500 تک انڈے دیتی ہیں۔ اگر اس کی عمر طویل ہوتی تو مکھیوں کی آبادی غیر متناسب ہو جاتی اور وہ اس دنیا کی دیگر تمام انواع کو مغلوب کر دیتی۔ جبکہ دوسری مخلوقات جن کی عمر بہت طویل ہوتی ہے ان میں صرف چند اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ایک بار پھر یہ ان کی آبادی کو معتدل کرنے

کی اجازت دیتا ہے۔ یہ سب کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ارتقاء کا عمل اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 164:

"...اور آسمان اور زمین کے درمیان ہواؤں اور بادلوں کا کنٹرول ..."

ہوا کی آلودگی کے لیے ہوائیں ضروری ہیں، جو فصلوں، پودوں اور درختوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ پہلے دنوں میں سمندری سفر کے لیے ہوا ضروری تھی، جو آج تک دنیا بھر میں سامان کی نقل و حمل کا اہم ذریعہ ہے۔ تخلیق کے لیے پانی مہیا کرنے کے لیے بارش کے بادلوں کو مخصوص جگہوں پر منتقل کرنے کے لیے ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہواؤں کا ایک بالکل متوازن نظام زمین کے اندر پایا جاتا ہے، کیونکہ ہواؤں کی کمی تخلیق کے لیے انتشار کا باعث بنتی ہے اور ہواؤں کا بڑھنا بھی تخلیق کے لیے انتشار کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح بارش بھی بالکل متوازن ہے، کیونکہ بہت کم بارش خشک سالی اور قحط کا باعث بنتی ہے اور بہت زیادہ بارش بڑے پیمانے پر سیلاب کا باعث بنتی ہے۔ باب 23 المومنون، آیت 18:

"اور ہم نے آسمان سے ایک مقدار میں بارش برسائی اور اسے زمین میں ٹھہرایا۔ اور بے شک ہم اس کو دور کرنے پر قادر ہیں۔"

یہ بالکل متوازن نظام بے ترتیب نہیں ہو سکتا اور واضح طور پر خالق کا ہاتھ دکھاتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 164:

" بے شک، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں ، اور رات اور دن کے بدلنے میں ، ایک اور]بڑے[بحری جہاز جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں ، اور جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے بارش کا، اس کے ذریعے زمین کو اس کے بے جان ہونے کے بعد زندگی بخشتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانداروں کو منتشر کرتا ہے، اور ہواؤں اور بادلوں کو چلاتا ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیان کنٹرول ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

ان تمام متوازن نظاموں پر غور کرنے والا منطقی طور پر ایک خالق کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ، جب کوئی ان بالکل متوازن نظاموں اور دیگر کو آسمان و زمین کی تخلیق کے اندر دیکھے گا تو اسے ایک بڑی چیز نظر آئے گی جو متوازن نہیں ہے، یعنی لوگوں کے اعمال۔ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا پورا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا اور برے کام کرنے والے کو ان کی پوری سزا نہیں ملتی، خواہ انہیں حکومت کی طرف سے سزا دی جائے۔ یہ سمجھنا منطقی ہے کہ واحد خالق، اللہ، برگزیدہ، جس نے اس کائنات کے اندر تمام دوسرے نظاموں کو متوازن کیا، ایک دن لوگوں کے اعمال میں بھی توازن پیدا کرے گا، جو اس دنیا کی سب سے بڑی غیر متوازن چیز ہے۔ اعمال کے اس توازن کے لیے، لوگوں کے اعمال کو پہلے ختم ہونا چاہیے۔ یہ قیامت کا دن ہے جب لوگوں کے اعمال کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ اور توازن رکھا جائے گا۔

لیکن جن لوگوں نے پہلے ہی سے عطا کی ہوئی نعمتوں کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ایک ایسے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں جو ان کی خواہشات یا دوسروں کی خواہش کے مطابق ہو تو وہ کائنات کے اندر موجود نشانیوں کی قدر نہیں کریں گے اور نہ ہی متاثر ہوں گے۔ جو واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، خلوص نیت سے اس کی اطاعت کی اہمیت اور قیامت کے دن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 164-165:

ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل کا استعمال کرتے ہیں۔ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو..." اللہ کے سوا کسی کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ انہیں اللہ ...سے محبت کرنی چاہیے

جب کوئی شخص کائنات کے اندر موجود نشانیوں اور اسلامی تعلیمات میں زیر بحث آنے والی نشانیوں پر دھیان دینے میں ناکام رہے گا تو وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان چیزوں کی اطاعت اور عبادت کرے گا، جیسے کہ اپنی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت اور لوگ۔ اس کی وجہ سے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کی وجہ سے دونوں جہانوں میں صرف مصیبت، تناؤ اور پریشانی ہی پیدا ہوتی ہے، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ :باب 9 توبہ آیت 82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

صرف وہی لوگ ایسا کریں گے جو کائنات کے اندر موجود ان نشانیوں پر دھیان دے کر اپنے ایمان کو عملی جامہ پہناتے ہیں جو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 165:

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی محبت میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں لیکن...

وہ اعمال کے ذریعے اپنے ایمان کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی خواہشات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسا کرنا ان کے لیے بہتر ہے۔ وہ ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرتے ہیں جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے باوجود اس حقیقت کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ اس کے نتیجے میں، انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی، چاہے ان کے پاس دولت جیسی بہت سی چیزیں کیوں نہ ہوں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 165:

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا کسی کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح " محبت کرتے ہیں جیسا کہ انہیں اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ لیکن جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی محبت میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔''

اہل کتاب نے بغیر سوال کے ان کی اطاعت کرتے ہوئے اور ان کی رائے کو اللہ تعالیٰ کا فرمان اور حکم مان کر اپنے علماء کو رب بنا لیا۔ باب 9 توبہ آیت 31:

انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے''۔''

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ اکثر مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے، قرآن پاک کے طریقے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے کے بجائے اپنے روحانی اساتذہ اور ان کی روحانی مشقوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اس پر درود ہو۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور'' تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ چوپایوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے اس عقل کو استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہے تاکہ وہ ہدایت کے دو منابع قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیمات کا مطالعہ اور سیکھ سکے۔ بجائے اس کے کہ ان لوگوں کی اندھی تقلید کریں جو نیک نظر آتے ہیں۔ درحقیقت، دین کے علم کے دوسرے ذرائع کی جتنی زیادہ پیروی اور اطاعت کرے گا، اتنا ہی کم وہ ہدایت کے دو ذرائع کی پیروی اور اطاعت کرے گا،

جو کہ گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو منابع ہدایت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ .

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی نافرمانی کرنے والوں کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے خبردار کرتا ہے جو ان کو دی گئی ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج سے اس دنیا یا آخرت میں ہرگز نہیں بچ سکیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کو کنٹرول کرتا ہے۔ چیزیں، بشمول ان کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 2 البقرہ، آیت 165:

اور کاش وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو]یقین کریں گے [کہ تمام طاقت اللہ ہی کی ہے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ یہ عذاب اسی دنیا میں شروع ہوگا جس سے دنیاوی چیزیں اس کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ وہ ایک تناؤ سے دوسرے تناؤ کی طرف بڑھیں گے اور ایک تاریک اور تنگ زندگی گزاریں گے، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اپنی غافل ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مایوسی اور پریشانی کی وجہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جوڑ نہیں سکیں گے۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنی زندگی میں غلط چیزوں کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، جیسے کہ چند اچھے دوست اور رشتہ دار جو ان کے پاس ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ان اچھے عناصر

کو اپنی زندگیوں سے نکال دیں گے، جو ان کے لیے مزید مصائب اور تناؤ کا باعث بنتے ہیں۔ اور آخرت میں جو ان کا انتظار ہے وہ اس سے بھی زیادہ تلخ اور تباہ کن ہے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 165:

اور کاش وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو]یقین کریں گے [کہ تمام ’’ طاقت اللہ ہی کی ہے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

آخرت میں ان کی سزا، تناؤ اور اذیت انہیں ان لوگوں پر مورد الزام ٹھہرانے پر مجبور کرے گی جنہوں نے انہیں دنیا میں گمراہ کیا، جن کو انہوں نے اپنا نمونہ بنایا اور ہر حال میں ان کی اطاعت کی۔ لیکن یہ ان کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ دوسروں پر الزام نہیں لگا سکیں گے، کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ درحقیقت، ابلیس بھی قیامت کے دن اس سچائی کا اعلان کر دے گا اور اس طرح ظالموں کی اپنے اعمال کے نتائج سے بچنے کی اُمیدیں اُس پر ڈال کر تباہ کر دے گا۔ ابراہیم، آیت 22 14 باب:

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ خود کو قصوروار ٹھہرائیں۔

ان کا تناؤ اور پریشانی اس وقت بڑھے گی جب وہ دیکھیں گے کہ کس طرح وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران ان کے گمراہ کن طریقوں سے ان کا ساتھ دیا، دوست اور رشتہ دار، خود کو ان سے الگ کر لیں گے کیونکہ وہ ان کی سزا میں شریک نہیں ہونا چاہتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 166:

"]اور انہیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ [جب پیروی کرنے والے اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ کر لیتے ہیں جنہوں نے]ان کے [پیروی کی تھی، اور وہ]سب [عذاب کو دیکھتے ہیں، اور ان سے رشتہ منقطع ہوجاتا ہے."

دونوں جہانوں میں ان کی صحبت سے صرف وہی لوگ مستفید ہوتے ہیں جو اس دنیا میں اچھے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کیے گئے ہیں استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتے ہیں۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

قیامت کے دن صرف وہی رشتے جو مضبوط رہیں گے اور اس کے حق میں شمار ہوں گے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں باندھے گئے رشتے ہیں، چاہے یہ رشتے نیک لوگوں کے ساتھ ہوں، قرآن پاک سے ہوں یا اعمال صالحہ کے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے تعلقات استوار کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے، تاکہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔
باب 5 المائدة، آيات 15-16:

’’تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

لیکن جو لوگ گمراہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں انہیں آخرکار قیامت کے دن کا سامنا کرنا پڑے گا جب انہیں اپنے طرز عمل کی اصلاح کا دوسرا موقع نہیں دیا جائے گا۔ وہ پچھتاوے کے ساتھ رہ جائیں گے جو ان کی کم سے کم مدد نہیں کرے گا۔ درحقیقت، ان کے پچھتاوے سے ان کی پریشانی اور تناؤ ہی بڑھے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 167:

" جو لوگ پیروی کرتے ہیں وہ کہیں گے، "کاش ہمارے پاس]دنیا کی زندگی میں [ایک اور موڑ ہوتا تو ہم ان سے خود کو اسی طرح الگ کر لیتے جس طرح انہوں نے ہم سے علیحدگی اختیار کی ہے۔" اس طرح اللہ ان کو ان کے اعمال ان پر حسرت کے طور پر دکھائے گا۔ اور وہ کبھی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔"

لہٰذا مسلمانوں کو اس دنیا میں اپنے طرز عمل کی اصلاح کے ان گنت مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اس سے پہلے کہ ان کا وقت گزر جائے۔ انہیں اپنے تمام وقت اور وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں اور دوسری تمام چیزوں مثلاً سوشل

میڈیا، لوگ، فیشن، ثقافت اور اپنی خواہشات کی اطاعت اور عبادت سے اجتناب کریں۔ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کرتے ہیں اور دنیا کی تاریک اور تنگ زندگی اور آخرت کے ناقابل تصور عذاب اور ندامت سے بچ جاتے ہیں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 171-168

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُوا۟ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۗ أَوَلَوْ كَانَ
ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ كَمَثَلِ ٱلَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

اے لوگو، زمین پر جو کچھ بھی حلال اور پاک ہے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے’’ شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس بات پر چیختا ہے کہ پکارنے اور پکارنے کے سوا کچھ نہیں سنتا]یعنی مویشی یا بھیڑیں [بہرے، گونگے اور اندھے پس وہ سمجھتے نہیں۔

بہت سے دوسرے مذاہب اور طرز زندگی کے برعکس، اسلام تمام لوگوں کو بغیر کسی تعصب کے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کی طرف یکساں طور پر دعوت دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 168:

‘‘...اے انسانو’’

اسلام واضح کرتا ہے کہ صرف وہی چیز جو کسی کو دوسروں پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ کسی شخص کی نیت پوشیدہ ہوتی ہے، اس لیے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ یا دوسرے دوسرے لوگوں سے برتر ہیں۔ اس کے بجائے، انسان کو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔

جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد نیک نیت کو اپنانا ہے، اسی طرح اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کی کمائی اور استعمال ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 168:

‘‘اے لوگو ، زمین پر جو کچھ بھی حلال اور پاک ہے اسے کھاؤ۔’’

جو حرام کماتا اور کھاتا ہے وہ ان کے تمام اعمال کو تباہ کر دے گا کیونکہ انہوں نے اسلام کی ظاہری بنیاد کو خراب کر دیا ہے۔ اس سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ جو حرام کماتا اور کھاتا ہے وہ اس دنیا یا آخرت میں کبھی بھی ذہنی سکون اور حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے معاملات اور ان کے روحانی قلب یعنی گھر کو کنٹرول کرتا ہے۔ ذہنی سکون کی .وہ چیزیں جو وہ غیر قانونی طریقے سے حاصل کرتے ہیں، دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، پریشانی باب 9 توبہ آیت اور پریشانی کا باعث بنیں گے، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 168

‘‘اے لوگو، زمین پر جو کچھ بھی ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔’’

ایک مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ خالص اور صحت بخش چیز کمانے اور استعمال کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2380 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ آدمی اپنے پیٹ کا ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی حصہ پینے کے لیے مختص کرے۔ ہوا کے لئے تیسرے باقی .یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی کھانا پینا بند کر دے اس سے پہلے کہ وہ مکمل ہو جائے اور اگر اسے دوسرے کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ دوسروں کو یہ بتائے بغیر اس میں حصہ لے سکتے ہیں کہ وہ پہلے ہی کھا چکے ہیں۔ جیسا کہ حد سے زیادہ کھانا اور غیر صحت بخش کھانا بے شمار ذہنی اور جسمانی مسائل کا باعث بنتا ہے، اس لیے جو ایک متوازن اور صحت مند غذا حاصل کرتا ہے، جیسا ،کہ اسلام نے بتایا ہے، وہ ذہنی اور جسم کی متوازن حالت کے حصول کی طرف بڑے قدم اٹھائے گا جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ .جب کہ جو شخص متوازن اور صحت مند طریقے سے کھانا نہیں کھاتا ہے، حتیٰ کہ جو حرام ہے اسے حاصل کر کے کھاتا ہے، اس کی ذہنی اور جسمانی حالت غیر متوازن ہو جائے گی، جس سے بے شمار دماغی اور جسمانی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ دونوں وہی ہے جو شیطان انسانوں کے لیے چاہتا ہے اور اس لیے وہ انہیں غیر قانونی جہانوں میں یہ مصیبت اور غیر صحت بخش طرز زندگی کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 168:

زمین پر جو کچھ بھی حلال اور پاک ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک ..." ‘‘وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کے اس جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر انسان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح ان کا حلال رزق ان کے لیے مختص کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے، یہ لازماً ان تک پہنچے گا اور کوئی دوسرا اسے ان سے روک نہیں سکتا اور نہ بڑھا سکتا ہے۔ یہ ان کے لئے .صحیح

ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اپنے حلال رزق کے حصول کے لیے جو توانائی اور صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے استعمال کرے۔ جب تک کوئی ان کی بات کو پورا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انہیں وہ حلال رزق مل جائے جو اس نے بہت پہلے ان کے لیے مختص کیا تھا، چاہے اس کے حصول کے لیے اسے زمین و آسمان کو کیوں نہ ہلانا پڑے۔ باب 11 ہود، آیت 6:

"اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور وہ اس کے رہنے کی جگہ اور ذخیرہ کرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب کچھ واضح رجسٹر میں ہے۔"

اس کے علاوہ، شیطان حرام رزق کو مزین کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے، انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قدرت سے کبھی نہیں بچ سکتا اور دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 168:

‘‘اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ’’

اس میں اسلام کے بتائے ہوئے طرز زندگی اور ضابطہ حیات کے علاوہ کسی اور طرز زندگی اور ضابطہ اخلاق کو اپنانا شامل ہے۔ درحقیقت اس دنیا میں وہ دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مشتمل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

،کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ .یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث بنتا ہے
:باب 16 النحل، آیت 97 کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے معاملات اور نتائج کو کنٹرول کرتا ہے۔

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

یہ راستہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دے گا جس کے نتیجے میں معاشرے میں انصاف اور امن پھیلتا ہے۔ مزید برآں، اس راستے میں ہدایت کے دو منابع، قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہر حال میں سختی سے عمل کرنا شامل ہے۔ اس لیے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے، خواہ وہ نیکیوں کا باعث ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم دین کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی وسلم نے جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

دوسرا راستہ، شیطان کا راستہ، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے جو عطا کی گئی ہیں۔ باب 2
:البقرہ، آیات 168-169

اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور ”
"بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

یہ دونوں جہانوں میں صرف مصائب، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بن سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کو تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا ہو۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی دولت اور شہرت کے باوجود ان کی افسردہ اور دکھی زندگی گزارتے ہیں، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ اس کے علاوہ، یہ راستہ صرف معاشرے میں برائی اور بے حیائی پھیلانے کا سبب بنتا ہے، کیونکہ لوگوں کو مویشیوں کی طرح برتاؤ کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے جو صرف اپنی خواہشات کی تکمیل میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس لیے ہر اس چیز کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ان کے طرز زندگی سے متصادم ہو، اس طرح ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ بہرے ہوں۔ ، گونگا اور اندھا۔ یہ ان کو اللہ، عالی، یا دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے روک دے گا اور اس لیے معاشرے میں انصاف اور امن کے پھیلاؤ کو روک دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 171:

’’کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس پر چیختا ہے کہ پکارنے اور پکارنے کے سوا کچھ نہیں سنتا]یعنی مویشی یا بھیڑیں [بہرے، گونگے اور اندھے پس وہ نہیں سمجھتے۔‘‘

جو معاشرہ ایسا سلوک کرے گا وہ اپنے اندر انصاف اور امن کے پھیلاؤ کو روک دے گا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا انسان کو زندگی میں صحیح راستے کا انتخاب کرنا چاہیے خواہ وہ ان کی خواہشات سے متصادم ہو، کیونکہ یہی ان کے لیے بہترین ہے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، چاہے انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جائیں اور غذا کا سخت منصوبہ بنایا جائے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 169

اور اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے‘‘۔ ’’

شیطان کے سب سے بڑے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے غافل رہنے کی ترغیب دی جائے جن کی وضاحت قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں کی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط عقائد اختیار کرے گا جو کہ انتہائی بے عزتی ہے اور یہ غلط عقائد اسے صرف اس کی نافرمانی پر اکسائیں گے۔ مثال کے طور پر، جاہل اس حقیقت کو سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ معاف کرنے والا ہے اور اس وجہ سے وہ گناہوں اور اس کی نافرمانیوں پر اڑے رہیں گے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معاف کردیا جائے گا، جیسا کہ وہ سب بخشنے والا ہے۔ اس غلط عقیدہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ظالم اور غیر منصفانہ ہے اور برائی کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنے والے کے برابر سلوک کرے گا۔ ایسی جھوٹی بات کو ماننا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی بے عزتی ہے۔ اس کے علاوہ، یہ غلط رویہ کسی کو اپنی نافرمانی پر قائم رہنے کی ترغیب دے گا جس سے دونوں

جہانوں میں عذاب ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ، قرآن کریم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روز قیامت کے بارے میں صحیح فہم کو اپنانے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں، تاکہ وہ ثابت قدم رہیں۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اسلام کی حقانیت کو مسترد کرنے اور اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اور بڑی وجہ کا ذکر کیا ہے کہ لوگ کیوں حق کو مسترد کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 170:

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس اور کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

دوسروں کی اندھی تقلید ہمیشہ سے گمراہی کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ چوپایوں کی طرح کام کرنے سے گریز کریں اور اس کے بجائے زندگی کے مختلف حالات میں مناسب آپشن کا انتخاب کرنے کے لیے معلومات اور شواہد کا تجزیہ کرنے کے لیے حاصل کردہ عقل اور عقل کا استعمال کریں۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ زیادہ تر مذاہب کے برعکس، اسلام اندھی تقلید کی مذمت کرتا ہے اور بنی نوع انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے لیے اسلام کی سچائی کا اندازہ لگانے کے لیے دی گئی عقل کو استعمال کرے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو۔ ‘‘تیرے ساتھی میں کوئی دیوانگی نہیں۔ وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔"

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں حق کو پہچاننے کے لیے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنے کا راستہ اختیار کرے، بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید کرے۔ یہ رویہ بچوں میں قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن بڑوں میں نہیں۔ جب کوئی اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے، تو وہ لازمی طور پر ایک ضابطہ اخلاق اور طرز زندگی کو اپنا کر شیطان کے جال میں پھنس جائے گا جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں کبھی بھی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان بنیادی فرائض کو پورا کرتا ہے، جن میں عام طور پر دن کے ایک گھنٹے سے بھی کم وقت لگتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 168-169:

’’اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے۔

یہاں تک کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی اندھا پیروی کرنے کی بھی اسلام میں سفارش نہیں کی گئی ہے، باوجود اس کے کہ کوئی نیکی کر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کو سچائی سے آگاہ ہونے کی تعلیم دیتا ہے اور اس لیے اس پر یقین کے ساتھ عمل کرتا ہے کہ یہ سچ ہے اور اس پر

عمل نہ کریں کیونکہ کسی اور نے انہیں بتایا ہے۔ اگرچہ اچھی باتوں میں دوسروں کی اندھی تقلید دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے لیکن اس قسم کے لوگ مشکل کے وقت آسانی سے بے صبرے اور ناشکرے ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ایمان کا وہ یقین نہیں ہوتا جو اسلامی علم کے ساتھ آتا ہے۔ ہر وقت صبر اور شکر گزار۔ یہ شخص اطاعت اور نافرمانی کے درمیان ڈگمگاتا رہے گا نہ اپنے مقصد کو نہ سمجھے اور نہ ہی اس مادی دنیا سے باہر زندگی میں کسی اعلیٰ مقصد کے لیے۔ اس شخص میں، خواہ وہ آخرت میں نجات حاصل کر لے، اور جو اسلامی علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور ایمان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اس میں بہت فرق ہے۔

اسی طرح کی ذہنیت میں اہل کتاب نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید کی اور بغیر سوال کے ان کی اطاعت کرتے ہوئے اور ان کی رائے کو اللہ تعالیٰ کا فرمان اور حکم مان کر انہیں رب بنا لیا۔ باب 9 توبہ آیت 31:

انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے‘‘۔’’

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و فہم کو استعمال کیے بغیر اپنے علماء اور قائدین کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اگر چہ صحیح رہنمائی کرنے والے عالم کی پیروی ضروری ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان کو اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرکے ان کو دی گئی ذہانت کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن کچھ لوگ جہالت کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور اپنے علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں گویا وہ کامل اور غلطیوں سے محفوظ ہیں۔ ،لہٰذا ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی خاص مسلک کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

اگر کوئی شخص اندھی تقلید پر اڑے رہے تو اس کی زندگی چوپایوں کی زندگی سے زیادہ کچھ نہیں بنتی جو اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں یہ دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مصائب ہی کا باعث بنے گا کیونکہ انسان ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، چاہے وہ نیک لوگوں کی آنکھیں بند کر کے ہی کیوں نہ ہو۔ اور اندھی تقلید کرنے والے کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ برے لوگوں اور ان کے خیالات کی پیروی کرے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہوں، خواہ وہ نیک لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ اندھی تقلید کرنے والا یہ سمجھے گا کہ وہ صحیح طریقے سے کام کر رہے ہیں جب کہ حقیقت میں انہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں سیدھے راستے سے کتنا دور ہیں۔ جو جانتا ہے کہ وہ کھو چکے ہیں وہ شاید اپنے راستے کو ایڈجسٹ کر سکتا ہے، لیکن جو یقین رکھتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں وہ اپنے راستے کو ایڈجسٹ کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 171:

’’کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس پر چیختا ہے کہ پکارنے اور پکارنے کے سوا کچھ نہیں سنتا [یعنی مویشی یا بھیڑیں] بہرے، گونگے اور اندھے پس وہ نہیں سمجھتے۔‘‘

اندھی تقلید کرنے والے کو کسی بھی اچھی نصیحت پر دھیان دینے کا امکان نہیں ہے جب بھی وہ ان لوگوں کے طریقے سے متصادم ہو جن کی وہ اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ان سے بات کرنا اور مویشیوں سے بات کرنا ایک ہی چیز ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ ایمان کا یقین حاصل کر سکے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو بصیرت کے ساتھ سمجھ کر پورا کر سکے۔ آیت 170 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عملاً عمل کریں، بجائے اس کے کہ ان پر صرف زبانی ایمان کا دعویٰ کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 170:

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو۔‘‘

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، چاہے وہ دوسروں کے طریقے اور عقیدے کے خلاف ہو۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 170:

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس اور کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔

یہ آیت دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں علم رکھنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں سے مشورہ کرنے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ایک شخص کو احتیاط سے انتخاب کرنا چاہیے کہ وہ اپنے معاملات میں کس سے مشورہ کریں اور ان لوگوں کو ان لوگوں تک محدود رکھیں جو ان کے پاس موجود مسئلے کا علم رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جس کو طبی مسئلہ ہو اسے طبی علم رکھنے والے کی تلاش کرنی چاہیے، جیسے طبی ڈاکٹر۔ اور دینی نصیحت حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ شخص جس کے پاس دینی علم ہو جیسا کہ عالم۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو مسلمان اکثر ماہرین سے مشورہ کرتے ہیں لیکن دینی معاملات میں اکثر کسی جاہل کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ

سے ڈرتے ہیں، کیونکہ صرف وہی لوگ ہیں جو حقیقی علم کے مالک ہیں اور وہ کسی بھی حالت میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

اس لیے صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو صحیح علم رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ ورنہ وہ ان کی اندھی تقلید کریں گے جو انہیں گمراہ کریں گے، خواہ یہ ان کی نیت نہ ہو۔

باب 2 - البقرہ، آیات 172-173

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ
تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس نے تم پر صرف مردہ جانور حرام کیا ہے، خون، سور کا گوشت اور وہ چیزیں جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے وقف کی گئی ہوں۔ لیکن جو شخص مجبور ہو، نہ اس کی خواہش کرتا ہو اور نہ اس کی حد سے تجاوز کرتا ہو، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 172:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔"

آیات کے پچھلے حصے میں، اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہے کہ وہ حلال اور پاک چیزوں کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی صورت میں۔ باب 2 البقرہ، آیت 168:

''اے لوگو، زمین پر جو کچھ بھی ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔''

زیر بحث اہم آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ بنی نوع انسان میں سے صرف وہی لوگ جو اللہ تعالیٰ پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں، حلال اور اچھی چیزوں کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے پر ثابت قدم رہیں گے۔ اس لیے یہ دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آیا وہ اسلام کی نظر میں مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے علاوہ مومنین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ حلال کا ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف اچھی چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک سچا مومن ہی حرام کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے سے گریز کرے گا، جیسا کہ مومنین کے معاملے میں یہ خاص حکم چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جو کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حرام کو حاصل کرتا ہے اور استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اسلام کی نظر میں حقیقی مومن نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا ہے۔ اگر یہ ظاہری بنیاد خراب ہے تو انسان کے تمام کام خراب ہو جائیں گے۔ لفظ حلال کو چھوڑنا اور لفظ اچھا رکھنا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس

دنیا میں حقیقی پاکیزہ چیزیں وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 157:

اور ان کے لیے نیکی کو حلال کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے‘‘۔’’

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اکیلے ہی کائنات اور ان کے اندر موجود تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، وہ اکیلا ہی بہتر جانتا ہے کہ انسان کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ مثال کے طور پر، انسانی جسم اور دماغ پر الکحل کے بہت سے منفی اثرات حال ہی میں سائنسی تحقیق کے ذریعے دریافت ہوئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے 1400 سال پہلے ممنوع قرار دیا تھا۔

باب 2 البقرہ، آیت 172:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔’’

ایک مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ خالص اور صحت بخش چیز کمانے اور استعمال کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2380 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ آدمی اپنے پیٹ کا ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی حصہ پینے کے لیے مختص کرے۔ ہوا کے لئے تیسرے باقی .یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی کھانا پینا بند کر دے اس سے پہلے کہ وہ مکمل ہو جائے اور اگر اسے دوسرے کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ دوسروں کو یہ بتائے بغیر اس میں حصہ لے سکتے ہیں کہ وہ پہلے ہی کھا چکے ہیں۔ جیسا کہ حد سے زیادہ کھانا اور غیر صحت بخش کھانا بے شمار ذہنی اور جسمانی مسائل کا باعث بنتا ہے، اس لیے جو ایک متوازن اور صحت مند غذا حاصل کرتا ہے، جیسا

،کہ اسلام نے بتایا ہے، وہ ذہنی اور جسم کی متوازن حالت کے حصول کی طرف بڑے قدم اٹھائے گا جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ .جب کہ جو شخص متوازن اور صحت مند طریقے سے کھانا نہیں کھاتا ہے، حتیٰ کہ جو حرام ہے اسے حاصل کر کے کھاتا ہے، اس کی ذہنی اور جسمانی حالت غیر متوازن ہو جائے گی، جس سے بے شمار دماغی اور جسمانی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 172:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔’’

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ وہ دیگر چیزوں کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کی تعلیمات پر سختی سے عمل کریں، جیسے کہ ان کی اپنی رائے، ثقافتی طریقوں یا مذہبی علم کے ذرائع، ہدایت کے دو ذرائع، قرآن پاک اور روایات کے علاوہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ،علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا جس کے نتیجے میں وہ گمراہی اور غیر صحت مند اور غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان کے پاس جو بھی دنیاوی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے انہیں عطا کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 172:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔’’

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی انسان کو دیا گیا ہے وہ صرف قرض ہے، یہ تحفہ نہیں ہے۔ تمام قرضوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قرض بھی دنیاوی نعمتوں کی صورت میں اس کی طرف لوٹانا چاہیے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے قرض میں دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو قرض درست طریقے سے ادا کرے گا اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جب کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے اسے سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بالکل اسی طرح جو لوگ اپنے دنیاوی قرضوں کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں۔ ان کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنیں گی، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ اور آخرت کی سزا اس سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

دوسری طرف مسلمانوں کو جنت میں دی گئی نعمتیں ایک تحفہ ہیں۔ باب 7 الاعراف، آیت 43:

اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو ’’ ‘‘تم کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جنت میں ایک فرد ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے لیے آزاد ہو گا جو اسے دی گئی ہیں جیسا کہ وہ مناسب سمجھیں۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس دنیا میں دیئے گئے قرض اور جنت کے تحفے میں فرق کو سمجھ لیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرض کی واپسی کرتے ہوئے ان نعمتوں کو استعمال کر کے اس دنیا میں صحیح سلوک کریں۔ اس کے لیے راضی ہونے کے طریقے، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح عمل کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 172:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔"

اس کے علاوہ، شکر گزاری میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ انسان جن لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان سے کسی معاوضے یا شکرگزاری کی خواہش یا امید نہیں رکھتا۔ زبان سے شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اپنے عمل کے ساتھ شکر ادا کرنا نعمتوں کو استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک ان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل کو دونوں جہانوں میں برکتوں، رحمتوں اور بخششوں میں اضافے کی ضمانت دی گئی ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اس کے علاوہ، اس طرح کا برتاؤ ایک عملی ثبوت ہے جس کی ایک مسلمان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 172:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔"

اس سے یہ سمجھنے کی اہمیت کی مزید نشاندہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی درحقیقت ہر حال میں اس کی اطاعت ہے اور ہر نعمت کو استعمال کرتے ہوئے جو کہ عطا کی گئی ہے۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھی اور حلال چیزوں کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے

کا ذکر کیا ہے اور اسے اپنی عبادت سے مربوط کیا ہے۔ اس نے عبادات پر بحث نہیں کی ۔ لہٰذا، اللہ تعالیٰ کی عبادت، روزانہ کی پانچ فرض نمازوں سے کہیں زیادہ پھیلی ہوئی ہے، جنہیں ادا کرنے میں دن کے ایک گھنٹے سے بھی کم وقت لگتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پھر ایک مخصوص تصور کے ذریعے ایک عمومی تصور کی وضاحت کرتا ہے تاکہ لوگوں کو خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کی ترغیب دی جائے، کیونکہ ایسا کرنا ان کے بہترین مفاد میں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 173:

’’ اس نے تم پر صرف مردہ جانور حرام کیا ہے، خون، سور کا گوشت اور وہ چیزیں جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے وقف کی گئی ہوں‘‘۔

عام طور پر دیکھا جائے تو صرف چند چیزیں جو اسلام میں حرام قرار دی گئی ہیں وہ چیزیں ہیں جن کا نقصان سمجھے جانے والے فوائد سے زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر، شراب اور جوئے کی ممانعت سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے اس قاعدے کی طرف یہ بتاتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کا نقصان ان کے ذریعے حاصل کیے جانے والے فوائد سے زیادہ ہے۔ یہ ہر اس شخص کے لیے عیاں ہے جو عقل رکھتا ہے۔ باب 2 البقرہ 219:

"وہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے۔‘‘

لیکن کچھ بھی نہیں، اسلام کے احکام صرف لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی اطاعت یا نافرمانی سے کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا۔ باب 60 الممتحنہ، آیت 6:

‘‘اور جو منہ پھیرے گا تو اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔’’

لہٰذا، اپنی ذات اور فائدے کے لیے، اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے فراہم کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ صرف یہی بات ہے۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

بصورت دیگر جو دنیاوی چیزیں ان کے پاس ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے مصائب، تناؤ اور پریشانی کا باعث بن جائیں گی، کیونکہ وہ ان چیزوں کی پیروی کرتے تھے جس سے انہیں صرف جسمانی اور ذہنی طور پر نقصان پہنچتا تھا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ان کو اس عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 173:

’’ اس نے تم پر صرف مردہ جانور حرام کیا ہے، خون، سور کا گوشت اور وہ چیزیں جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے وقف کی گئی ہوں‘‘۔

جدید دور کی سائنس نے پہلے ہی سڑی ہوئی لاشوں، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی غیر صحت بخش نوعیت کو ثابت کر دیا ہے۔ جو جانور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے وقف ہیں ان کو ذبح کرنا اور کھانا ایک ایسی روحانی بیماری کا باعث بنتا ہے جو انسان کے ایمان کو خراب کر سکتا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ یہ سمجھنا شروع کر دے گا کہ وہ جن دوسرے لوگوں کے لیے اپنا کھانا وقف کرتے ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ یہ ان رویوں میں سے ایک ہے جو تاریخ میں شرک کا باعث بنتا ہے اور یہاں تک کہ ایک مسلمان کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، چاہے ان کا شرک لطیف ہو اور اتنا واضح نہ ہو۔ باب 39 از زمر، آیت 3:

بلاشبہ اللہ کے لیے خالص دین ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا کارساز بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم’’ ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

چیزوں کو دوسروں کے لیے وقف کرنا انسان کو شفاعت کرنے اور دونوں جہانوں میں بچانے کے لیے دوسروں پر بھروسہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ صرف ایک سستی اور گمراہانہ رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص ایسا کرے گا۔ انہیں دونوں جہانوں میں محفوظ کر۔ یہ صرف دونوں جہانوں میں پریشانی اور تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا زیر بحث آیات میں اس رویہ کی ایک بنیادی وجہ کو منقطع کر دیا گیا ہے، جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کامل اخلاص اختیار کریں، نہ کہ دوسروں کی خوشنودی کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 173:

"اس نے تم پر صرف مردہ جانور حرام کیے ہیں، خون، خنزیر کا گوشت، اور وہ چیز جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے وقف کی گئی ہو۔"

حسبِ معمول، اللہ تعالیٰ پھر اسلام کی آسانی سے چلنے والی فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 173:

لیکن جو شخص مجبور ہو، نہ اس کی خواہش کرتا ہو اور نہ اس کی حد سے تجاوز کرتا ہو، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

جو شخص سخت حالات کی وجہ سے کسی حرام کام پر مجبور ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے معافی مانگے گا کیونکہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 2043 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو کوئی بھول کر یا جبر سے کوئی گناہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر شخص عام حالات میں اسلام کے اندر احکام و ممنوعات پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتے، اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب میں کبھی بے وقوف نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ یہ عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں کبھی بھی قبول نہیں ہوگا، اور یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہنے کی کوشش کرے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور یہ جاننا چاہیے کہ یہ اس کے حصول کی صلاحیت میں ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت حاصل کرے گا، خواہ اس سے غفلت کے لمحات میں سچی توبہ میں گناہ کا راستے میں گناہ ہی کیوں نہ ہوجائیں کیونکہ وہ سچی توبہ پر قائم رہیں گے۔ احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 173:

‘‘بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ’’

جبکہ جو شخص خواہش مندانہ سوچ اختیار کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے کے لیے گناہوں پر اڑے رہتے ہیں، وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 174-176

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡتُمُونَ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَيَشۡتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنٗا قَلِيلًا أُوْلَٰٓئِكَ مَا
يَأۡكُلُونَ فِي بُطُونِهِمۡ إِلَّا ٱلنَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ ٱللَّهُ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمۡ وَلَهُمۡ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ١٧٤

أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشۡتَرَوُاْ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلۡهُدَىٰ وَٱلۡعَذَابَ بِٱلۡمَغۡفِرَةِۚ فَمَآ أَصۡبَرَهُمۡ عَلَى
ٱلنَّارِ ١٧٥

ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ نَزَّلَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّۗ وَإِنَّ ٱلَّذِينَ ٱخۡتَلَفُواْ فِي ٱلۡكِتَٰبِ لَفِي شِقَاقِۭ بَعِيدٖ ١٧٦

”بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھرتے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کو گمراہی کے بدلے اور معافی کو عذاب سے بدل دیا۔ وہ آگ کے لیے کتنے صبر کرنے والے ہیں!

یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ اور جو لوگ کتاب کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ سخت اختلاف میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں رہنے والے اہل کتاب کو اور مسلمانوں کی وسعت کے ساتھ دنیاوی فائدے جیسے دولت اور سماجی حیثیت کے حصول کے لیے دیے گئے علم الٰہی کو دانستہ طور پر چھپانے اور غلط تشریح کرنے سے خبردار کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 174:

’’بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں سوائے آگ کے نہیں بھرتے۔‘‘

اہل کتاب کے علماء قرآن مجید کی حقانیت سے پوری طرح واقف تھے کیونکہ انہوں نے اس کے مصنف اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تھا۔ اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کو اس طرح پہچانا جس طرح ان دونوں کا تبادلہ ان کے آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [بیٹوں کو] اپنے پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں کے اندر موجود علم کی تدوین، غلط تشریح اور چھپائی ،جس میں قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی کیونکہ اسلام نے براہ راست ان کے طرز زندگی کو چیلنج کیا تھا اور انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روکا تھا جو انہیں حاصل تھیں۔ عطا کیا اس کے علاوہ چونکہ ان کے عقیدے کی جڑیں حسب نسب میں گہری تھیں، خاص طور پر یہودیوں کے عقیدے میں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول یا پیروی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے نسب بنی اسرائیل سے نہیں تھے۔ اس کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے ان کا اعلیٰ نسل ہونے کا جھوٹا دعویٰ ختم ہو جاتا کیونکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ یہ، وہ کرنا قبول نہیں کر سکتے تھے۔

اپنے اس طرز عمل کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے گمراہ کیا اور اس لیے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دی۔ باب 2 البقرہ، آیت 159:

" بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی واضح دلیلوں اور ہدایت کو ہم نے کتاب [تورات اور بائبل [میں لوگوں کے لیے واضح کر دینے کے بعد، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت مسلمانوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ دانستہ طور پر قرآن کریم کے اندر پائے جانے والے علم کی غلط تشریح اور چھپانے سے اور دنیاوی فائدے کی خاطر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو بڑھا کر ان کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں۔ .اس میں یہ چننا اور چننا شامل ہے کہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کن اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا، وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

ایک مسلمان کو اسلام کو ایک کوٹ کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرنا چاہیے، جسے وہ پہنتے ہیں اور جب ان کے لیے مناسب ہو اتار دیتے ہیں۔ اسلام ایک طرز زندگی ہے جس پر ہر حال میں عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو یا وہ اسلام کے احکام و ممنوعات کے پیچھے موجود حکمت کو سمجھتے ہوں۔ صرف اس رویے سے ہی انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

انہیں بجائے اس کے کہ وہ عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کریں جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور خوراک کا سخت منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح ایک بے وقوف مریض جو اپنے طبی ڈاکٹر کے مشورے کو رد کرتا ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اسے ذہنی اور جسمانی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تمام تعلیمات پر خلوص نیت سے اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرنے میں ناکام رہے گا، خواہ وہ پوری دنیا کے مالک ہوں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 174:

،بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں ’’
"...وہ اپنے پیٹ میں سوائے آگ کے نہیں بھرتے۔ اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کریں گے وہ اللہ رب العالمین سے کلام کرنے کے اعلیٰ مقام سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے اس دنیا میں جان بوجھ کر اس کے کلام کو نظر انداز کیا تھا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو قرآن پاک کی آنکھیں بند کرکے تلاوت کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس سے فائدہ اٹھا سکیں، جس میں آخرت میں اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کا موقع بھی شامل ہے۔

اس کے علاوہ، الہی تعلیمات کو نظر انداز کرنا انسان کو روحانی اور جسمانی طور پر پاک ہونے سے روکتا ہے۔ الہٰی تعلیمات انسان کی نیت کو پاک کرتی ہیں تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کریں۔ اس مثبت نیت کی نشانی یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی معاوضے یا شکرگزاری کی امید نہیں رکھتا۔ الہٰی تعلیمات انسان کی تقریر کو پاک کرتی ہیں تاکہ وہ صرف وہی کہے جو اچھی ہو

یا خاموش رہے۔ الہی تعلیمات انسان کے اعمال کو بھی پاک کرتی ہیں تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کو اس کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرے۔ یہ تزکیہ نفس اور جسم دونوں جہانوں میں سکون کا باعث بنتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس دنیا میں اپنے آپ کو پاک کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ آخرت کی پاکیزگی سے محروم رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے والوں کو دی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 174:

اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا‘‘۔ ’’

جب کوئی اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے منقطع ہو جائے تو ان کا عذاب لازم و ملزوم ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 174:

’’اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ اس عظیم نقصان کا خلاصہ بیان کرتا ہے جو ان لوگوں نے خوشی سے قبول کیا جب انہوں نے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنی دنیاوی خواہشات کی پیروی کا انتخاب کیا جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے قلبی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ باب 2 البقرہ، آیت 175:

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کو گمراہی کے بدلے اور بخشش کو عذاب سے بدل دیا۔ وہ آگ کے "
‘‘**!**لیے کتنے صبر کرنے والے ہیں

جیسا کہ اللہ تعالیٰ، اکیلا، کائنات کے اندر ہر چیز کو کنٹرول کرتا ہے، جس میں کسی کے روحانی قلب، ذہنی سکون کا ٹھکانہ بھی شامل ہے، اگر کوئی اس کی نافرمانی کا انتخاب کرے تو دونوں جہانوں میں ان کے ناگزیر عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے پاس ہر چیز کے باوجود وہ حقیقی طور پر زندگی سے مطمئن نہیں ہوتے ہیں اور اکثر دنیا کے سب سے زیادہ افسردہ اور خودکشی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔

اس لیے ہر شخص کو اپنے سامنے رکھے ہوئے دو راستوں کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیے۔ پہلا راستہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا غلط استعمال کرنا ہے جو دونوں جہانوں میں صرف گمراہی اور عذاب کا باعث بنتا ہے۔ دوسرا راستہ ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، الہٰی تعلیمات کے مطابق، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں صحیح رہنمائی اور بخشش ہوتی ہے۔ وہ صرف دو راستے ہیں، کوئی تیسرا نہیں۔ اس لیے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ راستہ چنیں جس کی وہ خواہش کرے اور اس کے لیے سخت محنت کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 175:

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کو گمراہی کے بدلے اور بخشش کو عذاب سے بدل دیا۔ وہ آگ کے لیے کتنے صبر کرنے والے ہیں!"

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں راستوں کو اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے اور اس لیے اگر کوئی دونوں جہانوں میں سکون قلب چاہتا ہے تو صحیح راستہ چننے اور اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی بہانہ باقی نہیں بچا۔ باب 2 البقرہ، آیت 176:

‘‘یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ ’’

حقیقت میں مقصد کے ساتھ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس نے قرآن پاک کے اس مقصد کو پورا کیا جس میں اس کی صحیح تلاوت، اسے سمجھنا اور اس پر خلوص نیت سے عمل کرنا شامل ہے، اس نے دنیا میں صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ وہ راستہ جس میں نعمتوں کا استعمال شامل ہے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے عطا کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ مسلمانوں کو انتہائی محتاط رہنا چاہیے کہ وہ صرف اس زبان میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے پہلے مرحلے پر نہ رہیں جس زبان میں وہ سمجھ نہیں پاتے، کیونکہ قرآن پاک تلاوت کی کتاب نہیں ہے، یہ ہدایت کی کتاب ہے۔ ہدایت تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب انسان قرآن پاک کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ افسوس کی بات ہے کہ جتنے مسلمان قرآن پاک کے مقصد کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ اس حقیقت کے باوجود ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتے کہ وہ اس کی باقاعدگی سے تلاوت کرتے ہیں اور فرض نماز جیسے بنیادی فرائض کو پورا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ صحیح طریقے سے دیا گیا ہے کیونکہ وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ یہ کیسے کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 176:

اور جو لوگ کتاب میں اختلاف کرتے ہیں وہ سخت اختلاف میں ہیں‘‘۔ ’’

لہٰذا اس رویہ سے بچنا چاہیے اور قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایت کی مخالفت نہ کریں۔ سربلند جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ دونوں جہانوں میں مصیبت، تناؤ اور عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 177

۞ لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ نیکی اس میں ہے جو اللہ،
یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لائے اور باوجود مال و دولت سے۔ اس سے محبت،
رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔
اور جو [نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ جو وعدہ کرتے وقت پورا کرتے ہیں۔ اور فقر و]
تنگدستی اور جنگ میں صبر کرنے والے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کا مظاہرہ ہر اس صورت حال میں ہونا چاہیے جس کا انسان کو سامنا ہو اور جب وہ بات چیت کرتے ہوئے ان کو عطا کی گئی ہر نعمت کو استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ روزانہ کی پانچ فرض نمازوں کے دوران خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے بہت آگے تک پھیلا ہوا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

‘‘نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو۔ ’’

جو شخص اسلام کو عبادات کے ایک مجموعہ کے طور پر مانتا ہے وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے گا اور اس وجہ سے وہ ان نعمتوں کا آسانی سے غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، چاہے وہ چند روزمرہ اور ہفتہ وار رسومات کو اسلام نے متعین کیا ہو۔ یہ ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان روزانہ کی فرضی رسومات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، کیونکہ ذہنی سکون صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی اسلام کو ایک طرز زندگی اور ایک مکمل ضابطہ حیات بنائے جس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کو ہر صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ ہر اس نعمت کو کس طرح استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہے۔

نیکی کا پہلا پہلو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

...لیکن]حقیقی [نیکی اس میں ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے

اللہ تعالیٰ پر حقیقی عقیدہ، عمل کے ساتھ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتا ہے وہ لازماً اس کی بندگی کو قبول کرے گا۔ ایک سچا بندہ نہ اپنی خوشنودی تلاش

کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں سے اس کی خوشنودی کی امید رکھتا ہے۔ وہ اپنے مالک کی رضا اور اطاعت کو دیگر تمام چیزوں پر ترجیح دیں گے، جیسے لوگوں کی اطاعت اور پیروی، ان کی اپنی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت۔ بندے کی صرف یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو راضی کرے۔ اس کے علاوہ، ایک بندہ یہ قبول کرتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے، بشمول ان کی اپنی جان، ان کے خالق اور مالک، اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا، وہ ہر اس چیز کو استعمال کرنے میں جلدی کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک سچا بندہ یہ سمجھے گا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رب اور ہر چیز کا خالق اور رب ہے، اس لیے وہ اس کی نافرمانی کرتے ہوئے ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر .اس لیے وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، اس کی اطاعت میں بھرپور کوشش کریں گے، کیونکہ یہی النحل، آیت 97 16 دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہے۔ باب:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

انسان جتنا زیادہ اس طریقے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اسے یقین ہو گا کہ قیامت کے دن ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس سے ان کو مزید حوصلہ ملے گا کہ وہ اپنے ایمان کو عملی طور پر اس کے لیے تیار کر لیں، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے - باب 2 البقرہ، آیت 177:

"...لیکن [حقیقی [نیکی]اس میں [ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے"

لہٰذا جو شخص زبانی طور پر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہتا ہے اور اس طرح روزِ جزا کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کا از سر نو جائزہ لے کیونکہ اس میں خیر کی کمی ہے۔ اعمال اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین نہ رکھنے کی دلیل ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی طرف اشارہ کردہ کائنات کے اندر موجود نشانیوں کا مشاہدہ کرنے سے اللہ تعالیٰ، برگزیدہ اور یوم آخرت پر ایمان کو مضبوط اور مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ اس پر ہو مثال کے طور پر، جب کوئی کائنات کے اندر لاتعداد متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے سورج کا زمین سے کامل فاصلہ، پانی کا چکر، سمندروں کی کثافت، جو بحری جہازوں کو ان پر چلنے کی اجازت دیتے ہیں جبکہ سمندر کی زندگی کو پھلنے پھولنے دیتے ہیں۔ وہ، اور بہت سے نظام، وہ ایک خالق کے ہاتھ کا مشاہدہ کریں گے۔ بہت سارے بالکل متوازن نظام بے ترتیب واقعات کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ، اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں گے تو یہ افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ہر خدا کائنات کے اندر کچھ مختلف چاہتا ہے۔ یہ واضح طور پر معاملہ نہیں ہے اور اس وجہ سے ایک واحد خدا، اللہ، بلند کی طرف اشارہ کرتا ہے. باب 21 الانبیاء، آیت 22:

"اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔"

کائنات کے اندر بھی بے شمار نشانیاں ہیں جو قیامت کے آنے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جب کوئی شخص آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں بالکل متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرے گا تو اسے ایک بڑی چیز نظر آئے گی جو متوازن نہیں ہے، یعنی لوگوں کے اعمال۔ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا پورا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا اور برے کام کرنے والے کو ان کی پوری سزا نہیں ملتی، خواہ انہیں حکومت کی طرف سے سزا دی جائے۔ یہ سمجھنا منطقی ہے کہ واحد خالق، اللہ، برگزیدہ، جس نے اس کائنات کے اندر تمام دوسرے نظاموں کو متوازن کیا، ایک دن لوگوں کے اعمال میں بھی توازن پیدا کرے گا، جو اس دنیا کی سب سے بڑی غیر متوازن چیز ہے۔ اعمال کے اس توازن کے لیے لوگوں کے اعمال کو پہلے ختم ہونا چاہیے۔ یہ قیامت کا دن ہے جب لوگوں کے اعمال کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ اور توازن رکھا جائے گا۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ بارش کو مردہ بنجر زمین کو زندہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور مخلوق کو مہیا کرنے کے لیے مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مردہ بیج کو بھی زندہ کر سکتا ہے جس کا نام انسان ہے، جو زمین میں دفن ہے، اس مردہ بیج کی طرح جو زندہ ہو جاتا ہے۔ موسموں کا بدلنا قیامت کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سردیوں میں درختوں کے پتے مر کر گر جاتے ہیں اور درخت بے جان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دوسرے موسموں میں، پتے ایک بار پھر اگتے ہیں اور درخت زندگی سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کی نیند کے جاگنے کا چکر قیامت کی ایک اور مثال ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جیسے سونے والے کے حواس کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کی روح ان کو واپس کردیتا ہے اگر وہ اس پر زندہ رہنا مقصود ہو تو سوئے ہوئے شخص کو ایک بار پھر زندگی بخشتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

"اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں قبض کرتا ہے۔ پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کیا ہے ان کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقیوں کو ایک معین مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

ان اور بہت سی مثالوں پر غور کرنے سے انسانوں کے جی اٹھنے کے امکان اور قیامت کے دن اس کی ضرورت کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

ایمان کا ایک اہم پہلو غیب پر یقین ہے، جیسے جہنم، جنت اور فرشتوں کا وجود۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

... لیکن]حقیقی [نیکی اس میں ہے جو اللہ پر ، یوم آخرت پر، فرشتوں پر ایمان رکھتا ہے

غیب پر ایمان، وہ چیزیں جو پانچ حواس کے ادراک سے باہر ہیں، ایمان کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ ان چیزوں پر ایمان جو مکمل طور پر سمجھی اور سمجھی جاتی ہے، اس چیز پر ایمان کی اتنی اہمیت نہیں ہے جو پانچوں حواس کے ادراک سے باہر ہے۔ حواس، اگرچہ وہ نشانیاں ہیں جو اس کے وجود کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی وحدانیت کی گواہی دینے والے کا ایمان قبول نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے غیب کا مشاہدہ کیا ہے جیسے کہ جہنم، جنت اور فرشتے۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ اور اس پر عمل کرتے ہوئے مخلوق کے اندر موجود غیب چیزوں پر اپنا ایمان مضبوط کرنا چاہیے ۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ غیب کی چیزوں پر اس کا ایمان ایمان کے زبانی اعلان سے آگے بڑھ جائے اور اس کے بجائے ان کے اعمال میں جھلکتا ہے کیونکہ یہ انہیں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم مثال کے طور پر وہ شخص جس کو یقین ہو کہ دو فرشتے اس کے ساتھ مسلسل ہیں جو قیامت کی تیاری کے لیے ان کے ہر قول و فعل کو قلمبند کر رہے ہیں، وہ اپنے قول و فعل پر قابو پالیں گے، خواہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہوں۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

"...لیکن]حقیقی [نیکی اس میں ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ فرشتے، کتاب

قرآن پاک پر ایمان اس کے مختلف پہلوؤں کو پورا کرنا شامل ہے۔ ان میں اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا، اسے سمجھنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو پہلے درجے پر رہنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ صرف اس زبان میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں جسے وہ نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید تلاوت کی کتاب نہیں، کتاب ہدایت ہے۔ اس سے رہنمائی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اس کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ جس طرح ایک نقشہ کسی کو

اس کی مطلوبہ منزل تک لے جائے گا اگر وہ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرے، اسی طرح قرآن پاک دونوں جہانوں میں سکون کی طرف تب ہی لے جا سکتا ہے جب وہ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے میں ناکامی ایک بڑی وجہ ہے کہ جو مسلمان باقاعدگی سے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جس کی وجہ سے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

باب 2 البقرہ، آیت 177:

"...لیکن]حقیقی [نیکی اس میں ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ فرشتے، کتاب اور انبیاء

انبیاء علیہم السلام پر ایمان ان کے طرز زندگی، ان کے طرز عمل اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونا شامل ہے جن کا قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث ہوئی ہے۔ ان کے خوبصورت طرز عمل کا خلاصہ، مکمل اور کامل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی زندگی، تعلیمات اور اعلیٰ کردار کو عملی طور پر سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ان پر ایمان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔‘‘

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرنا جبکہ آپ کی تعلیمات اور سیرت پر عمل نہ کرنا اس زبانی دعوے کے خلاف ہے۔ جس طرح ہر کوئی قیامت کے دن اس کی شفاعت کی امید رکھتا ہے، اسی طرح انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دے گا اگر وہ اس کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک لایا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 30:

"اور رسول نے کہا ہے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔"

اگر کوئی قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دینے کے بجائے اس کی شفاعت چاہتا ہے تو اسے قرآن پاک کی تعلیمات اور اس کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

مزید برآں، زبانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرنا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و اخلاق کی پیروی میں ناکامی کی اسلام میں کوئی قدر نہیں، جیسا کہ پچھلی امتیں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتی تھیں۔ انہیں لیکن چونکہ وہ عملی طور پر ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ آخرت میں ان سے اتحاد نہیں کریں گے۔ لہٰذا جو شخص آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملنا چاہتا ہے اسے آپ کی تعلیمات اور سیرت پر عملاً عمل کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ پھر ان مختلف طریقوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کی وہ لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو اس نے انہیں عطا کی ہیں، جیسے کہ دولت، وقت، توانائی اور ان کا سماجی اثر و رسوخ ۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نعمتوں کا استعمال ان طریقوں سے کیا گیا ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، ایسا کرنا مشکل ہے جیسا کہ لوگ اکثر کرتے ہیں۔ ان نعمتوں کو استعمال ،کرنے کی طرف مائل ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اپنے آپ، دوسرے لوگوں ثقافت اور فیشن کے لیے خوش ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور دولت دیتا ہے، اس سے محبت کے باوجود‘‘۔ ’’

ایک شخص کو سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی اس کائنات کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول ان کے روحانی قلب، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہے اور کس کو نہیں۔ لہٰذا جو شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا جو ان کی عطا کی گئی ہیں اسے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون ملے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جو شخص اپنی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا انتخاب کرتا ہے، اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، انسان کو اس دنیا میں ملنے والی نعمتوں اور جنت میں ملنے والی نعمتوں کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ باب 7 الاعراف، آیت 43:

اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو ’’ ‘‘تم کرتے تھے۔

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان جنت کا وارث ہوگا، یعنی انہیں اس کی ملکیت یہی وجہ ہے کہ مسلمان جنت میں جو چاہیں کرنے میں آزاد ہوں گے کیونکہ بطور تحفہ دی جائے گی۔ انہیں اس کی ملکیت دی جائے گی۔ جبکہ اس مادی دنیا میں نعمتیں لوگوں کو بطور تحفہ نہیں بلکہ قرض کے طور پر عطا کی گئی ہیں۔ تحفہ ملکیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ قرض کا مطلب ہے کہ نعمت کو اس کے حقیقی مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے۔ اس مادی دنیا کی نعمتیں جو لوگوں کو قرض کے طور پر دی گئی ہیں ان کو واپس کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال ان طریقوں سے کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کریں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت حقیقی شکر ہے اور دونوں جہانوں میں برکتوں اور رحمتوں میں اضافے کا باعث ہے۔ باب 14 7 ابراہیم، آیت:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

دنیاوی نعمتیں جو قرض کے طور پر لوگوں کو عطا کی گئی ہیں ان کو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی مرضی سے یا زبردستی واپس کرنا چاہیے۔ اگر خوشی سے لوٹا دیا جائے تو ان کو بہت زیادہ اجر ملے گا لیکن اگر زبردستی لوٹا دیا جائے جیسا کہ ان کی موت سے، تو یہ نعمتیں ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تحفہ اور قرض کے درمیان فرق کو سمجھیں تاکہ وہ اس مادی دنیا میں نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیں۔

اس لیے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب کے باوجود انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے طبیب کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں۔ غذا کی منصوبہ بندی .جس طرح یہ عاقل مریض ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا، کیا وہ ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

،اس کے علاوہ، ایک شخص کو ایک سادہ اسلامی اصول کو یاد رکھنا چاہیے، جتنا زیادہ وہ دیتا ہے اتنا ہی زیادہ اسے معنی ملتا ہے، جتنا زیادہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اسے اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، اتنا ہی زیادہ ذہنی سکون، رحمت۔ اور انہیں دونوں جہانوں میں برکتیں عطا کی جائیں گی۔ باب 3 علی عمران، آیت 92:

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ'' کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان کا حامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو جائے۔ عام طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں کے لیے وقف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے کاموں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش کرتے ہیں ، جیسے کہ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے اگرچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس زیادہ کام ہے اور پھر بھی اپنی نیند ترک کر دیتے ہیں، کتنے لوگ اللہ کی اطاعت میں اس طرح کوشش کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کا استعمال کرتے ہوئے اس کی رضامندی کے لیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ ناقابل یقین حد تک عجیب ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 15:

"جو کوئی نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرے وہ اس کے خلاف ہے]یعنی نفس یا نفس[۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور مال ودولت اس سے محبت کے باوجود رشتہ داروں کو دیتا ہے‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہمیشہ جامع نصیحتیں دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اکثر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے ، کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور عدل یقینی ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو مندرجہ ذیل آیت میں بتائی گئی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنا چاہیے جن کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہے۔ باب 2 البقرہ، 83:

"اللہ کے سوا عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ۔

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے تعلق توڑے گا۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ اچھے کاموں میں ان کی مدد کرے اور برے کاموں میں تنبیہ کرے، جیسا کہ اس طرح۔ اپنے رشتہ داروں کو ان کی گمراہی سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

’’اور مال اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلام آزاد کرنے والوں کو دیتا ہے۔‘‘

اسلامی تعلیمات میں اکثر یتیموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ آخرکار بیوہ جیسے صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر عبادت کرنے اور روزے رکھنے والے کے برابر لہٰذا جس ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات کی نماز اور نفلی روزے کرنا مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس ثواب کو حاصل کیا جا سکے۔ کم سے کم کوشش کے ساتھ.

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے، جیسے کہ مال، اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور قرض دیا ہے نہ کہ تحفہ کے طور پر۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد کو قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ لہٰذا کوئی مسلمان خواہ اس کے پاس کتنا ہی کم مال کیوں نہ ہو، اس آیت پر عمل کرنے سے عذر نہیں کر سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور مال سے محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں مسکینوں، مسافروں کو''۔ ''

مسافر وہ اجنبی ہے جو پردیس میں پھنس گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ انہیں دے دیں تاکہ اگر انہیں ضرورت ہو تو سفر میں ان کی مدد کریں۔ جس کے پاس مال ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ ہمدردی کرے اور ان کی ہر ممکن مدد کرے خواہ وہ ان کو کھانا یا نقل و حمل کا ذریعہ دے یا سفر کے دوران ان پر ہونے والی کسی بھی برائی سے بچائے۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور مال اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں مسکینوں، مسافروں، مانگنے '' ''والوں اور غلام آزاد کرنے والوں کو دیتا ہے۔

جیسا کہ لڑائیوں اور جنگوں کے دوران اسیروں کو غلاموں کے طور پر لے جانے کا رواج پوری دنیا میں رائج تھا، اسلام مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف غیر منصفانہ فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ لڑائیوں کے دوران قیدیوں کو غلام بنا کر لے جائیں۔ اس سے صرف مسلمان غلاموں کی آبادی میں اضافہ ہو گا جبکہ کافر غلاموں کی آبادی نہ ہونے کے برابر ہو جائے گی۔ اس لیے اسلام نے سب سے پہلے غلاموں کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کیے تاکہ ان کے ساتھ انتہائی احترام اور خیال رکھا جائے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ ایسے حسن سلوک کی تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ خاندان کے افراد جیسا سلوک کیا جائے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو وہی کھلائیں جو وہ خود کھاتے ہیں، انہیں وہی لباس پہنائیں جو وہ خود پہنتے ہیں اور ان پر کبھی بھی کام کا بوجھ نہ ڈالیں بلکہ ان کی مدد کریں۔ ان کے روزمرہ کے کام صحیح مسلم نمبر 4313 میں موجود ایک حدیث میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے غلامی کو مکمل طور پر مٹانے کے لیے بھی اقدامات کیے اور غلام آزاد کرنے کے عمل کو بھاری اجروثواب کے ساتھ ایک انتہائی نیک عمل قرار دیا۔ مثال کے طور پر، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے غلام کو آزاد کیا، اس سے جہنم سے آزادی کا وعدہ کیا گیا، جامع ترمذی نمبر 1541 میں موجود ایک حدیث میں ہے۔ مزید برآں، اسلام نے بعض گناہوں کا پہلا کفارہ غلام کو آزاد کرنے کے طور پر مقرر کیا ہے۔ .مثال کے طور پر، باب 58 المجادلہ، آیت 3:

"اور جو لوگ اپنی بیویوں سے احرار کہتے ہیں اور پھر جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس پر واپس جانا چاہتے ہیں تو ان کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ایک غلام آزاد ہونا چاہیے۔ اس کے ذریعے تمہیں یہی نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

جب ان تعلیمات کو اسلامی معاشرے میں نافذ کیا گیا تو غلاموں کے ساتھ خاندان کے افراد جیسا سلوک کیا گیا اور آخرکار غلامی جیسا کہ وسیع پیمانے پر رائج تھا، ختم کر دیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دنیا کے کچھ حصوں میں، مختلف شکلوں میں غلامی اب بھی موجود ہے، جیسے کہ مالی غلامی۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ذرائع کے مطابق اسے مکمل طور پر ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، جیسے کہ مالی امداد۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان ہونے والے اچھے اعمال کو اس نیک عمل سے پہلے درج کیا ہے جو لوگوں اور اس کے درمیان ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

"... اور مال دیتا ہے، اس سے محبت کے باوجود، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں کو، اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔]اور کون [نماز قائم کرتا ہے..."

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ان نیکیوں کو قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی عام غلط فہمی میں نہ پڑیں جس کے تحت وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک وہ ان نیکیوں کو قائم کرتے ہیں جو ان کے درمیان ہیں۔ خود اور اللہ تعالیٰ، وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور اپنے حقوق ادا کرنے میں ناکام ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 6579 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رویہ کے ساتھ روزِ حشر میں داخل ہونے والے کو دیوالیہ قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جن پر انہوں نے ظلم کیا اور اگر ضرورت پڑی تو وہ انصاف کے قیام تک اپنے متاثرین کے گناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اس عام غلط فہمی سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ایسی ذمہ داری نہیں سونپتا جسے وہ پورا نہ کر سکے، اگر وہ سچے دل سے کوشش کریں گے تو وہ اسے حاصل کر لیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 177:

"...]اور کون [نماز قائم کرتا ہے..."

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت 177 کے شروع میں نماز کے دوران ایک خاص سمت کی طرف متوجہ ہونے کا ذکر کیا ہے، اس نے یہ واضح کرنے کے لیے فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت کا ذکر کیا ہے کہ اس کے ابتدائی بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نماز کے دوران کسی خاص سمت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ان کی نمازوں کو نظر انداز کریں، کیونکہ یہ اب بھی راستبازی اور ایمان کا ایک اہم حصہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

‘‘نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو۔ ’’

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا ، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

"اور تم ہر قوم کو]خوف سے [گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور زکوٰۃ دیتا ہے‘‘۔ ’’

واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف

ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہا اور اس کے بجائے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے انہیں عطا کی گئی نعمتیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کی ملکیت ہے اور اس وجہ سے واجب صدقہ دینے سے باز رہے، اس کو جرمانے کا سامنا کرنا پڑے گا، بالکل اسی طرح جو ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ دنیاوی قرض کو سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

"...]جو [اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں جب وہ وعدہ کرتے ہیں ..."

بغیر کسی معقول وجہ کے وعدہ خلافی کرنا منافقت کا ایک پہلو ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2749 میں منافق کی صفات اختیار کرنے والے کو ڈرنا چاہیے کہ موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ آخرت میں اس کا انجام ان کے ساتھ ہو گا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ان تمام وعدوں کو پورا کرنا چاہیے جو انھوں نے کیے ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کریں گے، ہر حال میں جب انہوں نے اسے اپنا رب مان لیا تھا۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے اس کی خوشنودی کے لیے جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ وعدہ ایک عملی ہے۔ لہٰذا، یہ زبانی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ کرنے سے بہت آگے ہے۔ لوگوں سے کیے گئے وعدوں کو پورا کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کا حساب قیامت کے دن ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 34:

اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ درحقیقت عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[۔..."

ان وعدوں میں غیر کہے گئے اور غیر تحریری وعدے بھی شامل ہیں، جیسے کہ جب کسی کے بچے ہوتے ہیں۔ بچہ پیدا کرنا والدین کو خود بخود اسلام کی تعلیمات کے مطابق بچے کے حقوق کی تکمیل کے وعدے کا پابند کر دیتا ہے۔ ان وعدوں میں دنیاوی بھی شامل ہیں، جیسے تجارتی لین دین اور مالی سودے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے دنیوی معاملات کو اپنے دینی معاملات سے الگ کرنے کی کوشش نہ کرے جبکہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کی زندگی کے دنیاوی پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ کی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور ضابطہ حیات ہے جو انسان کی ہر سانس اور ہر اس صورت حال پر اثر انداز ہوتا ہے جس میں وہ ملوث ہو، چاہے وہ دنیاوی ہو یا مذہبی۔ اس لیے کسی بھی ذمہ داری کا ارتکاب کرنے سے پہلے گہرائی سے سوچنا

چاہیے کیونکہ اس دنیا میں تمام ذمہ داریاں کسی نہ کسی وعدے کی پابند ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

اب تک آیت 177 میں شکرگزاری کے مختلف پہلوؤں کو درج کیا گیا ہے جس کے تحت کسی کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

"... اور مال دیتا ہے، اس سے محبت کے باوجود، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں کو، اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔]اور جو [نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔]جو[اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں جب وہ وعدہ کرتے ہیں...

اللہ تعالیٰ نے پھر باقی نصف کا ذکر کیا جو شکر، معنی، صبر کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور وہ لوگ جو غربت اور تنگی اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں‘‘۔ ’’

غربت میں صبر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے محدود رزق کے بارے میں شکایت کرنے سے گریز کریں اور جن لوگوں کو زیادہ رزق دیا گیا ہے ان پر حسد کرنے سے گریز کریں۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو وہ عطا کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 42 اشۜورہ، آیت 27:

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ تمام روئے زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن " وہ جس مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

لہٰذا، انسان کو جو بھی رزق دیا گیا ہے اسے قبول کرنا چاہیے اور یہ ماننا چاہیے کہ جب تک وہ زندہ ہیں، اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے کم سے کم رزق کی ضمانت ہے۔ درحقیقت انسانوں کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا اس لیے اس میں کوئی اضافہ یا کمی نہیں کرسکتا۔ صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 11 ہود، آیت 6:

اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور وہ اس کے رہنے کی" جگہ اور ذخیرہ کرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب کچھ واضح رجسٹر میں ہے۔"

لہٰذا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ پہلے ہی ان کے لیے مختص اور ضمانت ہو چکی ہے، حلال رزق کمانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، چاہے یہ سمجھنا مشکل ہو۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ذہنی سکون، جو کہ غالباً سب سے بڑی دنیاوی نعمت ہے، بہت سی دنیاوی چیزوں کے رکھنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا براہِ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے جو بھی نعمتیں کسی کو عطا کی گئی ہیں ان کو استعمال کرنے سے ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا، کوئی بھی شخص ذہنی سکون حاصل کر سکتا ہے، چاہے اس کے پاس کتنی ہی دنیاوی چیزیں ہوں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

مزید برآں، بہت سی دنیاوی چیزوں کا ہونا عام طور پر صرف ان کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مشکلات، پریشانی اور تناؤ کا باعث بنتا ہے، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا، انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس پر راضی ہونا چاہیے اور ان نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے ذہنی سکون حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور وہ لوگ جو غربت اور تنگی میں صبر کرتے ہیں‘‘۔ ’’

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ صبر کا مظاہرہ کسی بھی صورت حال کے آغاز سے ہی ہونا چاہیے۔ وقت کے ساتھ کسی صورت حال کے ناپسندیدہ نتائج کو قبول کرنا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ جامع ترمذی نمبر 2389 وہ لوگ جو بے صبرے ہوتے ہیں۔ اس لیے قبولیت صبر کے مترادف نہیں ہے۔ میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ حالات کے شروع ہونے سے ہی صبر کریں اور اس دنیا سے رخصت ہونے تک صبر کو برقرار رکھیں، کیونکہ بہت سے لوگ صبر کے اجر سے محروم ہو سکتے ہیں۔ مستقبل کی تاریخ میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے

مشکل میں صبر کرنے میں کسی کے فعل یا الفاظ کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ مضبوط ایمان ہر حالت میں اور خاص طور پر مشکل کے وقت صبر کو برقرار رکھنے میں مدد کرے گا۔ مضبوط ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ جو شخص مضبوط ایمان حاصل کرتا ہے وہ کچھ سچائیوں کو سمجھتا ہے جو اسے مشکلات میں صبر کو برقرار رکھنے میں مدد فراہم کرے گا۔ مثال کے طور پر، وہ سمجھیں گے کہ اس زندگی میں ان کا سامنا ہر صورت ناگزیر ہے اور وہ ان سے کبھی گریز نہیں کر باب 57 سکتے تھے۔ اس کی طرف جامع ترمذی، نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔
الحدید، آیات 22-23:

"کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے..."

جو شخص تقدیر کی ناگزیر اور ناگزیر نوعیت کو سمجھتا ہے وہ شکایت نہیں کرے گا کیونکہ ان کی شکایت تقدیر کو کسی صورت نہیں بدل سکتی۔ یہ صرف وہی ثواب ختم کرے گا جو انہیں حاصل ہوتا اگر وہ اس پر صبر کرتے۔

مزید برآں، پختہ ایمان رکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ دنیا آزمائشوں اور مشکلات کی جگہ ہے تاکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وفادار ہیں، وہ ان لوگوں سے جدا ہو جائیں جو نہیں ہیں۔ باب 67 الملک، آیت 2:

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے‘‘۔ ’’

اس لیے مشکلات کا سامنا اس دنیا میں زندگی کا ایک ناگزیر اور ناگزیر پہلو ہے۔ یہ قبولیت مشکلات کا سامنا کرتے وقت باقی مریض میں مدد کرے گی۔

مزید برآں، پختہ ایمان رکھنے والا ہمیشہ یاد رکھے گا کہ کوئی مشکل کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو، وہ بلاشبہ صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

یہ سچائی ہمیشہ صبر کرنے میں مدد کرے گی ، کیونکہ صبر اکثر اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کسی کو یقین ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص صورتحال کا سامنا نہیں کر سکتا۔

ایک اور سچائی جو پختہ ایمان رکھنے والا سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہتر فیصلہ کرتا ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ چونکہ انسان کا علم انتہائی محدود ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتا، جس کا علم ہر چیز پر محیط اور وسیع ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ سمجھنے کے لیے صرف ان کی زندگی پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ آیت کتنی درست ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جب وہ کسی چیز کو اچھا مانتا تھا، صرف اس کے لیے وہ تناؤ کا باعث بنتا تھا اور جب وہ کسی چیز کو برا مانتا تھا، صرف اس لیے کہ وہ ان کے لیے اچھائی کا ذریعہ بنتا تھا۔ اس سچائی کو سمجھنا مشکلوں کا سامنا کرتے وقت صبر کرنے میں بھی مدد کرے گا۔

یہ تمام اور مزید سچائیاں اس شخص کے دل میں کھل جاتی ہیں جو اسلامی علم سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور اس سے ایمان کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ہر حال میں، خاص طور پر مشکل کے حالات میں صبر اور اللہ کے فرمانبردار رہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور وہ لوگ جو غربت اور تنگی اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں‘‘۔ ’’

خاص طور پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک میں بار بار تنبیہ کی گئی کہ وہ غیر مسلموں کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، کیونکہ ان کے دشمن ان کا مسلسل تعاقب کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے مدینہ ہجرت کے بعد بھی اسلام تباہ ہو گیا۔ باب 4 النساء، آیت 89:

"وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر کیا تو تم ایک جیسے ہو جاؤ "

باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور وہ لوگ جو غربت اور تنگی اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں‘‘۔ ’’

عام طور پر، جنگ میں خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ ایک مسلمان ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کے لیے سخت آزمائش میں پڑ جائے گا۔ عطا کیا گیا یہ فتنہ سوشل میڈیا، کلچر، فیشن، ان کی خواہشات اور دوسرے لوگوں کی طرف سے آتا ہے جن میں کسی کے رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ ان تمام فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ صبر کی یہ قسم آیت 177 میں مذکور دیگر اقسام کے مقابلے میں قابل اعتراض طور پر مشکل ہے، کیونکہ یہ مسلسل اور مسلسل ہے۔ مسلمان جہاں بھی رخ کرے گا اسے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی دعوت دی جائے گی جو انہیں دی گئی ہیں۔ درحقیقت، اس دن اور دور میں، کسی کو ایسے فتنوں کا سامنا کرنے کے لیے اپنے سونے کے کمرے سے نکلنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سوشل میڈیا آزادانہ طور پر دستیاب اور قابل رسائی ہے۔ ان تمام قوتوں پر قابو پانا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا اس وقت ممکن ہے جب انسان مضبوط ایمان حاصل کر لے۔ مضبوط ایمان تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ مضبوط ایمان انسان کو اس راستے میں فرق کرنے کی اجازت دیتا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی طرف لے جاتا ہے ،اور وہ راستہ جو دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مصائب کی طرف جاتا ہے۔ اس صورت میں مضبوط ایمان رکھنے والا یہ سمجھے گا کہ اگر وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں، تو ان کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ ان کے لیے تناؤ کا باعث بنیں گی، چاہے وہ اللہ کی طرح ،تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ اعلیٰ، اکیلا ہی ان کے روحانی دل کو کنٹرول کرتا ہے ذہنی سکون کا گھر۔ یہ سچائی مضبوط ایمان رکھنے والے پر واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور بہت سے امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھ کر جو ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور کس طرح انہیں ذہنی دباؤ، بدحالی، افسردگی اور ذہنی دباؤ کی طرف لے جاتے ہیں۔ دماغی صحت کے مسائل، مادے کی زیادتی اور خودکشی کے رجحانات، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتے ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے برعکس، پختہ ایمان رکھنے والا یہ سمجھے گا کہ جب تک وہ عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا، انہیں دونوں جہانوں میں سکون ملے گا، خواہ ان کے پاس کتنی ہی دنیاوی چیزیں ہوں، جیسا کہ اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی تعلیمات میں اور ایسے لوگوں کی بے شمار مثالیں ہیں جنہوں نے اس طرزِ زندگی کا انتخاب کیا اور اس کے ذریعے ذہنی سکون حاصل کیا۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

لہٰذا، مضبوط ایمان رکھنے والا اس حقیقت کو سمجھے گا اور اس لیے ان فتنوں سے مسلسل لڑتا رہے گا جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جو شخص اس وسیع فتنہ و فساد اور فتنوں کے دور میں اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے ایسا ثواب ملے گا جیسے اس نے اپنی صحیح حیات طیبہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس کا وعدہ میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے ۔ مسلم نمبر 7400

اس کے علاوہ، ایک شخص ان فتنوں سے لڑنے میں ان کی کوششوں میں مدد کر سکتا ہے تاکہ وہ اس مادی دنیا کے غیر ضروری عناصر کے ساتھ اپنے میل جول کو کم کر کے ان نعمتوں کا غلط استعمال کر سکے۔ اس مادی دنیا کے غیر ضروری عناصر میں مبتلا ہونے کو جتنا کم کیا جائے گا اتنا ہی آسان ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور اس کی اطاعت کو تمام چیزوں پر ترجیح دے۔ اس شخص سے ان کی زندگی میں قناعت، ان کے معاملات کی اصلاح اور ان کے رزق کو آسان طریقے سے پہنچانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین جبکہ مادی دنیا کے غیر ضروری پہلوؤں میں زیادہ مشغول رہنے والا ان نعمتوں کو ، کی گئی ہے صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا امکان کم رکھتا ہے۔ درحقیقت، وہ اللہ تعالیٰ کی خلوص نیت سے اطاعت کرنے پر مادی دنیا سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دیں گے۔ وہی حدیث جو پہلے نقل ہوئی ہے اس قسم کے افراد کو قناعت کی کمی، اپنے معاملات کی اصلاح نہ ہونے اور ان کا ضامن رزق بڑی مشکل سے ان تک پہنچے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

اور وہ لوگ جو غربت اور تنگی اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں‘‘۔ ’’

جو لوگ ایمان اور راستبازی کے مختلف پہلوؤں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا ذکر آیت 177 میں کیا گیا ہے جب انہوں نے اسلام کو اپنے ایمان کی گواہی دی ہے تو وہ اپنے قول پر سچے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لائے اور اس کے باوجود مال دے۔ اس سے محبت، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔]اور جو[نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ جو وعدہ کرتے وقت پورا کرتے ہیں۔ اور فقر و تنگدستی اور جنگ میں صبر کرنے والے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں..."

لہٰذا یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی کے ایمان کو عملی جامہ پہنانے کی اہمیت کو اسلام میں ایمان کا زبانی اعلان کرنا کافی اچھا نہیں ہے اگر اس کی حمایت اعمال سے نہ ہو۔ دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے اعمال ایک ثبوت اور کرنسی ہیں جس کی ضمانت صالحین کے لیے دی گئی ہے، ان لوگوں کے لیے جو ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

‘‘وہی ہیں جو سچے ہیں اور وہی ہیں جو صالح ہیں۔ ’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن جو لوگ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، خواہ وہ زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کریں، وہ دیکھیں گے کہ ان کے پاس جو

نعمتیں ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنیں گی، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی ان کے روحانی دل، ذہنی سکون کے گھر کو کنٹرول کرتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

مزید برآں، جو اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے اسے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ اس کے بغیر اس دنیا سے چلے جائیں۔ اس لیے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جائے گا، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی خراب ہو سکتا ہے جو اعمال صالحہ میں ناکام رہتا ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

لہٰذا جب وہ اسلام کو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں، اگر وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو کسی کو اپنے قول پر سچا ہونا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 177:

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ، یوم " آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لائے اور اس کے باوجود مال دے۔ اس سے محبت، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے۔]اور جو[نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ جو وعدہ کرتے وقت پورا کرتے ہیں۔ اور فقر و تنگدستی اور جنگ میں صبر کرنے والے ۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 179-178

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ
فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ
وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾

وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

’’اے ایمان والو، تم پر قتل کرنے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور اسے]میت کے وارث یا قانونی نمائندے[کو حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ لیکن جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور تمہارے لیے قانونی انتقام میں جان ہے، اے عقل والو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 178:

‘‘اے ایمان والو، تم پر قتل ہونے والوں کا قانونی بدلہ مقرر ہے۔ ’’

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سچے مسلمان ہر قسم کی زندگی کا احترام کرتے ہیں۔ درحقیقت، ایک مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی سب پر رحم کرے، کیونکہ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم حاصل کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4941 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 28 القصص، آیت 77:

‘‘اور نیکی کرو جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔’’

سنن ابوداؤد نمبر 2550 اس قسم کے سلوک کو جانوروں سمیت تمام مخلوقات تک بڑھایا جانا چاہیے۔ میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ کوئی اور مذہب انسانی جان کو اتنی اہمیت درحقیقت اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ ایک بے گناہ کے قتل کا ایسا نہیں دیتا جیسا کہ اسلام دیتا ہے۔ فیصلہ کیا جائے گا جیسے پوری انسانیت کو قتل کیا گیا ہو۔ باب 5 المائدة، آیت 32:

" ...کسی جان کو مارتا ہے سوائے اس کے کہ کسی جان کے لیے یا زمین میں فساد کے لیے - گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا تھا۔ اور جو کسی کو بچاتا ہے۔ - گویا اس نے بنی نوع انسان کو مکمل طور پر بچا لیا تھا..."

حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان اور مومن سنن نسائی نمبر 4998 کی کی جو تعریف کی ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام انسان کو اپنے نقصان کو دوسروں سے دور رکھنے کا درس دیتا ہے۔ .یہ حدیث نصیحت کرتی ہے کہ مسلمان اور مومن وہ ہے جو اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے پاس موجود چیزوں سے دور رکھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی شخص یا مخلوق کو نقصان نہیں پہنچایا جب ،تک کہ وہ جنگ کے دوران کسی مرد سپاہی کے خلاف اپنے دفاع میں نہ ہو۔ اس نے کبھی کسی عورت بوڑھے، بچے یا کسی غیر فوجی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، اس نے کبھی اپنے لیے انتقام نہیں لیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزا کو سربراہ مملکت کے طور پر ان لوگوں پر لاگو کیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا اور ناقابل تردید شہادتوں کے ذریعے مجرم قرار پائے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگر مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں تو ان کو ہر حال میں اس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

چونکہ اسلام بالکل متوازن اور حقیقت پسندانہ مذہب اور طرز زندگی ہے، اس لیے ایک مسلمان کو اپنے، اپنے خاندان اور مال کے دفاع کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن یہ خود کا دفاع متعین حدود کے اندر ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو پہلے دوسروں پر حملہ کرنے اور معصوم لوگوں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے ۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں، جس کا خلاصہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بھی لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 178:

’’ اے ایمان والو، تم پر قتل کرنے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت...‘‘

اسلام کی آمد سے پہلے، جو شخص قتل کا ارتکاب کرتا تھا، وہ اپنی جگہ کسی اور کو سزا دینے پر مجبور کر سکتا تھا، جیسے کہ وہ غلام جس کا وہ مالک تھا۔ لیکن اسلام واضح کرتا ہے کہ قتل کرنے والے کو اپنے جرم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اسے دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ آزاد شخص جو قتل کا ارتکاب کرے گا وہی ہوگا جو نتائج کا سامنا کرے گا، یعنی مفت کے بدلے میں آزاد۔ قتل کا ارتکاب کرنے والا غلام وہی ہوگا جو اپنے عمل کے نتائج کا سامنا کرے گا، یعنی غلام کے لیے غلام۔ اور قتل کرنے والی عورت وہی ہوگی جو اپنے عمل کے نتائج کا سامنا کرے گی، یعنی عورت کے بدلے عورت۔

عام طور پر، یہ اصول تمام معاملات میں لاگو ہوتا ہے .مطلب، ایک شخص اپنے گناہوں کے نتائج کا سامنا دوسرے کی طرف نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت اس وقت بھی لوگ جس نمبر ایک مجرم کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں وہ شیطان ہے لیکن وہ قیامت کے دن اعلان کرے گا کہ اس نے جسمانی طور پر کبھی کسی کو گناہ کرنے پر مجبور نہیں کیا اس لیے وہ خود کو قصوروار ٹھہرائیں نہ کہ اسے۔ باب ابراہیم، آیت 22 14:

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرائیں۔

اگر کوئی اپنے گناہوں کا الزام شیطان پر نہیں ڈال سکتا، جو برائی کے لیے سب سے بڑا اکسار ہے، تو وہ کیسے یقین کریں کہ وہ اپنے گناہوں کا الزام کسی اور پر ڈال سکیں گے؟ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے جو انسان کو مزید گناہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اس لیے اسے ترک کرنا چاہیے۔ ہر شخص اپنی نیت، قول اور فعل کا خود ذمہ دار ہوگا اور یہ ناگزیر ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنی نیتوں، قول و فعل کا مسلسل جائزہ لینا چاہیے تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے ناگزیر اور ناگزیر احتساب کے لیے مناسب تیاری کر سکیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 178:

’’ تمہارے لیے قتل کرنے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے - آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب کیا جائے اور حسن سلوک کے ساتھ اس کی]مقتول کے وارث یا قانونی نمائندے [کو ادائیگی کی جائے - "

اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے درمیان حسن سلوک اور رحم دلی کی ترغیب دیتا ہے اور صرف انتہائی صورتوں اور اپنے دفاع کے معاملات میں سختی سے پیش آنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ مقتول کے وارث کو قاتل کو معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے جیسا کہ یہ قاتل کو ان کے ایمان اور نسب میں بھائی کے طور پر بیان کرتا ہے، جیسا کہ تمام لوگوں کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام سے ہے۔ اور ان کی بیوی حوا رضی اللہ عنہا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا اصل رویہ اور سلوک دوسروں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا ہونا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا باعث بنتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4941 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس معافی کے لیے قاتل کو چاہیے کہ وہ مقتول کے وارث کو معاوضہ ادا کرے، بشرطیکہ وہ اپنی طرف سے صدقہ کے طور پر اسے اپنی مرضی سے لہرا دیں۔ جو دوبارہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مزید اجر و برکت کا باعث بنتا ہے۔ اس آیت میں جس حسن سلوک کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد دونوں فریقین کی طرف سے کیے گئے قانونی معاہدے کو تیزی سے پورا کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ رحم و کرم سے پیش آنا یا کم از کم اس کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کے برے سلوک سے گریز کرنا ہے۔

عام طور پر، یہ دوسروں کے تئیں غیر جانبدارانہ رویہ اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، خاص طور پر جب کوئی شخص دوسروں کے تئیں منفی موقف اختیار کرنے کے بجائے، خصوصیات اور رویے میں فرق کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں چلتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان کے درمیان کچھ پیشگی مسائل کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ مثبت رویہ اختیار نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ ان کے بارے میں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے جس سے وہ ان کے بارے میں مثبت جذبات کا اظہار نہ کریں بلکہ ان کے بارے میں منفی جذبات کا اظہار نہ کریں۔ یا تو اعلیٰ درجہ، جو زیادہ ثواب کا باعث بنتا ہے، دوسروں کے ساتھ مثبت رویہ اختیار کرنا ہے، اگرچہ ماضی میں ان کے ساتھ مسائل پیش آئے ہوں، لیکن یہ مستحب ہے کہ واجب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اس بدسلوکی اور خطرناک صورتحال کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے جس میں وہ ملوث ہیں، کیونکہ اسلام اس کی ہر گز حمایت نہیں کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو جسمانی اور زبانی زیادتیوں سے بچانے کے لیے اپنے حالات اور حالات کو بدلنے کے لیے اقدامات کرے لیکن ایسا کرنے کے بعد انہیں اس شخص کے ساتھ مثبت رویہ اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے انہیں ماضی میں مسائل درپیش تھے اور پھر آگے بڑھیں۔ صاف ذہن کے ساتھ ان کی اپنی زندگی۔ مثال کے طور پر، ایک عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے جسمانی اور زبانی طور پر زیادتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے چاہییں، چاہے اس کا مطلب اس سے الگ ہو جائے، کیونکہ اسلام اس قسم کے رویے کو ہرگز برداشت کرنے کی نصیحت نہیں کرتا ہے۔ لیکن ایک بار جب یہ بیوی اپنے رہنے کے انتظامات کو بدل لے تاکہ وہ اور اس کے بچے محفوظ رہیں، تو اسے اپنے سابقہ شوہر کو معاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور صاف ذہن کے ساتھ اپنی زندگی کو آگے بڑھانا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 178:

’’ تمہارے لیے قتل کرنے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے - آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور اسے]میت کے وارث یا قانونی نمائندے [کو حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے..."

اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارث کو قانونی انتقام کا انتخاب عطا کیا ہے جو صرف حکومت اور سخت ہدایات کے تحت انجام دے سکتی ہے، یا قاتل کی طرف سے ادا کی گئی معاوضہ فیس کے ساتھ یا اس کے بغیر معافی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان دونوں میں سے انتخاب کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا، کیونکہ لوگوں پر ایک یا دوسرا اختیار زبردستی کرنے سے ان کے لیے مشکلات پیدا ہوتی تھیں، کیونکہ تمام لوگ مختلف ہیں۔ جو لوگ فطرتی رحم دلی کے مالک ہوتے ہیں وہ معافی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس لیے قاتل کو پھانسی کا حکم دینا مشکل ہو جائے گا، اگر اسلام ان پر یہ اختیار زبردستی کرتا ہے۔ دوسری طرف، دوسروں کو اپنے محبوب کے قاتل کو معاف کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور وہ اپنے محبوب کے قاتل کی حقیقت کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے کہ وہ معاشرے میں ایک آزاد انسان کے طور پر گھوم رہے ہوں جب کہ ان سے ان کے محبوب کی جان چھین لی گئی ہو، خاص طور پر جب قتل ہونے والے شخص کے زیر کفالت تھے جو ان پر بہت زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس رویہ کے حامل کے لیے قاتل کو معاف کرنا اور معاف کرنا مشکل ہو جائے گا اگر یہ اختیار اسلام نے ان پر مجبور کیا ہو۔ تمام لوگوں کے لیے رحمت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارث کے لیے اختیار چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس، اس دن اور عمر میں زیادہ تر قانونی آئین، جو قاتل کی قسمت عدالت کے جج یا مکمل اجنبیوں سے سمجھوتہ کرنے والی جیوری کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ٹوٹا ہوا نظام وارث کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انہیں یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ قاتل کی قسمت کا انتخاب کریں اور معاملے کو ٹھنڈا کر دیں تاکہ وہ اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔ یہ ٹوٹا ہوا نظام یہی وجہ ہے کہ قتل ہونے والے کے اہل خانہ یا قتل کے علاوہ دیگر جرائم میں، مثلاً عصمت دری میں، متاثرہ خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ انصاف نہیں ملا، یہاں تک کہ جب مجرم کو سزا سنائی جاتی ہے، ان کی جیل ہوتی ہے۔ سزا جرم کے قابل نہیں ہے .مطلب، مجرم چند سالوں میں رہا ہو جائے گا اور اپنی معمول کی زندگی میں واپس آجائے گا، جہاں انہیں حکومت کی جانب سے مراعات فراہم کی جائیں گی، جبکہ متاثرہ اور متاثرہ کے خاندان کو نفسیاتی طور پر زندگی بھر کے لیے نقصان پہنچایا جائے گا۔ صرف ایک چیز جو اس نفسیاتی صدمے کو کسی حد تک کم کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر خاندان کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ مجرم کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 178

’’ تمہارے لیے قتل کرنے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے - آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور اسے]میت کے وارث یا قانونی نمائندے [کو حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ لیکن جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

زیادتی سے مراد مقتول کے لواحقین سے براہ راست بدلہ لینا ہے، کیونکہ صرف حکومت ہی قانونی سزا نافذ کر سکتی ہے، یا معاوضے یا معافی کے معاہدے کے بعد بدلہ لے سکتی ہے۔ اس میں قاتل کو پہلی بار معاف کرنے کے بعد دوبارہ قتل کرنا بھی شامل ہے۔ اس صورت میں، قانونی جج ان کی پھانسی کا حکم جاری کرے گا، چاہے دوسرے قتل شدہ شخص کا وارث معافی پر راضی ہو۔ اس لیے یہ کسی بھی خامیوں کو بند کر دیتا ہے جو ایک مجرم انصاف سے بچنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 178-179:

’’ تمہارے لیے قتل ہونے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے - آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے... غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور اسے]میت کے وارث یا قانونی نمائندے [کو حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ لیکن جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے لیے قانونی بدلہ]بچاؤ [میں ہے، اے عقل والو..."

قانونی انتقام میں زندگی ہے، کیونکہ بہت سے قاتل پھانسی سے کم کسی سزا سے اس رویے سے باز نہیں آتے۔ ایسی لاتعداد مثالیں ہیں جہاں ایک قاتل نے اپنے جرم کی پاداش میں کچھ سال قید کاٹی ہو،

صرف رہائی کے بعد دوبارہ قتل کا ارتکاب کیا ہو۔ تو ایک شخص کی پھانسی دوسروں کی جان بچانے کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ قانونی انتقام مقتول کے لواحقین کی ذہنی حالت میں بھی مدد کرتا ہے کیونکہ یہ جاننا کہ قتل نے ان کے جرم کی قیمت ان کی زندگی کے ساتھ ادا کی ہے، مقتول کے لواحقین کو اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن جب قاتل کو صرف جیل میں ڈالا جاتا ہے، اور بہت سے معاملات میں بالآخر رہا کر دیا جاتا ہے، قاتل کے ہاتھوں اپنے محبوب کو جو صدمہ پہنچا ہے اسے یاد کرنے کی تکلیف مقتول کے لواحقین کو اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے اور سکون سے رہنے سے روک سکتی ہے۔ اس ذہنی اذیت کو روکنا انہیں زندگی بخش رہا ہے۔ اسی طرح، جب حکومت کسی مجرم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتی ہے، تو متاثرہ کے لواحقین اکثر یہ محسوس کرتے ہیں کہ انصاف نہیں ملا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ جان بوجھ کر قتل کے معاملات میں مقتول کے لواحقین کو یا تو قاتل کو پھانسی دینے یا مالی معاوضے کے ساتھ یا اس کے بغیر معاف کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جب فیصلہ متاثرہ کے لواحقین کے حوالے کر دیا جائے گا تو اس سے ذہنی تناؤ کا امکان کم ہو جائے گا جو کہ حکومت کی جانب سے نتائج کا فیصلہ کرنے کی صورت میں پیدا ہوگا۔ یہ ایک بار پھر متاثرہ کے رشتہ داروں کو ناراضگی سے بھری زندگی گزارنے کے بجائے اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے کی اجازت دیتا ہے، جو حقیقت میں بالکل بھی نہیں جی رہی ہے۔ یہ ناراضگی اتنی طاقتور ہو سکتی ہے کہ یہ متاثرہ کے خاندان کے اندر بھی رگڑ کا باعث بنتی ہے، جب اراکین کی اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کے بارے میں مختلف رائے ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ ٹوٹے ہوئے خاندانوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ متوفی کے والدین کی طلاق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خاندان کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دینا کہ قاتل کے ساتھ کیا ہوتا ہے، مقتول کے خاندان کی تباہی کو روکتا ہے جو کہ اگر قاتل کا نتیجہ فیصلہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی زندگیوں کے ساتھ آگے بڑھنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں۔

پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام انتقامی قتل کی روک تھام کے ذریعے جانیں بھی بچاتا ہے جو نسلوں تک پھیل سکتا ہے۔ لہٰذا، ایک قاتل کو پھانسی دینے سے کئی قتلوں کو روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کسی ایسے شخص کو قتل کیا جاتا ہے جس کے زیر کفالت ہوتے ہیں، انتقامی قتل کی وجہ سے، یہ ان کے زیر کفالت افراد، جیسے ان کے بچوں کی زندگیوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اسے اس وقت روکا جا سکتا ہے جب مقتول کے خاندان کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ قاتل کو کیا ہوتا ہے، کیونکہ یہ

انتقامی قتل اور اس سے ہلاک یا زخمی ہونے والے تمام افراد کے زیر کفالت ہونے والی تباہی کو روکتا ہے۔ اس لیے قانونی انتقام ان تمام لوگوں کی جان بچاتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب قانونی معاملات میں اسلامی قانون کی پیروی کی جائے اور ان کا صحیح اطلاق کیا جائے تو یہ سب درست ہیں۔ کسی کو قتل کے جرم میں سزا دینے کے لیے حقیقی اور مضبوط شواہد کی ضرورت ہوتی ہے، جو کہ ہر طرح کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اسلام میں، مقدمے کے اندر کسی بھی قسم کے شکوک و شبہات کی وجہ سے مکمل قانونی سزا، جیسے کہ پھانسی، کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، اس دن اور دور میں ناقابل تردید ثبوت حاصل کرنا آسان ہے جہاں سی سی ٹی وی فوٹیج، ڈی این اے ٹیسٹنگ اور دیگر سائنسی طریقہ کار تیار کیے گئے ہیں جو مجرموں کو بہت زیادہ یقین کے ساتھ درست طریقے سے سزا دے سکتے ہیں۔ یہ سب ایک بے گناہ شخص کو سزا سنانے کا موقع کم سے کم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر غیر اسلامی ممالک صرف ان مخصوص معاملات میں قانونی انتقام کو درست طریقے سے نافذ کریں تو اس سے جرائم میں نمایاں کمی آئے گی۔ ان معاملات میں کسی بے گناہ کو پھانسی دینے کے خوف سے پھانسی سے بچنے کا عذر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح شخص کو پھانسی دی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 178-179:

’’ تمہارے لیے قتل ہونے والوں کے لیے قانونی سزا مقرر ہے - آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے… غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور اسے]میت کے وارث یا قانونی نمائندے [کو حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ لیکن جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے لیے قانونی بدلہ]بچاؤ [میں ہے، اے عقل والو..."

لیکن جیسا کہ ان آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ سمجھیں گے جو اپنی سوچ کو درست طریقے سے لاگو کرتے ہیں، قانونی انتقام کے وسیع فائدے کو سمجھیں گے۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس سمجھ نہیں ہے وہ اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنا چھوڑ دے گا، کیونکہ وہ اس بیان کے صرف ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، یعنی جسم کے کسی حصے کو کاٹنا۔ وہ بڑی تصویر کے معنی پر غور نہیں کرتے، اپنی جان بچانا، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنے سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ واضح طور پر سوچنے والا اس بات سے اتفاق کرے گا کہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنا بہت سنگین ہے لیکن اسے چھوڑنا بدتر چیز کا باعث بنے گا، یعنی موت۔ اس لیے وہ بڑی تصویر پر غور کرتے ہیں اور اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنے کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق زیر بحث آیات پر بھی ہو سکتا ہے۔ معاشرے کے کسی فرد کو قتل کے جرم میں پھانسی دینا سخت لگتا ہے لیکن اگر اس سے متاثرہ کے لواحقین سمیت باقی معاشرے کے لیے بہت سے فائدے ہوتے ہیں، تو یہ صحیح کام ہے، کیونکہ ایک حکومت کو بڑی تصویر کے معنی، اس کی فلاح و بہبود پر غور کرنا چاہیے۔ ایک سزا یافتہ قاتل کی زندگی پر پورا معاشرہ، جس نے اپنے انسانی حقوق کو اس وقت ترک کر دیا جب انہوں نے انسان کی طرح کام کرنا چھوڑ دیا، یا بہت ہی کم واقعات میں، ایک غلط سزا یافتہ شخص کی اکیلی زندگی۔

باب 2 البقرہ، آیت 179:

"اور تمہارے لیے قانونی بدلہ [بچائی] جان ہے، اے عقل والو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے، پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام بھی عام لوگوں کے لیے ایک مضبوط رکاوٹ کا کام کرتا ہے۔ جب وہ قاتلوں کو پھانسی دیے جانے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کو روکے گا جو کسی کو نقصان پہنچانا یا قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی جان کھونے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لیں اور اس طرح اپنی اور دوسروں کو زندگی بخشیں۔ اس کا اطلاق ہر قسم کے جرائم پر ہو سکتا ہے۔ اگر عصمت دری جیسے جرائم کی سزا زیادہ سنگین تھی، تو یہ بہت سے ممکنہ مجرموں کو جرم کرنے سے روک دے گی۔ معاشروں میں جرائم کی شرح میں کمی نہ ہونے کی ایک اہم وجہ نرم قوانین کا ہونا ہے۔

قانونی انتقام کا ایک پہلو قاتل کو معاف کرنا ہے۔ احسان کا یہ عمل قاتل کو اپنی جرم کی زندگی سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، جو ان کی اپنی زندگی اور دوسروں کی حفاظتی زندگیوں کی نجات کا باعث بنتا ہے اگر وہ اپنے برے طریقے جاری رکھتے تو انہیں نقصان پہنچتا۔ اس کے علاوہ، یہ دوسرے ممکنہ متاثرین اور ان کے لواحقین کو بھی اپنے مظلوموں کو معاف کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، جو کہ ایک بار پھر بہت سی جانوں کو بچانے اور معاشرے میں امن اور رحم کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 179:

''اور تمہارے لیے قانونی بدلہ]بچائی [جان ہے، اے عقل والو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ ''

معاشرہ جرائم کو تب ہی کم کر سکتا ہے جب ان دو اصولوں کو اس کے لوگ اپنا عام طور پر، ایک لیں۔ پہلا قانونی انتقام کا مطلب ہے، ایک سخت قانون جو ممکنہ مجرموں کو جرم کرنے سے روکنے کے لیے جرائم کو مناسب سزا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب قانونی سزا زیادہ سنگین ہوتی ہے تو ممکنہ مجرم کے جرم کا امکان کم ہوتا ہے۔ قانون جتنا نرم ہوگا، ممکنہ مجرم کے جرم کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنانا ہے جس میں آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جرم اور گناہ اس وقت کرتا ہے جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یا تو اسے اپنے اعمال کا کوئی نتیجہ نہیں بھگتنا پڑے گا، جیسے کہ جیل، یا وہ کسی طرح ان سے بچ جائیں گے، مثلاً ملک سے فرار ہو کر۔ لیکن جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ کوئی

بھی عمل کرے، خواہ وہ کھلا ہو یا خفیہ، بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس دنیا میں نتائج سے بچنے کے لیے کچھ بھی کرے، ایک دن ضرور آئے گا جہاں وہ پکڑے جائیں گے۔ اپنے تمام اعمال کے لیے جوابدہ ہیں، وہ ہمیشہ جرم یا گناہ کرنے سے پہلے دو بار سوچیں گے۔ اگر اس عقیدہ کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے تقویت حاصل ہو تو یہ جرم اور گناہوں کے ارتکاب سے بچ جائے گا۔ اگر معاشرے کے افراد اس طرح کام کریں تو معاشرے میں امن اور انصاف پھیل جائے گا۔ جرائم کی شرح میں کمی آئے گی اور وقت اس وقت سے قریب تر ہو جائے گا جب معاشرے میں اسلامی قانون کا صحیح نفاذ ہو گا۔ صرف یہی حقیقت ایمان کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے اور معاشرے میں علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اسے مضبوط کرتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 90:

”بے شک اللہ عدل اور حسن سلوک اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے کام اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم نصیحت حاصل کرو۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 180-182

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ
بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ١٨٠

فَمَنۢ بَدَّلَهُۥ بَعْدَ مَا سَمِعَهُۥ فَإِنَّمَآ إِثْمُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ١٨١

فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ١٨٢

"تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ نیکی چھوڑے]یہ ہے کہ[والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے جو قابل قبول ہے، یہ نیک لوگوں پر فرض ہے۔

پھر جس نے اسے سننے کے بعد بدل دیا تو اس کا گناہ صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس میں تبدیلی کی ہے۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

لیکن اگر کسی کو وصیت کرنے والے]کسی [غلطی یا گناہ کا خوف ہو اور جو ان کے درمیان ہے اسے درست کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

،اسلام مسلمانوں کو اپنی موت اور آخرت کے ناگزیر سفر کو مسلسل یاد رکھنے کی ترغیب دیتا ہے جہاں ان سے ان کے ارادوں، قول و فعل اور اعمال کا جوابدہ ہو گا۔ یہ مسلسل یاددہانی ضروری ہے تاکہ لوگ اپنی موت اور سفر آخرت اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مسلسل تیاری کریں۔ اس عملی تیاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس عملی تیاری کا ایک پہلو اس دنیا میں خیر کو پیچھے چھوڑنا ہے، تاکہ دوسرے خصوصاً ان کے زیر کفالت افراد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 180:

‘‘...تم پر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی پر موت آجائے اگر اس نے بھلائی چھوڑ دی’’

عام طور پر، ایک مسلمان کو اس دنیا میں نیکی چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں فائدہ ہو گا، کیونکہ یہ ایک نیک عمل سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1376 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ تین چیزیں مسلمان کو مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی ہیں، یعنی جاری صدقہ، وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہیں، جیسے پانی کا کنواں، مفید علم جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں یا ایک صالح بچہ جو اپنے فوت شدہ والدین کی طرف سے دعا کرتا ہے۔ یہ وہ میراث ہے جو ایک مسلمان کو اس دنیا میں پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ تمام دنیاوی میراث وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے بانی کو کسی بھی طرح سے فائدہ نہیں پہنچے گا، خاص طور پر قیامت کے دن۔

باب 2 البقرہ، آیت 180:

’’تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ نیکی چھوڑے]یہ ہے کہ [والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے قابل قبول وصیت کرے۔‘‘

اس آیت میں مذکور خیر سے مراد مال اور دوسری چیزیں ہیں جن سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جیسے کہ گھر۔ وصیتیں بنا کر دوسروں پر ظلم کرنا عام رواج تھا اور اب بھی ہے جس کا مقصد بعض لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کو وارث بننے سے ہٹانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس غلط رویہ کی کئی بار اصلاح فرمائی ہے کہ متوفی کے ورثاء کو جو حصہ ملتا ہے۔ زیر بحث بنیادی آیات ابتدا میں نازل ہوئیں اور بعد میں وراثت کے حوالے سے مزید مخصوص اور مفصل آیات نازل ہوئیں، جس میں مزید واضح کیا گیا کہ وراثت کو کیا حصہ ملتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ متعصب ہونے کی وجہ سے اپنی وراثت کو منصفانہ طریقے سے تقسیم نہیں کر پائیں گے۔ صرف وہی ہے جو ہر ایک کے لیے بہترین چیز جانتے ہوئے بھی برکات کو منصفانہ طریقے سے تقسیم کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ تمام دنیوی نعمتیں انسان کے پاس ہوتی ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے، اسی لیے یہ حق ہے کہ وہ انتخاب کرے کہ کس شخص سے میراث ملے اور اس کا حصہ کیا ہو۔ لہٰذا کسی شخص کو اسلام کے وضع کردہ وراثت کے طریقہ کار پر سوال اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ جو دنیاوی چیزیں اس کے پاس ہیں وہ ان کی ملکیت نہیں ہیں۔

عام طور پر، یہ دوسروں کے حقوق کو پورا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اسلام کے دونوں پہلوؤں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ پہلا پہلو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنا ہے جیسے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حقوق کی تکمیل ہے، جیسا کہ اس بات کو یقینی بنانا کہ کسی کی وراثت کو اسلامی قانون کے مطابق ان کی بہترین صلاحیت کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کے لیے یہ عام رواج ہے کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اس طرح کامیابی حاصل کریں گے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر غلط طور پر ایمان لاتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسروں کے حقوق .تمام مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن عدل قائم ہو گا۔ ایک شخص کو اپنی نیکیاں ان تمام لوگوں کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا جن پر اس نے دنیا میں ظلم کیا تھا اور اگر ضرورت پڑی تو وہ ان لوگوں کے گناہ اٹھانے پر مجبور ہوں گے جن پر اس نے ظلم کیا تھا۔ اس کی وجہ سے قیامت کے دن انہیں جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا جس طرح حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیے۔ سابقہ بہترین حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ اس میں دوسروں کی ان کاموں میں مدد کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اور ان چیزوں

سے خبردار کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو تمام چیزوں، لوگوں اور رشتوں پر ترجیح دینی چاہیے۔ .

باب 2 البقرہ، آیت 180:

’’[والدین] یہ ہے کہ [یہ ہے کہ] تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ نیکی چھوڑے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے قابل قبول وصیت کرے۔‘‘

اس آیت میں مال کو اچھا کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دولت اور زیادہ تر دنیاوی چیزیں، جیسے سماجی اثر و رسوخ اور اختیار، بری چیزیں نہیں ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ کوئی ان کا استعمال کرتا ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ آیا وہ دونوں جہانوں میں ان کے لئے اچھی چیز بن جاتے ہیں یا ان کے لئے بری چیز۔ مثال کے طور پر اگر کوئی اپنی وراثت کو صحیح طریقے سے ترتیب دے تو یہ ایک نیک عمل بن جاتا ہے، اگرچہ اس میں دنیاوی چیزیں شامل ہوں، جیسے کہ مال۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دنیوی چیزیں جو اسے عطا کی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے دونوں جہانوں میں اپنے لیے خیر کا ذریعہ بنائے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انہیں جو دنیاوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے ذہنی سکون کا ذریعہ بنیں گی۔ باب النحل، آیت 16 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو دنیاوی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ان کے تمام معاملات اور ان کے روحانی قلب کو کنٹرول کرتا ہے۔ ذہنی سکون، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جیسا کہ آیت 180 کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے دونوں حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 180:

’’تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ نیکی چھوڑے [یہ ہے کہ] والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے جو کہ قابل قبول ہے جو کہ نیک لوگوں پر فرض ہے۔‘‘

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقویٰ، تقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا براہ راست تعلق دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے جڑا ہوا ہے۔ صرف وہی لوگ جو دونوں جہانوں میں اپنے لیے تباہی چاہتے ہیں دونوں کو الگ کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ وصیت پر عمل کرنے والے کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ میت کی طرف سے دی گئی نصیحت پر سختی سے عمل کرے اور وصیت میں کسی بھی طرح سے ردوبدل نہ کرے جس سے وارثوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 181:

’’پھر جس نے اس کو سننے کے بعد بدل دیا تو گناہ صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس میں ردوبدل کیا ہے۔‘‘

افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگوں میں یہ ایک عام رواج ہے اور جو وصیت کرنے والے کو وراثت میں اپنا حصہ بڑھانے یا دوسروں کا حصہ کم کرنے کے لیے رشوت دیتے تھے۔ عام طور پر، یہ دوسروں کو غلط طریقے سے متاثر کرنے سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ کی نافرمانی، اور معاشرے میں فساد پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔ آج بھی، دنیا کے اندر بدعنوانی کی سب سے بڑی وجہ لوگوں، کمپنیوں اور اداروں کا معاشرے کے دیگر ارکان، جیسے سیاستدانوں پر منفی اثر و رسوخ ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے آپ کو بے وقوف بناتے ہوئے کبھی بھی ان کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہئے کہ یہ ایک قابل قبول رویہ ہے جیسا کہ دوسرے بھی کرتے ہیں۔ یہ ایک احمقانہ اور گمراہ کن رویہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اس کے بجائے، ایک مثبت طریقے سے دوسروں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، جس کے نتیجے میں معاشرے میں نیکی پھیلتی ہے، یہ اثر کرنے والے کے لیے نیک اعمال کا ذریعہ بن جائے گا۔ کوئی شخص جو بھی رویہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرے، خواہ وہ دوسروں پر اچھا اثر ڈالے یا منفی، وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہوگا، جیسا کہ وہ جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 181:

پھر جس نے اسے سننے کے بعد اس میں ردوبدل کیا تو اس کا گناہ صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں" نے اسے بدل دیا۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس کے علاوہ، کسی شخص کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سمجھوتہ کرنا دنیاوی فائدے کے لیے، مثلاً رشوت کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت، ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گی، خواہ یہ بات ان پر ظاہر نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ان کے معاملات اور باقی سب کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے جن لوگوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں وہی آخر کار اس دنیا میں ان کے ناقد اور دشمن بن جائیں گے۔ لہٰذا، اس طرح کے برتاؤ سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے والے کو دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی ملے گی اور ان لوگوں کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا جن کی انہوں نے نافرمانی کی، خواہ یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور ممکنہ صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے جو وصیت کے نفاذ کے سلسلے میں پیش آسکتی ہے۔ باب 2، آیت 182:

"لیکن اگر کسی کو وصیت کرنے والے [کسی غلطی یا گناہ کا خوف ہو اور جو ان کے درمیان ہے اس کی اصلاح کر لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے..."

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وصیت کرتے وقت ان کی طرف سے غلطی کی نشاندہی کر کے میت کو شک کا فائدہ دیا پھر جان بوجھ کر غیر منصفانہ وصیت پیدا کرنے کے موقع کا ذکر کیا ۔ یہ دوسروں کے بارے میں برا ماننے سے پہلے شک کا فائدہ دینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4993 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت کی ہے کہ دوسروں کے بارے میں مثبت انداز میں سوچنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صحیح پہلو ہے۔ مطلب، یہ اس کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔ ایک مسلمان کو گمانوں سے بچنا چاہیے کیونکہ ان کے نتیجے میں اکثر گناہ ہوتے ہیں، جیسے غیبت، غیبت اور دوسروں کے ساتھ تعلقات توڑنا۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

اس کے بجائے، ایک مسلمان کو دوسروں کے قول و فعل کی مثبت انداز میں تشریح کرنی چاہیے جب تک کہ کوئی واضح ثبوت نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو سادہ لوح ہونا چاہیے، کیونکہ وہ ہر صورت میں احتیاط کے ساتھ داخل ہونا چاہیے، جیسا کہ کاروباری لین دین، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بغیر ثبوت کے دوسرے لوگوں سے برا گمان بھی نہ کریں۔ دوسروں کے بارے میں منفی قیاس کرنا بھی رشتوں میں ٹوٹ پھوٹ اور ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنتا ہے، کیونکہ ان معاملات میں سماجی بنانا اور لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا ہے جو دوسروں کے بارے میں منفی باتیں سوچتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 182:

" لیکن اگر کسی کو وصیت کرنے والے]کسی [غلطی یا گناہ کا خوف ہو اور جو ان کے درمیان ہے اس کی اصلاح کر لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے..."

وصیت پر عمل کرنے والے اور اس میں ملوث افراد کو کسی بھی ایسی غلطی کو درست کرنا چاہیے جو اسلامی قانون کو چیلنج کرتی ہوں، وصیت کے اندر۔ انہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ مرضی کے اندر کسی اور چیز کو تبدیل کریں، چاہے وہ ان کی ذاتی رائے سے متصادم ہو۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، انہیں ایک مثبت رویہ کے ساتھ غلطیوں کو درست کرنا چاہیے یہ فرض کرتے ہوئے کہ کوئی غلطی جان بوجھ کر گناہ کی بجائے میت کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس طرح دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنا دونوں جہانوں میں ان کے عیبوں پر پردہ ڈال کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کی نصیحت صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ورثاء کو

چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میت کی غلطیوں کو معاف کرنے کی کوشش کریں، امید ہے کہ وہ ان کی غلطیوں اور گناہوں کو بھی معاف کر دے گا۔ .آیت 182 کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 182:

‘‘بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ’’

اور باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

باب 2 – البقرہ، آیات 183-18 5

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾

أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى
ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ ۚ وَأَن تَصُومُوا۟ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

’’اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

دنوں کی محدود تعداد میں]روزہ رکھنا[۔ پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی تعداد برابر ہے۔ اور ان لوگوں پر جو]روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن مشقت کے ساتھ [- فدیہ]بطور [ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا۔ اور جو شخص خیر خواہی کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔

رمضان کا مہینہ]وہ ہے [جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور معیار کی واضح دلیلیں ہیں۔ پس جس نے مہینہ کا چاند دیکھ لیا وہ روزہ رکھے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی تعداد کے برابر۔ اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا ہے اور تم پر مدت پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس کے لیے جو اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اور شاید آپ شکر گزار ہوں گے۔"

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"...اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں "

روزہ ایک بہت ہی منفرد نیک عمل ہے کیونکہ یہ دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دوسرے پوشیدہ اعمال کے برعکس دن بھر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک شخص کو اپنے روزے کو اپنی بہترین استطاعت تک پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کو مطلع کر کے اپنے ثواب کو خراب کرنے سے گریز کرنا چاہیے، الا یہ کہ وہ مجبور ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود ایک آسمانی حدیث میں فرماتا ہے کہ روزہ خاص اس کے لیے ہے اس لیے وہ اس کا براہ راست بدلہ دے گا۔ اس براہِ راست نیکی کا مطلب یہ ہے کہ وہ روزہ دار کا اجر ہے، یعنی جو شخص باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی دیدار کا موقع دیا جائے گا، یہ ایک ایسا اجر ہے جس کی کوئی حد یا برابری نہیں ہے۔ عظمت

روزہ انسان کے ہر پہلو پر قفل لگا دیتا ہے اس لیے صحیح طریقے سے روزہ رکھنے والا ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہوں اور لغو باتوں سے بچتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ روزے کی حالت میں اپنی نیت، گفتار اور اعمال پر زیادہ قابو رکھے، جیسا کہ جو شخص روزے کی حالت میں گناہوں، جیسے جھوٹ بولنا، پر لگا رہتا ہے، اس کی تنبیہ جامع ترمذی میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ 707، ان کے روزے کو ضائع کرنا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ہو جائے۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ کی ایک اور حدیث نمبر 1690 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

روزے کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ انسان روزہ کی حالت میں جو محتاط رویہ اختیار کرتا ہے اسے ان دنوں تک جاری رکھا جاتا ہے جب وہ روزہ نہیں رکھتے، تاکہ وہ گناہوں اور لغو باتوں سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ راستبازی کی طرف لے جاتا ہے جو زیر بحث اہم آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

’’ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔‘‘

اس کے علاوہ روزہ رکھنے سے انسان کی بری خواہشات کم ہوتی ہیں۔ یہ بھوک، پیاس اور روزہ دار کے گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کے ذریعے غرور اور گناہوں کی ترغیب کو روکتا ہے۔ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اکثر دوسرے بہت سے گناہوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان دونوں خواہشات کو پورا کرنے کی خواہش اکثر دوسری حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ روزے کے اعلیٰ درجے کو حاصل کرنے اور اس کے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اپنی نیت، قول اور فعل پر قابو رکھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور تمام گناہوں اور لغو باتوں سے اجتناب برتیں، خواہ وہ روزے کے اسباب کو پورا کرے۔ روزہ نہیں رکھتے؟

آخر میں فرض روزے رکھنا اس قدر اہم اور قیمتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کا ایک فرض روزہ

بھی درست نہ ہو تو اس کی وجہ سے وہ اس کی قضا نہیں کر سکیں گے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق اپنے فرض روزوں کو صحیح طریقے سے ادا کرنے اور نفلی روزے رکھنے کی پوری کوشش کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 183:

’’ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ "

اس کے علاوہ یہ آیت قرآن کریم میں موجود بے شمار میں سے ایک اور دلیل ہے جو یہ واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک صالح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ روزہ جیسے اعمال صالحہ کے ذریعے اپنے ایمان کو حاصل نہ کر لے۔ نیکی ایک پودے کی مانند ہے جو پھل پھول کر مزیدار پھل پیدا کرتا ہے، جس طرح ایک پودا سورج کی روشنی کے بغیر پرورش حاصل کیے بغیر پھول نہیں سکتا اسی طرح انسان کا ایمان بھی ایسا نہیں پھول سکتا کہ وہ نیک اعمال کی صورت میں پرورش کے بغیر نیکی حاصل کر سکے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت، جو شخص صرف زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور جسمانی عمل سے اپنے دعوے کی حمایت میں ناکام رہتا ہے، اسے اپنے ایمان کو کھو جانے کا خوف ہونا چاہیے۔ جس طرح وہ پودا جو پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار مر جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ اچھے اعمال سے اس کی پرورش نہ کر سکے تو ان کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔

اس فرض کی مشقت کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ پچھلی امتوں کو بھی روزے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ انہیں کوئی ایسی مشکل یا بھاری ذمہ داریاں نہیں دی گئی ہیں جو ان سے پہلے کے لوگوں نے نہ اٹھائی ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے

متعدد مقامات پر اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ کسی شخص پر کبھی کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس حقیقت کو ذہن میں رکھنے سے ایک مسلمان کے لیے اسلام کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا آسان ہو جائے گا، کیونکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی خواہشات کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ ایک شخص کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں دیے گئے علاج کے منصوبے کو سنبھال سکتے ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک دی جاتی ہے۔ منصوبہ جس طرح یہ عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرے گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی ذمہ داریوں کو قبول کرے گا اور اسے پورا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو یہ یاد دلانے کے ذریعے روزے سے منسلک مشکلات کو مزید کم کرتا ہے کہ یہ سال میں صرف چند دنوں کے لیے ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 184:

"...]روزے [محدود دنوں کے لیے "

معمول کے مطابق، اللہ تعالیٰ اس فرض کو ادا کرنے سے قاصر افراد کے لیے رعایت دیتا ہے، جیسا کہ وہ دیگر تمام فرائض کے لیے کرتا ہے، کیونکہ اسلام ایک ایسا مذہب اور طرز زندگی ہے جو

انسانوں کی فطرت کے مطابق بنایا گیا ہے اور اس لیے ان کا احترام کرتا ہے۔ حدود اور کمزوریاں .باب 2 184 البقرہ، آیت:

"... پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی اتنی ہی تعداد]قضاً [ہے۔ اور ان لوگوں پر جو]روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن مشقت کے ساتھ [- ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا فدیہ]متبادل کے طور پر[۔

اسلام ہر حال میں ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ بعض صورتوں میں ان کی مدد کرنا واجب ہے، بعض میں یہ جرمانہ یا فدیہ ہے اور بعض صورتوں میں یہ ایک رضاکارانہ نیکی ہے جس کا بہت زیادہ اجر ہے۔ یہ دوسروں، خاص طور پر ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اسلام ایسے خود غرض طرز زندگی کی تبلیغ نہیں کرتا جس کے تحت انسان صرف اپنی اور اپنے خاندان کی پرواہ کرتا ہے، جیسا کہ جانور بھی اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس کے بجائے، اسلام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے اوپر اٹھیں اور اپنے ذرائع کے مطابق دوسروں کی مدد کریں، جس میں دوسروں کی مالی، جسمانی اور جذباتی مدد شامل ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ہر مسلمان اسلام کے اس بنیادی اصول پر صحیح معنوں میں عمل کرے تو اس روئے زمین پر وہ کوئی محتاج نہ رہے گا۔ اس اہم اصول کی طرف آیت 184 کے اگلے حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 184:

اور جو شخص نیکی کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس سادہ سی حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ دوسروں کی مدد کرنا درحقیقت اپنے آپ کی مدد کرنا ہے کیونکہ یہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 7:

]اور کہا[، "اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے بھلائی کرو گے، اور اگر تم برائی کرو گے تو ان کے ساتھ کرو گے۔"...

مثال کے طور پر جب تک کوئی اللہ کی خاطر دوسروں کی مدد میں مصروف رہے گا، اللہ تعالیٰ ان کے تمام معاملات میں ان کی مدد کرتا رہے گا۔ اس کی نصیحت صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہو گی اسے دونوں جہانوں میں سکون ملے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنا انسان کو اس طرح کا برتاؤ کرنے سے بھی روک دے گا کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند کی مدد کرتے وقت ان کا احسان کر رہے ہیں، کیونکہ یہ غرور کے ذریعے ان کے اجر کو برباد کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 184:

اور جو شخص نیکی کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے‘‘۔ ’’

اس سے اس اہم اسلامی اصول پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ایک شخص جو کچھ دیتا ہے وہی اسے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ یعنی انسان کو اس کی کوششوں کے مطابق اجر ملتا ہے۔ اگر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنے میں کم سے کم کوشش کریں، جیسے کہ صرف بنیادی فرائض کی ادائیگی، جس کی انجام دہی میں دن کے ایک گھنٹہ سے بھی کم وقت لگتا ہے، تو اس کے مطابق انہیں دونوں جہانوں میں اجر وثواب حاصل ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجے کی نعمتوں اور انعامات کے خواہاں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کم سے کم کوشش ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی کوششوں پر غور کرنا چاہیے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے، اور اگر وہ زیادہ سے زیادہ اجر و عنایت

چاہتے ہیں تو اپنی کوششوں میں اضافہ کریں، جس کے نتیجے میں ان کے سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔ دونوں جہانوں میں دماغ کا۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

’’ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

رعایتیں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اکثر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں دھکیل کر بلندی کی طرف بلاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 184:

"... پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی اتنی ہی تعداد [قضاً] ہے۔ اور ان لوگوں پر جو [روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن مشقت کے ساتھ] - فدیہ [بطور] ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا۔ اور جو شخص خیر خواہی کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔"

انسان کو ان لاتعداد واقعات پر غور کرنا چاہیے جہاں انہوں نے دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے آپ کو اپنی حدوں میں دھکیل دیا، جیسے کہ کھیلوں میں، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے وقت یہی رویہ اپنانا چاہیے۔ ہر کوئی اپنی صلاحیتوں اور حدود کو جانتا ہے اور اس لیے اس کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ باب 17 الاسراء، آیت 84:

"کہہ دو کہ ہر ایک اپنے طریقے کے مطابق کام کرتا ہے، لیکن تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 184:

"اگر آپ کو معلوم ہوتا۔ "

یہ بیان قرآن مجید کے مختلف مقامات پر اکثر دہرایا گیا ہے اور اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ کوئی شخص صحیح اور غلط عمل کے درمیان فرق کو سمجھ سکے۔ اس لیے یہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید کرنے سے اوپر اٹھیں اور اس کے بجائے ثبوت اور علم کی بنیاد پر عمل کریں تاکہ کوئی ان کے اعمال کی قدر کو سمجھ سکے۔ اچھے اور برے اعمال کی قدر کو سمجھنے والا گناہوں سے بچنے کا زیادہ امکان رکھتا ہے اور نیک اعمال کرنے کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔ مثلاً سنن ابن ماجہ نمبر 796 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صبح سویرے اور شام کی فرض نمازیں مسجد میں ادا کرنے کا کیا ثواب ہے۔ جماعت، وہ ان کے پاس آئیں گے یہاں تک کہ اگر انہیں پورے راستے میں رینگنا پڑے۔ جو شخص اس حدیث کو جانتا اور اس پر یقین رکھتا ہے وہ مسجد میں ان فرض نمازوں میں شرکت کرنے کی کوشش کرے گا، چاہے اس سے اس کے لیے کوئی مشکل پیش آئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماہ رمضان یعنی روزے کے مہینے کی خاص نوعیت کا ذکر کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

"...رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا "

قرآن مجید کو شب قدر میں محفوظ شدہ تختی سے ایک ہی وقت میں اتارا گیا۔ باب 97 القدر، آیت 1:

''بے شک ہم نے اس)یعنی قرآن (کو شب قدر میں نازل کیا۔''

اس کے بعد اسے نچلے ترین آسمان میں ہاؤس آف مائٹ میں رکھا گیا۔ پھر اسے 23 سال کے دوران فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ اس کا تذکرہ تفسیر القرطبی جلد 1 صفحہ 472 میں ہوا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی بعض بابرکت صفات کا ذکر فرمایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے''۔''

اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک لوگوں کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی راہنمائی کرتا ہے، جب تک کہ وہ اس کی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کریں۔ لیکن، دوسرے مذاہب اور طرز زندگی کے برعکس، قرآن پاک لوگوں کو اس کی صداقت کے ثبوت اور ثبوت کے بغیر اس کی اندھی تقلید کرنے کی دعوت نہیں دیتا۔ اس کے بجائے ہر مرحلے پر جب بھی قرآن پاک لوگوں کو کسی اچھی خاصیت کو اختیار کرنے یا کسی خاص منفی صفت کو چھوڑنے یا کسی خاص ضابطہ اخلاق کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے تو یہ واضح ثبوت اور ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس کی نصیحت کس طرح افراد اور معاشرے کی کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ دونوں جہانوں میں باب 2 البقرہ، آیت 185:

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی کھلی دلیلیں..."

یہ نہ صرف لوگوں کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ اس کے نظریہ اور تعلیمات کی تائید کرنے والے واضح ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جیسا کہ دیگر تمام مذاہب اور طرز زندگی اس کے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جس چیز کی سچائی کی وکالت کرتے ہیں اس پر بھروسہ کریں، بجائے اس کے کہ وہ واضح ثبوتوں پر غور کریں اور اپنے لیے یہ نتیجہ نکالیں کہ جس کی انہیں دعوت دی جا رہی ہے وہ سچ ہے۔ باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو۔‘‘ ...

اور باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں جس کی بنیاد قرآن پاک میں موجود واضح شواہد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ہیں، تاکہ وہ ان پر آنکھیں بند کر کے ان کی پیروی کرنے کے بجائے ایمان کا یقین حاصل کر سکیں۔ دوسرے لوگوں کے احکامات اور مشورے پر۔ یقین کا یقین اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر حال میں اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں، خواہ آسانی کا وقت ہو یا مشکل، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والا جس کی جڑ دوسروں کی اندھی تقلید میں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر قائم رہنے کا امکان کم ہی رکھتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر حال میں جیسے مشکلات کا وقت۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے انحراف، دونوں جہانوں میں مصیبت، تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کو تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 185:

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور معیار ’’ کی کھلی دلیلیں...‘‘

قرآن پاک ایک معیار ہے کیونکہ یہ اچھے اور برے میں فرق کرتا ہے، مفید چیزوں کو بیکار چیزوں سے اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے تناؤ سے بھری زندگی سے۔ کوئی معاشرہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جائے، انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت جیسے مختلف موضوعات میں کتنا ہی علم حاصل کر لے، وہ کبھی بھی ایسا ضابطہ اخلاق نہیں بنا سکے گا جو مکمل طور پر انسانوں کی فطرت کے مطابق ہو۔ جو ان تمام حالات، ریاستوں اور منظرناموں کو پورا کرتا ہے جو لوگ بطور فرد یا بطور معاشرہ زمین پر اپنی زندگی کے دوران سامنا کر سکتے ہیں۔ اس کا حصول محض ناممکن ہے، کیونکہ لوگ اب بھی انسان کے مخصوص عناصر کے بارے میں نئی چیزیں دریافت کر رہے ہیں، جیسے کہ انسانی دماغ کے مختلف حصوں کے پیچھے کا مقصد، ایک کامل ضابطہ اخلاق تخلیق کرنے کے لیے کافی علم حاصل کرنا چھوڑ دیں جو امن کی طرف لے جاتا ہے۔ معاشرے کے اندر دماغ اور انصاف۔ اس کو حاصل کرنے والا صرف اللہ ہی ہے جو کہ اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور جیسا کہ اس کا علم لامحدود ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا، صرف وہی لوگوں کو ایک ضابطہ اخلاق عطا کرنے کا حق رکھتا ہے، ایک ایسا معیار جو اچھے اور برے کے درمیان واضح طور پر فرق کرتا ہے، مفید چیزوں کو بیکار چیزوں سے اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے تناؤ سے بھری زندگی سے۔ تاریخ واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ جب اس معیار کو لوگوں کی زندگیوں میں صحیح طور پر لاگو کیا گیا تو اس سے معاشرے میں ذہنی سکون، انصاف اور امن پھیلتا ہے۔ لہٰذا، لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس معیار کو قبول کریں جو انہیں دیا گیا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، چاہے اس کے کچھ پہلو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں۔ انہیں ایک عقلمند مریض

کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، باوجود اس کے کہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔

باب 2 البقرہ، آیت 185:

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور معیار کی کھلی دلیلیں..."

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور

جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ" "ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔

اللہ تعالیٰ پھر رمضان کے مہینے میں روزے کے اہم فرض کو پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے لیکن اس میں ان لوگوں کے لیے رعایت بھی شامل ہے جو اس سے قاصر ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

"... پس جو کوئی اس مہینے کا چاند دیکھ لے، اسے چاہیے کہ اس کا روزہ رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی تعداد کے برابر...

اسلام کے اندر احکامات، ممانعتیں، رعایتیں اور نصیحتیں سب کا مقصد دونوں جہانوں میں لوگوں کو ذہنی سکون کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ انہیں اس لیے نہیں دیا گیا کہ لوگوں پر مشکل پیدا ہو جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

"اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم پر سختی نہیں چاہتا۔"

حالانکہ کوئی غلط دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے آسانیاں چاہتا ہے تو وہ ان کو جو چاہے کرنے کی اجازت دے سکتا تھا۔ لیکن یہ لوگوں کے لیے آسانی کا باعث نہیں بنے گا، کیونکہ ان کے پاس یہ تعین کرنے کے لیے علم اور دور اندیشی کی کمی ہے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے۔ یہ ہر شخص کی زندگی میں ان گنت مثالیں ہیں جہاں وہ صرف اس بات کا احساس کرنے کے لیے کسی چیز کی خواہش کرتے تھے کہ وہ ان کے لیے برا ہے اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے ہیں تو صرف یہ سمجھنے کے لیے کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمام لوگ ایسے شیر خوار ہوتے ہیں جو غلط وقت پر غلط چیز کی خواہش کرتے ہیں، جیسے کہ نزلہ زکام کے وقت آئس

کریم۔ جس طرح ایک اچھے والدین اپنے بچے کو ان کی خواہشات سے انکار کرکے ان کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہر شخص کے لیے کیا بہتر ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے، انہیں بس اس کی اطاعت کرنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک اور مثال ایک طبی ڈاکٹر کی ہے جو کڑوی دوائیں اور سخت ڈائٹ پلان تجویز کرتا ہے۔ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے مریض کے لیے مشکل چاہتے ہیں لیکن کوئی بھی عقل مند سمجھے گا کہ وہ درحقیقت اپنے مریض کے لیے ذہنی اور جسمانی سکون چاہتے ہیں، جیسا کہ کڑوی دوائیں اور ان کے تجویز کردہ سخت ڈائٹ پلان اس کا باعث بنیں گے، اگر ان کا مریض قبول کرتا ہے اور ان کے مشورے پر عمل کرتا ہے۔ کسی کو صرف ان امیروں اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جو اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور یہ کس طرح ذہنی صحت کے مسائل جیسے تناؤ، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات کا باعث بنتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ ذہنی سکون کسی کی خواہشات پر مبنی زندگی گزارنے میں مضمر نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی انسان کے دماغ اور جسم کو جانتا ہے اور جیسا کہ اس کا علم ماضی، حال اور مستقبل سمیت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کے لیے کیا بہتر ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27:

" اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ تمام روئے زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ، اکیلا، کائنات کو کنٹرول کرتا ہے اور خاص طور پر، لوگوں کے روحانی دلوں، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون ملے اور کس کو نہیں۔

لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو دونوں جہانوں میں مصائب، پریشانی اور تناؤ کا شکار ہوگا۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے صرف وہی چیزیں حرام قرار دی ہیں جن کے نقصانات ان سے حاصل ہونے والے فائدے سے زیادہ ہیں۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے پیچھے بہت سی سائنسی اور منطقی وجوہات ہیں جیسے شراب کی حرمت۔

لہٰذا اس کے احکام، ممانعتیں، رعایتیں اور نصیحتیں ہر شخص کے لیے بہترین ہیں کیونکہ اسی سے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے، خواہ یہ بات لوگوں پر ان کی جہالت اور کم نظری کی وجہ سے ظاہر نہ ہو۔ باب 7 الاعراف، آیت 157:

" وہ لوگ جو رسول، ان پڑھ نبی کی پیروی کرتے ہیں، جس کے بارے میں وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے حلال کرتا ہے۔ جو نیکی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور ان کے بوجھ اور طوق سے جو ان پر پڑی تھیں ان کو دور کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 185:

"... پس جو کوئی اس مہینے کا چاند دیکھ لے، اسے چاہیے کہ اس کا روزہ رکھے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی تعداد کے برابر۔ اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے لیے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اور تم مدت پوری کرنا چاہتا ہے۔‘‘

اس خاص معاملے میں، اللہ تعالیٰ، روزے کے ذریعے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، کیونکہ روزہ مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کے لیے روحانی اور جسمانی تربیت کی ضرورت ہے، جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

’’اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔‘‘

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بات کی گئی ہے، روزہ انسان کو اپنی نیت، قول اور فعل پر اپنا کنٹرول بڑھاتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر مزید مضبوط اور مستحکم ہو جائے۔ لہٰذا، مسلمان اپنی روحانی اور جسمانی تربیت کے دوران کچھ مشکلات سے گزرتے ہیں جب وہ روزہ رکھتے ہیں تاکہ بے شمار فوائد حاصل کریں، جیسے ذہنی اور جسمانی سکون۔ یہ ایک ایسے کھلاڑی کی طرح ہے جو ان گنت گھنٹوں کی مشکل مشقوں اور ایک سخت ڈائٹ پلان سے گزرتا ہے تاکہ وہ اپنے کھیل میں کامیابی حاصل کر سکے یا اس سے ملتا جلتا طالب علم جو کچھ مشکل کا سامنا کرتا ہے جب وہ امتحانات پر نظر ثانی کرنے اور امتحان دینے میں وقت گزارتا ہے۔ اچھی نوکری، جو انہیں اپنی باقی زندگی کے لیے اپنی مالی ضروریات کا خیال رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔

مزید برآں، روزہ، جو انسان کو اپنی نیت، گفتار اور اعمال پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہیں، ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے انسان ہر نیکی کی طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو چیز ان کے پاس ہے وہ اس کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اور جیسا کہ وہ اکیلا ان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

"کرو اس کے لیے جس کی اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اور شاید آپ شکر گزار ہوں گے۔

روزہ اس بات کو یقینی بنا کر کہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرتا ہے، اپنی نیت کے ذریعے شکر گزاری کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس رویے کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کسی معاوضے یا شکرگزاری کی امید نہیں رکھیں گے اور نہ ہی امید رکھیں گے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ لوگوں کی خاطر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نہیں پائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی تقریر کے ذریعے شکر ادا کرنے میں مدد ملتی ہے، کیونکہ یہ انہیں اچھی بات کہنے یا خاموش رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور روزہ انسان کو اپنے اعمال کے ذریعے شکرگزار ہونے میں مدد دیتا ہے کیونکہ یہ انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ اپنا وقت اور مال، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں میں، جیسا کہ قرآن پاک اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شکر گزاری کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا دونوں جہانوں میں نعمتوں، بخشش، رحمت اور ذہنی سکون میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن جو شخص شکر ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو ان کو دی گئی ہیں وہ یہ پائے گا کہ ان کے پاس جو نعمتیں ہیں، جیسے کہ شہرت اور دولت، دونوں جہانوں میں اس کے لیے تناؤ، مصیبت اور پریشانی کا باعث بنیں گی۔ اگر وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی ان کے روحانی دل، ذہنی سکون کے گھر کو کنٹرول کرتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 186

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا
لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں، تو میں قریب ہی ہوں۔ میں دعا کرنے" والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

یہ آیت رمضان کے مہینے کے بارے میں پچھلی آیت کے بعد اس لیے رکھی گئی تھی تاکہ انسان کو اس دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بھرپور کوشش کرنے کی ترغیب دی جائے اور سال بھر اس اطاعت کو برقرار رکھا جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور معیار’’ کی واضح دلیلیں ہیں۔ پس جو کوئی اس مہینے کا چاند دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے ...اور تم سے اس کی مدت پوری ہو اور اس پر اللہ کی تسبیح کرو جس کی طرف اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اور شاید آپ شکر گزار ہوں گے۔"

اس طرح کا برتاؤ فطری طور پر اللہ تعالیٰ سے باقاعدگی سے دعا مانگنے کی طرف لے جاتا ہے، جو ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق نیک اعمال جیسے فرض نمازوں سے ہے۔

مرکزی آیت، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں کس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے، یعنی اللہ کا بندہ، بلند مرتبہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

...اور جب میرے بندے

بہت سے مواقع پر جب اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بات کرتا ہے تو اکثر ان کو انبیاء علیہم السلام کہنے کے بجائے اپنے بندوں سے تعبیر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مندرجہ ذیل آیت میں، اللہ تعالیٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی سفر کے بارے میں فرماتا ہے، جو ان کی عظمت کا مظہر ہے، پھر بھی اسے اپنا بندہ قرار دیتا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

’’پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

ایک اور مثال میں اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے استاد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بندوں میں سے محض ایک بندہ قرار دیا ہے اور ان کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ استاد کا نام باب 18 الکہف، آیات 64-65:

]موسیٰ [نے کہا، "ہم یہی چاہتے تھے۔ "چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس آگئے۔" اور انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اسے اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔

حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے دنیا میں اپنا تعارف اللہ کے بندے کے طور پر کرایا۔ بہت سی احادیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے۔ درحقیقت نبوت اور رسالت کا جوہر اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آقا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ ان کا فرض نہ اپنی

خوشنودی حاصل کرنا ہے نہ دوسروں کی خوشنودی۔ وہ دوسروں کو خوش کرنے کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ رکھیں، جس طرح وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں خواہ رضامندی سے یا ناخوشی سے۔ اس کے علاوہ، اللہ کا بندہ، برگزیدہ، اس بات کو قبول کرتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ان کے آقا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا اور عطا کیا، اور اس لیے ان کی اپنی جان سمیت اس کی ملکیت ہے۔ لہٰذا یہ رویہ انہیں ان نعمتوں کا استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان نعمتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے، جس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

مزید برآں، انسانوں کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز کا خادم بنیں۔ یہ ممکن نہیں کہ انسان بندہ نہ ہو۔ کوئی بھی اللہ کے بندے کے طور پر برتاؤ کر سکتا ہے، جو کہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، اور اسی لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ ذہنی سکون کس کو حاصل ہو۔ اور کون نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی خدمت کرنے سے ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں صرف اس کو راضی کرنا چاہتا ہے اور ایک مالک کو متعدد مالکوں پر راضی کرنا بہت آسان ہوتا ہے، خاص طور پر جب ان کا آقا نہایت رحم کرنے والا ہو۔ اپنے بندے سے صرف تھوڑی سی کوشش کی امید رکھتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا انکار کرنے والا لامحالہ دوسری چیزوں یا لوگوں کا بندہ بن جائے گا، جیسے کہ ان کے آجر، جیسے ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز، معاشرہ، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت۔ ان چیزوں سے بدتر یہ ہے کہ جب کوئی اپنی خواہشات کا بندہ بن جائے، کیونکہ یہ انسانیت کے بدتر لوگوں جیسا کہ زیادتی کرنے والوں اور قاتلوں کا رویہ ہے۔ اس شخص کا مقصد اپنے آقاؤں کو خوش کرنا ہوگا، جو انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصائب، مشکلات اور پریشانیاں ہی جنم لیتی ہیں، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کنٹرول سے بچ نہیں سکتے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا انکار کرتے ہیں اور وہ پوری دنیا کے مالک ہونے کے باوجود کس طرح بدحال زندگی گزارتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، لوگوں کا خادم بننا، جیسے کہ کسی کے آجر یا رشتہ دار، صرف مصائب کا باعث بنیں گے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی کتنی ہی کوشش کرے، وہ کبھی بھی دوسرے لوگوں کو پوری طرح خوش نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک ناقابل تردید سچائی ہے۔ نتیجتاً یہ عوام کا خادم وقت گزرنے کے ساتھ ناراض اور تلخ ہوتا جائے گا کیونکہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی قربانیاں انہیں خوش نہیں کر سکیں گی۔ اس سے دونوں جہانوں میں ان کے تناؤ، پریشانی اور پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوگا۔

لہٰذا چونکہ بندہ ہونا ناگزیر ہے، اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر رحم کرے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کو دوسری چیزوں سے زیادہ منتخب کرے، کیونکہ اسی سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس بندگی میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ ،کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ :آیات 15-16

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

”اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں...“

یہ آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی الٰہی صفات اور صفات کے بارے میں سیکھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، کیونکہ ان کا علم قرآن پاک اور اس کی روایات سے ماخوذ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو صحیح طریقے سے سمجھنے کا یہی ایک طریقہ ہے، تاکہ انسان سچے دل سے اس کی اطاعت کر سکے۔ متبادل ذرائع سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور صفات کے بارے میں سیکھنا اللہ تعالیٰ کی بے عزتی کا باعث بن سکتا ہے، جب کہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ اس کی تعظیم کر رہے ہیں اور کسی کو کفر کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفاتِ الٰہی کے مطالعہ کو نظر انداز کرتا ہے، جن کا قرآن پاک میں بحث کیا گیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، تو وہ آسانی سے اس کی رحمت اور بخشش کے سلسلے میں خواہش مندانہ سوچ اپنا سکتے ہیں۔ یہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہے، حالانکہ وہ صرف خواہش مندانہ سوچ رکھتا ہے، جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ خواہش مند سوچ وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے، کیونکہ وہ بہت مہربان اور سب بخشنے والا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے، پھر بھی یہ یقین کرنا کہ وہ نیکی کرنے والے اور برائی کرنے والے کے ساتھ اس دنیا میں یکساں سلوک کرے گا اور قیامت کے دن انتہائی بے عزتی ہے کیونکہ یہ اس کے عادل ہونے کو چیلنج کرتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات و صفات کے بارے میں غلط عقیدہ اختیار کرنے سے بچنا چاہیے، صحیح ماخذ سے سیکھ کر عمل کرنا چاہیے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

‘‘...اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں ’’

مزید برآں، یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر سختی سے چلنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس میں قرآن کریم اور اس کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسباب بنایا ہے۔ انسانیت کی رہنمائی۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اس لیے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، جیسا کہ جتنا کوئی دینی علم کے دوسرے ذرائع پر زیادہ عمل کرے گا، وہ ہدایت کے دو

منابع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا :قرآن کریم اور روایات۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے نتیجے میں گمراہی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

"...اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں "

یہ آیت اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ جس طرح لوگ ایک اچھا پیشہ حاصل کرنے کے لیے دنیاوی علم حاصل کرنے کے لیے سخت کوشش کرتے ہیں، اسی طرح انھیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو سمجھ سکیں اور اس کی تکمیل کر سکیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ دونوں جہانوں میں کامیابی باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں"۔"

انسان خواہ کتنا ہی دنیاوی علم حاصل کر لے وہ ہر حال میں اس کی رہنمائی نہیں کر سکتا، خواہ مشکلات کا ہو یا آسانی کا، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور ثواب حاصل کر سکے۔ مزید برآں دنیاوی علم کسی کو یہ نہیں سکھائے گا کہ انہیں عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا طریقہ یا تو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کا واحد طریقہ ہے۔ اس لیے دنیاوی

علم کو کسی شخص کی روز مرہ زندگی پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، چاہے وہ کتنا ہی علم حاصل کر لے۔ اس کے بجائے انہیں اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ زندگی کیسے گزارنی ہے، ان کو دی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال کیسے کرنا ہے اور ان کو درپیش ہر صورت حال سے کیسے نمٹا جانا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

"...اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں "

اس کے علاوہ یہ آیت صرف مفید علم کی تحقیق کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کسی کو دینی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اسلامی تاریخ کے مخصوص واقعات، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔ آیت 186 کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور صفات کو سیکھنا اور اپنی پیدا کردہ صلاحیت کے مطابق ان پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انہیں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب ملے گی۔ قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوں‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ کی قربت کو اپنی مخلوق کے ساتھ مزید اجاگر کرنے کے لیے، وہ اس سوال کا جواب سیدھے سیدھے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دیتا ہے۔ اس آیت کو اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید دونوں پیدا کرنے چاہئیں۔ متوازن حالت کے حصول کے لیے دونوں کی ضرورت ہے کیونکہ خوف گناہوں سے دور کرتا ہے اور امید نیک اعمال کی طرف لے جاتی ہے۔ خوف اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اتنا قریب ہے، اس طرح سے جسے مخلوق سمجھ نہیں سکتی، وہ ان کے تمام خیالات، نیتوں، قول و فعل سے باخبر ہے، خواہ وہ کتنے ہی پوشیدہ ہوں۔ دوسرے لوگوں سے ہیں۔ لہٰذا ان کے خیالات، نیتوں، قول و فعل کا مستقل جائزہ لیتے رہنا چاہیے تاکہ انہیں اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جا سکے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ امید مرکزی آیت سے پیدا ہوتی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی شخص کو کتنی ہی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسے یہ جان لینا چاہیے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے اور ان کی دیکھ بھال کرتا ہے وہ کسی اور سے زیادہ قریب ہے اور ان کے ہر احساس، فکر اور عمل کو ان کی آزمائش کے دوران دیکھ رہا ہے۔ جس طرح ایک شخص جب کسی محبوب کے ساتھ ہوتا ہے تو آرام دہ ہو جاتا ہے، اسے یہ جان کر اور زیادہ آرام دہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور ان کی نگرانی کرتا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاذ و نادر ہی تنہائی محسوس کرے گا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہیں یا جس چیز کا سامنا کر رہے ہیں۔ باب 57 الحدید، آیت 4:

‘‘...اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو’’

درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر فرد سے اتنا قریب ہے کہ جو بھی اسے پکارتا ہے اسے براہ راست جواب دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

"...واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے ..."

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جواب ہمیشہ اس کے لامحدود علم اور اس کے وقت کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے مطابق جو اس سے دعا کرنے والے کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے تصور کو غلط سمجھتے ہیں اور یہ فرض کرتے ہیں کہ وہ ان کی بات نہیں سنتا اور نہ ہی اس کا جواب دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق اور اپنی خواہشات اور منصوبہ کے مطابق جو مانگتے ہیں وہ انہیں نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے لامحدود خزانے کو کبھی بھی اس دکان کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے جہاں کوئی شخص نقد رقم پیش کرتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اس طرح خریدتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے ٹائم ٹیبل کے مطابق۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نہایت رحم کرنے والا ہے، وہ اس طرح جواب دیتا ہے جو دعا کرنے والے کے لیے بہترین ہوتا ہے، چاہے یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو، جتنی بار کوئی شخص ایسی چیز مانگتا ہے جو ان کے لیے اچھی نہیں ہوتی یا چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی سے کچھ ہٹا دیا جائے، جبکہ یہ ان کے لیے اچھا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

کم علمی اور دور اندیشی کی وجہ سے لوگوں کو چاہیے کہ دونوں جہانوں میں خیر و عافیت کی دعاؤں پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور جوابات کو صبر کے ساتھ قبول کریں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، خواہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس’’ کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض صحت مند جسم اور دماغ حاصل کرے گا اسی طرح وہ شخص بھی حاصل کرے گا جو اللہ تعالیٰ کے جواب اور فیصلوں کو صبر سے قبول کرے اور اس کی سچی اطاعت کو برقرار رکھے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

"...واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے ..."

دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ اس مسلمان کو پکارتا ہے جو اسے پکارتا ہے۔ اس کے بجائے اس نے دعا کا دروازہ سب کے لیے کھلا چھوڑ دیا، خواہ ان کے عقیدے، اعمال اور طرز عمل سے قطع نظر۔ یہ ایک انتہائی انوکھی حقیقت ہے، جیسا کہ زیادہ تر مذاہب یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ ان کا خدا صرف اس کو جواب دیتا ہے جو ان پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو سچے دل سے پکارتا ہے، اسے جواب ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو خالی ہاتھ ،پھیرنے سے شرماتا ہے۔ تمام لوگوں کے لیے اس الٰہی جواب کا، خواہ وہ کسی بھی عقیدے سے ہوں قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے، مثلاً باب 29 العنکبوت، آیت 65:

اور جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ سے دین میں خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔ لیکن جب" وہ انہیں زمین پر پہنچاتا ہے تو وہ فوراً ہی اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔"

یہ ایک اور لطیف حقیقت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کسی شخص کو اس کے عقیدے سے قطع نظر کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے جسے کوئی دوسرا حل نہیں کر سکتا، جیسے کہ طبی ڈاکٹر، تو یہ شخص اکثر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ انسان متعدد معبودوں کو نہیں پکارتا، صرف ایک ہی معبود، یعنی اللہ برگزیدہ۔ جیسا کہ وہ اندر کی گہرائیوں سے جانتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور صرف وہی ہے جو تمام چیزوں پر قابو رکھتا ہے۔ یہ حقیقت ہر ایک فرد میں سمائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ایک اور دلیل ہے۔

لہٰذا تمام لوگوں کو اس اہم آیت پر غور کرنا چاہیے جو تمام دعا کرنے والوں کے جواب الٰہی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے لیے زیر بحث پوشیدہ حقیقت ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 186:

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں، تو میں قریب ہی ہوں۔ میں دعا کرنے " والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے..."

یہ آیت ایک اور انتہائی اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جسے اکثر مسلمان غلط سمجھتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ بعض مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ پر عقیدہ ایک دنیاوی بادشاہ جیسا ہے۔ ایک دنیاوی

بادشاہ اپنی سلطنت کے معاملات خود نہیں چلا سکتا اور اس لیے مدد کرنے والے مقرر کرتا ہے، جیسے کہ گورنر، اس کی بادشاہت کے انتظام میں مدد کرنے کے لیے۔ اس عقیدے کے نتیجے میں، بہت سے مسلمان ایسے روحانی لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے وقت، توانائی اور دولت صرف کرتے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایک خاص طریقے سے ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک گورنر بادشاہ سے ایک خاص طریقے سے جڑا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد روحانی ہستی کو خوش کرنا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی طرف سے شفاعت کر سکیں، جس طرح ایک گورنر کسی ایسے شخص کی طرف سے بادشاہ کی شفاعت کر سکتا ہے جو گورنر کو خوش کرتا ہو، تحائف اور احترام اور محبت کے غیر فطری مظاہروں کے ساتھ۔ یہ روحانی لوگ عام لوگوں اور اللہ عزوجل کے درمیان دروازے کے رکھوالے کے طور پر کام کرتے ہیں جو کہ اسلام کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ درحقیقت زیر بحث مرکزی آیت دونوں جہانوں میں سب سے عظیم مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب ترین، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق سے ہٹا دیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس سوال کا جواب سیدھے سیدھے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دیتا ہے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی دربان کے طور پر کام نہیں کیا بلکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا صحیح طریقہ سکھایا اور دکھایا اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ پھر بھی اس اہم حقیقت کی نشاندہی کرنے کے لیے کہ کسی شخص کو اللہ تک پہنچنے کے لیے دربانوں کو خوش کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے آیت میں سوال کا جواب دیا۔ براہ راست 186۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایک قابل استاد سے اسلامی علم سیکھے اور انہیں وہ احترام دکھائے جس کے وہ حقدار ہیں لیکن انہیں اس بات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے کہ انہیں ایسے لوگوں کی عبادت کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اسے خوش کرنے کے لیے روحانی دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی تائید اس مرکزی آیت سے بھی ہوتی ہے جو کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی دعا کا جواب دیتا ہے جو اس سے دعا کرتا ہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صرف ان لوگوں کی دعا کا جواب دیتا ہے جو روحانی دکھائی دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

"...واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے ..."

اللہ تبارک وتعالیٰ ایک منطقی حقیقت بیان کرتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اس پر اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

"... واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔
لہٰذا وہ میرا جواب دیں]فرمانبرداری سے[۔"

اپنے ایمان کو عملی طور پر حاصل کرنے کی آیت 186 کے اگلے حصے میں مزید اشارہ کیا گیا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 186:

"... واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔
لہٰذا وہ میری بات کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں..."

اچھے اعمال دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے ثبوت اور کرنسی کی ضرورت ہے۔ جس طرح ایک پودا صرف اس وقت پھل دیتا ہے جب اسے سورج کی روشنی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح انسان کا ایمان تب ہی پھول سکتا ہے جو اسے ذہنی سکون کی طرف لے جائے، جب وہ اچھے اعمال کے ذریعے اپنے ایمان کو درست کرے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کی طرف زیر بحث مرکزی آیت کے اگلے حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 186:

"... واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔
پس وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

عملی طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری ہر حال میں رہنمائی کرتی ہے، خواہ آسانی کا وقت ہو یا مشکل، تاکہ وہ ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پاتے ہوئے ذہنی سکون اور بے شمار انعامات حاصل کرے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عملی طور پر اس کی اطاعت کے ذریعے قبول کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ان کی دعاؤں کا جواب تو حاصل کر سکتا ہے لیکن وہ صحیح رہنمائی حاصل نہیں کر پائیں گے جس کی انہیں ہر صورت میں کامیابی کے ساتھ قابو پانے کے لیے درکار ہے، جس کے نتیجے میں وہ انہیں روک دے گا۔ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے سے، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ان کے معاملات اور ان کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ ذہنی سکون اور کامیابی کا گھر اور اس لیے یہ انتخاب کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہے اور کون نہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دعائیں صرف اسی وقت پوری طرح مفید ہوں گی جب کوئی شخص اطاعت کے کاموں کو انجام دے کیونکہ قرآن پاک میں ہر دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت روایات کے ساتھ اعمال شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، جب کہ کسی کے عمل کے ذریعے اس کی اطاعت میں ناکامی نتیجہ خیز نہیں ہوگی۔ یہ بات زیر بحث مرکزی باب 2 البقرہ، آیت 186 آیت میں واضح کر دی گئی ہے۔:

واقعی میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ ..." پس وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

باب 2 - البقرہ، آیت 187

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ ٱللَّهُ
أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَٱلْـَٰٔنَ بَٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟
مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ
ٱلْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ وَلَا تُبَٰشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَٰكِفُونَ فِى ٱلْمَسَٰجِدِ تِلْكَ حُدُودُ
ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

’’تمہارے لیے روزے سے پہلے کی رات اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے تھے، اس لیے اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا۔ لہٰذا اب ان کے ساتھ تعلقات استوار کرو اور وہ چیز تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے]یعنی اولاد[۔ اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔ پھر رات]یعنی غروب آفتاب تک [روزہ پورا کرو۔ اور جب تک تم مسجدوں میں عبادت کے لیے رہو ان سے تعلقات نہ رکھو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیات واضح فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔‘‘

شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رات کی فرض نماز کے بعد نہ کھایا، پیا اور نہ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تعلقات استوار کیے کیونکہ وہ اس نماز کے بعد اگلے دن کے فرض روزے کو فرض سمجھتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 510 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ان کا ابتدائی طریقہ اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سختی سے مقرر نہیں کیا گیا تھا، لیکن وہ اس طرح برتاؤ کرتے تھے۔ اس کی تائید زیر بحث مرکزی آیت سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طریقہ کو صحیح طور پر پورا نہیں کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا، انہوں نے حدود اللہ سے تجاوز نہیں کیا۔ اعلیٰ، لیکن اس کے بجائے اپنے مقرر کردہ معمولات کے مطابق رہنے میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے لیے آسانیاں پیدا کر کے ان سب کو اپنی بخشش اور رحمت سے ڈھانپ لیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

’’تمہارے لیے روزے سے پہلے کی رات کو اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے تھے، اس لیے اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا۔ تو اب ان کے ساتھ تعلقات استوار کرو اور وہ تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے [یعنی اولاد]۔‘‘

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے لیے یا دوسروں کے لیے چیزوں کو مشکل نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اسلام ایک توازن کا مذہب ہے جو لوگوں کو ان کی طاقت کے مطابق اعمال کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس وقت تک کوئی فرض عائد نہیں کرتا جب تک کہ اسے پورا کرنے کی طاقت نہ ہو، اس لیے ہر شخص بلا استثناء واجبات کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا استعمال بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ اپنا وقت اور مال۔ اس سے آگے کی کوئی چیز اور واجب فرائض جیسے رضاکارانہ عبادات کو اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق انجام دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ، مرکزی آیت ہدایت کے دو ماخذوں پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، مذہبی علم کے دیگر ذرائع کے بجائے۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اس کی زندگی اتنی ہی مشکل ہوتی جائے گی اور وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کریں گے، جس کے نتیجے میں وہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں حکم دیا ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں وہ رد کر دی جائے گی۔ اللہ عزوجل۔

اللہ تعالیٰ نے پھر اس آیت میں میاں بیوی کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘...وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو ’’

اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح لباس کسی شخص کے جسمانی عیبوں کو ڈھانپتا ہے، اسی ،طرح ایک شخص کا مقصد اپنے شریک حیات کے عیبوں کو باقی دنیا سے چھپانے کے لیے ہے کیونکہ وہ اپنے عیبوں کو دیکھنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ ان نقائص میں انسان کے کردار اور اعمال میں جسمانی اور روحانی نقائص شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے شریک حیات کے عیبوں کو نظر انداز کرے کیونکہ یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عیبوں کو دور کرنے کی کوشش کرے اور اپنے شریک حیات کو بھی اپنے عیبوں کو درست کرنے کی ترغیب دے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کے عیبوں کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کریں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ وہ چیز ہے جسے اکثر مسلمان نظر انداز کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی شریک حیات کے بارے میں مشورہ چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے شخص تک ہی محدود ہونا چاہیے تاکہ وہ مناسب مشورہ دے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ میاں بیوی کے عیب دوسرے لوگوں تک نہ پھیلیں اور نہ ہی ان کے عیبوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 187:

"...وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو "

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح کپڑے انسان کو نقصان سے بچاتے ہیں، اسی طرح ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے شریک حیات کو ہر قسم کے خطرے سے بچانے کی کوشش کرے، خاص طور پر روحانی قسم، کیونکہ روحانی خطرات دونوں میں انسان کی صحت پر زیادہ اثر ڈالتے ہیں۔ دنیا
باب 66 تحریم، آیت 6:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں..."

یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور جب وہ اپنے اہل خانہ، جیسے کہ اپنی شریک حیات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ایسا ہی کریں، کیونکہ یہ اکیلے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔
باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

،جبکہ عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا اور اپنے خاندان کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینا جیسے کہ کسی کی شریک حیات، دونوں جہانوں میں، پورے خاندان کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گی، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب ان میاں بیوی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جو اس انداز میں برتاؤ کرتے ہیں اور کس طرح وہ اپنے شریک حیات کے لیے تناؤ کا باعث بنتے ہیں۔
:باب 9 توبہ آیت 82

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘...وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو ’’

اس کے علاوہ، جس طرح ایک شخص کو اپنے کپڑوں میں سکون ملتا ہے، اسی طرح ایک شخص کو اپنے شریک حیات سے سکون حاصل کرنا چاہیے۔ باب 30 اروم، آیت 21:

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

اگر شادی سے یہ سکون غائب ہو جائے تو یہ ان کے گھر کو جیل میں بدل سکتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘...وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو ’’

جس طرح لباس انسان کو خوبصورت بناتا ہے، اسی طرح انسان کا مقصد اپنے شریک حیات کو خوبصورت بنانا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے ایک ٹیم کے طور پر کام کرتے ہیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جب بھی ایک جوڑا اس اطاعت سے ہٹ جاتا ہے تو دوسرا ان کی اصلاح کرتا ہے۔ یہ ٹیم ورک ان کے اچھے اعمال، ان کی دنیاوی اور آخرت کی زندگیوں کو سنوارنے میں ان کی مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی اب تک زیر بحث فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اسے پہلے شادی کے لیے صحیح شخص کا انتخاب کرنا چاہیے۔ یہ انتخاب اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہونا چاہیے، کیونکہ دنیاوی وجوہات پر مبنی انتخاب زیر بحث فائدے کا باعث نہیں بنے گا۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس نقصان کا ایک پہلو زیر بحث فوائد کے حصول میں ناکامی ہے۔ اس حدیث میں مذکور دیگر تمام دنیوی وجوہات، وقت کے ساتھ ساتھ آتے جاتے ہیں اور اس بات کی ضمانت نہیں دیتے کہ کوئی شخص اپنے آنے والے بچوں کے لیے ایک اچھا شریک حیات اور نہ ہی اچھا والدین بنائے گا۔ جبکہ تقوی، جس میں نعمتوں کا استعمال شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقوں سے عطا کی گئی ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ صحیح طریقے سے برتاؤ کریں اور اپنے شریک حیات کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں، جس کے نتیجے میں جن فوائد پر تبادلہ خیال کیا گیا اور بالآخر یہ شادی شدہ جوڑے اور ان کے بچوں کے لیے ذہنی سکون اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے تھے۔ ’’

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب بھی کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق مناسب سلوک کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں یا کوئی مادی فائدہ حاصل کر رہے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں، لیکن ظاہری صورتوں سے انہیں دھوکہ نہیں دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ان کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے۔ وہ دنیاوی چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے انہیں حاصل ہوتی ہیں، وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں گی، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 23 المومنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔’’

یہ بات اس وقت بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حاصل کی گئی چیزیں ان کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ ہر شخص، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس دنیا میں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو، اور تمام لوگوں کو اگلے جہان میں اپنے اعمال کے نتائج بڑے واضح طور پر بھگتنا ہوں گے۔ باب 50 ق، آیت 22:

کہا جائے گا کہ (یقیناً تو اس سے غافل تھا اور ہم نے تیرا پردہ ہٹا دیا، پس آج تیری نظر تیز ہے۔)

باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘...تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف کر دیا ’’

عام طور پر دیکھا جائے تو جب بھی کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے انحراف کرتا ہے تو یہ ان کے پاس موجود نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اس صورت میں، اگر وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے اور ہدایت کے دو ذرائع کی طرف لوٹنا چاہیے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو توبہ میں گناہ کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور ذہنی سکون ملتا ہے اور کس کو نہیں۔ سچی جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی قضاء کرے۔ کسی ایسے حقوق کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے پھر مختصراً روزے سے متعلق کچھ احکام بیان کیے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

’’ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔ پھر رات [یعنی غروب آفتاب تک [روزہ پورا کرو۔ اور جب تک تم مسجدوں میں عبادت کے لیے رہو ان سے تعلقات نہ رکھو۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک اہم عالمگیر اصول بیان کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان کے قریب نہ جاؤ۔ ’’

اللہ تعالیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرو، بلکہ اس نے واضح کیا کہ لوگوں کو اس کی حدود تک بھی نہیں جانا چاہیے۔ یہ نصیحت پورے قرآن پاک میں گونجتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں درخت کا پھل نہ کھانے کا حکم دیا لیکن درخت کے قریب تک نہ جانے کی نصیحت کی حالانکہ اس کے قریب جانا حرام نہیں تھا۔ باب 7 الاعراف، آیت 19:

’’اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔‘‘

ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی چیز حلال ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اسے کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حدود تک پہنچنا حرام نہیں ہے، صرف ان سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ بعض حلال چیزوں سے بچنا چاہیے، جیسا کہ لغو چیزوں سے، کیونکہ یہ اکثر حرام کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو، جسے گناہ نہیں سمجھا جاتا، اکثر غیبت اور جھوٹ جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ مال کا فضول خرچ اکثر فضول خرچی کا باعث بنتا ہے جو کہ گناہ ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 27:

بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا کبھی ناشکرا رہا’’
‘‘ہے۔

،لوگوں کی اکثریت جو گمراہ ہو چکی ہے، مرحلہ وار عمل کے ذریعے ایسا ہو گیا۔ مثال کے طور پر وہ ان میں حصہ لیے بغیر غیر قانونی چیزوں تک پہنچ گئے اور آخر کار، وقت گزرنے کے ساتھ، ان ،غیر قانونی چیزوں میں حصہ لینے کے لیے حوصلہ افزائی اور آزمائش کی گئی۔ مثال کے طور پر کوئی ایسا شخص جو شراب پینے والے لوگوں کے ساتھ جاتا ہے، آخرکار اسے پینے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، پھر وہ شخص جو شراب پینے والے لوگوں کے ساتھ نہیں جاتا۔ بعض حلال چیزوں خصوصاً فضول چیزوں سے بچنے کا یہ رویہ وہ چیز ہے جس کی نصیحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود حدیث میں فرمائی ہے۔ متقی بن جاتے ہیں، یعنی وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ثابت قدم نہیں رہ سکتے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ کچھ حلال چیزوں کو اس خوف سے چھوڑ دیں کہ یہ انہیں حرام کی طرف لے جائے گی۔ اس لیے نہ صرف حرام چیزوں سے پرہیز کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہیے بلکہ کچھ حلال چیزوں سے بھی بچنا چاہیے، خاص طور پر لغو چیزوں سے، اس خوف سے کہ یہ آخرکار حرام کی طرف لے جائے گی۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر، جو راستبازی کا جوہر ہے اور دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

"اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیات]یعنی احکام [واضح فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔ ..."

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کے قریب نہ جانے کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے وہ حلال چیزوں خصوصاً فضول چیزوں میں زیادتی کرے گا جس سے ان کے حرام کاموں کے مرتکب ہونے کے امکانات ہی بڑھ جائیں گے اور یہ ان کے غلط استعمال کا باعث بنے گا۔ انہیں نعمتیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ اللہ کے کنٹرول اور قدرت سے بچ نہیں سکتے۔ سربلند یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے اگر کوئی ان لوگوں کی زندگی کا مشاہدہ کرے جو امیر۔ جیسے کہ ہیں، برتاؤ کرتے ہیں، اس طرح کے برتاؤ کرتے ہیں، جیسے کہ امیر۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیت 188

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ
ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ١٨٨

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکمرانوں کے پاس]رشوت میں[’’
بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ "[

اللہ تعالیٰ سے براہِ راست جڑے ہوئے بعض فرائض مثلاً روزے پر بحث کرنے کے بعد اس آیت میں بعض مثالوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکمرانوں کے پاس]رشوت میں [بھیجو’’ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ "[

یہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے حقوق، اور اس سے براہ راست جڑے ہوئے فرائض، جیسے کہ روزہ، اور دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے، جیسے کہ رشتہ دار۔ مثال کے طور پر، کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان یا مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے جسمانی اور زبانی نقصان کو دوسروں اور اس کے پاس موجود چیزوں سے دور نہ رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ سے براہِ راست جڑے ہوئے فرائض کی ادائیگی ہی دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی کے لیے کافی ہے۔ یہ ایک اہم وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے جڑے بنیادی فرائض کو پورا کرتے ہیں، جیسے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں، لیکن لوگوں سے جڑے فرائض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں، وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں جیسا کہ اسلام نے وعدہ کیا ہے۔ سچے دل سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو شخص سچے دل سے اپنے حضور توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آسانی سے معاف کر دیتا ہے لیکن دوسروں کے ساتھ ہونے والی برائی کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ظلم کرنے والا خود اس ظالم کو معاف نہ کر دے۔ قیامت کے دن انصاف قائم کیا جائے گا جس کے تحت ظالم کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے حوالے کرے اور اگر ضرورت پڑے تو ظالم اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لوگوں کے حقوق اس وقت پورے ہوتے ہیں جب کوئی دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مومن کی یہی خصوصیت ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 188:

‘‘اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔’’

اس میں تمام قسم کے غیر منصفانہ کاروباری لین دین شامل ہیں جس کے تحت کوئی شخص اس شخص کو دھوکہ دیتا ہے جس کے ساتھ وہ کاروبار کر رہا ہے، چاہے وہ فراہم کنندہ ہو یا گاہک۔ انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ منصفانہ اور معقول طریقے سے برتاؤ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے مالی لین دین میں برکت اور رحمت رکھے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار ترقی کرتا رہے گا اور انہیں دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچے گا۔ لیکن اگر کوئی جان بوجھ کر لوگوں کو ان کے مالی لین دین میں دھوکہ دیتا ہے، جیسے کہ ان کی مصنوعات کے نقائص کو چھپانا، تو وہ اس رحمت اور برکت سے محروم ہو جائیں گے، جس کے نتیجے میں وہ زیادہ لالچی ہو جائیں گے، کیونکہ ان کا مال کبھی پورا کرنے کے لیے کافی نہیں لگتا ہے۔ ان کی ضروریات .اس کی تنبیہ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ تمام کاروباری لوگ قیامت کے دن فاسق لوگوں کے طور پر اٹھائے گئے، الا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، نیک سلوک کریں اور اپنے تجارتی معاملات میں سچ بولیں۔ باب 83 المطففین، آیات 1-6:

افسوس ان کے لیے جو کم دیتے ہیں۔ جو جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا لے لیتے ہیں۔ لیکن" اگر ناپ کر یا تول کر دیں تو نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک زبردست دن کے لیے۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

باب 2 البقرہ، آیت 188:

‘‘اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔’’

اس میں دوسروں کے دنیاوی مال کو چرانا یا غلط استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ لوگوں اور ان کے اموال مثلاً ان کے مال کو نقصان پہنچانا ایک سچے مسلمان اور مومن کی تعریف کے منافی ہے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ایک صحیح مسلم کی ہوتی ہے۔ دوسروں کا مال ناجائز طور پر لینا اسلام میں اتنا سنگین جرم ہے کہ کہ جو شخص جان بوجھ کر ، نمبر 353 حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی ہے۔ قانونی عدالت میں کسی دوسرے کی جائیداد ہتھیا لیتا ہے وہ جہنم میں جائے گا، خواہ اس نے کوئی صحیح بخاری نمبر 2654 کی ایک حدیث معمولی چیز چوری کی ہو۔ ایک درخت کی ٹہنی .درحقیقت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹ کو کبیرہ گناہوں میں سے ایک تباہ کن قرار دیا ہے۔ قرآن پاک۔ باب 22 الحج، آیت 30:

‘‘پس بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے بچو۔’’

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کوئی بھی مال یا دوسری دنیاوی چیزیں جو ناجائز طریقے سے حاصل کی جائیں تو صرف اس کے اٹھانے والوں کے لیے لعنت ہی بنتی ہیں کیونکہ ان حرام چیزوں کے ساتھ وہ جتنے بھی اچھے اعمال انجام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کیے جائیں گے۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں تو دونوں جہانوں میں ان کے گناہوں اور عذابوں میں اضافہ کریں۔ اس لیے کہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کی کمائی اور استعمال ہے جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد نیت ہے۔ اگر کسی کی بنیاد ہی خراب ہے تو جو کچھ بھی اس سے نکلے گا وہ خراب ہو جائے گا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا، خواہ وہ اچھے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔

باب 2 البقرہ، آیت 188:

‘‘اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ۔’’

اس کے علاوہ، صحیح الفاظ کا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنی دولت کو ناحق استعمال نہ کریں۔ یہ دوسرے لوگوں کے مال کے ساتھ تعامل کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے گویا کوئی ان کے اپنے مال کے ساتھ تعامل کر رہا ہے۔ یعنی جس طرح وہ لوگوں سے اپنے مال کا احترام کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح وہ دوسروں کے مال کا بھی احترام کریں۔ مزید برآں، یہ آیت بتاتی ہے کہ جب کوئی دوسروں کے مال کا غلط استعمال کرتا ہے تو یہ صرف دوسرے لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے مال اور دوسروں کے مال کا بھی غلط استعمال کریں۔ یہ صرف معاشرے کے اندر بدعنوانی کو پھیلانے کا باعث بنتا ہے کیونکہ لوگ دوسروں پر ظلم کرنے میں اندھا دھند ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا برتاؤ جائز ہے جیسا کہ دوسرے بھی اسی طرح کام کر رہے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 188:

‘‘اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔’’

جیسا کہ اس آیت میں مستعمل الفاظ کا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنے مال کو آپس میں ناحق نہ کھاؤ، اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے اموال مثلاً مال کو ایسے طریقوں سے استعمال نہ کرے جو اسلام کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جیسے اسراف، زیادتی یا فضول خرچی .یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کسی کی دنیاوی چیزوں کا غلط استعمال کرنا، خواہ وہ فضول طریقوں سے ہی کیوں نہ ہوں، جنہیں گناہ نہیں سمجھا جاتا، صرف ان کو ناجائز طریقوں سے استعمال کرنے کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جو ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے وہ آسانی سے فضول خرچ ہو جائے گا جو کہ ناقص ہے ۔ باب 17 الاسراء، آیت 27:

بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا کبھی ناشکرا رہا’’ ہے۔‘‘

اس کے علاوہ جو شخص دنیا کی عطا کردہ چیزوں کا غلط استعمال کرتا ہے، حتیٰ کہ فضول طریقوں سے بھی، جو گناہ نہیں سمجھی جاتی ہیں، وہ ذہنی سکون حاصل نہیں کرے گا، کیونکہ یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دنیا کی عطا کردہ چیزوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا، جیسا کہ قرآن پاک میں اور نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جھوٹی گواہی اکثر رشوت کے ساتھ ہاتھ میں جاتی ہے اور اس لیے زیر بحث مرکزی آیت کے اگلے حصے میں متنبہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ [''

جامع ترمذی نمبر 1337 میں ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ برگزیدہ، ایک ایسے شخص کی طرف سے، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات ہی پیدا ہو سکتی ہیں، چاہے یہ بات ملعون شخص کے لیے واضح نہ ہو۔ رشوت کی پیشکش صرف اس وقت قابل قبول ہے جب کسی کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی جائیداد پر دوبارہ دعویٰ کرے یا اپنی حفاظت کی ضمانت دے سکے۔ اس صورت میں لعنت اس پر پڑتی ہے جو دوسروں کو رشوت دینے پر مجبور کرتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلم ممالک میں جھوٹ اور رشوت دونوں ایک وسیع مسئلہ ہے، کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے اس کی سنگینی کو کم سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ماننے کا غلط رویہ اپناتے ہیں کہ انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس سے منسلک فرائض کی ادائیگی کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ، لوگ اکثر ان بڑے گناہوں میں حصہ لیتے ہیں کیونکہ وہ بہت سے دوسرے لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک اور ناقص عذر ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ صرف اس لیے کہ بہت سے دوسرے گناہ کرتے ہیں، کسی شخص کو اس گناہ کے ارتکاب کا جواز نہیں دیتا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہوگا اور اس لیے گناہوں میں اندھا دھند دوسروں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کرے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پورا کریں گے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے اور معاشرے میں عدل اور امن کے پھیلاؤ کا سبب بنتا ہے۔ اور یہی سلوک راستبازی کا جوہر ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ " "

باب 2 البقرہ، آیت 188:

یا اسے حکمرانوں کے پاس بھیج دو تاکہ تم جانتے ہو کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھا' ' لو۔''

یہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ عوامی مفاد کے معاملات میں کس کی حمایت کرنی ہے، جیسے کہ سیاست دانوں کی حمایت کرنا، تاکہ کسی ایسے شخص کی حمایت نہ کی جا سکے جو غیر قانونی طور پر دوسروں کی ملکیت پر قبضہ کرتا ہے اور لوگوں کی دولت کا غلط استعمال کرتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کا رویہ دنیا میں عام ہے اور ہر ملک میں دیکھا جاتا ہے۔ سیاست دان لوگوں کی دولت کا غلط استعمال کرتے ہیں اور صرف اپنے آپ کو اور اپنے اتحادیوں کو امیر بنانا چاہتے ہیں جبکہ باقی ملک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مسلمان اکثر اندھی وفاداری کے باعث سیاسی معاملات میں ان لوگوں کی حمایت کرنے کا رویہ رکھتے ہیں جن سے وہ جڑے ہوئے ہیں، جیسے کہ رشتہ دار۔ یہ اسلام کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو''۔''

اور جو شخص جان بوجھ کر غلط شخص کی سیاسی حمایت کرتا ہے، اگر وہ معاشرے کے اندر اقتدار کے عہدے پر منتخب ہو جاتا ہے تو وہ معاشرے میں پھیلائی جانے والی برائیوں میں سے حصہ دار ہو گا۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 85:

"جو شخص کسی نیک مقصد کے لیے سفارش کرے گا اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو کسی برے کام کے لیے سفارش کرے گا اس کو اس میں سے ایک حصہ [یعنی بوجھ] ملے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

اگرچہ ایک مسلمان ملک کے پورے سیاسی آئین پر اثر انداز نہیں ہو سکتا لیکن جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت سے ظاہر ہے، وہ سیاسی طور پر کس کی حمایت کرتے ہیں اس کا انتخاب کرنے میں محتاط رہ سکتے ہیں۔ ایک شخص کو اپنی تحقیق کرنی چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ لوگوں کے بہترین مفاد کے مطابق عوامی معاملات میں دوسروں کی مدد کرے۔ جب کوئی صحیح شخص کو منتخب کرنے کی کوشش کرے گا تب ہی وہ دونوں جہانوں میں غلط شخص کی حمایت کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا۔ اس کی طرف آیت 188 کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 189

۞ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلْحَجِّ وَلَيْسَ ٱلْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا۟
ٱلْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنِ ٱتَّقَىٰ وَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَٰبِهَا وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ١٨٩

"وہ آپ سے ہلال کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت کی پیمائش ہیں۔ اور گھر میں پیچھے سے داخل ہونا نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی اس میں ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

چاند کے مختلف مراحل نے وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے اور ہر طرح کے فرضی تصورات، توہمات اور رسومات اس سے جڑی ہوئی ہیں اور آج بھی ہیں۔ چاند کو اچھے اور برے شگون کی بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ بعض تاریخوں کو سفر شروع کرنے، نئے کاموں کے آغاز، شادی بیاہ وغیرہ کے لیے منحوس سمجھا جاتا تھا، اس بنیاد پر کہ چاند کا طلوع و غروب، اس کے مختلف مراحل اور اس کے گرہن کا انسان کی تقدیر پر اثر پڑتا ہے۔ عربوں کا بھی اس قسم کے توہمات میں حصہ تھا۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس توہم پرستانہ نقطۂ نظر سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا اس انداز میں جواب دے کر ان کا رویہ درست کر دیا جس سے ان کے ذہنوں کو اس طرح سے سوالات کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔ دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 189:

وہ آپ سے ہلال کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، "یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت کا پیمانہ ہے۔"...

پورے عرب کو پہلے سے ہی معلوم تھا کہ چاند کے مراحل وقت، یعنی مہینے کے دنوں اور خاص طور پر حج کے موسم کے تعین کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے اور اسلام کے آنے سے پہلے بھی زیارت کا رواج تھا لیکن لوگوں نے اس کے رواج کو خراب کر دیا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ذہن کو صحیح سمت کی طرف راغب کرنے کے لیے، ان چیزوں کا واضح جواب دیا جو ان کے لیے اور دونوں جہانوں میں دوسروں کے لیے فائدہ مند ہیں بجائے اس کے کہ وہ فضول باتوں مثلاً توہم پرستی پر وقت ضائع کریں۔ اس کی مزید تائید مرکزی آیت کے آخر سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ایک توہم پرستی پر تنقید کی ہے جو عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 189:

اور پیچھے سے گھروں میں داخل ہونا نیکی نہیں‘‘۔ ’’

عام طور پر، بنیادی آیت کا پہلا حصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی کو مذہبی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں ہوگا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ توہم پرستی، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 189:

"...وہ آپ سے ہلال کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، "یہ لوگوں کے لیے وقت کا پیمانہ ہیں"

جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ چونکہ اس دنیا میں لوگوں کا وقت بہت محدود ہے، اس لیے انہیں چاہیے کہ اپنا وقت اور دیگر وسائل ان چیزوں کے لیے وقف کریں جو دونوں جہانوں میں ان کے لیے فائدہ مند ہوں، جیسے مفید چیزوں کی تحقیق کرنا۔ جو شخص وقت کی رفتار کی قدر کرنے میں ناکام رہے گا وہ اس کا صحیح استعمال کرنے میں ناکام رہے گا اور وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے میں تاخیر کی عادت اپنائے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ صرف انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24:

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے گا، کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 189:

وہ آپ سے ہلال کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، "یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت کا پیمانہ ہے۔"...

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں کو ہدایت دی کہ وہ نرمی سے متعلقہ سوالات کرنے کی اہمیت کو سمجھیں۔ یہ نرمی سے دوسروں کو نصیحت کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ سختی سے ایسا کرنا اکثر اچھے مشورے پر عمل کرنے سے روک سکتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اسلامی علم کو دوسروں تک پہنچانے کی خواہش محسوس کرتے ہیں لیکن ایسا سختی سے کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روایت سے متصادم ہے اور اس کے نتیجے میں وہ لوگوں کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔ صحیح طریقے سے اسلام پر عمل کرنے سے دور۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2701 میں نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اسلام کے بارے میں دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلے میں، کسی کو مستند اسلامی علم کے ساتھ نرم رویے کو جوڑنا چاہیے کیونکہ دوسروں کی صحیح رہنمائی کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت کے دو ذرائع کی تعلیمات پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، بجائے اس کے کہ توہم پرستی کے طریقوں یا دیگر ذرائع کی پیروی کی جائے۔ مذہبی علم، جیسا کہ اس صحیح طریقے سے برتاؤ کرنا نیکی کا جوہر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 189:

”اور گھر میں پیچھے سے داخل ہونا نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی اس میں ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔“

جب لوگ حاجی کی حالت میں داخل ہوتے تھے تو وہ اپنے گھروں کے سامنے والے دروازے سے داخل ہونے سے گریز کرتے تھے کیونکہ وہ اسے برا شگون سمجھتے تھے۔ اس کے بجائے وہ پیچھے سے اپنے گھروں میں داخل ہوتے۔ صحیح بخاری نمبر 1803 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جیسا کہ آیت 189 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، ہدایت کے دو ذرائع پر قائم رہنا یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 189:

”اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ“۔

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

سچی بات یہ ہے کہ جتنا زیادہ آدمی دوسرے طریقوں کی پیروی کرے گا، وہ ہدایت کے دو ذرائع کی اتنی ہی کم پیروی کرے گا، اس کے نتیجے میں وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 189:

اور گھر میں پیچھے سے داخل ہونا نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی اس میں ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور'' ''گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔

عام طور پر، توہم پرستی اور عقائد سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی کو ایسی چیزوں پر یقین کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں، جیسے لوگوں کی تقدیر پر قابو پانے کی صلاحیت۔ اس رویے میں جتنا گہرا غوطہ لگایا جائے گا اتنا ہی وہ اپنا ایمان کھونے کے قریب آئے گا، کیونکہ انہیں رسومات ادا کرنے اور ایسی چیزوں پر یقین کرنے کی ترغیب دی جائے گی جو بعض صورتوں میں واضح کفر ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں زیادہ بھروسہ کرے گا۔ وہ فرض کریں گے کہ چیز ان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر وہ بری چیزوں سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان زبانی طور پر اس تصور کی مخالفت کرتا ہے پھر بھی ان کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ اور اس جیسی چیزیں کسی شخص کے ایمان کو کمزور کرتی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسے مکمل طور پر کھو بیٹھیں، حتیٰ کہ اسے احساس بھی نہ ہو۔ توہم پرستی اور عقائد یہاں تک کہ انسان کو دوسروں کے لیے انتہائی بے وقوف بننے کی ترغیب دیتے ہیں، جو انہیں صرف اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے۔ مزید برآں، یہ رویہ ان فنکاروں کے لیے دروازہ کھولتا ہے جو روحانی علاج کرنے والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو فیس کے عوض اپنے مسائل حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی نصیحتوں پر عمل کرنا صرف اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہونے کا سبب بنتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں مزید تناؤ اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔

ان اور دیگر منفی باتوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو۔ مضبوط ایمان انسان کو توہم پرست چیزوں اور عقائد سے متاثر ہونے سے روکے گا۔ مثال کے طور پر، پختہ ایمان رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی، اور اگر وہ کسی کو تکلیف دہ صورت حال سے دوچار کرنے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے اس صورت حال سے کوئی چیز یا کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس کے علاوہ، وہ اس بات پر پختہ یقین کریں گے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس چیز کا انتخاب کرتا ہے جو اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔
باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس کے نتیجے میں وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، جو انہیں دونوں جہانوں میں بے شمار ثواب اور ذہنی سکون کی طرف لے جائے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 39 از زمر، آیت 10 اور:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لیکن انسان کو توہم پرستانہ عقائد اور ان کے منفی نتائج سے صرف اس وقت محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور ان فوائد کو حاصل کیا جا سکتا ہے جب وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے پختہ ایمان حاصل کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 189:

اور یہ نیکی نہیں کہ گھر میں پیچھے سے داخل ہو بلکہ نیکی اس میں ہے جو اللہ سے ڈرے۔ اور ’’ گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت اس بات کی بھی نشاندہی کر سکتی ہے کہ حالات کو سیدھا، صاف اور دیانت دارانہ انداز میں داخل کیا جائے، بجائے اس کے کہ کوئی شخص دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت دھوکہ دہی سے برتاؤ کرے۔ پچھلے دروازے کو اکثر کسی ایسے شخص کو بیان کرنے کے طریقے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور دوسروں کے ساتھ دھوکہ دہی سے برتاؤ کرتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ سیدھا، صاف اور دیانت دارانہ طرزِ عمل اختیار کرے جس کے ذریعے وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے، جیسا کہ فریب دینے والا حقیقت میں ہے۔ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، یہاں تک کہ اگر یہ ان پر واضح نہیں ہے، کیونکہ وہ بلاشبہ دونوں جہانوں میں

اپنے طرز عمل کے نتائج کا سامنا کریں گے ، کیونکہ وہ طاقت اور کنٹرول سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"...لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 189:

اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ‘‘۔’’

اس آیت کا آخری بیان یہ واضح کرتا ہے کہ حقیقی کامیابی جس میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنا شامل ہے، کیسے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ سمجھنے کے لیے ذہین کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر قسم کی دنیاوی کامیابی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور وہ اکثر اس کے علمبردار کے لیے مصائب کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی چیزوں کے مالک ہونے کے باوجود کس طرح دکھی زندگی گزارتے ہیں جو ذہنی سکون سے بالکل خالی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، اور اس لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

:اور باب 53 عن نجم آیت 43

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

:باب 16 النحل آیت 97 اور

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی"
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

ذہنی سکون حاصل کرنے کی شرط سادہ ہے اور اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے رکھی گئی اس سادہ سی شرط کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا خوب تجربہ کر سکتا ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی زندگی ذہنی عارضوں جیسے بے چینی، تناؤ اور ڈپریشن سے بھری ہو گی۔ ایک بار پھر، یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے اور جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں
:باب 9 توبہ آیت 82 جو انہیں دی گئی ہیں۔

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 190-19 4

وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ
﴿١٩٠﴾

وَٱقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَٱلْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ ٱلْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَٰتِلُوهُمْ عِندَ
ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَٰتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَٰتَلُوكُمْ فَٱقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَآءُ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٩١﴾

فَإِنِ ٱنتَهَوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ ٱنتَهَوْا۟ فَلَا عُدْوَٰنَ إِلَّا عَلَى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٩٣﴾

ٱلشَّهْرُ ٱلْحَرَامُ بِٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ وَٱلْحُرُمَٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَٱعْتَدُوا۟ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا ٱعْتَدَىٰ
عَلَيْكُمْ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿١٩٤﴾

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ" زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پکڑو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہو وہاں سے نکال دو اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے۔ اور ان سے مسجد الحرام میں نہ لڑو جب تک کہ وہ وہاں تم سے نہ لڑیں۔ لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں مار ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔

اور اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین)یعنی عبادت (اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]حملہ[نہیں ہوگا۔

مقدس مہینے میں]جنگ [مقدس مہینے میں]جارحیت [کے لئے ہے، اور]تمام [خلاف ورزیوں کا قانونی بدلہ ہے۔ پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو تم اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مجھے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے معانی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ان کو صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں وہ کسی کے فعل کے جواز کے لیے نازل ہوئی یا درج کی گئی۔ آیات اور احادیث کے سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا جائے۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 194:

"... پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر حملہ کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو..."

ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے، جیسا کہ زیر بحث اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں‘‘۔ ’’

لہٰذا امن کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]یعنی حملہ[..." "نہیں ہوگی۔

اگر دشمن چاہے امن اسے دیا جانا چاہئے .باب 4 النساء، آیت 90:

پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ تعالیٰ’’ نے تمہارے لیے ان کے خلاف جنگ کا کوئی سبب نہیں بنایا‘‘۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زیر بحث اہم آیات سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ فاسق ہے۔ اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بزرگوں، اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور حواریوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر اور مسند احمد نمبر 2728- 2614

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات کے مطابق بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل کو حرام قرار دیا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

’’اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔‘‘

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

"پس جب تک وہ آپ کی طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے... محبت کرتا ہے۔"

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ، آیات 8-9:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے اس لیے لڑتے ہیں۔ دین کے بارے میں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دو اور تمہارے نکالنے میں مدد...

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس کی خواہش نہ کرتے ہوئے مجبور کیا جانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔’’

زیر بحث اہم آیات سے اس کی مزید نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دو الٰہی صفات کا ذکر کیا ہے جو دونوں اس کی رحمت اور سلامتی سے جڑے ہوئے ہیں، یعنی سب بخشنے والا اور رحم کرنے والا۔ باب 2 البقرہ، آیت 192:

‘‘اور اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔’’

اس نے جان بوجھ کر اپنی قدرت اور طاقت کی خدائی صفات کے بجائے ان خدائی صفات کا ذکر کرنے کا انتخاب کیا تاکہ اس بات کی نشاندہی کی جا سکے کہ امن اور سلامتی وہی ہے جو وہ بنی نوع انسان کے لیے پسند کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان آیات کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔ اس پر

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ "ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار :کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5

اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا'' ''محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جنگ کا یہ بیان مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد مواقع پر واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور امت مسلمہ کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ اور اس کے اتحادی .مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

"سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی۔ تو ان کے لیے ان کا معاہدہ مکمل کر دے یہاں تک کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

’’مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا تھا؟ اس لیے جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

کیسے]معاہدہ ہو سکتا ہے [جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی" رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے؟ وہ آپ کو اپنے منہ سے مطمئن کرتے ہیں، لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر بدل دیا اور لوگوں کو اس کی راہ سے روک دیا۔ درحقیقت یہ برا کام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اور وہی لوگ فاسق ہیں۔"

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

"پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔"

اور باب 9 توبہ آیت 5:

''اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔''

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جس نے بھی اس کی درخواست کی ہو اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کو بغیر کسی خوف اور دباؤ کے سننے کا موقع ملے یا وہ پرامن طریقے سے اس کی حفاظت کر سکیں۔ جزیرہ نما عرب کو نقصان پہنچنے کے خوف کے بغیر چھوڑ دیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

''اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔ پھر اسے اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔"

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے حقیقت میں کوئی خون نہیں بہایا گیا، کیونکہ اس آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا، یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو پرامن طریقے سے چھوڑ دیں۔ .

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام توازن کا مذہب ہے یہ نہ تو جارحوں کے خلاف انتہائی سخت رویے کی وکالت کرتا ہے اور نہ ہی یہ حملہ آوروں کے خلاف انتہائی نرم اور کمزور رویے کی وکالت کرتا ہے۔ تمام لوگوں کو اپنے، اپنے اہل و عیال اور املاک کے دفاع کا حق حاصل ہے لیکن یہ حدود کے اندر ہونا چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ایک اہم اصول ہے جسے بہت سی حکومتیں نظر انداز کرتی ہیں جو اپنے دفاع اور منصفانہ انتقام کے نام پر معصوم لوگوں کو نشانہ بناتی ہیں۔ حملہ آوروں کو صرف اس طرح سے نشانہ بنایا جانا چاہئے جس طرح انہوں نے شروع میں حملہ کیا تھا۔ جیسا کہ زیر بحث اہم آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، اگر کوئی منصفانہ انتقام کی حد سے تجاوز کرتا ہے، تو اس

پر ظالم کا لقب دیا جائے گا اور ان کے اعمال کا جوابدہ ہوگا۔ ان ظالموں کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن جب عدل قائم ہو گا تو وہ اپنی نیکیاں ان لوگوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جن کے خلاف انہوں نے زیادتی کی تھی۔ اور اگر ضرورت پڑی تو یہ ظالم ان لوگوں کے گناہ لینے پر مجبور ہوں گے جن کے خلاف انہوں نے ظلم کیا جب تک کہ انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 194:

"... پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر حملہ کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو..."

باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

زیادتی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب کوئی ظالموں کے خلاف غلط وجہ سے لڑتا ہے، جیسے کہ طاقت اور دولت حاصل کرنا۔ جارحین سے صرف اللہ کی رضا کے لیے لڑنا چاہیے اور معاشرے میں عدل و انصاف کو پھیلانا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

"ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی عبادت) اللہ کے لیے نہ ہوجائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت [حملہ] نہیں ہوگا۔

جیسا کہ آج عام طور پر دیکھا گیا ہے، جو لوگ دنیاوی وجوہات کی بناء پر لڑتے ہیں وہ اکثر منصفانہ انتقامی کارروائیوں کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، چاہے وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ ہی کیوں نہ کرتے ہوں، کیونکہ ان کا واحد مفاد اقتدار اور دولت حاصل کرنا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑے، انہوں نے کبھی بھی انصاف کی حد سے تجاوز نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان حدود سے تجاوز کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنقید کی جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات عیاں ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس حکم میں ان تمام قوتوں کے ساتھ روحانی جدوجہد بھی شامل ہے جو اسے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں، مثلاً شیطان، ان کی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت اور دوسرے لوگوں سے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہ جدوجہد ہے جو اسلام کے دشمنوں سے جسمانی طور پر لڑنے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ روحانی جدوجہد جسمانی لڑائی کے برعکس مسلسل ہوتی رہتی ہے۔ یہ روحانی جدوجہد اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا ایمان اس میں زیر بحث واضح شواہد کو سمجھنے کے ذریعے مضبوط ہوتا ہے۔ مضبوط ایمان انسان کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جب کسی کو دوسری چیزوں کی مخالفت کا سامنا ہو۔ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والا ان کے چہرے کی مخالفت سے مغلوب ہو جائے گا اور وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے گی جو انہیں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ان کے روحانی دل کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، یہ رویہ دونوں جہانوں میں صرف پریشانی، تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لیکن جیسا کہ آیت 190 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، اس روحانی جدوجہد کو ہدایت کے دو منابع کی تعلیمات کے مطابق انجام دیا جانا چاہیے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔
باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، کیونکہ اس طرح عمل کرنا ایک قسم کی زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ تنقید کرتا ہے۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں وہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

معمول کے مطابق، اللہ تعالیٰ ہمیشہ سچی توبہ اور اصلاح کا دروازہ سب کے لیے کھلا چھوڑتا ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے لیے بھی جو صحیح اخلاق کی حد سے تجاوز کر چکے ہیں۔ باب 2 البقرہ آیت 192:

‘‘اور اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ’’

سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا

اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔

باب 2 البقرہ، آیت 193:

ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین)یعنی عبادت (اللہ کے لیے نہ '' ہوجائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]حملہ[نہیں ہوگا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ لوگوں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف، ایک خاص وقت، ایک خاص جگہ اور ایک خاص وجہ سے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اگر دشمن باز آجائے تو لڑائی سے باز آجائیں اور صرف اس صورت میں جنگ جاری رکھیں جب وہ امن معاہدے کی خلاف ورزی کریں۔ لہٰذا، جیسا کہ مخصوص حالات میں لڑائی کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایک مسلمان کا عمومی رویہ امن والا ہونا چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ سچا مسلمان اور مومن وہی ہے جو دوسروں اور ان کے مالوں سے اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ .اس کے علاوہ، اگرچہ مکہ کے غیر مسلموں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت سے مظالم کیے، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش اور آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر مظالم، جنہیں ان کے ایمان کی وجہ سے اذیتیں دی گئیں اور قتل بھی کیا گیا، تب بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی بخشش اور رحمت نازل فرمائی۔ یہ دنیا کے ساتھ اسلام کا ضابطہ اخلاق ہے۔ لہٰذا امن یا جنگ کے وقت تمام مسلمانوں کا یہی طرز عمل ہونا چاہیے۔ اس لیے انتہائی اور نایاب حالات کے درمیان فرق کو رویے کے عام معیارات سے سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ گمراہ لوگ اکثر اسلام کو ایک متشدد مذہب ظاہر کرنے کے لیے دونوں کو ملا دیتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیات 191-193:

اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پکڑو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہو وہاں سے نکال دو ’’ اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے۔ اور ان سے مسجد الحرام میں نہ لڑو جب تک کہ وہ وہاں تم سے نہ لڑیں۔ لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں مار ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ اور اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین)یعنی عبادت (اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]حملہ [نہیں ہوگا۔

ان آیات میں فساد اسلام کے دشمنوں یعنی مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ہونے والے ظلم کے وسیع منفی اثرات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس بدعنوانی کا دل ان کا گمراہ ایمان اور اپنے قبیلوں سے وفاداری، دولت، ثقافت اور جھوٹے خداؤں سے محبت تھی۔ مندرجہ ذیل آیت میں مذکور مخصوص لغزشوں سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں غیر مسلموں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا اس لیے ان آیات کا اطلاق دوسروں پر بالکل نہیں کیا جا سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 217:

آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑنا بہت بڑا]گناہ [ہے، لیکن]لوگوں کو [اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام تک]روکنا [اور وہاں سے لوگوں کو نکالنا اس سے بھی بڑی برائی ہے۔ اور اللہ کے نزدیک فتنہ قتل سے بڑا ہے۔

لہٰذا ان آیات میں لغزش سے مراد بے گناہوں پر ظلم و ستم ہے۔ اس سے مراد ایسی صورت حال ہے جس میں کسی فرد یا گروہ کو اس لیے ہراساں کیا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ اس وقت موجود تصورات کے برعکس نظریات کے ایک مجموعہ کو قبول کر رہا ہے، اور اس کی تبلیغ کے

ذریعے معاشرے کے موجودہ نظام میں اصلاحات کو نافذ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچھا ہے اور برائی سے منع کرنا۔ لہٰذا، اس فساد سے بے گناہوں کو ہونے والے اس مخصوص نقصان کو روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ دشمن سے اس وقت تک لڑا جائے جب تک اسلام کو کھلم کھلا مخالفت کے بغیر عمل کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور غیر مسلموں کی وجہ سے معاشرے کو پہنچنے والے منفی نقصانات کو روک دیا جائے۔

زیر بحث آیات میں واضح ہے کہ لفظ جنگ سے مراد لڑائی ہے اور اپنے گمراہ مذہب سے باز نہ آنا کیونکہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ صرف اعضاء کا نہیں دل کا معاملہ ہے۔ باب 2 البقرہ 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

اس کے علاوہ، جابر حکمرانوں، جیسے رومیوں اور فارسیوں کی طرف سے ہونے والے بڑے پیمانے پر جبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بڑے پیمانے پر جانا جاتا تھا۔ وہ اس ملک کے لوگوں پر مسلسل ظلم کرتے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ ان لوگوں سے لڑنے سے فوجیوں، سپاہیوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا تھا جنہوں نے لڑنے اور مرنے کے لیے دستخط کیے تھے، لیکن طویل عرصے میں اس نے معصوم شہریوں پر ہونے والے ظلم کو ختم کر دیا۔ اور اگر اسلامی حکومت صحیح طریقے سے قائم ہو جائے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد سیدھے خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی تو ملک میں عدل کا غلبہ ہو گا۔ لہٰذا اس سے کوئی سمجھ سکتا ہے کہ عوام پر دیرینہ ظلم فوجیوں کے قتل سے بھی بدتر ہے، اگر اس سے انصاف قائم ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 194:

"مقدس مہینے میں]جنگ [مقدس مہینے میں]جارحیت [کے لئے ہے، اور]تمام [خلاف ورزیوں کا قانونی بدلہ ہے۔ پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو تم اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو..."

سال کے چار مقدس مہینوں میں جنگ کرنا اسلام کے آنے سے پہلے ہی حرام تھا)یہ مہینے تھے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب(۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو اس سے کسی کو اپنا دفاع کرنے سے نہیں روکنا چاہیے۔ یہ ایک بار پھر منصفانہ جوابی کارروائی کی حدود میں صرف اپنے دفاع میں لڑنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ قانونی انتقام ایک اہم اور منصفانہ تصور ہے کیونکہ تمام لوگوں کو غلط کاموں سے اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ مزید برآں، اگر قانونی انتقام جائز نہ ہوتا تو بہت سے ظالم بے گناہ لوگوں سے فائدہ اٹھاتے، ان کا ایمان جاننا انہیں اپنا دفاع کرنے سے روکتا ہے۔ اس سے معاشرے میں مزید بدعنوانی پھیلے گی۔ قانونی انتقام کے بغیر، وہ لوگ جو عام طور پر لوگوں کو ان لوگوں کے خلاف قانونی انتقام لینے کا مشاہدہ کرتے ہوئے روکتے ہیں جنہوں نے ان پر ظلم کیا تھا، وہ باز نہیں آئیں گے اور اس کی بجائے معاشرے میں دوسرے ظالموں کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دی جائے گی۔ اس سے معاشرے میں کرپشن بڑھے گی۔ قانونی انتقام کے بغیر، بہت سے متاثرین قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ انصاف قائم نہیں ہوا۔ اس سے معاشرے میں بدعنوانی اور جرائم کے پھیلاؤ میں ایک بار پھر اضافہ ہوتا ہے۔ صرف ان ممالک کو دیکھنے کی ضرورت ہے جو عصمت دری اور قتل جیسے جرائم کے خلاف نرم قوانین نافذ کرتے ہیں اور ان کے نرم قوانین دوسروں کو ان جرائم کے ارتکاب سے روکنے میں کس طرح ناکام رہتے ہیں اور نتیجتاً ان کے معاشروں میں یہ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ قانونی انتقام کا مقصد انصاف کا قیام اور مزید جرائم کے پھیلاؤ کو روکنا ہے، دوسری صورت میں یقین کرنا محض نادانی ہے۔

لیکن قانونی انتقام کی صورت میں بھی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے نتائج سے مسلسل خوفزدہ رہنے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ وہ منصفانہ انتقام کی حدوں سے تجاوز نہ کریں اور انہیں رحمدلی اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اور ان لوگوں کے خلاف معافی کا رویہ جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے، جب تک کہ یہ انہیں لوگوں کے خلاف اپنے غلط کاموں میں اضافہ کرنے کی ترغیب نہیں دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 194:

پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر حملہ ..." کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جو لوگ اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے رہیں گے، جیسے کہ ان کی سماجی طاقت، انہیں اللہ تعالیٰ کی مسلسل نصرت نصیب ہوگی۔ یہ مدد اس بات کو یقینی بنائے گی کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں، چاہے انہیں مشکلات اور جبر کے لمحات کا سامنا ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

’’ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسے کہ اپنی سماجی طاقت، وہ پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں صرف

پریشانی، تناؤ اور مشکلات کا باعث بنے گا، خواہ وہ طاقتور اور بااثر ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ کائنات کے معاملات کو اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کنٹرول کرتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 42:

"اور یہ ہرگز نہ سمجھو کہ اللہ ظالموں کے اعمال سے بے خبر ہے۔ وہ انہیں صرف اس دن کے لیے مؤخر کرتا ہے جب آنکھیں گھور رہی ہوں گی۔''

باب 2 البقرہ، آیت 194:

''اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ''

لوگوں کو اس حقیقت کو سمجھنے کا حکم دینا اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے تاکہ انسان ایمان میں پختہ ہو جائے۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ کا جوہر ہے جو اس کی صحبت اور مسلسل مدد کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 194:

''اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ''

جبکہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت ہی انسان کو کمزور ایمان اختیار کرنے کا سبب بنتی ہے۔ کمزور ایمان انسان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے، اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کا مکمل اختیار ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جب اہم آیات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت کافی حد تک نتیجہ اخذ کرنے کے لیے واضح ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنے دفاع میں لڑنے کی اجازت دی گئی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن میں سے کچھ پہلے زیر بحث آ چکے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیات مرکزی نقطہ اور زیارتِ مقدسہ میں تبدیلی کے بارے میں بحث کرتی ہیں، جو سب مکہ سے مربوط ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 144:

پس اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ]یعنی اپنے آپ ...”
‘‘کو [اس کی طرف پھیر لو۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 189:

..."وہ آپ سے ہلال کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، "وہ حج کے لیے وقت کا پیمانہ ہیں۔"

اس کے علاوہ زیر بحث آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑائی کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق مکہ سے ہے اور ان غیر مسلموں کے خلاف ہے جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملک بدر کیا تھا۔ ان کے ساتھ، مکہ سے۔ لہٰذا یہ آیات ایک خاص وقت پر، لوگوں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف، ایک مخصوص جگہ اور ایک خاص وجہ سے، یعنی اپنے دفاع میں اور زمین میں فساد اور ظلم کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے لڑنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے ذریعہ بیان کردہ قواعد کا مجموعہ۔

باب 2 - البقرہ، آیت 195

وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا تُلۡقُواْ بِأَيۡدِيكُمۡ إِلَى ٱلتَّهۡلُكَةِ وَأَحۡسِنُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ١٩٥

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور نیکی کرو۔"
"بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

،جیسا کہ یہ آیت اپنے دفاع کی اہمیت اور معاشرے کے اندر سے ظلم کو ختم کرنے کے بعد آئی ہے یہاں تک کہ سخت ہدایات کے تحت جسمانی طاقت کے ذریعے بھی، اللہ تعالیٰ لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یہ ان کی اپنی تباہی کا باعث بنے گا۔ ظلم کے خلاف لڑنے کے لیے اپنی محنت، توانائی اور دولت کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 195:

’’اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ‘‘

یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو وسائل دیے گئے ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے معاشرے کے اندر سے جابر عناصر کو فعال طور پر ہٹانے پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت ہے۔

عام طور پر، مرکزی آیت مسلمانوں کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تباہی کو روک دے گا، کیونکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 195:

’’اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ‘‘

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دلوں، ذہنی سکون کا گھر، اسی لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے''۔''

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے خواہ اس کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہوں کیونکہ یہی اس کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے اور باوجود اس کے کہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ جس طرح یہ مریض ذہنی اور جسمانی تندرستی حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا تاکہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح ایک احمق مریض جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو نظر انداز کرتا ہے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوگی، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرے گا اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان امیر اور بااثر لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ ذہنی صحت کے مسائل جیسے کہ بے چینی، ڈپریشن ، منشیات کی لت اور خودکشی کے رجحانات میں ڈوب جاتے ہیں، چاہے وہ ان لمحات کا تجربہ کرتے ہوں۔ تفریح اور تفریح. باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 195

‘‘اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ’’

اس سے خواہش مندانہ سوچ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جس کے تحت کوئی شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور پھر بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہانوں میں برکت عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی

کرنے کے لیے دی گئی ہیں، اور پھر دونوں جہانوں میں برکت اور نجات کی امید رکھتا ہے۔ اس فرق میں موجود حدیث میں بھی اس طرح بیان کیا گیا ہے - جامع ترمذی نمبر 2459 کو

لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو کہ نیکی کا نچوڑ ہے اور اسی لیے محبت الٰہی کو راغب کرتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 195:

"بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ - اور نیکی کرو

جیسا کہ نیکی کرنے کے سلسلے میں کوئی خاص بات بیان نہیں کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص خواہ اسے کتنی ہی دنیاوی نعمتیں عطا کی گئی ہوں، وہ نیکی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو رضائے الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی جسمانی قوت یا بولنے کی صلاحیت، جسے وہ صحیح طریقے سے استعمال کر سکتا ہے، اس آیت کو پورا کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔

باب 2 البقرہ، آیت 195:

"بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ - اور نیکی کرو

جو شخص رضائے الٰہی اور محبت حاصل کر لیتا ہے وہ بلاشبہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرتا ہے، خواہ اس کو اپنی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ رضائے الٰہی اور محبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں کسی کا امتحان نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اس دنیا میں زندگی کا مقصد لوگوں کو آزمانا ہے۔ باب 67 الملک، آیت 2:

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے"۔ "

تمام مشکلات اور آزمائشوں سے آزادی صرف جنت میں ملتی ہے۔ رضائے الٰہی اور محبت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ مشکل کے وقت بھی انسان کو ذہنی سکون ملتا رہے، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، جنہیں ایک عظیم آگ کے درمیان ہونے کے باوجود دماغ اور جسم کا سکون عطا کیا گیا تھا۔ باب 21 الانبیاء، آیات 68-69:

انہوں نے کہا، "اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو - اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو"۔ ہم" نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔

یہ بالکل اس مریض کی طرح ہے جو بے ہوشی کے تحت ایک تکلیف دہ طبی عمل سے گزرتا ہے تاکہ اسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہو۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، ہر حال میں، خواہ مشکلات کا وقت ہو یا آسانی، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں زیادہ سکون اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کامیابی کی جڑ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ثابت قدم رہنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں ’’ کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 195:

"بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ۔ اور نیکی کرو

یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ نیک اعمال کرکے اپنے ایمان کو حقیقی بنائے بغیر رضائے الٰہی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ گمراہ کن رویہ کو چیلنج کرتا ہے جس کے تحت کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اسلام پر ایمان کا زبانی دعویٰ ہی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے جو اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے گا وہ رضائے الٰہی حاصل نہیں کر سکے گا جس کا مطلب ہے کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ جو لوگ زبانی طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اپنے عمل میں اسے ظاہر کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ ہمیشہ ذہنی صحت کے مسائل میں ڈوبے رہتے ہیں، جیسے کہ پریشانی اور ڈپریشن، کیونکہ وہ اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، چاہے وہ اپنے ایمان کے اعلان کے ذریعے اسے زبانی یاد کرتے ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقره، آیات 196-203

وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْىِ وَلَا تَحْلِقُوا۟ رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْهَدْىُ
مَحِلَّهُۥ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِۦٓ أَذًى مِّن رَّأْسِهِۦ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَآ أَمِنتُمْ
فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْىِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ فِى ٱلْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُۥ حَاضِرِى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ
شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

ٱلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى
ٱلْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ ٱللَّهُ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ وَٱتَّقُونِ
يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٧﴾

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا۟ فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ
عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ
وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿١٩٨﴾

ثُمَّ أَفِيضُوا۟ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
﴿١٩٩﴾

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ
ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿٢٠١﴾

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾

۞ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن
تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ لیکن اگر آپ کو روکا جائے تو پھر قربانی کے" جانوروں سے آسانی سے کیا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ اور تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سر کی بیماری ہو تو وہ تین دن کے روزوں کا فدیہ یا صدقہ یا قربانی کرے۔ اور جب آپ محفوظ ہو جائیں تو پھر جو شخص عمرہ کرتا ہے]حج کے مہینوں میں [اس کے بعد حج]پیش کش کرتا ہے [وہ قربانی کے جانوروں کی آسانی کے ساتھ کیا حاصل کرسکتا ہے۔ اور جس کو ایسا جانور نہ ملے تو وہ تین روزے حج کے دوران اور سات دن جب تم]گھر [لوٹو۔ وہ دس پورے]دن [ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کا خاندان مسجد الحرام کے علاقے میں نہیں ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

حج معروف مہینوں میں ہے، لہٰذا جس نے اس میں]احرام کی حالت میں داخل ہو کر [اپنے اوپر حج فرض کر لیا، اس کے لیے حج کے دوران نہ کوئی مباشرت ہے، نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ہے۔ اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ اسے جانتا ہے۔ اور رزق لے لو، لیکن بیشک بہترین رزق اللہ سے ڈرنا ہے۔ اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو!

]حج کے دوران [اپنے رب سے فضل تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جب تم عرفات سے نکلو تو مشعر الحرام میں اللہ کو یاد کرو۔ اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے کیونکہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔

پھر اس جگہ سے چلے جائیں جہاں سے سب لوگ چلے جائیں اور اللہ سے معافی مانگیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور جب تم اپنے عبادات پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

ان کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اور گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ پھر جس نے دو دن میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جس نے]تیسرے تک [تاخیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں - جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اسی کی طرف تمہیں جمع کیا جائے گا۔

ان آیات کا آغاز لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص اختیار کرنے کی دعوت دینے سے ہوتا ہے جب حج یا زیارت کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 196:

"اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو۔ "

اس میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان مقدس سفروں کو انجام دینا شامل ہے، اس مقصد کے ساتھ کہ وہ ماضی میں کیے گئے کسی بھی گناہ سے سچے دل سے توبہ کریں اور اگر انہیں گھر لوٹنے کی صلاحیت دی جائے تو بہتر کے لیے بدلنے کا پختہ وعدہ کیا جائے۔ اس لیے کہ ان مقدس سفروں کا مقصد ایک شخص کو قیامت کے دن کی یاد دلانا ہے جہاں پوری بنی نوع انسان اپنے تمام دنیاوی اموال، روابط اور رشتے چھوڑ کر اپنے آخری فیصلے کے انتظار میں جمع ہوں گے۔ اس نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ جب کوئی شخص گھر واپس آئے گا تو وہ زیادہ سے زیادہ توانائی اور وقت قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف کرے گا، تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کر سکے۔ انہیں صحیح طریقے سے دیا گیا ہے. اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا وہ یہ مقدس سفر کسی اور وجہ سے نہ کریں، جیسے کہ سیاحت کی غرض سے، ورنہ انہیں وہ ثواب نہیں ملے گا جو انہیں ملنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 196:

"اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو۔ "

عام طور پر اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ ،کی خوشنودی کے لیے بولنا اور عمل کرنا چاہیے، خواہ ان کا قول و فعل دنیاوی چیزوں سے جڑا ہو جیسے کہ حلال مال کمانا یا دینی کام، جیسے نماز۔ جب تک کوئی نیک نیت اپنائے گا اور اسلام کی ،تعلیمات کے مطابق عمل کرے گا، اسے ثواب ملے گا، خواہ وہ دنیاوی اعمال ہی کیوں نہ کر رہے ہوں جیسے کہ اولاد کی پرورش۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے معاوضے کی امید نہ رکھے۔ ایک مثبت نیت اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ کسی کو دونوں جہانوں میں اجر ملے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنے سے جڑی تلخی سے بچ جائے، جو دوسروں کی کوششوں سے کبھی خوش نہیں ہوتے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے علاوہ کسی اور وجہ سے عمل کرتا ہے، اسے دنیا یا آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج اور زیارت کے سلسلے میں کچھ احکام بیان فرمائے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 196:

لیکن اگر آپ کو روکا جائے تو پھر قربانی کے جانوروں کی آسانی سے کیا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ اور تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سر کی بیماری ہو تو وہ تین دن کے روزوں کا فدیہ یا صدقہ یا قربانی کرے۔ اور جب آپ محفوظ ہو جائیں تو پھر جو شخص عمرہ کرتا ہے]حج کے مہینوں میں [اس کے بعد حج]پیش کش کرتا ہے [وہ قربانی کے جانوروں کی آسانی کے ساتھ کیا حاصل کرسکتا ہے۔ اور جس کو ایسا جانور نہ ملے تو وہ تین روزے حج کے دوران اور سات دن جب تم]گھر [لوٹو۔ وہ دس پورے]دن [ہیں۔ یہ "...ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اہل خانہ مسجد الحرام کے علاقے میں نہیں ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے

مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر زیارت)عمرہ (کئے مدینہ واپس آگئے جو کہ معاہدہ کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا کہ اس نے اپنے ظہور کے بعد سے تقریباً 18 سالوں میں کیا تھا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا ، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1:

‘‘بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، حسب معمول، اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کو مختلف حالات میں رعایتیں دے کر ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

‘‘اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔’’

کسی شخص کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے واقعی آسانی چاہتا ہے تو وہ ان پر کوئی پابندی نہیں لگائے گا اور انہیں ان کی خواہشات کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ ایک غلط عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کی ذہنی، جسمانی اور روحانی تندرستی کے لیے کیا بہتر ہے اس لیے وہ اسی کے مطابق نصیحت کرتا ہے۔ جس طرح ایک اچھا طبیب یہ جانتے ہوئے کہ کڑوی دوائیں تجویز کرتا ہے اور سخت خوراک کا منصوبہ یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے مریض کے لیے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ پابندیاں لگاتا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ڈاکٹر ان کے مشورہ سے غلطیاں کر سکتے ہیں لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، اس کے احکام و ممنوعات تمام غلطیوں سے پاک ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کسی طبی ڈاکٹر کے مشورے پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہے جو اکثر انسان کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے، جیسے کہ سخت غذا کا مشورہ دینا، پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرے گا، جو سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب بھی کوئی ضابطہ اخلاق بیان کرتا ہے تو وہ اکثر لوگوں کو اس سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی کے نتائج کی یاد دہانی کے ساتھ اس کی تائید کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 196:

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ''

اس لیے کہ معاشرے میں انصاف اور امن کو یقینی بنانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ پہلا ،ایک اچھا اور غیر جانبدارانہ ضابطہ اخلاق ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتا ہے ،کیونکہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین علم اور دور اندیشی کی کمی کی وجہ سے ہمیشہ ناقص رہیں گے اور وہ ہمیشہ کسی نہ کسی حوالے سے متعصب رہیں گے۔ یا کوئی اور دوسری چیز اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اپنے اعمال اور انتخاب کے نتائج کا سامنا کرنا ہے۔ دوسرا جز بہت اہم ہے کیونکہ جو محسوس کرتا ہے کہ وہ قانون سے بچ سکتا ہے، جیسے کہ پولیس، لالچ میں آئے گی اور قانون کو توڑنے کی ترغیب دی جائے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے خوف کی ضرورت ہے کیونکہ یہ اس شخص کو قانون شکنی اور دوسروں پر ظلم کرنے سے روکے گا، یہاں تک کہ اگر اسے یقین ہو کہ وہ حکومت سے بچ

سکتا ہے۔ جب ان دو اجزاء میں سے کوئی ایک یا دونوں ناپید ہوں گے تو یہ معاشرے کو انصاف اور امن کے حصول سے ہمیشہ روکے گا۔ آج جب کوئی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 196:

‘‘اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ’’

عام طور پر، دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کا واحد راستہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی ہے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 196:

‘‘اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ’’

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی شدت سے آگاہ ہونے کے لیے اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لوگ اکثر اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو انہیں فوراً اور اس طرح سے سزا نہیں ملتی جو ان پر ظاہر ہے۔ اس دن اور زمانے میں اللہ تعالیٰ کی

سزائیں اکثر بہت باریک ہوتی ہیں، جیسے کہ بہت سی دنیاوی چیزوں جیسے دولت اور شہرت رکھنے کے باوجود کمزور ذہنی صحت۔ لہٰذا، جاہل انسان اکثر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو جوڑنے میں ناکام رہتا ہے، جس میں ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا اور اس دنیا میں اس کی سزا بھگتنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ امیر اور مشہور لوگ اکثر ذہنی صحت کے مسائل میں ڈوب جاتے ہیں، جیسے کہ بے چینی، ڈپریشن، مادے کی زیادتی اور خودکشی کے رجحانات، حالانکہ وہ پوری دنیا کے مالک ہیں اور تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

،اسلامی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اپنے روحانی دلوں پر قابو پانے والے سکون قلب اور اپنے عذاب کے درمیان تعلق قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنی ذہنی صحت کے مسائل میں گہرائی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سزا ان سزاؤں سے بھی بدتر ہے جن کا سامنا پرانی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کرنے کے بعد مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا، کیونکہ اس قسم کی سزا باریکیوں کے مقابلے میں بہت تیز اور ایک لمحے میں پوری ہو جاتی ہے۔ جس کی شکل ایک طویل عرصے تک اذیت کا شکار ہونے کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ

تعالیٰ کے باریک عذابوں کو سمجھنے اور ان سے بچنے کے لیے اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 196:

’’اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ ‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ حج کے دوران خلوص نیت سے اس کی اطاعت کی اہمیت بیان کرتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس سے مستفید ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

" حج معروف مہینوں میں ہے، لہٰذا جس نے اس میں]احرام کی حالت میں داخل ہو کر [اپنے اوپر حج فرض کر لیا، اس کے لیے حج کے دوران نہ کوئی مباشرت ہے، نہ نافرمانی ہے اور نہ جھگڑا ہے۔"

جو شخص ان شرائط کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ حج کا مقصد پورا نہیں کرے گا اور اس لیے اس کے پچھلے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور مستقبل میں اپنی اصلاح کرنے کا امکان نہیں ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون حاصل کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج اور زیارت کے لیے جاتے وقت صحیح رویہ اختیار کریں ورنہ جب وہ اپنے مقدس سفر کے لیے روانہ ہوئے ہوں تو اس سے بھی زیادہ گناہوں میں گھر لوٹ سکتے ہیں۔ آیت 197 میں نافرمانی سے بچنے کا حکم ، اس بات کو یقینی بنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ثابت قدم رہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 197:

اور حج کے دوران کوئی نافرمانی اور جھگڑا نہیں‘‘۔’ ’

دوسروں کے ساتھ جھگڑنے کی ممانعت کا الگ سے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ایک ساتھ سفر کرنے والے رشتہ داروں کے درمیان جھگڑے اکثر ہوتے رہتے ہیں اور ایک چھوٹی سی جگہ پر اکٹھے ہونے والے لاکھوں مسلمان اکثر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل پر قابو رکھے، خاص طور پر اپنے مقدس سفر کے دوران، تاکہ ان کے اجر کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ یہ ایک مخصوص سبق ہے جس کے عمومی مضمرات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو اختلافی ذہنیت نہیں اپنانی چاہیے جس کے تحت وہ دوسروں سے مسلسل بحث کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو بجائے اس کے کہ وہ آسانی سے چلنے والی فطرت کو اپنائیں جس کے تحت وہ اپنے عقائد پر پختہ ہوں اور مذہبی یا دنیاوی دونوں معاملات میں دوسروں سے بحث و مباحثہ کیے بغیر اپنے نقطہ نظر کو احترام اور واضح انداز میں بیان کرنے میں خوش ہوں۔ اگر انسانوں کے سب سے بڑے استاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں پر حاکم کی طرح برتاؤ نہ کریں اور اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہ کریں تو ان کے بعد کسی کو بھی ایسا سلوک کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یا تو باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

تو یاد دہانی کرو، تم صرف ایک یاد دہانی ہو۔ آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔"

لہٰذا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی روایت کو اپنانا چاہیے، ان کی رائے پر زبردستی نہ کرتے ہوئے انہیں دوسروں کے سامنے واضح اور احترام کے ساتھ پیش کرنا چاہیے، خواہ وہ دوسروں کو قبول ہوں یا نہ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ جو بھی اچھا کام کرتے ہیں، جیسے کہ دوسروں کے ساتھ جھگڑے سے گریز کرنا، ہو سکتا ہے کہ دوسروں کی طرف سے اس کی تعریف نہ کی جائے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، اور اس کی طرف سے اجر ملے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ اسے جانتا ہے‘‘۔’’

یہ مسلمانوں کو ہر وقت اچھے اخلاص کو اپنانے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے کام کرتا ہے وہ اس کی طرف سے کوئی اجر حاصل نہیں کرے گا اور نہ ہی دوسروں سے کوئی حقیقی فائدہ حاصل کرے گا، جیسے کہ عزت۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کرنے والے کو دونوں جہانوں میں ہر نیکی کا بدلہ دیا جائے گا، خواہ دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہی کیوں نہ ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 197:

اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ اسے جانتا ہے‘‘۔’’

یہ بھی مخصوص کے بعد ایک عمومی بیان ہے۔ یعنی اپنے وسائل کے مطابق نیکی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نیکی کرنا ویسے بھی محدود نہیں ہے، کوئی بھی اپنے آپ کو اسلام میں نصیحت کی گئی نیکی کرنے سے عذر نہیں کر سکتا۔

چونکہ کچھ لوگ اپنے مقدس سفر یا زیارت کے لیے درکار سامان نہیں لیتے تھے اور اس کے بجائے انہیں برقرار رکھنے کے لیے دوسروں پر انحصار کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے مقدس سفر کے لیے ضروری سامان لے لیں۔ صحیح بخاری نمبر 1523 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

"...اور رزق لے لو"

اس کے علاوہ، اسلام یہ واضح کرتا ہے کہ اگر کسی کے پاس اپنے اور اپنے خاندان کو سنبھالنے کے لیے وہ سامان نہیں ہے جو اس نے گھر میں چھوڑا ہے، تو اسے حج یا زیارت پر نہیں جانا چاہیے۔

رزق لینے کا یہ حکم آزادی کو اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کسی کو سست رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے عطا کردہ وسائل جیسے کہ اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کرنے کے بجائے اپنی ضروریات کے لیے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کسی نے اپنے وسائل کو پہلے استعمال کیا ہو لیکن اس سے حتی الامکان بچنا چاہیے کیونکہ جو شخص دوسروں پر انحصار کرنے کی عادت اختیار کرے گا وہ کاہل ہو جائے گا اور وہ عزت نفس کھو دے گا۔ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے وہ گناہوں کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔ دوسروں سے آزادی بھی اللہ تعالیٰ پر اس کے بھروسے کو مضبوط کرے گی۔ اللہ تعالیٰ پر جس کا بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کریں گے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اور وہ اس بات پر بھروسہ کریں گے کہ وہ اس کا انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ تمام حالات .جبکہ لوگوں پر انحصار کرنے والا اللہ تعالیٰ پر ان کے بھروسے کو کمزور کر دے گا اور اس کے بجائے لوگوں کو خوش کرنے کے طریقے اختیار کرے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں ہمیشہ پریشانی، تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ

آزاد انسان سے محبت کرتا ہے کیونکہ یہ اس پر بھروسہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ الہی محبت ان کے تمام معاملات میں مدد کرے گی تاکہ وہ ہر حال میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ لہٰذا کسی کو چاہیے کہ وہ تمام وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش کرے جو اسے عطا کیے گئے ہیں اور صرف ایک حقیقی ضرورت کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 197:

"...اور رزق لے لو "

یہ جاننا ضروری ہے کہ حج اور زیارت کے لیے انسان کا ابتدائی مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت ہونا چاہیے اور رزق کمانا ایک ثانوی مقصد ہونا چاہیے۔ کسی کو اپنے مذہبی سفر کو ثانوی مقصد اور رزق کمانے کو اپنا بنیادی مقصد نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ رویہ ان کے لیے روحانی طور پر اتنا فائدہ مند نہیں ہو گا۔ یہ وہ ہے جو صرف حلال مال کمانے کی خواہش کے مطابق مقدس سفر کرتا ہے، جبکہ صحیح ذہنیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دینی سفر کرے اور اگر ضرورت پیش آئے تو حلال مال کمائے۔ راستہ اگر کوئی پہلے سے رزق حاصل کر سکتا ہے تاکہ انہیں ان مذہبی سفروں میں رزق کمانے کی ضرورت نہ پڑے تو یہ بہتر ہو گا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 197:

"...اور رزق لے لو "

عام طور پر، یہ چھوٹا سا بیان اسلام میں ایک اہم تصور کی وضاحت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کیسے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دنیاوی وسائل مثلاً حلال ادویات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال طریقوں سے استعمال کیا جائے اور پھر اس بات کو قبول کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی ہو، ان کے لیے انتخاب کرتا ہے، جیسے کہ بیماری سے شفا یاب ہونا، ان کے لیے بہترین ہے اور اس لیے وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اس لیے ان وسائل کو ترک کرنا شامل نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیے ہیں، جیسے کہ حلال دوا، کیونکہ اس سے وہ وسیلہ بے کار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے کار چیزیں پیدا نہیں کرتا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، ان وسائل پر مکمل بھروسہ کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کیے گئے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر چیز صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتی ہے، اور وہ ہمیشہ لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے ایسا نہ ہو۔ ان کے لئے واضح ہے .باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جو شخص اپنے وسائل پر حد سے زیادہ انحصار کرتا ہے وہ اکثر روحانی مشقوں اور کرشموں پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے جن کی جڑیں اسلامی تعلیمات میں نہیں ہیں، جس کے نتیجے میں اس کا یہ اعتماد اور یقین مزید کمزور ہو جاتا ہے کہ کائنات کے معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی کنٹرول کرتا ہے۔ جتنا کوئی اس رویہ میں گہرائی میں ڈوبتا ہے، اتنا ہی زیادہ امکان ہے کہ وہ روحانی معالج ہونے کا بہانہ کرنے والے ایسے فنکاروں کے ذریعے دھوکے میں آجائیں گے جو فیس کے عوض دنیاوی مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ روحانی مشقیں تجویز کرتے ہیں جو اکثر اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہوتی ہیں۔ یہ صرف ان کے ایمان کو خراب کرنے کا باعث بنے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ زیر بحث دو انتہائی رویوں سے بچا جا سکے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کو آسان اور آسان بنایا لیکن ان کے بعد بہت سے مسلمانوں نے اللہ پر بھروسہ کرنے مبہم اور وسیع طریقوں , The Exalted , جیسے معاملات کی بات کر کے اسلام کو پیچیدہ بنا دیا۔ سے، اگرچہ تصور بہت آسان اور سیدھا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہدایت کے دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے پر سختی سے عمل کریں :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، کیونکہ یہ اسلام کو آسان بناتے ہیں اور ہر شخص کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ .انہیں دینی علم کے دیگر ذرائع کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ وہ صرف ایک شخص کے لیے چیزوں کو پیچیدہ بنا دیں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ اس بات پر قائل کریں گے کہ وہ صرف چند منتخب لوگوں کے لیے ہے، حالانکہ اس کا دروازہ کھلا ہے۔ تمام اور آسانی سے قابل رسائی۔ اسلام کو پیچیدہ بنانا انہیں ایک درجہ بندی کا نظام تشکیل دینے کی اجازت دیتا ہے جس کے ذریعے وہ عام لوگوں کو قائل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب وہ خاص روحانی لوگوں کی خدمت کرتے اور ان کی آنکھیں بند کرکے اطاعت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ یہ روحانی لوگ عام لوگوں کے لیے اسلام کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ ان کی خدمت کرتے رہیں، انہیں تحفے پیش کرتے رہیں اور ہر وقت ان کی اندھی اطاعت کرتے رہیں، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے راضی ہیں، جنہوں نے اسلام کو کسی اور سے بہتر سمجھا۔ ، ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں سب سے بہتر رزق اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ باب 2 البقرہ، 196:

لیکن بے شک بہترین رزق اللہ کا خوف ہے‘‘۔’’

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ان کے اعمال کا جوابدہ ہونا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ سچے دل سے اس کی اطاعت کرے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ

کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں ناکام رہتا ہے وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی روحانی قلب کو کنٹرول کرتا ہے، سکون قلب کا گھر اس شخص کو ذہنی سکون نہیں ملے گا اور اس کے بجائے اس کے پاس جو دنیاوی نعمتیں ہیں، جیسے کہ شہرت اور دولت، تناؤ، مصائب کا باعث بن جائے گی۔ اور دونوں جہانوں میں ان کے لیے افسردگی، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

کسی کو صرف دو نتائج کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل کا استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف امیروں اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ان نعمتوں کا کس طرح غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ کس طرح دکھی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ جو لوگ عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، خواہ ان کے پاس دنیاوی چیزیں ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن صرف وہی لوگ جو اپنی عقل کا استعمال کریں گے اس حقیقت کو سمجھیں گے اور اپنے لیے صحیح راستے کا انتخاب کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

‘‘اور مجھ سے ڈرو اے عقل والے۔’’

اسلام ہمیشہ دنیاوی معاملات سے نمٹنے کے درمیان ایک کامل توازن رکھتا ہے، جیسے کہ حلال مال کمانا، اور آخرت کے لیے عملی طور پر تیاری کرنا۔ درحقیقت جب کوئی دنیاوی کام کرتا ہے، جیسے کہ حلال مال کمانا اور صحیح طریقے سے استعمال کرنا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق، تو ان کا شمار نیک اعمال میں ہوتا ہے جو اسے آخرت کے لیے آخری فیصلے کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 198:

"...تم پر اپنے رب سے فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے"

یہ مقدس زیارت اور زیارت کے لیے انتظامات لینے کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، کیونکہ اکثر ایسے طویل اور مشکل سفر کے دوران زیادہ دولت کمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

‘‘...اور رزق لے لو’’

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگرچہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سفر میں ہے اور قیامت کے دن اس کی آخری جوابدہی ہے، لیکن اسے اس دنیا میں اپنے تقاضوں اور ذمہ داریوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ باب 84 الانشقاق، آیت 6:

‘‘اے لوگو، تم یقیناً اپنے رب کے لیے بہت محنت کر رہے ہو اور اس سے ملاقات کرو گے۔’’

جو شخص مادی دنیا کو مکمل طور پر ترک کر دیتا ہے، اس کے لیے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جیسے کہ اپنے کفیلوں کو مہیا کرنا، اور اس کے نتیجے میں ان کا یہ رویہ آخرت کی طرف ان کی ترقی میں رکاوٹ بنے گا۔ جبکہ جو شخص اپنی تمام تر کوششوں کو مکمل طور پر صرف کر دیتا ہے اور اپنے تمام وسائل کو دنیاوی چیزوں کے لیے وقف کر دیتا ہے، خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، وہ قیامت کے دن اپنے احتساب کی تیاری کرنے میں ناکام رہے گا۔ یہ رویہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں

دونوں جہانوں میں مشکلات، تناؤ اور مسائل پیدا ہوتے ہیں، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

متوازن نقطہ نظر، جیسا کہ اسلام نے سکھایا ہے، یہ ہے کہ جب کوئی شخص ان دنیوی وسائل کو استعمال کرے جو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عطا کیے گئے ہیں، تاکہ وہ حقوق کی تکمیل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا، لوگوں کے حقوق اور ان کے اپنے حقوق۔ یہ متوازن نقطہ نظر اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے آخری احتساب کے لیے بھی مناسب تیاری کریں گے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 198:

"...تم پر اپنے رب سے فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے"

یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ ہر ایک دنیاوی چیز جو وہ حاصل کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے، حتیٰ کہ دولت کے حصول کے لیے جو توانائی اور محنت درکار ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو یاد رکھنے سے انسان کو حوصلہ ملے گا کہ وہ ان دنیاوی چیزوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ جو شخص اس بات کو یاد نہیں رکھتا وہ اپنے پاس موجود دنیاوی نعمتوں کو اپنی ملکیت سمجھے گا اور اس لیے وہ ان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، یہ ایک ایسا جال ہے جو انسان کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، مصائب اور مشکلات کا باعث بنتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ مذہبی رسومات کو خالی طریقے سے ادا نہ کریں جس کے ذریعے وہ جسمانی اعمال انجام دیتے ہیں لیکن اس رسم کے جوہر اور مقصد کو پورا نہیں کرتے، جس کا مقصد انہیں اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ ان کی روزمرہ کی سرگرمیوں کے دوران اعلیٰ۔ باب 2 البقرہ، آیت 198:

''لیکن جب تم عرفات سے نکلو تو مشعر الحرام میں اللہ کو یاد کرو۔''

،اگرچہ حاجی عرفات میں صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے ہوتا ہے پھر بھی انہیں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو مذہبی رسومات، جیسے فرض نماز، کو بے جان کاموں کے طور پر نہیں لینا چاہیے جن کا ان کے روزمرہ کی سرگرمیوں پر کوئی اثر یا اثر نہیں ہوتا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے اس نے مذہبی رسومات کا مقصد پورا نہیں کیا، خواہ وہ ان سب کو عملی طور پر انجام دیں۔ ہر مذہبی رسوم، جیسا کہ مقدس زیارت، کا مقصد اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دینا اور انہیں اپنے دن بھر اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی رضامندی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات کو دن میں ایک خاص مقدار میں پڑھنے سے بہت آگے ہے۔ اس کے بعد آیت کے اگلے حصے میں ایک اور اہم اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 198:

اور اُسے یاد کرو، جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت کی ہے“۔”

اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے جو کہ ہدایت کے دو منابع کی تعلیمات کے مطابق ہے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع سے بچنا چاہیے، خواہ وہ نیک اعمال کی طرف لے جائیں، جیسا کہ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو منابع ہدایت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ .غور طلب بات یہ ہے کہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے اور اسلام کی ظہور کے درمیان حج کیا کرتے تھے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معمولات بگڑ گئے تھے اور ان میں شرک داخل ہو چکا تھا۔ یہ لوگ یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر یاد کر رہے ہیں اور اس کی عبادت کر رہے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والی باتوں پر سختی سے عمل نہیں کیا اور بجائے خود اپنی رسمیں گھڑ لیں، وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے۔ اور نتیجتاً گمراہ ہو گیا۔ آیت کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 198:

’’اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہاری رہنمائی کی ہے، کیونکہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔‘‘

آیت کے اس حصے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ یہ شکر ان کی نیت میں ظاہر ہونا چاہیے، تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کریں۔ اس کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ جب کوئی لوگوں سے کسی قسم کے شکرگزار یا معاوضے کی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی امید رکھتا ہے۔ لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ زبان سے شکر ادا کرنے میں یہ شامل ہے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور اپنے اعمال کے ساتھ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح شکر ادا کرنے والا دونوں جہانوں میں زیادہ اجر، برکت اور ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

’’اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا…‘‘

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ناکام رہے گا وہ گمراہ رہے گا کیونکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات پیدا ہوں گی، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے روحانی قلب، ذہنی سکون کے گھر سمیت ان کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایک خاص مثال کے ساتھ اسلام میں مساوات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 199:

"...پھر اس جگہ سے چلے جاؤ جہاں سے [سب لوگ] جاتے ہیں"

مکہ کے باشندے اپنے آپ کو سب سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور اسی لیے انہوں نے مختلف طریقے سے حج کی ادائیگی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہ کن رویہ کو درست کیا اور بنی نوع انسان کو یاد دلایا کہ اسلام کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں۔ واحد معیار جو ایک شخص کو دوسرے سے بہتر بناتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کتنے صالح ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

ایک شخص جتنا زیادہ ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ صالح ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کی نیت پوشیدہ ہے وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ لوگ ان کے جسمانی اعمال کی بنیاد پر دوسروں سے بہتر ہیں۔ اس سے وہ تمام دنیاوی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں جو لوگوں کی طرف سے کھڑی کی گئی ہیں جو برتری کا تعین کرتی ہیں، جیسے کہ دولت، شہرت، نسل، خون کی لکیر اور جنس۔ وہ مسلمان جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ برتری کسی اور چیز میں مضمر ہے اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے ایمان کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 199:

پھر اس جگہ سے چلے جاؤ جہاں سے لوگ نکلتے ہیں اور اللہ سے استغفار کرتے ہیں‘‘۔’’

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی یکساں طور پر اشد ضرورت ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، ان کے پاس کتنے ہی دنیوی مال ہوں یا وہ کتنے ہی مذہبی عقیدہ رکھتے ہوں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود ایک حدیث میں بھی اعلان فرمایا ہے کہ کوئی بھی شخص، یہاں تک کہ خود بھی، صرف اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوگا ۔ اس کے بجائے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو انہیں جنت میں داخل کرے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے رحمت الٰہی کی ضرورت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے الہام، صلاحیت، موقع اور علم اسی کی طرف سے آتا ہے۔ اس لیے کسی کو اپنے اچھے اعمال یا کسی دنیاوی حیثیت پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں بخشش اور رحمت کی ضمانت ہے۔ اس کے بجائے، انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کو مسلسل تلاش کرنا چاہیے، ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرے۔ جیسا کہ کوئی بھی کامل نہیں ہے .مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت ملے گی جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی حاصل ہوگی۔

باب 2 البقرہ، آیت 199:

"...پھر اس جگہ سے چلے جاؤ جہاں سے]سب [لوگ جاتے ہیں"

اس سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بات سب پر واضح ہے کہ امت مسلمہ کے وقت کے ساتھ کمزور ہونے کی ایک بڑی وجہ اتحاد کا فقدان ہے۔ اگر مسلمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وہی اتحاد چاہتے ہیں جس نے انہیں تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دی تھی تو انہیں ان کے طرز عمل کی پیروی کرنی چاہیے۔ انہوں نے اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اپنی زندگیوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے گرد ،ڈھال لیا۔ اس کے علاوہ، مسلمانوں کو مذہبی شخصیات کی اندھی تقلید کرنے میں محتاط رہنا چاہیے کیونکہ ان میں سے کچھ کا مقصد مسلم کمیونٹی کے اندر پھوٹ ڈالنا ہے تاکہ وہ قیادت حاصل کر سکیں۔ مسلمانوں کو بجائے اس کے کہ وہ مذہبی شخصیات کی حمایت کریں جو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی واضح انداز میں تبلیغ کریں اور مذہبی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کریں، جو صرف مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔ برادری عام طور پر، مسلمانوں کے درمیان اتحاد اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے جب کوئی صرف ان چیزوں میں دوسروں کی حمایت :کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

،افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان ان کے ساتھ تعلقات کی بنیاد پر دوسروں کی حمایت کرتے ہیں چاہے وہ ایسے کام کر رہے ہوں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والی چیزوں میں دوسروں کی حمایت کرنے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کا منتظمین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب مسلمان دوسرے مسلمانوں کی صرف اسی چیز میں مدد کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ راضی ہو، تو یہ ان کے درمیان ایمان کا رشتہ مضبوط کرے گا، جس کے نتیجے میں ان کے اتحاد کو تقویت ملے گی۔

:باب 2 البقرہ، آیت 199

‘‘اور اللہ سے معافی مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔’’

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب بخشنے والا ہے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ اس کی بخشش حاصل کریں۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

واضح کرنے کے لیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو، جیسے کہ ان کے زیر کفالت افراد، کو دوسروں کی طرف سے مزید نقصان پہنچنے سے بچانے کے لیے قدم اٹھانا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ کے لیے ظالم کو معاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاریخ کو اپنے آپ کو دہرانے سے روکنے کے لیے اقدامات کیے بغیر دوسروں کو معاف کرنا اسلام کی وکالت نہیں کرتا۔

اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام مخلوقات پر رحم کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس کی رحمت حاصل کریں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ دوسروں پر رحم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت یہ ایک سچے مومن کا رویہ ہے۔ اس میں دوسروں کی ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنا شامل ہے، جیسے مالی، جسمانی اور جذباتی مدد۔

جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اسلام مسلمانوں کو مذہبی رسومات کے جسمانی اعمال کو خالی طریقے سے انجام دینے سے گریز کرنے کی تعلیم دیتا ہے جس کی وجہ سے رسومات کی تکمیل کے بعد وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 200:

''اور جب تم اپنے عبادات پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو۔''

مذہبی رسومات کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی عام روزمرہ کی سرگرمیوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت جاری رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس یاد میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ مذہبی رسومات میں شامل جسمانی اعمال کو پورا کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان جو فرض مذہبی رسومات کو پورا کرتے ہیں، جیسے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں، پھر بھی ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے فرض کے درمیان اللہ تعالیٰ کی اطاعت جاری رکھنے کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔
دعائیں

اللہ تعالیٰ پھر ایک مخصوص کے ساتھ عام سبق سکھاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 200:

''اور جب تم اپنے عبادات پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے یا اس سے زیادہ ذکر کرتے تھے''۔

عربوں کی عادت تھی کہ وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد اپنے قبیلوں اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 567 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے کہ وہ اس احمقانہ رویہ سے بچیں کیونکہ اسلام کی نظر میں لوگوں کی تعریف اس دنیاوی معیار کے مطابق نہیں ہے جس پر وہ فخر کرتے ہیں، جیسے دولت رکھنے والا .اس کے علاوہ، یہ دونوں جہانوں میں نجات حاصل کرنے کے لیے دوسروں، جیسے اپنے رشتہ داروں کے اچھے کاموں پر بھروسہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال کا حساب دیا جائے گا اور اس کا رشتہ دار خواہ وہ کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو، اسے ان کے احتساب سے نہیں بچائے گا۔ باب 31 لقمان، آیت 33:

’’اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔‘‘

اور باب 53 عن نجم آیت 39:

‘‘اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔’’

گو کہ قیامت کے دن شفاعت ایک حقیقت ہے، لیکن یہ اس وقت لوگوں کی مدد کرے گی جب وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کریں گے۔ قرآن پاک میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 40 غافر، آیت 8:

"اے ہمارے رب، اور ان کو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء و اجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں..."

اگر کوئی ایسا سست رویہ اختیار کرتا ہے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نظر انداز کرتا ہے اور پھر قیامت کے دن کسی اور سے ان کو بچانے کی توقع رکھتا ہے تو وہ مایوس ہوں گے، کیونکہ یہ رویہ شفاعت کے تصور کا مذاق اڑاتی ہے اور اس لیے انتہائی بے عزتی ہے۔

لہٰذا کسی کو سست روی اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کے لیے دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اسے خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا، حالانکہ ان کے ساتھ وہ بہترین شخص تھا جس سے وہ امید رکھتے تھے کہ وہ قیامت کے دن ان کی شفاعت کرے گا، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب 2 البقرہ، آیت 200:

”اور جب تم اپنے عبادات پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے یا اس سے زیادہ ذکر کرتے تھے“۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسلام کے ایک اور اہم پہلو پر بحث کرتا ہے، یعنی جب مسلمان کوئی مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں، جیسے کہ فرض نماز۔ باب 2 البقرہ، آیت 200:

”اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں عطا فرما“۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو مذہبی رسومات ادا کرنے کی عادت ہے، خاص طور پر، دوسرے لوگوں کی طرف سے نصیحت کی جانے والی روحانی مشقیں جن کی نصیحت قرآن کریم یا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دی، تاکہ مادی دنیا سے کوئی تعلق حاصل کیا جا سکے۔ جیسا کہ شریک حیات، بچہ یا ویزا۔ حالانکہ اسلام میں دنیاوی چیزیں مانگنے کی ممانعت نہیں ہے پھر بھی جب کسی کا مذہبی عبادات کی نیت صرف اور صرف دنیاوی فائدے پر مبنی ہو یا اسے دینی نعمتوں جیسے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے پر ترجیح دی جائے تو یہ اس کے لیے نقصان کا باعث بنے گا۔ دونوں جہانوں میں، خاص طور پر آخرت میں، کیونکہ انہوں نے اپنی نیت میں آخرت کو ترجیح نہیں دی۔ باب 2 البقرہ، آیت 200:

"اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔"

اس کے علاوہ، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے، جب کوئی دنیاوی چیزیں مانگتا ہے، تو وہ یہ جانے بغیر کرتے ہیں کہ آیا یہ ان کے لیے اچھا ہے، کیونکہ ان کے پاس اس بات کا تعین کرنے کے لیے علم اور دور اندیشی کی کمی ہے۔ اس لیے جو چیز وہ مانگ رہے ہیں وہ ان کے لیے دنیا میں بھی نقصان دہ ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی مشکلات کا باعث بن سکتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کریں اور مستقبل کے حوالے سے اپنی جہالت اور دور اندیشی کی کمی کو قبول کریں بجائے اس کے کہ وہ جانتے ہوں کہ ان کے لیے کیا بہتر ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 200:

’’اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔‘‘

اس کے علاوہ اسلام کے بارے میں دنیاوی رویہ اختیار کرنا بھی ناپسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے کے لیے مذہبی رسومات ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ تھا۔ انسان کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے اس پر راضی رہنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، خواہ یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو، اور اس بات پر ثابت قدم رہے کہ اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا جائے، جیسا کہ مقدس میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ یہ اکیلے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے اور اس لیے ان کے نتائج سے بے خبر رہتے ہوئے مخصوص دنیاوی چیزوں کا مطالبہ کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اور باب 2 البقرہ، آیت 201:

’’لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا‘‘۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان کسی طبی ڈاکٹر سے ایسی دوائیں کیسے لے سکتا ہے جو اس نے خاص طور پر نہیں مانگی تھی جب کہ اپنے ڈاکٹر پر بھروسہ کرتے ہوئے انہیں وہ چیز عطا کی ہے جو ان کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے بہترین ہے، پھر بھی وہ اللہ پر اس درجے کا بھروسہ نہیں رکھتے۔ جب وہ اس سے مخصوص چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے انتخاب اور فیصلوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے ان کے لیے کیا بہتر ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان کے علم اور دور اندیشی کی کمی کو قبول کرے اور دنیا اور آخرت میں عمومی اچھی چیزیں مانگے اور اللہ تعالیٰ پر خصوصیت چھوڑ دے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر شخص کے لیے کیا بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت 201 میں بیان کردہ خیر عام ہے نہ کہ مخصوص۔ آیت 201 میں ذکر کردہ نیکی ہر وہ چیز ہے جسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہی دونوں جہانوں میں بھلائی کا باعث ہے۔ کوئی بھی چیز جس کا غلط یا گناہ کے طریقے سے غلط استعمال کیا جائے وہ انسان کے لیے کبھی بھی اچھا نہیں ہو گا اور یہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے صرف تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنے گا، چاہے وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ ہی کیوں نہ کرے۔ ان کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول ان کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

’’اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:اور باب 20 طہ، آیات 124-126

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

:باب 2 البقرہ، آیت 201

’’لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا‘‘۔

جہنم کی آگ سے حفاظت اس قدر ضروری ہے کہ اس کا الگ سے ذکر کیا گیا ہے حالانکہ یہ آخرت کی بھلائی مانگنے کا ایک حصہ ہے۔ درحقیقت اس کے لیے آخرت میں کوئی بھلائی نہیں جو جہنم کی آگ سے محفوظ نہ رہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اس صحیح رہنمائی والی دعا میں دو مرتبہ آخرت کا ذکر ہوا ہے اور ایک بار مادی دنیا کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو دنیاوی چیزوں کو حاصل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے سے زیادہ آخرت کی فکر کرنی چاہیے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ .لہٰذا، انہیں اپنے روزمرہ کے کاموں میں آخرت میں ذہنی سکون حاصل کرنے کو دنیاوی چیزوں کے حصول اور اس سے لطف اندوز ہونے پر ترجیح دینی چاہیے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ یہ دنیا ہمیشہ نامکمل، عارضی اور عارضی رہے گی جبکہ آخرت

ہمیشہ دائمی اور کامل ہوگی۔ اس لیے کسی کو نامکمل دنیاوی سے لطف اندوز ہونے کے بجائے کامل ابدی ٹھکانے کی تیاری کو ترجیح دینی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور جب تم اپنے عبادات پورے کر لو تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر" کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اس دعا کو اطاعت کے عمل کے ساتھ ملایا گیا ہے، یعنی حج مقدس کرنا۔ اسی طرح قرآن پاک میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت روایات میں ہر دعا کا تعلق اطاعت سے ہے۔ اس کے علاوہ، قرآن پاک میں ہر دعا کسی ایسے شخص کے ذریعہ کی گئی تھی جو اطاعت کے اعمال کے لئے وقف تھا۔ اُنہوں نے زندگی بھر کوشش کی کہ وہ جو نعمتیں اُنہیں عطا کی گئی ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کریں۔ یہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ دعائیں صحیح معنوں میں تب ہی موثر ہوتی ہیں جب انہیں اطاعت کے اعمال کے ساتھ ملایا جائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے سست رویہ اپنایا ہے جس کے تحت وہ دعائیں کرنے میں تو اچھے ہیں لیکن عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے لیے کم سے کم توانائی، وقت اور دولت جیسے کسی دوسرے وسائل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے یہ بات واضح ہے کہ دعاؤں کا مقصد اطاعت کے عمل سے مدد لینا ہے تاکہ وہ موثر ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا ہر قدم واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے کس طرح جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی تھیں۔ صحیح طریقے سے انہوں نے کبھی بھی صرف راحت یا فتح کی دعا ہی نہیں کی جبکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرنے سے انکار کیا۔ جامع ترمذی نمبر 3499 میں موجود حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دن کے اندر دو خاص اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کا مثبت جواب دیا جاتا ہے، دونوں کا تعلق اطاعت سے ہے۔ پہلا وقت براہ راست فرض نمازوں

کے بعد ہے اور دوسرا رات کے آخری حصے میں ہے جب کہ رات کی نماز نفلی ادا کرنی چاہیے۔ مزید برآں، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ دعاؤں کو مکمل اور موثر ہونے کے لیے اطاعت کے عمل سے مدد کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 10:

‘‘...اس کی طرف اچھی بات چڑھتی ہے، اور عمل صالح اسے بلند کرتا ہے’’

یہ سمجھنے میں ناکامی کہ دعاؤں کی تائید اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے جسمانی اعمال سے ہونی چاہیے، مسلمانوں کی حالت مثبت انداز میں نہ بدلنے کی ایک بڑی وجہ ہے، جیسا کہ پیدا کرنے کے لیے اپنی نیت، گفتار اور اعمال کو بدلنا ہوگا۔ ان کی زندگی میں مثبت تبدیلی۔ باب 13 الرعد، آیت 11:

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں‘‘۔’’

اس کے علاوہ، اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ان کے پاس موجود وسائل جیسے ان کی توانائی کو استعمال کرنا چاہیے اور وہ صرف دعاؤں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ ازدواجی مسائل کا سامنا کر رہا ہے، اسے مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات کرنے چاہئیں اور اسے اللہ تعالیٰ سے مدد کے لیے دعاؤں کے ساتھ جوڑنا چاہیے۔ وہ ان مسائل کے حل کے لیے عملی طور پر قدم اٹھانے سے گریز کر کے سست روی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے جن کا انہیں سامنا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی دعاؤں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہ غیر فعال اور غلط رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

ان دونوں دعاؤں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے وہ یا تو پوری طرح دنیاوی چیزوں میں مگن ہو کر آخرت سے غافل ہو کر اس کی تیاری کرے۔ نہ ہی ان کا مقصد مادی دنیا کو آخرت کے حق میں چھوڑنا ہے۔ اس کے بجائے، وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو حلال طریقے سے ادا کرنے کے لیے ضروری چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور پھر ان کو فراہم کی گئی دنیاوی چیزوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ متوازن طریقہ ہے جو اسلام نے سکھایا ہے۔ باب 5 المائدة، آیات 15-16:

"تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

زیر بحث آیات میں تین راستے واضح کر دیے گئے ہیں۔ دو انتہائی راستے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی کمی کا باعث بنتے ہیں اور واحد صحیح۔ اب یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ کس راستے پر چلنا چاہتے ہیں، کیونکہ ہر شخص کو دونوں جہانوں میں اپنے انتخاب اور اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 202:

‘‘ان لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔’’

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ایک بار جب وہ آخرت میں پہنچ جائیں گے تو ان کے لیے اپنا رویہ اور رویہ درست کرنے کا کوئی دوسرا موقع نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اس دنیا میں صحیح راستہ اختیار کرنے میں ناکام رہا تو وہ دنیا میں تنگدستی کی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں خالی ہاتھ اور پشیمانیوں سے بھرے رہیں گے۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24:

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے گا، کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 202:

‘‘ان لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر عمل کرنے کی بھی یاد دلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر ایمان کا زبانی اعلان اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اور آیا یہ اعمال ایمان سے مربوط تھے یا نہیں۔ اچھے اعمال جو ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرتے ہیں وہ کرنسی ہیں جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور باب 7 الاعراف، آیت 43:

’’اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔‘‘

ایمان ایک پھل کے پودے کی مانند ہے جو صرف اس وقت پھل دیتا ہے جب اسے سورج کی روشنی ملتی ہے۔ اگر پودا غذائیت حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ پھل نہیں دے گا جو اسے مفید بناتا ہے۔ اسی طرح اعمال انسان کے ایمان کا ثمر ہیں اور ان کے بغیر انسان کے ایمان کی اسلام میں بہت کم اہمیت ہے۔ لہٰذا، کسی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام میں داخلی ایمان شامل ہے جس کی تائید اطاعت کے جسمانی اعمال سے ہوتی ہے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اچھے اعمال کے بغیر ایمان یا ایمان کے بغیر اچھا عمل اسلام نہیں ہے، خواہ جاہل لوگ کچھ بھی دعویٰ کریں۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

"اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 202:

’’ان لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ ہر شخص اپنی کوششوں کے مطابق دونوں جہانوں میں رحمت اور ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص سست روی اختیار کرنے کا فیصلہ کرے تو اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی کم سے کم نعمتیں اور رحمتیں حاصل ہوں گی۔ لیکن جو لوگ اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں، انہیں دونوں جہانوں میں بے حساب مدد، عنایات اور رحمتیں حاصل ہوں گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید کے خواہاں ہیں، لیکن اس کی اطاعت میں بھرپور کوشش کرتے ہوئے وہ حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی کوششوں کے مطابق دونوں جہانوں میں بھلائی حاصل کرے گا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کم سے کم کوشش کرتے ہیں تو انھیں اس سے زیادہ واپسی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ باب 47 محمد، آیت 7:

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ان کی روحانی تربیت کی اہمیت کے بارے میں دوبارہ یاد دلاتا ہے جو مذہبی رسومات کی شکل میں ہوتی ہے، جیسے کہ فرض نماز، تاکہ وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں صحیح ذہنیت کو اپنا سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 203:

‘‘اور اللہ کو گنتی کے دنوں میں یاد کرو۔’’

جب کوئی مذہبی رسومات کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے تو وہ اپنے دن اور راتوں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنے کے لیے درکار روحانی تربیت حاصل کر لیتا ہے، خواہ وہ مذہبی رسومات ادا نہ کر رہا ہو۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خاص مثال کے ذریعے ایک اہم اسلامی اصول بیان کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 203:

پھر جس نے دو دن میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جس نے [تیسرے تک]تاخیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں - جو اللہ سے ڈرتا ہے...

خاص طور پر، اس آیت میں حج کے دوران کسی خاص جگہ پر ایک اضافی دن ٹھہرنے کا ذکر ہے۔ لیکن عام طور پر یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، جس کا جوہر اس کی خوشنودی کے لیے نیک نیت کا حامل ہے، اسلام میں کم سے کم ذمہ داریوں کے پورا ہونے کے بعد مطلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سی رضاکارانہ عبادات کی بجائے مذہبی رسومات ادا کرنے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کم سے کم ذمہ داریوں اور قائم کردہ روایات پر عمل کرنا بالکل قابل قبول ہے، جب تک کہ مسلمان کے پاس یہ حق موجود ہے۔ صحیح نیت، قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عبادات کو انجام دینا، اور اپنے باقی روزمرہ کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام رضاکارانہ مذہبی عبادات میں اپنے آپ پر بوجھ ڈالنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کم سے کم واجبات کو پورا کرنے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے بارے میں ہے جو اس کی

خوشنودی کے لیے اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا ہے، خواہ وہ کم سے کم مذہبی رسومات ادا کرے۔

اس کے بعد ایک مسلمان کو یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے نیک نیت رکھیں اور اس کی جسمانی اطاعت کے ساتھ ساتھ دیں کیونکہ وہ ان کے تمام ارادوں اور اعمال کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 203:

‘‘اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔’’

جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کے خوف کو تھامے رکھے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل کریں گے اور اپنے آخری انجام کے لیے مناسب تیاری کریں گے۔ آخرت میں فیصلہ .باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 203:

‘‘اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔’’

آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا جو حکم آیاتِ مقدسہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے معمول کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت جاری رکھنے کی اہمیت اور منفی خصوصیات اور افعال سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حج کے دوران حاصل ہونے والے ثواب کو ضائع کر دیں۔ ایک شخص کو آخرت میں ان نیک اعمال کے مطابق اجر ملے گا جو وہ قیامت تک لے جائیں گے، نہ کہ ان اچھے اعمال کے مطابق جو اس نے اپنی زندگی کے دوران انجام دیے، کیونکہ کوئی شخص منفی خصوصیات کو اپنا کر نیکی کے اجر کو آسانی سے برباد کر سکتا ہے، جیسے کہ تکبر، یا گناہوں کے ذریعے ثواب کو ختم کر دیں۔ باب 6 الانعام، آیت 160:

"...جو شخص]قیامت کے دن [نیک عمل لے کر آئے گا"

ان چیزوں سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے جو ان کے کیے ہوئے نیک اعمال کے اجر کو ختم کر دیں۔ اس لیے اپنے دن کا کچھ وقت قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 203:

‘‘اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔’’

جیسا کہ آیت کا یہ حصہ لوگوں کو یہ جاننے کا حکم دیتا ہے کہ وہ ان کے تمام اعمال کے لیے جوابدہ ہوں گے، یہ یقین کے حصول کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یقینی ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، جو اسلام کے واضح دلائل، اللہ کی وحدانیت، برگزیدہ، اور قیامت کی ناگزیریت پر بحث کرتی ہے۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے آخرت میں اپنے آخری فیصلے کے لیے تیار ہوں گے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اسے خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ، بلندی اور یوم آخرت پر ایمان کتنا پختہ ہے۔ جس کا ایمان جتنا کمزور ہو گا، اتنا ہی کم وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اپنے ایمان کو مستحکم کرنے کے لیے اس طریقے سے مسلسل اندازہ لگانا چاہیے تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

"تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ پر کمزور ایمان رکھنے والا اور قیامت کے دن ان کے احتساب پر کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا، جیسے کہ روزانہ کی پانچ نمازیں ادا کرنا، لیکن وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں اس کی اطاعت کے لیے جدوجہد کریں گے۔ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ وہ اکثر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنے میں ناکام رہیں گے۔ یہ رویہ دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنے گا، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو سے نہیں بچ سکتے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔‘‘

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 204-206

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُعۡجِبُكَ قَوۡلُهُۥ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلۡبِهِۦ وَهُوَ أَلَدُّ
ٱلۡخِصَامِ ٢٠٤

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي ٱلۡأَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيهَا وَيُهۡلِكَ ٱلۡحَرۡثَ وَٱلنَّسۡلَۚ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ
ٱلۡفَسَادَ ٢٠٥

وَإِذَا قِيلَ لَهُ ٱتَّقِ ٱللَّهَ أَخَذَتۡهُ ٱلۡعِزَّةُ بِٱلۡإِثۡمِۚ فَحَسۡبُهُۥ جَهَنَّمُۖ وَلَبِئۡسَ ٱلۡمِهَادُ ٢٠٦

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں اچھی لگے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہے، لیکن وہ سب سے سخت مخالف ہے۔

اور جب وہ چلا جاتا ہے تو پوری زمین میں فساد پھیلانے اور فصلوں اور جانوروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہ پر غرور اسے پکڑ لیتا ہے۔ اس کے لیے جہنم کی آگ ہی کافی ہے اور وہ ٹھکانہ کیسا برا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اس دو چہروں والے مصنوعی شخص پر تنقید کرتا ہے جس کا مقصد صرف دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں کو خوش کرنا ہے جیسے کہ دولت، تحفے اور قیادت۔ دو چہروں والا شخص ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جن سے وہ بات کر رہا ہے اپنی بات اور عمل کو بدل دے گا۔ یہ رویہ ہمیشہ دوسروں کے گناہوں کی طرف لے جاتا ہے، جیسے جھوٹ بولنا۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کی دنیا میں دو زبانیں ہوں گی اس کے لیے آخرت میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ اس کے علاوہ، یہ صرف وقت کی بات ہے کہ دو چہروں والے انسان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ظاہر کر دے اور پھر وہ ہر اس شخص کے لیے حقیر ہو جائے گا جس کا مقصد اپنے رویے سے خوش ہونا ہے۔ اس کے علاوہ یہ شخص دنیاوی چیزوں کو سنوارنے جیسے کہ مال کمانے میں بھی بہت اچھا ہے اور وہ اپنی تمام تر کوششیں سیکھنے، بولنے اور دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے وقف کردیتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ صرف فائدہ حاصل ہو۔ خود اور دوسروں کو فائدہ نہ پہنچانا۔ باب 2 البقرہ، آیت 204:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں خوش کردے‘‘۔ ’’

اگرچہ دوسروں کے ساتھ مفید دنیوی معاملات پر بحث کرنا جائز ہے پھر بھی یہ کسی شخص کا اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کا واحد مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرے گا یا ایسے شخص کا ساتھ دے گا وہ صرف مادی دنیا کے لیے سوچے گا، فکر کرے گا اور کوشش کرے گا اور وہ آخرت کی طرف بہت کم توجہ دے گا اور عملی طور پر اس کی تیاری کرے گا، کیونکہ ان کا دنیاوی رویہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا۔ عطا کیے گئے ہیں .یہ وہ شخص ہے جس کی زندگی کا آخری مقصد دنیاوی چیزوں کا حصول ہے، جیسے کہ مال اور جائیداد۔ جبکہ راہ راست پر آنے والا آخرت کا ارادہ رکھتا ہے اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتا ہے۔ صرف یہی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے، کیونکہ آخرت کی تیاری انسان کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دے گی جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ باب قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم النحل، آیت 97 16:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

باب 2 البقرہ، آیت 204:

’’اور لوگوں میں سے وہ ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں خوش کردے‘‘۔

یہ اس شخص کی بھی وضاحت کرتا ہے جو مفید دنیاوی چیزوں کے بارے میں بات کرنے میں اچھا ہے لیکن اعمال کے ساتھ اپنے الفاظ کی حمایت کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جس طرح بغیر عمل کے الفاظ کی اسلام میں بہت کم اہمیت ہے، اسی طرح دنیاوی معاملات میں بھی ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ جو شخص بات کرتا ہے لیکن عمل سے اس کی حمایت کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ نہ دنیاوی کامیابی حاصل کر سکے گا اور نہ ہی اس کے حصول میں دوسروں کی مدد کرے گا۔ یہ بالکل ایسے طالب علم کی طرح ہے جو اپنے امتحانات کے لیے مطالعہ کرنے کی بات کرتا ہے لیکن حقیقت میں مطالعہ کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس لیے ناکام ہو جاتا ہے۔ اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے کچھ اچھا نہیں ہوتا اور دوسروں کی عزت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 204:

’’اور لوگوں میں سے وہ ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں خوش کردے‘‘۔

یہ اس شخص کی بھی وضاحت کرتا ہے جس کا علم صرف دنیاوی علم پر مشتمل ہے اور وہ اسلامی علم سے بالکل ناواقف ہے۔ اگرچہ مفید دنیوی علم سیکھنا قابل تعریف ہے، لیکن ہر مسلمان کو اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ صرف یہی سکھا سکتا ہے کہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا طریقہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

دنیاوی علم خواہ کتنا ہی حاصل کر لے، کبھی بھی کسی کو یہ نہیں سکھا سکتا کہ اسے دی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا ہے۔ نتیجے کے طور پر، یہ شخص لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں، کیونکہ اس کے پاس اسلامی معلومات کی کمی ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، خواہ وہ دنیاوی کامیابی حاصل کر لیں، کیونکہ وہ اپنے روحانی قلب، ذہنی سکون کے گھر پر اللہ تعالیٰ کے کنٹرول سے نہیں بچ سکتے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس لیے اسلامی علم کو سیکھ کر اس پر عمل کرتے ہوئے اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔

دو چہروں والے مصنوعی انسان کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ اکثر قسمیں کھاتے ہیں اور وعدے کرتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے کتنے مخلص ہیں اور اپنے عمل میں اس کا ثبوت نہیں دیتے۔ باب البقرہ، آیت 204 2:

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں خوش کر دے اور وہ" اللہ کو گواہ بنائے کہ اس کے دل میں کیا ہے"۔

ایک سچا مخلص انسان صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے دوسروں پر اپنا اخلاص ثابت کرتا ہے۔ جو اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ دوسروں کے لیے اور لوگوں کو قائل کرنے کے لیے اخلاص کا مالک نہیں ہوتا ورنہ وہ اکثر قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ کتنے مخلص اور ایماندار ہیں۔ اس لیے اس رویے سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے اپنے اخلاص کا ثبوت دینا چاہیے۔ انہیں ایسے لوگوں کی صحبت سے بھی بچنا چاہیے جو اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں، جنہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر وعدے کرنے کی عادت ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو ان کے خلوص اور ایمانداری کا یقین دلایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دیانتدار شخص کو دوسروں کو اپنے خلوص اور سچائی پر قائل کرنے کے لیے وعدے کرنے یا قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب 2 البقرہ، آیت 204:

’’اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ جس کی بات دنیا کی زندگی میں تمہیں خوش کر دے اور وہ اللہ کو گواہ بنائے کہ اس کے دل میں کیا ہے‘‘۔

یہ اس شخص کی بھی وضاحت کرتا ہے جو منفی خصوصیات کو اپناتا ہے لیکن یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کا روحانی دل پاک ہے۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے کیونکہ کسی شخص کے قول و فعل سے وہ ظاہر ہوتا ہے جو اس کے روحانی دل میں ہے۔ اگر کسی شخص کا روحانی دل منفی خصوصیات مثلاً غرور، حسد اور لالچ سے خراب ہو جائے تو یہ بات اس کے قول و فعل میں ظاہر ہو گی، خواہ یہ نمائش لطیف ہو۔ جبکہ جس کا روحانی دل پاکیزہ ہو جیسا کہ اخلاص، سخاوت اور شکرگزاری جیسی اچھی خصوصیات کو اپنایا ہو، وہ ان مثبت خصوصیات کو اپنے قول و فعل میں ظاہر کرے گا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنے قول و فعل کا اندازہ لگانا چاہیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ فاسد روحانی دل کا مالک ہے یا پاکیزہ اور اگر ضروری ہو تو اپنے روحانی قلب کو پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ یہ اسلامی علم سیکھنے اور اس میں بتائی گئی اچھی خصوصیات کو اپنانے اور اس میں مذکور منفی خصوصیات سے بچنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ شخص وعدوں اور قسموں کے ذریعے لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ دیانتدار اور مخلص ہیں لیکن وہ اپنی بات کو صرف اس وقت پورا کرتے ہیں جب وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اگر ان کے وعدے اور قسمیں ان کی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں تو وہ مکمل طور پر دوسروں کی مخالفت کریں گے اور ان کے لیے کیا فائدہ مند ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 204:

’’اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہے، حالانکہ وہ سب سے سخت مخالف ہے۔‘‘

یہ رویہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کتنے غیر مخلص ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسے کہ جذباتی، جسمانی اور مالی مدد، تاکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

جو دوسروں کے لیے غیر مخلص ہے وہ کبھی بھی اپنے آپ کو خوش کرنے کے طریقوں سے کام کرے گا۔ اس سے انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب ملے گی جو انہیں دی گئی ہیں جیسے کہ ان کا سماجی اثر و رسوخ اور دولت۔ اس سے معاشرے میں بدعنوانی پھیلتی ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کی تباہی ہوتی ہے۔ جب کوئی سیاستدانوں کی اکثریت کو دیکھتا ہے کہ کس طرح ان کی بے حسی بدعنوانی اور ان کے معاشرے کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے تو اس کی تعریف کرنا واضح ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 205:

اور جب وہ چلا جاتا ہے، تو وہ پورے ملک میں فساد پھیلانے اور فصلوں اور جانوروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے..."

یہی وجہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے دوسروں کے لیے مخلص ہونا بہت ضروری ہے اور اسی لیے اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ عام لوگوں کے ساتھ دوسروں کے ساتھ مخلص ہونا ہی اسلام کی تعریف ہے۔ لہٰذا دوسروں کے ساتھ بدگمانی سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ صرف

معاشرے میں فساد پھیلانے کا باعث بنے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 205:

اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا‘‘۔’’

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ نہ تو ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور نہ ہی کامیابی، کیونکہ جو دنیاوی چیزیں اسے حاصل ہوتی ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور مصائب کا باعث بن جاتی ہیں، خواہ وہ اس کے لمحات کا سامنا ہی کیوں نہ کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82 تفریح اور تفریح کیونکہ وہ اللہ کے قابو سے نہیں بچ سکتے۔:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 204:

‘‘اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہے، حالانکہ وہ سب سے سخت مخالف ہے۔’’

یہ ایک اور اہم موضوع سے جڑا ہوا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اچھی نیت رکھتا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، لیکن اچھے اعمال سے اس کی حمایت کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بجائے، وہ دوسروں کو ایسی چیزوں پر عمل کرتے اور سکھاتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں، جیسے ثقافتی طرز عمل۔ چونکہ انہوں نے اسلامی علم سے ناواقفیت کو اپنا راستہ تسلیم کر لیا ہے، ان کی نیک نیت اتنی اچھی نہیں ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرنے اور دوسروں کے تئیں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اسلام میں مطلوبہ نیک کام کریں۔ اسلام سکھاتا ہے کہ ایک نیک نیت کو اپنانا چاہیے، جو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور اس کو اچھے اعمال سے جوڑنا چاہیے، جو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جہنم کا راستہ نیک نیتوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس گمراہ کن رویہ سے بچیں اور اپنے تمام معاملات میں نیک نیتی سے اس کا ساتھ دیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 204:

‘‘پھر بھی وہ مخالفین میں سب سے سخت ہے۔’’

یہ اس انتہائی جھگڑالو شخص کی بھی وضاحت کرتا ہے جو دوسروں سے بحث کرے گا جب بھی ان کی اپنی خواہشات اور آراء کو چیلنج کیا جائے گا، اگرچہ اسے یقین ہو کہ جس سے وہ بحث کر رہے

ہیں اس کی رائے ہی صحیح ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اچھی نصیحت اور رائے کو اسلامی علم کے مطابق دنیاوی اور دینی دونوں لحاظ سے نرمی کے ساتھ پیش کرے۔ انہیں اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے بعد دوسروں سے بحث یا بحث نہیں کرنی چاہیے۔ وہ لوگوں کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے کیونکہ لوگ زندگی میں اپنی مرضی کا انتخاب کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کے سب سے بڑے استاد تھے پھر بھی انہیں حکم دیا گیا کہ وہ سچائی کو دوسروں کے سامنے خوش اسلوبی سے پیش کریں لیکن اپنی رائے کو دوسروں پر زبردستی نہ ڈالیں۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

"تو یاد دلائیں کہ آپ صرف ایک یاد دہانی ہیں۔ آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔"

باب 2 البقرہ، آیت 205:

"اور جب وہ چلا جاتا ہے، تو وہ پورے ملک میں فساد پھیلانے اور فصلوں اور جانوروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے..."

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اسلام ہمیشہ مسلمانوں کو معاشرے کے اندر اچھائی پھیلانے کی تعلیم دیتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق، جیسے کہ ان کی دولت اور سماجی اثر و رسوخ۔ اگر وہ معاشرے کے اندر بھلائی نہیں پھیلا سکتے تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والے کاموں میں دوسروں کا ساتھ دے کر وہ کم سے کم یہ کر سکتے ہیں کہ معاشرے میں بھلائی کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں جو معاشرے میں خیر کو پھیلنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے اور حسد کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے لیے رکھتے ہیں جو معاشرے میں خیر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی

اسے موقع ملے معاشرے میں نیکی پھیلانے کا ارادہ کریں اور کم از کم اس میں رکاوٹ ڈالنے سے گریز کریں کیونکہ غیر جانبدار رہنا اس سے بہتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس گمراہ شخص کے تکبر کو نمایاں کرتا ہے جو اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 206:

...اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہ پر غرور اسے پکڑ لیتا ہے

جو شخص اچھی نصیحت قبول کرنے سے انکار کرتا ہے وہ کبھی بھی صحیح رہنمائی حاصل نہیں کرسکتا اور اس کے نتیجے میں وہ اس راستے پر چلتے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ صحیح مسلم نمبر 265 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جہنم میں جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 206:

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہ پر غرور اسے پکڑ لیتا ہے۔ اس کے لیے جہنم کی آگ ہی کافی ہے اور وہ ٹھکانہ کیسا برا ہے۔''

اس لیے غرور سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ انسان کو اپنی اصلاح کرنے سے روکتا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں، جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی کا راستہ ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں ’’ کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیات 205-206

اور جب وہ چلا جاتا ہے، تو وہ پورے ملک میں فساد پھیلانے اور فصلوں اور جانوروں کو تباہ کرنے " ...کی کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں فساد کو پھیلنے سے روکنے والی سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے دن جوابدہ ہونا ہے۔ دوسری اہم چیز جو معاشرے میں بدعنوانی کو پھیلنے سے روکتی ہے وہ قانون ہے۔ لیکن جب کسی کو یقین ہو کہ وہ ملک کے قانون سے بچ سکتے ہیں تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جو انہیں بدعنوانی پھیلانے سے روکے گا، جس میں دولت اور سماجی اثر و رسوخ جیسی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اسلامی علم کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے تقویت پاتا ہے تاکہ کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ وہ اس دنیا میں یا آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج سے نہیں بچ سکتا جو اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ بہت سی مثالوں اور واضح دلائل سے ہے۔ ان آیات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کتنا ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی کس قدر زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ جتنا کوئی ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد

باب 2 - البقرہ، آیت 207

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡرِي نَفۡسَهُ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِۚ وَٱللَّهُ رَءُوفُۢ بِٱلۡعِبَادِ ٢٠٧

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے۔ اور اللہ"
‘‘اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی کا راستہ بتایا ہے۔ اس راستے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، اندرونی نعمتیں، جیسے کہ جسمانی ،توانائی، اور بیرونی نعمتیں، جیسے کہ ان کی دولت، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب 2 البقرہ، آیت 207:

اور لوگوں میں وہ ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے‘‘۔ ’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کائنات کے تمام معاملات بشمول لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ ذہنی سکون کا گھر .لہٰذا، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

دوم، جیسا کہ ذہنی سکون ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت سے حاصل ہوتا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے بارے میں لوگ جتنا بھی علم حاصل کر لیں، وہ کبھی بھی اتنا علم حاصل نہیں کر سکیں گے کہ وہ ایک کامل تعمیر کر سکیں۔ ضابطہ اخلاق جو انہیں مکمل طور پر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے جس کے نتیجے میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ لوگوں کا علم انتہائی محدود ہے اور ان میں دور اندیشی کی کمی ہے، وہ اپنے انتخاب کے مستقبل کے نتائج کو نہیں جانتے۔ ان تمام چیزوں اور اس سے زیادہ جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا، وہ اکیلا ہی بہترین پوزیشن میں ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ایک ضابطہ اخلاق کی نصیحت کرے، جن لوگوں کو اس نے بنایا ہے، جس پر عمل کیا جائے، جس کی پیروی ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتی ہے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 67 الملک، آیت 14:

"کیا وہ جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا؟ جب کہ وہ باریک بین، باخبر ہے؟"

لہٰذا واحد ضابطہ اخلاق جو دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی کا باعث بنے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ضابطہ حیات ہے جو اسلام ہے۔ یہ ضابطہ اخلاق اس احسان کا ایک حصہ ہے جس کا ذکر مرکزی آیت کے آخر میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 207:

‘‘اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔’’

ایک شخص کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہترین ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔

لیکن اگر کوئی شخص اسلام کے ضابطہ اخلاق کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کے بجائے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو اسے عطا کی گئی ہیں، تو وہ غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر لے گا، جو انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا، چاہے وہ اس کے لمحات کا تجربہ کرے۔ تفریح اور تفریح .باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا، اگر انسان دونوں جہانوں میں مایوسی کی زندگی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال کرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 207:

اور لوگوں میں وہ ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے‘‘۔ ’’

ہر کوئی اپنے آپ کو بیچتا ہے، جیسا کہ ہر شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اسے دی گئی ہیں، کسی نہ کسی طریقے سے۔ جیسا کہ زیر بحث آیا، ذہنی سکون کی کلید یہ ہے کہ برکات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو راضی کرنے کے لیے عمل کرتا ہے یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے عمل کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں یا آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہے۔ وہ لوگ جو صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے اچھے کام کرتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 18 الکہف، آیت 110:

’’پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔‘‘

اپنے تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں، جیسے کہ اپنے بچوں کی پرورش، اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہیے ۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان کسی سے شکرگزاری یا تعریف کی امید نہ رکھے اور نہ ہی اس کی امید رکھے۔ جبکہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کام کرنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کبھی بھی لوگوں کو مکمل طور پر خوش نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ فطرتاً چست ہوتے ہیں اور دوسروں سے آسانی سے ناراض ہو جاتے ہیں اور گستاخ اللہ تعالیٰ کو بھی راضی نہیں کر سکتا۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے وہ اسے آسانی سے راضی کر لیتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ مانگتا ہے وہ کرنا آسان ہوتا ہے اور کرنے والے کو پوری طرح فائدہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مخلص انسان کو لوگوں کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ یہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا ایک اور عمل ہے جو اخلاص اختیار کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 207:

‘‘اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔’’

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے میں اسلام کے کم سے کم روزانہ اور سالانہ واجبات، جیسے کہ روزانہ کی پانچ فرض نمازیں شامل ہیں۔ اگر چہ یہ کم از کم کسی کے ایمان کو قائم کرنے کے لیے بہت ضروری ہے لیکن ذہنی سکون تبھی حاصل ہوتا ہے جب انسان ہر اس نعمت کو استعمال کرنے کی کوشش کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حاصل ہو، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اس سچائی کو سمجھنے میں ناکامی ایک بڑی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان جو اسلام کے بنیادی فرائض کو پورا کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 208-209

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ
إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾

فَإِن زَلَلْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ’’
تمہارا کھلا دشمن ہے۔

لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت
والا ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ’’

یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو اسلام کے دونوں حصوں کو یکجا کرنا چاہیے، یعنی ظاہری اعمال سے باطنی ایمان۔ ان اعمال میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت مسلمان کی تعریف ہی وہ ہے جس نے جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو۔ لہٰذا، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اسلام پر عمل نہ کرتا ہو، کیونکہ اسلام پر عمل نہ کرنا لفظ مسلم کی تعریف سے متصادم ہے۔ مرکزی آیت مسلمانوں کو اس رویہ سے گریز کرنے کی تنبیہ بھی کرتی ہے جس کے تحت وہ اپنی خواہشات کے مطابق اسلام کے کن پہلوؤں کی پیروی کریں اور کن پہلوؤں کو نظر انداز کریں۔ یہ وہ شخص ہے جو اسلام کو ایک زرہ کی طرح سمجھتا ہے اور جب چاہے پہن لیتا ہے اور اتار دیتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا بندگی نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اپنی خواہشات کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

درحقیقت، اسلام کے کن حصوں کی پیروی اور نظر انداز کرنے کا انتخاب اور انتخاب کو وحی الٰہی کے کچھ حصوں سے کفر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ ایک مسلمان پورے قرآن پاک پر ایمان لانے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 84-85:

''اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم اپنا]یعنی ایک دوسرے کا [خون نہ بہاؤ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالو۔ پھر آپ نے گواہی دیتے ہوئے اس کا اقرار کیا۔ پھر تم وہ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو اور اپنی قوم کے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال رہے ہو، گناہ اور جارحیت میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہو۔ اور اگر وہ آپ کے پاس قیدی بن کر آئیں تو آپ ان کا فدیہ دے دیں، حالانکہ ان کا بے دخل کرنا آپ پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کو نہ مانتے ہو؟ پھر جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا کیا ہے؟ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں واپس بھیجے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔''

پس جو شخص اپنی خواہشات کے مطابق اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا انتخاب اور انتخاب کرتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں اپنی رسوائی کو دعوت دے رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے سمجھوتہ کرکے جو دنیاوی چیزیں حاصل کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جائیں گی، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ اور جیسا کہ ان کا یہ رویہ انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا، یہ دونوں جہانوں میں ان کی پریشانیوں، تناؤ اور مشکلات میں مزید اضافہ کرے گا۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جو شخص اپنی خواہشات کے مطابق اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے یا نظر انداز کرنے کا انتخاب اور انتخاب کرتا ہے، وہ اپنے حلیف دشمن شیطان کے نقش قدم پر چل رہا ہے، جیسا کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اللہ کے حکم کو رد کرتے ہوئے اس طرح کا برتاؤ کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ" ''تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے کو نہ تو دنیا میں سکون ملتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

شیطان کے نقش قدم پر چلنے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب کوئی ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرتا ہے جن کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہیں ہیں :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ،روایات۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں دو منابع ہدایت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا

جائے گا۔ .درحقیقت زیر بحث اصل آیت خاص طور پر اس وقت نازل ہوئی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے جو پہلے یہودی یا عیسائی تھے، اپنے سابقہ مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ تھیں۔ تفسیر القرطبی، جلد 1، صفحہ 531 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع ،کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

یہ سلیمان علیہ السلام نہیں تھے جنہوں نے کفر کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھایا اور وہ جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا۔ لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ "ہم ایک آزمائش ہیں، اس لیے آپ]جادو "کرنے سے [کفر نہ کریں۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ'' ''تمہارا کھلا دشمن ہے۔

جیسا کہ آیت 209 میں اشارہ کیا گیا ہے، شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچنے کی کلید قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی ایسا کرے گا، اتنا ہی زیادہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ یہ دونوں جہانوں میں شیطان سے حفاظت اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 42:

’’بے شک میرے بندے ان پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا سوائے ان لوگوں کے جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے۔‘‘

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اور ج 5 سورۃ المائدہ، آیات 15-16:

’’تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے

ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 209:

‘‘لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آجانے کے بعد تم پھسل جاؤ۔ ’’

لہٰذا، کسی بھی شخص کو کوئی عذر نہیں چھوڑا جاتا، جیسا کہ قرآن کریم کے واضح دلائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات بنی نوع انسان کو عطا کی گئی ہیں اور آج کے دور میں ان تک آسانی سے رسائی حاصل ہے۔ زیادہ تر لوگوں کو .اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے چشم پوشی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہیں بچ سکے گا اور اسے دونوں جہانوں میں اپنی پسند اور عمل کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، سکون قلب کا گھر، وہ کبھی بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر پائیں گے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 2 البقرہ، آیت 209:

لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آجانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غالب ہے‘‘۔’’

لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ بھی حکیم ہے، وہ اکیلا ہی لوگوں کو شیطان اور اس کے بہت سے پھندوں سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے ضروری ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے تاکہ لوگ ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ یہ ضابطہ اخلاق قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے ۔ لہٰذا، ایک سمجھدار مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، جیسا کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ لیکن اس معاملے میں، ایک انسانی ڈاکٹر غلطیاں کر سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، اور جو کچھ اس نے تجویز کیا ہے اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی ہوگی۔ باب 2 البقرہ، آیت 209:

لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آجانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت’’ والا ہے۔‘‘

اور باب 10 یونس، آیت 57:

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور سینوں کے لیے شفا اور مومنوں کے’’ لیے ہدایت اور رحمت آئی ہے۔‘‘

باب 2 - البقرہ، آیات 210-212

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ ٱلْغَمَامِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ
تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

سَلْ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ كَمْ ءَاتَيْنَٰهُم مِّنْ ءَايَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ ٱللَّهَ
شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۘ وَٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ فَوْقَهُمْ يَوْمَ
ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ وَٱللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

"کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کی چادر میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اور معاملہ طے ہو جائے؟ اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

”بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دی ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اس کے پاس آنے کے بعد بدل دے تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

،اللہ تعالیٰ نے خلوص نیت کے ساتھ اطاعت کرنے کے معاملے میں تاخیر کے خلاف تنبیہ کی ہے جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر باب 2 البقرہ، آیت 210:

" کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کی چادر میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اور معاملہ فیصلہ ہو جائے؟ اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

شیطان کے سب سے بڑے جال میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو آخرت کی تیاری اور ان کے احتساب میں تاخیر کرنے کی ترغیب دی جائے۔ وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ مادی دنیا کو حاصل کرنے اور اسے سنوارنے پر توجہ دیں اور اپنی تمام تر کوششیں اور وسائل اپنے دنیاوی معاملات پر مرکوز رکھیں۔ یہ رویہ ہمیشہ انسان کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو اسے فضول اور گناہ کی چیزوں پر دی گئی ہیں۔ اس لیے شیطان دنیا اور آخرت میں لوگوں کو ذہنی سکون سے محروم کرنے کا اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

عملی طور پر آخرت کی تیاری میں تاخیر اور ناگزیر جوابدہی کے شیطان کے جال میں پڑنے سے بچنے کے لیے انہیں اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہیے۔ جب کوئی اسلامی تعلیمات میں زیر بحث لاتعداد نشانیوں اور واضح دلائل کا مطالعہ کرے گا جو اس دنیا میں زندگی کی دنیاوی نوعیت کی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں تو انہیں حوصلہ ملے گا کہ وہ آخرت میں اپنے احتساب کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں دیر نہ

کریں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے کوئی بھی شخص خواہ کسی بھی عقیدے کا انکار نہیں کر سکتا۔ باب 10 یونس، آیت 45:

’’اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

انسان کی عمر سے قطع نظر، ہر شخص تسلیم کرے گا کہ اس کی اب تک کی زندگی ایک لمحے میں گزر گئی۔ لہٰذا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ اس زمین پر کتنے سال اور چھوڑ گئے ہیں، یہ صرف ایک لمحہ ہی ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس پر اسلامی تعلیمات میں اکثر بحث کی جاتی ہے۔ مزید برآں، اسلامی تعلیمات کسی کو صحیح معنوں میں قائل کریں گی کہ اس دنیا کے برعکس، آخرت میں کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 35:

"پس یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالا اس دن نہ وہ اس سے ہٹائے جائیں گے اور نہ ان سے (اللہ کو (راضی کرنے کا کہا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 210:

’’ کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ ان کے پاس بادلوں کی چادر میں آئے اور فرشتے بھی اور معاملہ فیصلہ ہو جائے؟‘‘

اس دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں انسان کو دوسرا موقع ملتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک طلاق یافتہ شخص کسی اور سے دوبارہ شادی کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے دوسری شادی کا موقع ملتا ہے۔ دنیا میں دوسرے مواقع کی یہ حقیقت لوگوں کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف بناتی

ہے کہ آخرت میں بھی کسی نہ کسی طرح انہیں دوسرا موقع دیا جائے گا۔ لیکن جو لوگ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں وہ اس حقیقت پر پختہ ہو جاتے ہیں کہ آخرت میں کوئی دوسرا موقع نہیں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کے لیے دنیا میں تیاری کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ جو شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے گا اور اس پر عمل کرے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ اس کے تمام ارادے، قول اور فعل اس کی دنیا اور آخرت میں براہ راست اس کی بھلائی پر اثر انداز ہوں گے، کیونکہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں فیصلہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 210:

"اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ "

اس شخص کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اگر وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون چاہتے ہیں، جو کہ تمام لوگ چاہتے ہیں، تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ کائنات کے معاملات بشمول لوگوں کے روحانی دلوں کو وہی کنٹرول کرتا ہے۔ ، ذہنی سکون کا گھر۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے"۔"

اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ صرف یہی رویہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کو یقینی بنائے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص اپنی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے اپنے ناگزیر احتساب کی تیاری میں عملی طور پر تاخیر پر اڑے رہے گا وہ دونوں جہانوں میں سکون قلب سے محروم ہو جائے گا اور اس کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں بچے گا، خواہ وہ تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھے۔ اور تفریح .باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 89 الفجر، آیات 23-24:

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے" گا، کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ آخرت میں اپنے احتساب کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں تاخیر سے گریز کرے کیونکہ ان کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے اور خواہ وہ کتنی ہی مدت تک زندہ رہے، ان کی زندگی ایک لمحے میں گزر جائے گی۔ اس کے علاوہ، جو شخص بوڑھے ہونے کے بعد عملی طور پر تیاری کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ایک بوڑھا شخص ،اکثر اپنی عادت اور رویے میں ضدی ہو جاتا ہے اور اسے بہتر کے لیے بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے چاہے وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ .اس کے بجائے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی دنیاوی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ایک نیک عمل ہے جو قیامت کے دن ان کی مدد کرے گا، بلکہ کچھ وقت اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے بھی وقف کرے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں ملی ہیں۔ ان کی دولت، وقت اور توانائی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کیا جائے تاکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 210:

کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کی چادر میں ان کے پاس آئے اور فرشتے " بھی اور معاملہ فیصلہ ہو جائے؟ اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

یہ آیت ان لوگوں پر بھی تنقید کرتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات کو قبول نہیں کریں گے اور اس پر عمل نہیں کریں گے جب تک کہ تمام امور مثلاً فرشتوں جیسے غیب کی چیزیں ان پر ظاہر اور واضح نہ ہو جائیں۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے کیونکہ ایمان کی اصل قدر و قیمت ہے جب یہ بعض غیب حقیقتوں کو پانچ حواس کے ذریعے سمجھے بغیر یقین کرنے پر مشتمل ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا۔ لیکن اس کے باوجود، ان نادیدہ عناصر کی تائید آسمانوں اور زمین کے اندر بہت سے ثبوتوں اور اشارے سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، ایک پینٹنگ کی موجودگی ایک پینٹر کی طرف اشارہ کرتی ہے .تخلیق کی موجودگی ایک خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے، خاص

طور پر جب تخلیق مکمل طور پر تخلیق کی گئی ہو۔ اس کے علاوہ، بے شمار دنیاوی چیزیں ہیں جہاں انسان ان کا ادراک کرنے میں ناکام رہتا ہے پھر بھی وہ انہیں شکایت کیے بغیر استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، بے شمار لوگ یہ سمجھے یا سمجھے بغیر دوا لیتے ہیں کہ دوا انسانی جسم میں کیسے کام کرتی ہے۔ اگرچہ اسلام کے ذریعے بنی نوع انسان کو جو ضابطہ اخلاق دیا گیا ہے وہ مکمل طور پر ثبوت اور عقل پر مبنی ہے، لیکن اسلام کے کچھ دوسرے پہلو بھی ان دیکھی چیزوں پر مبنی ہیں، کیونکہ یہ ایمان کو اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص غیب کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کہ فرشتوں کا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ایمان کا دعویٰ قبول نہیں ہوگا، کیونکہ ان غیب چیزوں کے گواہ ہونے کے بعد ان پر ایمان لانا کوئی خاص بات نہیں۔

لوگوں کا امتحان اس بات میں ہے کہ کیا وہ حقیقت کو قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے حواس سے براہ راست اس کا ادراک نہیں کر پاتے اور کیا اسے قبول کرنے کے بعد وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، حالانکہ ان میں اس کی نافرمانی کی طاقت اور صلاحیت موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے اور آسمانی صحیفوں کے نزول میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ لوگوں کی قوت فیصلہ اور ان کی اطاعت کو جانچنے کی گنجائش چھوڑ دی جائے۔ اس نے کبھی حقیقت کو اس حد تک ظاہر نہیں کیا کہ لوگ اسے ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو کچھ بھی آزمائش کے لیے باقی نہیں رہتا اور لوگوں کی کامیابی یا ناکامی کا تصور ہی بے معنی ہو جاتا۔ اس لیے یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے سامنے آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور لوگوں کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ ایمان لانا اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا صرف اس وقت تک اہمیت رکھتا ہے جب تک حقیقت کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کا انکار ممکن ہو۔ اگر حقیقت کو پوری طرح ظاہر کر دیا جائے اور اگر لوگ کائنات اور آخرت کے غیب عناصر کو دیکھ لیں تو ان کے ایمان اور اطاعت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر یہ سب چیزیں جسمانی طور پر قابل مشاہدہ ہوتیں تو سخت ترین کافر اور بد ترین گنہگار بھی کفر یا نافرمانی کرتے۔ ایمان اور اطاعت کی اہمیت تب تک ہے جب تک حقیقت پر پردہ باقی رہے۔ وہ لمحہ جب حقیقت کو پوری طرح سے بے نقاب کیا جائے گا لوگوں کو فیصلہ کرنے کے لیے دی گئی مدت اور ان کی آزمائشی مدت کے اختتام کی نشان دہی کرے گا۔ یہ لمحہ جزا کا دن ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 210:

"کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کی چادر میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اور معاملہ فیصلہ ہو جائے؟ اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قیامت اور اس کی ناگزیر نوعیت کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اس کی حقیقت کو قبول کرنا چاہیے اور اس کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، انہیں اس آیت میں بیان کردہ مخصوص چیزوں میں غور نہیں کرنا چاہیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن آنا، کیونکہ اس کی ہستی کو کوئی مخلوق نہیں سمجھ سکتی۔ اس پر بحث یا وضاحت کرنے کی کوئی بھی کوشش اللہ تعالیٰ کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کرے گی، اس لیے اس سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ چونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ یا اس جیسی چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، اس کے بجائے ان چیزوں پر بحث، تحقیق اور مطالعہ پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، جیسے کہ ان کی گفتگو، اعمال اور ذمہ داریاں .افسوس کی بات ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے مسلمان اپنا وقت ان موضوعات پر بحث کرنے کے لیے صرف کرتے ہیں بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کس چیز پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ لوگ اس بات پر توجہ مرکوز کریں کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لیے کس طرح آئے گا بلکہ اس کے بجائے عملی طور پر ان کے احتساب کی تیاری پر توجہ مرکوز کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قیامت کے دن کی سنگینی کو بڑھانے کے لیے اپنا تذکرہ کیا ہے، نہ کہ لوگ اس کے بارے میں اور قیامت کے دن اس کے آنے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی باریک بینی کا مطالعہ کریں۔

قیامت کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں تاخیر کرنے کے خلاف تنبیہ پھر اہل کتاب کی طرف ہے کیونکہ ان کے پاس عملی طور پر قیامت کی تیاری میں تاخیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ ان کے آباؤ اجداد بنی اسرائیل کو بے شمار معجزاتی نشانات عطا کیے گئے تھے۔ وہ جانتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیات 210-211:

’’کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ ان کے پاس بادلوں کی چادروں میں آئے اور فرشتے بھی اور معاملہ فیصلہ ہو جائے؟ اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دی ہیں؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی تعلیمات میں بہت سی نشانیاں عطا کی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ زندگی کس رفتار سے گزر رہی ہے اور اس لیے تاخیر کرنے کے بجائے عملی طور پر قیامت کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ اہل کتاب مزید آگے بڑھے کیونکہ ان کے بہت سے علماء نے کھلم کھلا اسلام کا انکار کیا حالانکہ وہ قرآن پاک کو واضح طور پر پہچانتے تھے، جیسا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ، دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور قرآن پاک ان کے آسمانی صحیفوں میں بھی زیر بحث آئے ہیں۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں کے اندر موجود علم کی تدوین، غلط تشریح اور چھپائی جس میں قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی، کیونکہ اسلام نے براہ راست ان کے طرز زندگی کو چیلنج کیا تھا اور انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روکا تھا جو انہیں حاصل تھیں۔ دنیاوی فائدے کے لیے عطا کیا گیا ہے، جیسے کہ دولت اور قیادت۔ اس کے علاوہ چونکہ ان کے عقیدے کی جڑیں حسب نسب میں گہری تھیں، خاص طور پر یہودیوں کے عقیدے میں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول یا

پیروی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے نسب بنی اسرائیل سے نہیں تھے۔ اس کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے ان کا اعلیٰ نسل ہونے کا جھوٹا دعویٰ ختم ہو جاتا کیونکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ یہ، وہ کرنا قبول نہیں کر سکتے تھے۔

لہٰذا انہوں نے ان واضح نشانیوں کا تبادلہ کیا جو انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینی چاہیے تھی اور اس لیے عملی طور پر روزِ حشر کے لیے تیاری کر لینی چاہیے تھی لیکن انہوں نے اس کے بجائے اپنی دنیاوی خواہشات کی پیروی کا انتخاب کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 211:

”بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دی ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو اس کے پاس آنے کے بعد بدل دے تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اہل کتاب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو دانستہ طور پر غلط بیانی یا نظر انداز کرنے سے گریز کریں تاکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کر سکیں جو انہیں دنیاوی فائدے کے لیے دی گئی ہیں۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کنٹرول سے نہیں بچ سکتے، خواہ اس دنیا میں ان پر یہ بات واضح نہ ہو۔ اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرکے جو دنیاوی چیزیں حاصل کرتے ہیں، جیسے کہ دولت، شہرت اور قیادت، دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور مشکلات کا باعث بن جائیں گی، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ وہ قابو سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

”اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے۔“

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اس کے علاوہ، ان کی دنیاوی سزا صرف اس وقت بڑھے گی جب وہ ذہنی صحت کے مسائل جیسے کہ ڈپریشن کے لیے اپنی زندگی کے اندر موجود غلط لوگوں اور چیزوں کو مورد الزام ٹھہرانا شروع ،کر دیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ ان اچھے لوگوں اور چیزوں کو اپنی زندگیوں سے کاٹ دیں گے جیسے کہ ان کی شریک حیات، جو ان کی ذہنی صحت کے مسائل میں اضافہ کرے گی جب تک کہ وہ ڈپریشن، نشے کی لت اور خودکشی کے رجحان میں گم نہ ہو جائیں۔ یہ نتیجہ بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے کہ ان کو دی گئی نعمتوں کا کس قدر غلط استعمال اس نتیجہ پر منتج ہوتا ہے۔ اور آخرت میں جس عذاب کا انتظار ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے جب تک کہ کوئی سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 211:

اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اس کے پاس آنے کے بعد بدل دے تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے ’’ والا ہے۔‘‘

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

بہت سے لوگ اس دنیا کی خوبصورتی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 212:

‘‘کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔’’

اگرچہ اس آیت میں غیر مسلموں کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس کا اطلاق کسی مسلمان پر ہو سکتا ہے جب وہ کسی غیر مسلم کا رویہ اور کردار اختیار کریں۔ لہٰذا، اگر اسلامی تعلیمات کسی شخص کی دنیاوی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں تو بھی اسے اپنی ذہنی اور جسمانی تندرستی کی خاطر اسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح یہ مریض اپنے ڈاکٹر کی نصیحت کو نظر انداز کرنے کی صورت میں ذہنی اور جسمانی صحت سے محروم رہ جائے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرے گا اور ان پر عملی طور پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 212:

‘‘کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔’’

چونکہ آیت کا یہ حصہ غیر فعال شکل میں ہے اس لیے مادی دنیا کو سنوارنے والے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ بھی شامل ہو سکتا ہے، جس نے جان بوجھ کر مادی دنیا کو بنی نوع انسان کے لیے مزین کیا تاکہ ان کا امتحان لیا جائے۔ امتحان یہ ہے کہ آیا وہ ان دنیاوی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان طریقوں سے جو اللہ کی رضا کے لیے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 18 الکہف، آیت 7:

بے شک ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے" کون بہتر عمل کرتا ہے۔"

مادی دنیا کو بھی شیطان اور انسان کے اندرونی شیطان نے مزین کیا ہے، کیونکہ وہ مل کر کام کرتے ہیں تاکہ کسی کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے جو انہیں دی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں تناؤ اور مصائب کا شکار ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ" چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

مادی دنیا بھی دوسرے لوگوں، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت سے مزین ہے۔ یہ چیزیں غلط طریقے سے لوگوں کو سکھائیں گی کہ حقیقی کامیابی اور ذہنی سکون انسان کی دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے میں مضمر ہے جس میں ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے۔ لہٰذا امتحان یہ ہے کہ آیا کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صحیح ہدایت اور واضح دلائل پر عمل کرے گا، جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے یا وہ ان دنیوی چیزوں کی پیروی کرتے ہوئے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ .

باب 2 البقرہ، آیت 212:

"کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔"

ایک مسلمان مادی دنیا کی خوبصورتی پر قابو پا سکتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اپنے ایمان کو مضبوط بنا کر، جس میں اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ اس سے وہ اس دنیا کی اصل نوعیت اور مقصد کو سمجھ سکیں گے۔ باب 18 الکہف، آیت 7:

’’بے شک ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے‘‘۔

جو اس دنیا کے مقصد اور فطرت کو سمجھتا ہے وہ اس کے اندر صحیح طریقے سے عمل کرنے کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔ وہ مادی دنیا کو نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی اس کے اندر موجود نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے۔ اس کے بجائے، وہ دنیاوی نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ جو اپنے ایمان کو مضبوط کرنے میں ناکام رہے گا وہ اس دنیا کے مقصد کو سمجھنے میں ناکام رہے گا اور اس کے نتیجے میں وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔

مضبوط ایمان انسان کو ان دنیوی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے مثبت نتائج کو دیکھنے اور سمجھنے کی اجازت دیتا ہے۔ جبکہ کمزور ایمان رکھنے والا اپنی عطا کردہ نعمتوں کو غلط استعمال کرنے کے منفی نتائج کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس دنیا میں مضبوط ایمان والے اور کمزور ایمان والے میں فرق ان دو لوگوں جیسا ہے جنہیں زہر ملا ہوا کھانا دیا جاتا ہے جو لذیذ لگتا

ہے جیسے چاکلیٹ کیک۔ جس کا علم میں پختہ ایمان ہے وہ زہر کو پہچان لے گا اور اس لیے کھانے سے پرہیز کرے گا۔ جبکہ کمزور ایمان رکھنے والا زہر کو پہچاننے میں ناکام رہے گا اور اس کے نتیجے میں وہ خوشی سے کھانا کھائے گا اور اپنی پسند کے نتائج کو پہچاننے میں ناکام رہے گا۔ جس کے پاس پختہ ایمان ہوتا ہے وہ پہچانتا ہے کہ اس کو اس دنیا میں کیا فائدہ ہوگا اور کیا چیز ان کو زہر دے گی، خواہ وہ خوبصورت کیوں نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں، وہ دنیا سے فائدہ اٹھائیں گے، بغیر اس کے نقصان کے۔ جبکہ کمزور ایمان رکھنے والا دنیاوی چیزوں کے درمیان فرق کرنے میں ناکام رہے گا جو اسے نقصان پہنچانے والی چیزوں سے فائدہ پہنچاتی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ دونوں جہانوں میں اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کو نقصان پہنچائیں گے۔ کمزور عقیدہ رکھنے والا اس پر بھی تنقید کرے گا جس کا ایمان پختہ ہے کہ وہ بعض دنیوی چیزوں سے پرہیز کرنے اور اپنی خواہشات پوری کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے عطا کردہ دنیاوی چیزوں کو استعمال کرنے کے لیے بے وقوف ہیں۔ .ان کی تنقید کی جڑ اس دنیا کی نوعیت اور مقصد سے لاعلمی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 212:

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں‘‘۔’’

جب مسلمان غیر مسلموں کا کردار اور رویہ اپناتے ہیں تو وہ بھی اپنے عمل سے اسلام کو حقیقی معنوں میں ماننے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ جب بھی کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے تو یہ تنقید اکثر اپنے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں اس مسلمان کو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی اپنی لگن میں ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ دوسروں سے ملنے والی حمایت کی کمی کو اس طرح پورا کر دے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے یہ مسلمان باقی تمام لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا، خاص طور پر ان لوگوں سے جنہوں نے اسلام کے لیے ان کی لگن کی وجہ سے ان پر تنقید کی تھی اور انہیں ذہنی سکون ملے گا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کمزور ایمان رکھنے والا اس مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو ٹھکرا دیتا ہے کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے اور اس کے بجائے اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کرتا رہتا ہے۔ مختصر مدت میں وہ کچھ تفریح اور تفریح کا تجربہ کریں گے، لیکن طویل مدت میں وہ ذہنی اور جسمانی مسائل کا شکار ہوں گے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اس لیے کمزور ایمان کا حامل شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے عطا کی گئی ہیں، جو دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنیں گی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ پختہ ایمان رکھنے والا اس عاقل مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں اور سخت خوراک تجویز کی جاتی ہے۔ یہ سمجھدار مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا۔ اسی طرح جس کا ایمان پختہ ہے وہ اسلام کی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا اور اس طرح ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اس کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ہے۔ نتیجے کے طور پر، وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں گے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 212:

”کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے۔

مزید برآں، پختہ ایمان رکھنے والا یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی دنیاوی چیزوں کا عطا ہونا، یا کم دنیوی چیزوں کا ہونا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے۔ جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والا یہ سمجھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں، جب انہیں دنیاوی چیزیں مثلاً دولت عطا کی جائے گی اور اس کے نتیجے میں یہ گمراہ کن عقیدہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے رہنے کی ترغیب دے گا۔ عطا کیا اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ان کے تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوگا۔ باب 23 المومنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔“

دنیاوی نعمتیں صرف آزمائش کے طور پر دی جاتی ہیں یا روکی جاتی ہیں۔ امتحان یہ ہے کہ آیا کوئی شخص آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، ان نعمتوں کو استعمال کر کے جو اسے اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یا وہ مشکل کے وقت صبر کا مظاہرہ کریں گے، جس میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہنا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 67 الملک، آیت 2:

]وہ [جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر "...ہے"

مضبوط ایمان والا ہی اس حقیقت کو سمجھے گا اور اس لیے آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صحیح برتاؤ کرے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں برکت اور رحمت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 212:

‘‘اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔’’

لہٰذا قرآن مجید کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے ذریعے مضبوط ایمان حاصل کرنا چاہیے تاکہ زیر بحث فوائد حاصل کیے جا سکیں اور زیر بحث خطرات سے بچ سکیں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 213-214

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا
جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ
وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ
وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ
﴿٢١٤﴾

انسان]ان کے انحراف سے پہلے [ایک مذہب تھا؛ پھر اللہ نے انبیاء کو بشارت دینے والے اور" ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کیا جائے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے ان کے جن کو یہ دیا گیا تھا - ان کے پاس واضح دلیلیں آنے کے بعد - آپس کی حسد کی وجہ سے۔ اور اللہ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اپنے حکم سے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

یا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم پر ایسی آزمائش نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے لوگوں پر آئی تھی؟ انہیں غربت اور تنگدستی نے چھو لیا اور لرز گئے یہاں تک کہ ان کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے کہا کہ اللہ کی مدد کب ہے؟ ‘‘بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ وضاحت کرتا ہے کہ اسلام کا مجموعی پیغام کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ درحقیقت یہ ایک قدیم پیغام تھا جس کا مقصد پوری تاریخ میں کئی بار انسانیت کو ایک کامل ضابطہ حیات فراہم کرنا تھا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اتحاد، انصاف، ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 213:

" انسان]ان کے انحراف سے پہلے [ایک مذہب تھا؛ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر سکیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اتحاد، انصاف، ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی، ضابطہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے لوگوں کا علم بہت محدود ہے اور انہیں مستقبل میں ہونے والے واقعات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی فرد یا پورے معاشرے پر وضع کردہ ضابطہ اخلاق کے نتائج کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مثلاً آج تک بنی نوع انسان نے وہ تمام علم حاصل نہیں کیا جو انسانی دماغ اور جسم سے جڑے ہوئے ہیں، پھر وہ ایسے ضابطہ اخلاق کی نصیحت کیسے کر سکتے ہیں جس سے ذہنی اور جسمانی توازن قائم ہو جس سے ذہنی سکون حاصل ہو۔ یہ کامل ضابطہ اخلاق جو انسانوں کی فطرت کے لیے وضع کیا گیا ہے، جو لازوال ہے، وہی ایک ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور ان کے بارے میں اور ہر چیز کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ یہ ایک حقیقت ہے جو پوری تاریخ میں ثابت ہے۔ تاریخ کا بیشتر حصہ ایسے معاشروں سے بھرا پڑا ہے جنہوں نے الہٰی تعلیمات کو نظر انداز کیا اور یہ واضح ہے کہ ان معاشروں نے تکنیکی طور پر ترقی کے باوجود ذہنی سکون اور انصاف کیسے حاصل نہیں کیا۔ جبکہ تاریخ میں جن چند معاشروں نے الہٰی تعلیمات کو صحیح طور پر نافذ کیا انہوں نے انصاف، اتحاد اور ذہنی سکون حاصل کیا۔ معاشرے کے اندر انصاف اور اتحاد کے سلسلے میں، لوگوں کا بنایا ہوا ضابطہ اخلاق ہمیشہ متعصب رہے گا اور لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دے گا، جیسے کہ امیر کو باقی سب پر ترجیح دینا۔ اس کے علاوہ، معاشرے کے اندر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین بنانے اور ان پر عمل درآمد کے مستقبل کے نتائج لوگوں کی کم نگاہی کی وجہ سے نامعلوم ہیں، چاہے معاشرے پر نئے قوانین کے اثرات کے بارے میں پیشین گوئیاں کی جا سکیں۔ صرف وہی ہے جو غیر جانبدارانہ ضابطہ اخلاق عطا کر سکتا ہے جس کے تحت ہر قانون وسیع تر معاشرے کے فائدے کی ضمانت دیتا ہے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ بھی ہو، اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 213:

’’اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے ان کے جن کو یہ دیا گیا تھا - ان کے پاس واضح دلیلیں آنے کے بعد - آپس کی حسد کی وجہ سے۔‘‘

جب بھی لوگوں نے اپنی دنیاوی خواہشات، جیسے دولت اور قیادت حاصل کرنے کا انتخاب کیا، انہوں نے جان بوجھ کر اختلاف کیا، چیلنج کیا اور الہی تعلیمات کو نظر انداز کیا۔ یہ تفرقہ کا باعث بنتا ہے اور باقی معاشرے کو صحیح الٰہی تعلیمات پر عمل کرنے سے روکتا ہے، کیونکہ ہر غیرت مند عالم نے جان بوجھ کر الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح کی تاکہ اپنا گروہ پیدا کر سکیں، تاکہ وہ قیادت حاصل کر سکیں۔ ایک مسلمان کو اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 23 المومنون، آیات 52-53:

"اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ سے ڈرو۔ لیکن انہوں نے اپنے مذہب کو اپنے درمیان حصوں]یعنی فرقوں [میں تقسیم کر دیا - ہر ایک گروہ، جو اس کے پاس ہے، خوش ہے۔"

پچھلی قوموں نے مذہب کے اندر ایک درجہ بندی کا نظام بنایا تاکہ وہ قیادت اور دولت حاصل کر سکیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور عام لوگوں کے درمیان دربان کی طرح برتاؤ کیا اور یہ واضح کر دیا کہ وہ صرف اندھی تقلید اور خوشنودی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ امت مسلمہ نے بھی اس طرح کا برتاؤ کیا جب انہیں حکم دیا گیا کہ وہ تفرقہ میں نہ پڑیں اور اس کے بجائے خلوص نیت سے اسلامی تعلیمات کو سیکھیں اور اس پر عمل کریں جس سے وہ متحد رہتے۔ باب 3 علی عمران، آیت 105:

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کھلے دلائل کے آنے کے بعد آپس میں بٹ گئے اور اختلاف''
''کیا۔ اور ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

جیسا کہ مرکزی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، انبیاء علیہم السلام، جہاں وہ راہنمائی ہیں جنہوں نے صحیح راستہ دکھایا جو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف لے جاتا ہے۔ انہوں نے دربانوں کی طرح کام نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے ان کی خوشنودی کا مطالبہ کرتے تھے۔ ایک مسلمان کو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایسے اساتذہ تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک مسلمان کو ایسے علماء سے بچنا چاہیے جو اپنے دھڑوں کو فروغ دیتے ہیں اور لوگوں کو ان میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان کے ضابطہ اخلاق پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور صحیح ذہنیت اختیار کریں جو اتحاد کی طرف لے جاتی ہے۔
معاشرے کے اندر .باب 2 البقرہ، آیت 213:

''اور اللہ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اپنے حکم سے۔''

لیکن یہ ہدایت صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو دوسروں کی اندھی تقلید کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے بجائے کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے
کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 213:

‘‘اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔’’

اور باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں…‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 213:

’’ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے ان کے جن کو یہ دیا گیا تھا - ان کے پاس واضح دلیلیں آنے کے بعد - آپس کی حسد کی وجہ سے۔‘‘

انتشار کا باعث بننے والے حسد سے اس وقت بچا جا سکتا ہے جب لوگ بالخصوص علماء اور معاشرے کے رہنما اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسے کہ سماجی اثر و رسوخ اور قیادت، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معاشرے میں امن، انصاف اور اتحاد کو یقینی بنایا جائے گا۔ اور یہی وہ واحد راستہ ہے جس سے وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ لیکن اگر وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال

کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تو جو کچھ بھی حاصل کریں گے وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچ نہیں سکتے اور اس کے نتائج کا سامنا کر رہے ہیں۔ انتخاب باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ایک غیرت مند شخص کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا رویہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو چیلنج کر رہا ہے، کیونکہ دنیاوی نعمتوں کی لوگوں میں تقسیم کا فیصلہ وہی خود کرتا ہے۔ لہٰذا غیرت مند شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے کہ اس نے کوئی خاص نعمت کسی اور کو دینے کی بجائے عطا کرنے میں غلطی کی۔ اس لیے حسد کبیرہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ جو بھی نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرے، یہ جانتے ہوئے کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی ہیں وہ ان کے لیے بہترین ہیں اور جو کچھ دوسرے لوگوں کو دیا گیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے۔ یہ انہیں حسد کے برے نتائج سے محفوظ رکھے گا، جیسے ذہنی دباؤ اور دونوں جہانوں میں عذاب۔

باب 2 البقرہ، آیت 213:

اور کسی نے اس پر اختلاف نہیں کیا سوائے ان کے جنہیں یہ دیا گیا تھا - ان کے پاس واضح دلیلیں آنے کے بعد - آپس میں حسد کی وجہ سے۔ اور اللہ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اپنے حکم سے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔"

انبیاء علیہم السلام اور صحیفہ الٰہی کے ذریعے ہر نسل پر حق کے ظاہر ہونے کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ جب یہ واقع ہوا تو ان کے درمیان تصادم اور تصادم ناگزیر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کشمکش کے دوران ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک قدیم جنگ ہے جو ہر نسل میں لازماً ہوتی رہتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 214:

" یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم پر ایسی آزمائش نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے لوگوں پر آئی تھی؟"

بہت سے دوسرے مذاہب کے برعکس، اسلام یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس کے پیروکاروں کو زمین پر جنت اور آخرت میں جنت دی جائے گی۔ اس کے بجائے، یہ واضح کرتا ہے کہ ایمان کو قبول کرنا امتحانات کے ساتھ آتا ہے، کیونکہ یہ امتحان ہی یہ ظاہر کرنے کا واحد ذریعہ ہیں کہ کون حقیقی طور پر ایمان رکھتا ہے اور کون نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے یونیورسٹیوں میں ٹیسٹوں کا استعمال اس بات کا تعین کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ کون سے طلبہ حقیقی طور پر گریجویٹ ہونے کے لیے درکار علم رکھتے ہیں اور کن طلبہ کے پاس نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی جانتا ہے کہ حقیقی مومن کون ہے، لیکن وہ اپنے لامحدود علم کی بنیاد پر لوگوں کا فیصلہ نہیں کرتا، بلکہ وہ لوگوں کا فیصلہ ان کی نیت اور عمل کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس لیے انسان کی نیت اور عمل کو ظاہر کرنے کے لیے ٹیسٹ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ باب 3 علی عمران، آیت 179:

’’اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حال میں نہیں چھوڑے گا کہ تم اس حال میں ہو جب تک وہ برائی کو خیر سے الگ نہ کر دے۔‘‘

اور باب 2 البقرہ، آیت 214:

"یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم پر ایسی آزمائش نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے لوگوں پر آئی تھی؟"

اس کے علاوہ بغیر امتحان کے اس دنیا میں زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ باب 67 الملک، آیت 2:

"وہ [جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے..."

ٹیسٹ ایک کو زندگی کے دونوں پہلوؤں کا تجربہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں :آسانی کے اوقات اور مشکل کے اوقات۔ امتحان یہ ہے کہ آسانی کے وقت شکر ادا کرتا ہے اور مشکل کے وقت صبر کرتا ہے یا نہیں۔ شکرگزاری میں ان نعمتوں کا خلوص کے ساتھ استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نیک نیت اختیار کرنا بھی شامل ہے، کیونکہ لوگوں کے لیے کام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ شکر گزاری میں اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا بھی شامل ہے۔ صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا

اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ آزمائشوں کا سامنا مسلمانوں کے لیے منفرد نہیں ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا سامنا ہر نسل کے ہر فرد کو ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 214:

"یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم پر ایسی آزمائش نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے لوگوں پر آئی؟ انہیں غربت اور تنگدستی نے چھو لیا اور لرز گئے یہاں تک کہ ان کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے کہا کہ اللہ کی مدد کب ہے؟

اس حقیقت کو سمجھنا اس دنیا میں آزمائشوں کا سامنا کرنا آسان بنا دیتا ہے، کیونکہ پوری بنی نوع انسان کسی نہ کسی شکل میں آزمائشوں کا شکار ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو ایسے خودغرض اور خودغرض رویے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ اکیلے ہی مشکلات سے گزر رہے ہوں۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں بھی جھانکنا ضروری ہے تاکہ تمام لوگوں کی قدر کی جا سکے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اکثر حالات میں ان سے زیادہ سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے صبر کرنے میں مدد ملے گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ملے گی کہ وہ ان کو زیادہ مشکلات سے نہ آزمائیں۔ اس کے علاوہ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی استطاعت سے زیادہ نہیں آزماتا، اس لیے صبر نہ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

باب 57 الحدید، آیات 22-23 زندگی میں امتحان جیسے مقدر ہوتے ہیں ان کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔:

" کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔‘‘

لہٰذا، ایک شخص مشکل کے وقت یا تو بے صبری کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور بے شمار انعام سے محروم ہو سکتا ہے یا پھر صبر کے ساتھ مشکل کا تجربہ کر کے بے شمار انعام حاصل کر سکتا ہے۔ کسی بھی طرح سے، انہیں ناگزیر مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا لہذا اس کے ساتھ ایک بے شمار انعام حاصل کرنا سمجھ میں آتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر واضح فرماتا ہے کہ اس کی مدد اور نصرت ہمیشہ قریب ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو صبر اور شکر کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 214:

یہاں تک کہ ان کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے کہا کہ اللہ کی مدد کب ہے؟ بلاشبہ ‘‘اللہ کی مدد قریب ہے۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہمیشہ اس کی لامحدود حکمت اور علم کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا، اس کی مدد بہترین وقت پر آتی ہے اور اس میں ملوث افراد کے لیے بہترین طریقے سے آتی ہے، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ یہ الٰہی امداد زیادہ تر معاملات میں اس طرح نہیں آتی جس طرح سے ایک شخص توقع کرتا ہے، کیونکہ ان کے لیے بہتر کیا ہے اس کے بارے میں ان کا علم انتہائی محدود ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں اور اکثر تقدیر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت کی کمی پر تنقید کرتے ہیں، جب ان کی خواہش کے مطابق مدد ان تک نہیں پہنچتی۔ اس حقیقت کو سمجھنا اور قبول کرنا بذات خود ایک امتحان ہے جس سے مسلمانوں کو گزرنا ہوگا اگر وہ صبر اور شکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 – البقرہ، آیت 215

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ
وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرو وہ والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو بھی نیکی کرو گے، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

مرکزی آیت کا آغاز اسلامی اور دنیاوی علم کے متعلقہ موضوعات پر تحقیق اور مطالعہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"...وہ تم سے پوچھتے ہیں "

دینی علم کے سلسلے میں جن موضوعات پر تحقیق اور مطالعہ کرنا ضروری ہے وہ وہ موضوعات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرے گا، جیسے کہ پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ جن موضوعات کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا وہ متعلقہ نہیں ہیں اور صرف انسان کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ہیں جو اپنی توانائی کو غیر متعلقہ موضوعات پر وقف کرنے کی پوزیشن میں ہیں جو پہلے ہی متعلقہ موضوعات پر کام کر چکے ہیں۔ چونکہ ایسا کرنا عملی طور پر ناممکن ہے، اس لیے لوگوں کو اپنی تمام تر کوششیں، وقت اور توانائی دینی علم کی ان شاخوں پر تحقیق کرنے اور ان پر عمل کرنے پر صرف کرنا چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا اور باقی سب کچھ چھوڑ دیں۔ اور پھر ایک متعلقہ موضوع کی مثال مرکزی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ "

اس معاملے میں خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے جو اسے عطا کی گئی ہیں اور اس وجہ سے اس میں دیگر چیزیں شامل ہیں، جیسے وقت اور توانائی، نہ کہ صرف دولت۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"...وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہو، "جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے "

نیکی کے خرچ سے مراد ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اچھا خرچ کرنا اور ان نعمتوں کو استعمال کرنا جو کسی کو عطا کی گئی ہیں کسی دوسرے معیار، جیسے فیشن، ثقافت یا کسی کی خواہشات سے پرکھا نہیں جاتا۔ ورنہ جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کا غلط استعمال کیا جائے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے یہاں تک کہ اگر انسان تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو سے نہیں بچ سکتے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ جو شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقے سے، اسلامی تعلیمات کے مطابق، وہ ذہنی سکون اور دونوں ،جہانوں میں کامیابی حاصل کرے گا، جیسا کہ ان کے روحانی قلب پر قابو پانے والا ہے۔ ذہنی سکون اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اسے حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی"
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

،اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عاقل مریض صحت مند ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

"...وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہو، "جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے "

اچھی چیزوں کا خرچ کرنا بھی حلال چیزوں کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال چیزوں کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا ہے جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد انسان کی نیت ہے۔ اگر کسی شخص کے ایمان کی بنیاد ہی خراب ہے تو وہ جو کچھ بھی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فاسد اور رد ہو جائے گا، خواہ وہ اچھے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ انسان کو یہ یاد رکھ کر حرام چیزوں سے بچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے لیے رزق مختص کیا تھا اور اس میں

ہرگز اضافہ یا کمی نہیں کی جا سکتی۔ صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 11 ہود، آیت 6:

" اور زمین پر کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور وہ اس کے رہنے کی جگہ اور ذخیرہ کرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب کچھ واضح رجسٹر میں ہے۔ "

لہٰذا، حلال رزق حاصل کرنے کے لیے اپنی توانائی جیسے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اپنا نصف پورا کرنا چاہیے اور اس بات پر بھروسہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہوئی ہے کہ جب تک وہ اس میں زندہ ہیں انہیں ان کا حلال رزق ملے گا۔ دنیا

باب 2 البقرہ، آیت 215:

کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ والدین کے لیے ہے‘‘۔ ’’

سب سے اہم نیکی اپنے والدین کو ان کی پرورش کے لیے شکر گزاری کے طور پر دکھانی چاہیے۔ باب 31 لقمان، آیت 14:

میرے اور اپنے والدین کے شکر گزار رہو۔ میری]آخری [منزل ہے۔

اگرچہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے کم نہیں کہ وہ اکثر دوسرے لوگوں کو اپنی نعمتیں لوگوں تک پہنچانے کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے والدین۔ اس لیے دوسروں کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا ایک پہلو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ والدین کے احترام میں، کسی کو ہر وقت ان کا انتہائی احترام کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جو وہ خود اپنے بچوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں ان کی صلاحیت کے مطابق مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی، جذباتی اور جسمانی امداد۔ بچوں کو اپنے والدین سے اختلاف کرنے کی اجازت ہے، لیکن یہ احترام اور آداب کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اسلام میں والدین یا کسی اور کی اندھی اطاعت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتے ہیں تو انہیں اپنے والدین کی ہرگز اطاعت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ انہیں نرمی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رہنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک بچے کو اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے والدین کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، نہ کہ ثقافت، فیشن، سوشل میڈیا یا معاشرے کے مقرر کردہ معیارات کے مطابق، جیسا کہ یہ معیارات ہیں۔ اکثر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ معیار سے متصادم ہوتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ معیارات پر عمل پیرا رہیں، انہیں لوگوں کی طرف سے یہاں تک کہ ان کے والدین کی طرف سے جو تنقید بھی ہوتی ہے، اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو اپنے والدین کی ہمیشہ اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ حلال معاملات میں بھی، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے والدین کو خوش کرنے کے لیے اپنی خوشی کو قربان کر دے، جب تک کہ وہ اخلاق اور احترام کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ ہمیشہ دوسروں کی خاطر اپنی خوشیوں کو قربان کرنا اکثر تلخی اور اداسی کا باعث بنتا ہے۔ ایک بچے کو اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھنی چاہیے، نہ کہ اپنے والدین یا دوسرے لوگوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں دونوں جہانوں میں اجر ملے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو جزا دیتا ہے جو اس کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اپنے والدین کی خاطر عمل کرنے والا یہ پائے گا کہ جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں اس لیے انہیں وہ تعریف و توصیف نہیں ملتی جس کے وہ مستحق اور امید رکھتے ہیں۔ یہ بدلے میں انہیں تلخ کر دے گا، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنی خوشی اپنے والدین کی خوشی کے لیے قربان کر دی ہو۔ تلخی انسان کو لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے روکتی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ والدین اور رشتہ داروں کے لیے ہے“۔ ”

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہمیشہ جامع نصیحتیں دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اکثر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور انصاف یقینی ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو“۔”

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو مندرجہ ذیل آیت میں بتائی گئی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنا چاہیے جن کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہے۔ باب 2 البقرہ، 83:

"اللہ کے سوا عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے تعلق توڑے گا۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ اچھے کاموں میں ان کی مدد کرے اور برے کاموں میں تنبیہ کرے، جیسا کہ اس طرح۔ اپنے رشتہ داروں کو ان کی گمراہی سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو وہ والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں ’’ کے لیے ہے۔‘‘

اسلامی تعلیمات میں اکثر یتیموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ آخرکار بیوہ جیسے صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر عبادت کرنے اور روزے رکھنے والے کے برابر لہٰذا جس ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات کی نماز اور نفلی روزے کرنا مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس ثواب کو حاصل کیا جا سکے۔ کم سے کم کوشش کے ساتھ.

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی اسباب ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ نے انہیں قرض کے طور پر عطا کیا ہے نہ کہ بطور تحفہ۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد کو قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ لہٰذا کوئی مسلمان خواہ اس کے پاس کتنا ہی کم مال کیوں نہ ہو، اس آیت پر عمل کرنے سے عذر نہیں کر سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

’’ کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو وہ والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔‘‘

مسافر وہ اجنبی ہے جو پردیس میں پھنس گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ انہیں دے دیں تاکہ اگر انہیں ضرورت ہو تو سفر میں ان کی مدد کریں۔ جس کے پاس مال ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ ہمدردی کرے اور ان کی ہر ممکن مدد کرے خواہ وہ ان کو کھانا یا نقل و حمل کا ذریعہ دے یا سفر کے دوران ان پر ہونے والی کسی بھی برائی سے بچائے۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

’’ کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو وہ والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔‘‘

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں جہانوں میں ثواب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا چاہیے نہ کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے۔ جب لوگ ان کا شکریہ ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو تلخی سے بچنے کے لیے اچھی نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تلخی ہمیشہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے روکتی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ان کی نیت اچھی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور صرف اسی سے اجر حاصل کرنا ہے، چاہے دوسرے لوگ ان کی نیکی کو تسلیم کرنے میں ناکام ہوں۔
زیر بحث مرکزی آیت کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

‘‘اور تم جو بھی نیکی کرو گے، بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔ ’’

اس سے وہ کوئی بھی عذر بھی دور ہو جاتا ہے جو کوئی شخص نیکی سے بچنے کے لیے دے سکتا ہے کیونکہ یہ کسی بھی طرح سے محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، نیکی کرنے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اور اس لیے کوئی بھی شخص اس بات سے قطع نظر کر سکتا ہے کہ اس کے پاس کتنی ہی چھوٹی دنیاوی چیزیں ہیں، جیسا کہ ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ صرف ان کا اپنا جسم ہے۔ لہٰذا کسی کو سست روی سے بچنا چاہیے جس کے تحت وہ جو کچھ انہیں عطا کیا گیا ہے اسے صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں، جیسے کہ دولت، کے ساتھ نیکی کرنے کے لیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 215:

‘‘اور تم جو بھی نیکی کرو گے، بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔ ’’

یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ایک شخص کو دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی سے نوازے گا جو وہ کرے گا۔ اس لیے یہ ایک شخص پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ انتخاب کرے کہ وہ دونوں جہانوں میں زیادہ ذہنی سکون چاہتا ہے یا کم اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ہر شخص کو ان کاوشوں کے مطابق ملے گا جو اس نے عطا کی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ کس طرح ذہنی سکون کے خواہاں ہیں لیکن معاہدے کے اپنے انجام کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ یہ کیسے سمجھتے ہیں کہ دنیاوی معاملات میں انسان کو ان کی کوششوں کے مطابق کچھ ملتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون عطا فرمائے گا اور اس کی خوشنودی کے لیے کم سے کم یا کوئی کوشش نہیں کرے گا۔ اس لیے اگر کوئی شخص کم سے کم کوشش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے زیادہ واپسی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو دنیا کی نعمتوں کا ذخیرہ کرے گا وہ اسے پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو روکے ہوئے ہے۔ ان کی طرف سے برکتیں باب 47 محمد، آیت 7:

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

باب 2 - البقرہ، آیات 216-218

كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰٓ أَن
تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَكُفْرٌۢ بِهِۦ
وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِۦ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ ٱللَّهِ وَٱلْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ ٱلْقَتْلِ وَلَا
يَزَالُونَ يُقَٰتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ ٱسْتَطَٰعُوا۟ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن
دِينِهِۦ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُو۟لَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَأُو۟لَٰٓئِكَ
أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢١٧﴾

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ وَجَٰهَدُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أُو۟لَٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ ٱللَّهِ
وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے۔ لیکن شاید آپ کو کسی چیز'' سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وہ تم سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں اس میں لڑائی کے بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑنا بہت بڑا]گناہ [ہے لیکن]لوگوں کو [اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام میں]روکنا [اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی نظر قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ "اور وہ تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں اگر وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی کی حالت میں مر جائے تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔

قرآن مجید کی آیات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے معانی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے انہیں ان کے صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں وہ کسی کے فعل کے جواز کے لیے نازل ہوئی یا درج کی گئی۔ آیات اور احادیث کے سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا جائے۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 194:

پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر حملہ ...”
"...کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو

ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے، جیسا کہ زیر بحث
:اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں‘‘۔ ’’

لہٰذا امن کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب
:دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193

لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]یعنی حملہ[..."
"نہیں ہوگی۔

:اگر دشمن چاہے امن اسے دیا جانا چاہئے .باب 4 النساء، آیت 90

پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ تعالیٰ’’ نے تمہارے لیے ان کے خلاف جنگ کا کوئی سبب نہیں بنایا‘‘۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زیر بحث اہم آیات سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ فاسق ہے۔ اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بزرگوں، اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور حواریوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر اور مسند احمد نمبر 2728- 2614

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات کے مطابق بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل کو حرام قرار دیا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

’’اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔‘‘

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

"پس جب تک وہ آپ کی طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔..."

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ، آیات 8-9:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے اس لیے لڑتے ہیں۔ دین کے بارے میں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دو اور تمہارے نکالنے میں مدد...

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس کی خواہش نہ کرتے ہوئے مجبور کیا جانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

قرآن کریم کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔ اس پر ہو

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار" کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5:

’’اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔‘‘

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جنگ کا یہ بیان مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد مواقع پر واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور امت مسلمہ کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ اور اس کے اتحادی .مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

"سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی۔ تو ان کے لیے ان کا معاہدہ مکمل کر دے یہاں تک کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

’’مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا تھا؟ اس لیے جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

’’کیسے]معاہدہ ہو سکتا ہے [جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے؟ وہ آپ کو اپنے منہ سے مطمئن کرتے ہیں، لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر بدل دیا اور لوگوں کو اس کی راہ سے روک دیا۔ درحقیقت یہ برا کام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اور وہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

"پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔"

اور باب 9 توبہ آیت 5:

”اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔“

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جس نے بھی اس کی درخواست کی ہو اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کو بغیر کسی خوف اور دباؤ کے سننے کا موقع ملے یا وہ پرامن طریقے سے اس کی حفاظت کر سکیں۔ جزیرہ نما عرب کو نقصان پہنچنے کے خوف کے بغیر چھوڑ دیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

”اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔ پھر اسے اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔"

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے حقیقت میں کوئی خون نہیں بہایا گیا، کیونکہ اس آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا، یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو پرامن طریقے سے چھوڑ دیں۔ .

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے ‘‘۔ ’’

اس جدوجہد میں شیطان کے خلاف جدوجہد بھی شامل ہے، اپنے اندر کے شیطان اور معاشرے کے اندر پھیلنے والی وسیع برائی، جو سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر جیسے شراب اور جوئے کے ذریعے ہوا کرتی ہے، جن کا ذکر اگلی چند آیات میں کیا گیا ہے۔ ان چیزوں کے خلاف جدوجہد میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، بجائے اس کے کہ ان کو استعمال کیا جائے۔ کسی کی خواہشات یا دوسروں کی خواہشات۔ یہ جدوجہد اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے سے کہیں زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ ایک مسلسل جنگ ہے جو صرف اس وقت ختم ہوتی ہے جب انسان مر جاتا ہے۔ اگرچہ عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی یہ جدوجہد اکثر کسی کی خواہشات کے خلاف ہوتی ہے، بہتر ہے کہ اسلامی تعلیمات کو قبول کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک شخص کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہترین ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

لیکن جس طرح ایک نادان مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو رد کرنے کا انتخاب کرتا ہے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوگی، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی نصیحت کو رد کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے روحانی دل پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تسلط سے نہیں بچ سکتا، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ دولت مند لوگ بہت سی دنیاوی چیزوں جیسے دولت رکھنے کے باوجود کمزور ذہنی صحت کا شکار ہوتے ہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ آیت 216 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، اسلامی تعلیمات کو انسانوں کی فطرت کے مطابق بنایا گیا ہے۔ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کے حوالے سے لوگ خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لیں، ان کا علم ہمیشہ محدود رہے گا، اس لیے وہ لوگوں کو زندگی گزارنے کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم نہیں کر سکتے جس سے ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہو۔ اور چونکہ لوگ انتہائی کم نظر ہوتے ہیں وہ زندگی گزارنے کے لیے کسی خاص ضابطہ اخلاق کو منتخب کرنے کے مستقبل کے نتائج کی پوری طرح تعریف نہیں کر سکتے۔ بہترین ضابطہ حیات فراہم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔ جس طرح ایک شخص اپنے طبی ڈاکٹر کی نصیحت قبول کرتا ہے کیونکہ وہ علم رکھتا ہے، اسی طرح ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی نصیحت پر بھروسہ اور قبول کرنا چاہیے، کیونکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ کوئی غلطی نہیں کرسکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ اسلامی تعلیمات 1400 سال پہلے نازل ہوئی تھیں، یہ اب بھی آخری وقت تک لاگو ہوں گی کیونکہ یہ انسانوں کی فطرت کو مخاطب کرتی ہے، جو کہ اپنے آپ میں لازوال اور غیر متغیر ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 216:

" تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے۔ لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور احکام بھی شامل ہیں۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لیے منتخب کیا ہے وہ اس کے لیے بہترین ہے، چاہے اس کے انتخاب کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہوں۔ ایک شخص کی زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی ہے جب وہ ان کے لیے بری تھی اور دوسری چیزیں جب وہ ان کے لیے اچھی تھیں تو وہ بری تھیں۔ اپنی زندگی کے اندر گزرے ہوئے ان واقعات کو یاد کرنے سے اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور احکامات پر بھروسہ کرنے اور شکر اور صبر کے ساتھ ہر صورت حال کا سامنا کرنے کا یقین مضبوط ہوتا ہے۔ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو برقرار رکھا جائے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ لوگوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ‘‘

یہ پر زور بیان لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ عاجز رہیں اور ہر چیز کے حوالے سے ان کی علم کی کمی اور ان کی انتہائی کم نظری کو قبول کریں۔ جو اس حقیقت کو بھول جاتا ہے وہ آسانی سے ایسا سلوک کرے گا جیسے وہ جانتا ہے کہ کیا بہتر ہے اور یہ انہیں اللہ سے مخصوص دنیاوی چیزوں کا مطالبہ کرنے کی ترغیب بھی دے سکتا ہے، گویا وہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، گویا وہ اللہ سے بہتر جانتے ہیں۔ ان کے لیے کیا اچھا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدتمیزی کا برتاؤ کرنا آسان ہے، جس کے تحت کوئی اس کو اور اس کے خزانے کو ایک دکان سمجھتا ہے، جب کہ وہ ایسے گاہک ہوتے ہیں جو ہمیشہ درست ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کیا بہتر ہے۔ جب کہ جو شخص ان کے علم اور دور اندیشی کی کمی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا احترام کرے گا اور اس سے مخصوص دنیاوی چیزوں کا مطالبہ نہیں کرے گا اور اس کے بجائے اسلامی تعلیمات کے مطابق عمومی اچھی چیزیں مانگے گا اور اس بات پر بھروسہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی ہے۔ ان کے لیے انتخاب بہترین ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اسلام کے آنے سے پہلے بھی عربوں میں سال کے چار مہینے خاص اہمیت کے حامل تھے اور وہ اپنے اندر لڑائی جھگڑے سے گریز کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان حرمت والے مہینوں میں سے کسی ایک مہینے میں غیر ارادی طور پر مکہ کے غیر مسلموں سے جنگ کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ابھی مقدس مہینہ شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے اس غلطی کو دور کر دیا اور

واضح کر دیا کہ مکہ کے غیر مسلموں کے ناانصافی، جبر اور تشدد جیسے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنا، جب کہ انہیں روکنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ چار مقدس مہینوں میں لڑائی سے بھی بدتر۔ باب 2 البقرہ، آیت 217:

"وہ تم سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں - اس میں لڑائی کے بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑنا بہت بڑا]گناہ [ہے، لیکن]لوگوں کو [اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام میں]روکنا [اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑا ہے۔"

لیکن اس کے باوجود عرب کے غیر مسلم اس عمومی اصول کو بھی نہیں مانتے تھے اور اکثر مہینوں کو سالانہ کیلنڈر میں گھومتے رہتے تھے تاکہ وہ اپنے اندر لڑائی کو جائز قرار دے سکیں۔ باب 9 توبہ، آیات 36-37:

"بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے ہاں بارہ]چاند [مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مقدس ہیں۔ یہی صحیح دین ہے لہٰذا ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ اور کافروں سے مل کر لڑو جیسے وہ تم سے مل کر لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ درحقیقت،]مقدس مہینوں میں پابندی کا [ملتوی کرنا کفر میں اضافہ ہے جس سے کافر گمراہ ہو جاتے ہیں..."

مکہ کے غیر مسلموں نے اس واقعہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دعویٰ کر کے مقدس مہینوں میں لڑ کر ان کے عمومی اصول کو توڑ دیا۔ مکہ کے غیر مسلموں نے اپنے مسلمان رشتہ داروں کو تیرہ سال تک مسلسل ظلم کا نشانہ بنایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے، محض اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے وہ حرمت والے مہینوں میں

لڑائی پر اعتراض کرنے کے اہل نہیں تھے۔ نہ صرف یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، بلکہ مکہ میں مسجد الحرام کا راستہ بھی ان کے لیے بند کر دیا گیا تھا، جو ایک بار تھا۔ ہزاروں سالوں سے کسی کی طرف سے مسلط نہیں کیا گیا تھا۔ کرپشن کے اس ریکارڈ کے ساتھ ان یا کسی اور کے لیے یہ نہیں تھا کہ وہ مقدس مہینوں میں ضرورت پڑنے پر لڑائی پر اعتراض کریں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو اسلام کے اندر ناپسندیدہ طریقوں یا ایسی چیزوں سے پرہیز کرنے میں سختی سے اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے کے اس رویے سے گریز کرنا چاہیے جو کھلی بحث کے باوجود واضح ممنوعات پر قائم رہیں جن سے بچنا آسان ہے۔ مثال کے طور پر، بعض لوگ اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ نماز کے دوران ہاتھ کہاں رکھنا چاہئے، حالانکہ یہ اسلام کے اندر ایک ثانوی مسئلہ ہے اور اس کا تعلق واجبات سے نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ شخص دوسروں کی غیبت کرنے پر اڑے رہے گا جو کہ اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اسلام کے اندر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کی سختی انہیں محسوس کرتی ہے کہ وہ اچھے مسلمان ہیں حالانکہ وہ ان گناہوں پر قائم رہتے ہیں جن کا انہیں ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جیسے مکہ کے غیر مسلم بڑی بدعنوانی اور غلط کاموں پر ڈٹے رہے پھر بھی مقدس مہینوں میں لڑنے والے مسلمانوں کی شکایت کی۔

آیت 217 میں مذکور فساد سے مراد اسلام کے دشمنوں یعنی مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ہونے والے ظلم کے وسیع منفی اثرات ہیں۔ اس بدعنوانی کا دل ان کا گمراہ ایمان اور اپنے قبیلوں سے وفاداری، دولت، ثقافت اور جھوٹے خداؤں سے محبت تھی۔ مرکزی آیت میں مذکور مخصوص لغزشوں سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں غیر مسلموں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف لڑائی کا حکم دیا گیا تھا اس لیے ان آیات کا اطلاق دوسروں پر بالکل نہیں کیا جا سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 217:

آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑنا بہت بڑا]گناہ [ہے، لیکن]لوگوں کو [اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام تک]روکنا [اور وہاں سے لوگوں کو نکالنا اس سے بھی بڑی برائی ہے۔ اور اللہ کے نزدیک فتنہ قتل سے بڑا ہے۔

لہٰذا ان آیات میں لغزش سے مراد بے گناہوں پر ظلم و ستم ہے۔ اس سے مراد ایسی صورت حال ہے جس میں کسی فرد یا گروہ کو اس لیے ہراساں کیا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ اس وقت موجود تصورات کے برعکس نظریات کے ایک مجموعہ کو قبول کر رہا ہے، اور اس کی تبلیغ کے ذریعے معاشرے کے موجودہ نظام میں اصلاحات کو نافذ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچھا ہے اور برائی سے منع کرنا۔ لہٰذا، اس فساد سے بے گناہوں کو ہونے والے اس مخصوص نقصان کو روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ دشمن سے اس وقت تک لڑا جائے جب تک اسلام کو کھلم کھلا مخالفت کے بغیر عمل کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور غیر مسلموں کی وجہ سے معاشرے کو پہنچنے والے منفی نقصانات کو روک دیا جائے۔

اس کے علاوہ، جابر حکمرانوں، جیسے رومیوں اور فارسیوں کی طرف سے ہونے والے بڑے پیمانے پر جبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بڑے پیمانے پر جانا جاتا تھا۔ وہ اس ملک کے لوگوں پر مسلسل ظلم کرتے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ ان لوگوں سے لڑنے سے فوجیوں، سپاہیوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا تھا جنہوں نے لڑنے اور مرنے کے لیے دستخط کیے تھے، لیکن طویل عرصے میں اس نے معصوم شہریوں پر ہونے والے ظلم کو ختم کر دیا۔ اور اگر اسلامی حکومت صحیح طریقے سے قائم ہو جائے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد سیدھے خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی تو ملک میں عدل کا غلبہ ہو گا۔ لہٰذا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عوام پر دیرینہ ظلم فوجیوں کے قتل سے بھی بدتر ہے اگر اس سے انصاف قائم ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 217:

’’ اور وہ تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں اگر وہ استطاعت رکھتے ہیں‘‘۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام کے دشمن شیطان اور گمراہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے جانوروں کی طرح ان کی پیروی کریں جس کے تحت وہ اعلیٰ اخلاق کے مطابق زندگی گزارنے کے بجائے اپنی خواہشات کے مطابق زندگی بسر کریں، وہ ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھوڑ دیں۔ اقدار اور طرز زندگی۔ ان ہتھیاروں میں سے ایک مسلمانوں کو اس بات پر قائل کرنا ہے کہ وہ اسلام پر ایمان کا دعویٰ جاری رکھیں اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ایک وسیع مسئلہ بن گیا ہے حالانکہ لفظ مسلم کا مطلب ہے وہ شخص جس نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو۔ اس لیے کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اسلام پر عمل نہ کرتا ہو۔ درحقیقت جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے اس کا ایمان مکمل طور پر ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 217:

اور وہ تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں اگر'' وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی کی حالت میں مر جائے تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں "ہمیشہ رہیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے زندہ اور مضبوط رہنے کے لیے اطاعت کے عمل سے پرورش پانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ سورج کی روشنی کی طرح پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کی اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کی جائے تو اس کا ایمان بھی مر جائے گا۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ واحد راستہ ہے جس سے انسان ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص ایمان کو ترک کر دیتا ہے یا اپنے ایمان کے زبانی اعلان پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ یہ پائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ اور جیسا کہ زیر بحث اہم آیات میں متنبہ کیا گیا ہے، ان کی تمام کوششیں، توانائی اور وسائل رائیگاں جائیں گے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ یعنی ان کی کوششیں دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی کا باعث نہیں بنیں گی، خواہ ان کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں، اس طرح کی دولت اور شہرت، اور خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کنٹرول سے نہیں بچ سکتے، خاص طور پر اپنے روحانی دلوں پر، سکون قلب کے گھر۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 217:

اور وہ تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں اگر'' وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی کی حالت میں مر جائے تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلام کی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 218:

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی '' رحمت کے امیدوار ہیں۔''

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خاطر اپنے ایمان کو حقیقی معنوں میں ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جدوجہد کرنے اور اس کی خاطر ہجرت کرنے کا بڑا نسخہ ہے، کیونکہ یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ لیکن جیسا کہ آیت 218 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے کمال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ صرف ان سے

توقع کرتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت میں سخت کوشش کریں اور اگر وہ گناہ کر بیٹھیں تو سچے دل سے توبہ کریں۔ سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت پائے گا جس کے نتیجے میں اس کی ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ہوگی۔ باب 2 البقرہ، آیت 218:

‘‘اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 218:

’’ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔‘‘

اس آیت میں کوشش کرنے کا مطلب ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش کرنا۔ یہ جنگ کے مترادف نہیں ہے جس کے لیے عربی لفظ قتال ہے۔ جدوجہد کا ایک وسیع مفہوم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی جدوجہد کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنے والا وہ شخص ہے جو ان کے مقصد کے لیے خلوص نیت سے سرشار ہو، جو اپنی ذہنی صلاحیت کو اس بات کی عکاسی کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے کہ وہ اس مقصد کو کس حد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اسلام کو لفظ اور قلم سے پھیلاتے ہیں۔ وہ اپنی جسمانی توانائی اللہ عزوجل کی خدمت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی ترویج کے لیے اپنے تمام وسائل کو صرف کرتے ہیں اور ہر اس طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تمام تر قوت استعمال کرتے ہیں جو اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے اور جب بھی ضروری ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے نہیں بھاگتے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ وہ اس طریقے سے صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، اس کے دین کی بالادستی قائم کرنے اور اس کے کلام کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 218:

’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔‘‘

یہ آیت خواہش مندانہ سوچ کے تصور کو بھی ختم کرتی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے اور پھر بھی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ یہ خواہش مندانہ سوچ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید رکھنے والا وہی ہے جو اس کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں ان دونوں کے درمیان فرق اس طرح ظاہر ہوا ہے۔

اس کے علاوہ یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ایک شخص کو دونوں جہانوں میں سکون قلب اور کامیابی سے نوازے گا جو وہ کرے گا۔ اس لیے یہ ایک شخص پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ انتخاب کرے کہ وہ دونوں جہانوں میں زیادہ ذہنی سکون چاہتا ہے یا کم اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ہر شخص کو ان کوششوں کے مطابق ملے گا جو وہ عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے لیے کرتے ہیں، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ کس طرح ذہنی سکون کے خواہاں ہیں لیکن معاہدے کے اپنے انجام کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ یہ کیسے سمجھتے ہیں کہ دنیاوی معاملات میں انسان کو ان کی کوششوں کے مطابق کچھ

ملتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون عطا فرمائے گا اور اس کی خوشنودی کے لیے کم سے کم یا کوئی کوشش نہیں کرے گا۔ اس لیے اگر کوئی شخص کم سے کم کوشش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے زیادہ واپسی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو دنیا کی نعمتوں کا ذخیرہ کرے گا وہ اسے پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو روکے ہوئے ہے۔
ان کی طرف سے برکتیں سی باب 47 محمد، آیت 7:

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 218:

’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔‘‘

ایک مسلمان کو ان عظیم قربانیوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے اور ان سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو ان سے پہلے گزرے، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ سے زیادہ محبوب تھے، جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے صحابہ، اللہ ان سے راضی ہو۔ یہ یاد دہانی ان کی مشکل کے وقت صبر کرنے میں مدد کرے گی، جس طرح ان سے پہلے لوگ صبر کرتے تھے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول یا فعل کی شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھا جائے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان کے لیے کیا بہتر ہے، خواہ یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ درحقیقت اس نصیحت سے ان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے کہ وہ آزمائشوں اور مشکلات کا شکار نہ ہوں جن سے نیک پیشواؤں کو گزرنا پڑا۔ شکرگزاری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان

کیا گیا ہے۔ یہ صبر اور شکر ہر مشکل اور حالات کا صحیح طریقے سے مقابلہ کرنے میں مدد کرے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں بے شمار انعام اور ذہنی سکون حاصل کر سکے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 219-220

۞ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَـٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ
أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ ٱلْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾

"وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہو، "ضرورت سے زیادہ[۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

دنیا اور آخرت کے لیے۔ اور تم سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے لیے بہتری ہی بہتر ہے اور اگر تم اپنے معاملات کو ان کے ساتھ ملا دو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال سکتا ہے، بیشک اللہ ہی ہے غالب اور حکمت والا ہے۔''

مرکزی آیت کا آغاز اسلامی اور دنیاوی علم کے متعلقہ موضوعات پر تحقیق اور مطالعہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"...وہ تم سے پوچھتے ہیں "

دینی علم کے سلسلے میں جن موضوعات پر تحقیق اور مطالعہ کرنا ضروری ہے وہ وہ موضوعات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرے گا، جیسے کہ پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ جن موضوعات کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا وہ متعلقہ نہیں ہیں اور صرف انسان کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ہیں جو اپنی توانائی کو غیر متعلقہ موضوعات پر وقف کرنے کی پوزیشن میں ہیں جو پہلے ہی متعلقہ موضوعات پر کام کر چکے ہیں۔ چونکہ ایسا کرنا عملی طور پر ناممکن ہے، اس لیے لوگوں کو اپنی تمام تر کوششیں، وقت اور توانائی دینی علم کی ان شاخوں پر تحقیق کرنے اور ان پر عمل کرنے پر صرف کرنا چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا اور باقی سب کچھ چھوڑ دیں۔ اور متعلقہ موضوعات کی مثالیں پھر مرکزی آیت میں مذکور ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

‘‘...وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں ’’

یہ دونوں چیزیں شروع میں اسلام میں ممنوع نہیں تھیں کیونکہ یہ عرب معاشرے میں بہت گہرے طور پر پیوست ہو چکی تھیں۔ جس طرح ایک عقلمند ڈاکٹر مریض کے علاج کے قابل بنانے کے لیے اپنے مریض کو دی جانے والی دوائیوں کی مقدار کو بتدریج بڑھاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض احکام و ممنوعات مثلاً شراب اور جوئے کے متعلق بھی کیا۔ اس نے اس تکنیک کو استعمال کیا تاکہ کسی شخص کے لیے غیر مسلم سے مضبوط مسلمان میں منتقلی کو آسان بنایا جا سکے۔ اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات کو ایک ہی وقت میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو یہ عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں" کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اور باب 4 النساء آیت 43:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم یہ نہ جان لو" کہ تم کیا کہہ رہے ہو"۔

اور آخر میں باب 5 المائدہ آیت 90:

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے" "ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اسلام کے ایک اہم اصول کی طرف اشارہ کر دیا تھا جس کا خیال رکھنا چاہیے خواہ اس وقت کوئی خاص چیز ممنوع نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

"وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جب کسی چیز کا نقصان اس کے سمجھے جانے والے فائدے سے زیادہ ہو جائے تو اسے ترک کر دیا جائے، چاہے اسلام میں اس پر خاص طور پر حرام کا لیبل نہ لگایا گیا ہو۔ ایک شخص کو اس ضابطے کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے کیونکہ یہ اسے دونوں جہانوں میں نقصان سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے علاوہ، اسلام ایک سیدھا آگے اور دیانت دار مذہب ہے اور اس لیے اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ حرام چیزوں میں کچھ سمجھے جانے والے فائدے ہیں، جیسے لطف اندوزی۔ لیکن ایک عقلمند شخص ان سمجھے جانے والے معمولی اور قلیل المدتی فائدے کو نظر انداز کر دے گا اگر مجموعی نقصان ان کے اور دوسروں کو، جیسے کہ ان کے خاندان کے لیے زیادہ ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 219:

"وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اس جدید دور میں انسانی دماغ اور جسم پر الکحل کے منفی اثرات کو اچھی طرح سے دستاویزی شکل دی گئی ہے، چاہے اسے تھوڑی مقدار میں ہی پیا جائے۔ اس کے علاوہ، شراب کی وجہ سے معاشرے پر پڑنے والے منفی اثرات بھی بخوبی جانتے ہیں، کیونکہ یہ بہت سے دوسرے جرائم کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ حملہ ، جب شرابی اپنی زبان اور اعمال پر کنٹرول کھو دیتا ہے۔ یہ ایک شخص کے تینوں پہلوؤں پر منفی اثر ڈالتا ہے: ان کا جسم، دماغ اور روح۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص خالص توبہ کیے بغیر شراب پیتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت کہ قرآن کریم میں شرک سے مربوط چیز کے

ساتھ شراب اور جوئے کو رکھا گیا ہے، اسلام کی نظر میں اس کی سنگینی کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

''اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

جوا کسی شخص کی زندگی کے ہر پہلو کو تباہ کر دیتا ہے، بشمول اس کے کام، صحت، مالی اور خاندانی زندگی۔ یہ بے شمار دیگر گناہوں اور دماغی صحت کے مسائل سے منسلک ہے، جیسے شراب نوشی، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات۔ جیسا کہ آیت 219 میں اشارہ کیا گیا ہے، ایک شخص جوئے کے ذریعے کچھ رقم جیت سکتا ہے لیکن طویل مدت میں وہ صرف ہارنے والا ہی ہوگا۔ یہ بات واضح ہے، یہاں تک کہ کامیاب جواریوں کے حوالے سے بھی کیونکہ دولت کے لیے ان کا لالچ ہمیشہ بڑھتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ جوئے کے ذریعے جو کچھ کماتے ہیں اس سے ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ اس کے علاوہ، چونکہ جوا حرام ہے، اس لیے جو دولت وہ حاصل کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنے گی، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

''اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے''۔

اور باب 9 توبہ آیت 82 میں:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:اور باب 20 طہ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا، ایک شخص کو، اپنی خاطر، شراب اور جوئے اور کسی دوسری چیز سے بچنا چاہیے جہاں اس کا نقصان اس کے سمجھے جانے والے فوائد سے زیادہ ہو۔

:اللہ تبارک وتعالیٰ ایک اہم حقیقت کو سمجھنے کے لیے اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 219

وہ تم سے نشہ اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں " کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا ..."خرچ کریں؟ کہو، "زیادہ]ضرورت سے زیادہ[۔

ایک معاشرہ صرف ان چیزوں میں مگن ہو جاتا ہے جو اس کے فائدے سے زیادہ نقصان کا باعث بنتی ہیں، جب اس معاشرے کے افراد زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں تو انہیں اپنی بنیادی ضروریات اور ذمہ

داریوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اپنی بنیادی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے کافی کماتا ہے اس کے معاشرے میں منفی چیزوں جیسے کہ کلب اور کیسینو میں ملوث ہونے کا امکان کم ہوتا ہے، چاہے اس میں ان کاروباروں کو کھولنا یا بطور گاہک ان کا دورہ کرنا شامل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی زائد دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خرچ کریں اور ان میں سے بعض کا تذکرہ پہلے والی آیت میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم خرچ کرو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

لہٰذا، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنی بنیادی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق کمانے کی نیت کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے مال اور دیگر وسائل جیسے کہ اپنے وقت اور توانائی کے غلط استعمال کے فتنے سے بچ سکے۔ اگر وہ زیادہ دولت کماتے ہیں، جو زیادہ تر مسلمان کرتے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ وہ اس کے استعمال پر توجہ دیں اور دوسرے وسائل جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کیے گئے ہیں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن اگر وہ اس اہم نصیحت کو نظر انداز کر دیں اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں جو ان کو دی گئی ہیں فضول اور گناہ کے کاموں پر، تو یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے ہی روکے گا، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے کہ امیر اور

مشہور، کیونکہ وہ دنیاوی آسائشوں تک رسائی کے باوجود اکثر ذہنی صحت کے مسائل میں سب سے زیادہ ڈوب جاتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی تاکید کی ہے، جیسا کہ اس آیت میں اب تک زیر بحث آیا ہے، تاکہ وہ حق کو پہچانیں، اسے قبول کریں اور پھر اس پر عمل کریں تاکہ انہیں ذہنی سکون حاصل ہو۔ دونوں جہانوں .باب 2 البقرہ، آیات 219-220:

"...اس طرح اللہ تمہارے لیے آیات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ دنیا اور آخرت کے لیے’’

دوسرے مذاہب اور فرقوں کے برعکس جو لوگوں کو اس کی تعلیمات اور اصولوں پر غور کرنے سے گریز کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان کے مذہبی رہنما ان کو جو نصیحت کرتے ہیں ان کو آنکھیں بند کر کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اسلام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کریں اور اس کی تعلیمات، نصیحتوں اور اس کی بنیاد پر اسلام کی سچائی کا فیصلہ کریں۔ ثبوت باب 12 یوسف، آیت 108:

”کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...“

اور باب 34 سبا، آیت 46:

”کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو۔“

افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے غلط رویہ اپنایا ہے جس کے تحت وہ اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کیے بغیر ایک عالم دین کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اس رویہ کو اپنانے میں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ مسلمان کبھی مضبوط ایمان حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کے حصول کے لیے ان کے پاس اسلامی علم نہیں ہے۔ نتیجتاً جب بھی انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے کمزور ایمان پر قابو پا لیا جاتا ہے اور وہ ان میں صبر کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اور جب بھی انہیں آسانی کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ اپنے کمزور ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول و فعل میں شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری جاری رکھیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہ ہر حال میں ان کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ شکرگزاری میں ان نعمتوں کا خلوص کے ساتھ استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حقیقی صبر اور شکر صرف وہ لوگ دکھا سکتے ہیں اور برقرار رکھ سکتے ہیں جو مضبوط ایمان رکھتے ہیں، جس کی جڑیں اسلامی علم میں ہیں، جب کہ اسلام میں دوسروں کی اندھی تقلید صرف کمزور ایمان کا باعث بنتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کو سمجھے بغیر علمائے کرام کی اندھی تقلید کرنے کا ایک اور بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی آنے والی نسل کے سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہو جاتا ہے جنہیں معاشرہ بجا طور پر اپنی عقل اور سوالیہ چیزوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کے سوالوں کے جواب دینے میں ناکامی انہیں صرف اسلام کی تعلیمات کو ترک کرنے کی ترغیب دے گی چاہے وہ زبانی طور پر اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ والدین اپنے بچے کو کسی مذہبی اسکالر کے پاس اسلام کے بارے میں اپنے سوالات کے جوابات دینے کے لیے لے جانے سے اکثر مطلوبہ نتیجہ نہیں نکلتا، کیونکہ بچے اجنبیوں پر بھروسہ نہیں کرتے اور یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر یقین کرنے اور اس کی پیروی کرنے کے لیے دھوکے میں جا رہے ہیں۔ جو ان کی خوشی کے منافی ہو گا۔ یہ اسی طرح ہے جب کسی شخص کو کسی اجنبی کے ذریعہ کسی فرقے کی پیروی کرنے کے لئے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ بچے صرف اسلام کے بارے میں اپنے سوالات کے جوابات ان لوگوں سے قبول کرنے میں آسانی محسوس کرتے ہیں جن پر وہ بھروسہ کرتے ہیں، جیسے کہ ان کے والدین۔ لیکن اگر ان کے والدین کے پاس جوابات نہیں ہیں، کیونکہ وہ خود اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں، تو اس سے بچے کا اسلام سے لگاؤ ہی کمزور ہوگا۔ اس لیے اس سے صرف اس صورت میں بچا جا سکتا ہے جب والدین اور خاندان کے بزرگ قرآن پاک کے احکامات اور نصیحتوں پر عمل کریں تاکہ اس کی تعلیمات کو سیکھیں اور اس پر غور کریں تاکہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کریں اور اس لیے آنے والی نسلوں کو یہ سکھا سکیں کہ اسلام کیوں ہے۔ سچائی اور یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 219-220:

"...اس طرح اللہ تمہارے لیے آیات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ دنیا اور آخرت کے لیے’’

زندگی اور اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے سے انسان کو اس دنیا میں اپنے مقصد کو پہچاننے کا موقع ملے گا، جو بالآخر آخرت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس پہچان کے بغیر ایک شخص خالی زندگی گزارے گا، چاہے اسے دنیاوی کامیابی حاصل ہو۔ یہ حقیقت بالکل واضح ہے کیونکہ زیادہ تر لوگ جو دنیاوی کامیابی حاصل کرتے ہیں اکثر اپنی زندگی میں ایک خالی پن کا سامنا کرتے ہیں۔ یہ خالی پن اسی وقت پر ہو سکتا ہے جب انسان اس دنیا میں زندگی کا مقصد پورا کر لے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

اس مقصد میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ دونوں جہانوں .لہٰذا، اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام ہونا انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ یہ ایک بار پھر بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جنہوں نے دنیاوی کامیابی حاصل کی ہے اور وہ ابھی تک ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جس طرح کسی بھی ایجاد کو اس وقت ناکامی کا درجہ دیا جائے گا جب وہ تخلیق کے اپنے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جائے، خواہ اس میں بہت سی مثبت ثانوی خصوصیات ہوں، ایک انسان جو تخلیق کے اپنے واحد مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ذہنی سکون حاصل کرنے کے اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ دونوں جہانوں میں بھی. اس لیے انسان کو زندگی کے مقصد، اپنے اردگرد کے لوگوں کے انتخاب اور ان انتخاب کے نتائج، تاریخ اور اسلام کی تعلیمات پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے مقصد کو پہچانیں اور اس کی تکمیل کے لیے کوشش کریں تاکہ انہیں ذہنی سکون حاصل ہو۔ دونوں جہانوں میں

اللہ تعالیٰ اکثر قرآن پاک میں لوگوں کے حقوق کی تکمیل کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ اسلام کا ایک اہم حصہ ہے جسے اکثر لوگ نظر انداز کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 220:

"...اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں - کہو، "ان کے لیے بہتری بہترین ہے

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن لوگوں کے حقوق کو نظرانداز کرتے ہیں، حالانکہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، کسی کو دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ قیامت کے دن انصاف قائم ہوگا۔ اگر کوئی مظلوم اپنے مظلوم کو معاف نہ کرے تو ظالم مجبور ہو جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے شکار کے حوالے کر دے اور اگر ضرورت پڑے تو ظالم اپنے مظلوم کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ ظالم کو قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 220:

اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں - آپ کہہ دیجئے کہ ان کے لیے بہتری ہی بہتر ہے اور اگر تم اپنے معاملات کو ان کے ساتھ ملاتے ہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔

جیسا کہ سنن نسائی نمبر 3699 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہر وقت یتیموں کا خیال رکھتے تھے، یتیم کا مال ان کی کفالت کے لیے استعمال کرنے سے ڈرتے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ غیر ارادی طور پر یتیم کا مال اپنے مال میں ملا دیں۔ باب 4 النساء، آیت 10:

یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ کی آگ ہی کھا رہے ہیں۔ اور وہ جہنم کی" آگ میں جلے جائیں گے۔

اس کی وجہ سے انہوں نے یتیم کے معاملات کو اپنے معاملات سے الگ کرنے کی کوشش کر کے اپنے آپ کو مشکلات میں ڈال دیا، جیسے کھانا الگ سے پکانا۔ یہ مشکل تھا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت غریب تھی اور ان کے پاس اس طرح زندگی گزارنے کے ذرائع نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جب تک کوئی یتیم کے مال کو ان کی پرورش میں صحیح طریقے سے استعمال کرتا رہے گا مال میں غیر ارادی ملاوٹ کو نظر انداز اور معاف کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی نیت سے پوری طرح واقف ہے وہ اس پر ان کا فیصلہ کرے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس سے ہر حال میں نیت درست کرنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انسان کو ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ رکھنا چاہیے، جس کے نتیجے میں وہ صحیح طریقے سے بات کرنے اور عمل کرنے کی ترغیب دے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ حقوق العباد، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کریں۔ جبکہ غلط نیت اختیار کرنے والا صحیح طریقے سے بات کرنے اور برتاؤ کرنے میں ناکام رہے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ اس کے علاوہ، ان کی بری نیت کی وجہ سے، وہ ان چند اچھے کاموں کا کوئی اجر حاصل نہیں کریں گے جو وہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو صرف اس وقت اجر دیتا ہے جب وہ اس کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے ۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو عام آبادی کا بھائی قرار دیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو دوسرے لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے خاندان کے ساتھ سلوک کریں۔ اگر ہر کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرے تو معاشرے میں انصاف، عزت اور امن پھیلے گا اور تمام لوگوں کے حقوق پورے ہوں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 220:

اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے لیے بہتری ہی بہتر ہے اور اگر تم اپنے معاملات کو ان کے ساتھ ملاتے ہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلامی تعلیمات میں یتیموں کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت آخرکار بیوہ جیسے مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر عبادت کرنے اور کی گئی ہے۔ روزے رکھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود حدیث میں اس لہٰذا جس شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات کی نماز اور نفلی روزے کرنا کی تلقین کی گئی ہے۔ مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس ثواب کو حاصل کیا جا سکے۔ کم سے کم کوشش کے ساتھ.

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی اسباب ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ نے انہیں قرض کے طور پر عطا کیا ہے نہ کہ بطور تحفہ۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ

ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد کو قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ اس لیے کوئی بھی مسلمان خواہ اس کے پاس کتنی ہی کم دولت کیوں نہ ہو، اپنے آپ کو ضرورت مندوں کی مدد سے عذر نہیں کر سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 220:

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال سکتا تھا‘‘۔ ’’

عام طور پر، یہ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی ضابطہ اخلاق کو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے بنایا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ یہ نتیجہ کسی بھی انسان کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا، خاص طور پر انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کے حوالے سے، علم کی کمی کی وجہ سے، اور چونکہ لوگ انتہائی کم نظر ہوتے ہیں وہ اپنے انتخاب کے نتائج کو پوری طرح سے نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے علاوہ، تمام انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق ہمیشہ متعصب ہوں گے اور لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر فائدہ پہنچائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ غیرجانبدار، حکیم اور سب کچھ جاننے والا ہے، وہ واحد ہے جو ایک

ایسا ضابطہ حیات بنا سکتا ہے جو معاشرے میں ذہنی سکون اور انصاف کا باعث ہو۔ جب تک لوگ اسلامی ضابطہ اخلاق پر عمل کریں گے، وہ یہ نتیجہ حاصل کریں گے، چاہے اللہ تعالیٰ کو ان کے لیے زمین و آسمان کو حرکت دینے کی ضرورت پڑے، کیونکہ وہ غالب ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 220:

‘‘بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔’’

تاریخ شاہد ہے کہ جب اسلامی ضابطہ اخلاق کو معاشرے میں صحیح طور پر نافذ کیا گیا تو اس معاشرے کو امن، انصاف اور استحکام حاصل ہوا۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو اپنے مفاد کے لیے قبول کرے اور اس پر عمل کرے چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی ضابطہ اخلاق کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جب کہ جس طرح بیوقوف مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ کمزور ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی ضابطہ اخلاق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا، خواہ وہ اس کے لمحات کا سامنا کرے۔ تفریح اور تفریح کیونکہ وہ اللہ کے قابو سے نہیں بچ سکتے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82 میں:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

کیا کوئی اس روحانی سچائی کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ان کے روحانی قلب، سکون قلب پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کنٹرول ہے اور اسی لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ان لوگوں کو ذہنی سکون نہیں دے گا جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یا اگر کوئی اس حقیقت کو سائنسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے، یہ سمجھ کر کہ کامل اسلامی ضابطہ حیات پر عمل نہ کرنا جو خاص طور پر انسانوں کی فطرت کے لیے

وضع کیا گیا ہے، اور ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جاتا ہے ، تو صرف اس سے روکے گا۔ ذہنی سکون حاصل کرنا .دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے کی حقیقت قائم ہو جاتی ہے جس طرح بھی کوئی اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 221

وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا
تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُو۟لَٰٓئِكَ يَدْعُونَ
إِلَى ٱلنَّارِ وَٱللَّهُ يَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱلْجَنَّةِ وَٱلْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِۦ وَيُبَيِّنُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ
٢٢١

’’اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ لوگ)تمہیں (آگ کی طرف بلاتے ہیں، لیکن اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

کسی معاشرے کو استحکام، انصاف اور امن کے حصول کے لیے، اس کی بنیادی اکائی یعنی خاندانی گھر کو پہلے ان چیزوں کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ مستحکم خاندانی گھر شادی سے شروع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اکثر شادی کے مختلف پہلوؤں، جیسے طلاق، کو قرآن پاک میں بیان کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں شادی کے مختلف پہلوؤں پر بات کی جائے گی اور یہ پہلی آیت ایک مناسب شریک حیات کی تلاش کے تصور سے شروع ہوتی ہے، جو ایک مستحکم اور پرامن خاندانی گھر کے حصول کے لیے پہلا قدم ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 221:

"اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور ایک مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو..."

عام طور پر، یہ آیت مسلمانوں کو صحیح شریک حیات کا انتخاب کرنے کی ترغیب دیتی ہے کیونکہ اس کا خاندانی اکائی پر سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ صحیح شریک حیات اپنے اردگرد کے لوگوں کو حوصلہ دے گا، جیسے کہ ان کی شریک حیات اور بچے، خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس کے نتیجے میں یہ یقینی بنائے گا کہ گھر والوں کو ذہنی سکون حاصل ہو، چاہے انہیں مشکلات کا سامنا ہو۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ ہی اپنے عقیدے پر عمل کرتا ہے وہ کبھی بھی اپنے اردگرد کے لوگوں کو، خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ، دانستہ یا غیر ارادی طور پر، جیسے کہ ان کی شریک حیات اور بچوں کو نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب اور متاثر کرے گا۔ انہیں عطا

کیا گیا ہے .اس کے نتیجے میں گھر والے ذہنی سکون سے محروم ہو جائیں گے، خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، کیونکہ وہ اپنے روحانی دلوں، ذہنی سکون کے گھر پر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان خاندانوں کو دیکھتا ہے جو انہیں دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، خواہ انہیں دنیاوی آسائشیں میسر ہوں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہ نتیجہ ناگزیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی علم اور دور اندیشی کا مالک ہے کہ وہ لوگوں کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کے لیے ایک ضابطہ حیات فراہم کرے جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر لوگ انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطوں پر عمل کریں تو وہ کبھی بھی متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر پائیں گے کیونکہ ان ضابطوں میں علم اور دور اندیشی کی کمی ہے جو انہیں مطلوبہ مقصد حاصل کرنے سے روکتی ہے۔

شادی کے سلسلے میں، ازدواجی زندگی اور گھر کے اندر ذہنی سکون حاصل کرنا اس لیے صحیح شریک حیات کے انتخاب سے شروع ہوتا ہے، جو ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ دیا کہ لوگ چار وجوہات کی بنا پر شریک حیات کا انتخاب کریں :مال، نسب، حسن و جمال یا عزت کی خاطر۔ ان کی تقویٰ اس کے بعد انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے انتخاب کو ترجیح دے جس میں تقویٰ ہو ورنہ وہ خسارے میں ہوں گے۔ تقویٰ میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر چہ باقی تین وجوہات :دولت، نسب اور خوبصورتی کو نکاح میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں شادی کی بنیادی وجہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی طرف مرکزی آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 221:

اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مومن لونڈی" مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور ایک مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔"

ان لوگوں کے لیے جن کے پاس اسلامی معلومات نہیں ہیں، ان کے لیے زوجین میں تلاش کرنے کے لیے تقویٰ مطلوبہ معیار نہیں ہو سکتا لیکن یہ واحد خوبی ہے جو اس بات کو یقینی بنائے گی کہ ان کی شریک حیات اپنے حقوق اور دوسرے لوگوں کے حقوق، جیسے کہ ان کے بچے پورے کرے۔ مثال کے طور پر، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اپنے شریک حیات کو زبانی اور خاص طور پر جسمانی طور

پر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب کہ جس میں تقویٰ نہیں ہے وہ آسانی سے دوسروں کے خلاف حتیٰ کہ اپنے بیوی بچوں کے خلاف بھی زیادتی کرے گا۔ ایسے لوگوں سے شادی کرنا جن میں پرہیزگاری نہیں ہے وہ ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے مسلم شادیوں میں گھریلو تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ، غلط شریک حیات کا انتخاب صرف ایک شخص کے تناؤ میں اضافے کا سبب بنے گا کیونکہ غلط شریک حیات اپنے بچوں کے لیے اچھے والدین بنانے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ بچوں کی غلط پرورش سے گھر کے اندر تناؤ، پریشانی اور مشکلات ہی بڑھیں گی۔ جس کے پاس غیر موزوں شریک حیات ہے اور غلط طریقے سے بچوں کی پرورش ہوئی ہے اس لیے اپنے گھر میں ذہنی سکون حاصل کرنے کا امکان کم ہے۔

مزید برآں حدیث میں مذکور دوسری چیزیں :مال و دولت، حسن و نسب کسی کو خوش کر سکتا ہے لیکن چونکہ یہ حسن و جمال کی ظاہری شکلیں ہیں، اس لیے یہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب نہیں دیں گی، جس کا ایک پہلو پورا کرنا ہے۔ کسی کے خاندان کے حقوق دونوں کے درمیان فرق ایک غیر صحت مند غذا پر صحت مند غذا کو اپنانے جیسا ہے۔ غیر صحت بخش غذائیں ہمیشہ انسان کے لیے زیادہ پرکشش اور خوشنما ہوتی ہیں لیکن وہ صرف ذہنی اور جسمانی صحت کے مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ جبکہ صحت مند غذائیں لوگوں کے لیے اتنی پرکشش یا خوشنما نہیں ہوسکتی ہیں پھر بھی وہ اچھی ذہنی اور جسمانی صحت کا باعث بنتی ہیں، جو ذہنی سکون حاصل کرنے کا ایک اہم حصہ ہے۔

:باب 2 البقرہ، آیت 221

اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مومن لونڈی'' مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور ایک مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں خوش "ہی کیوں نہ ہو۔

یہ آیت دنیاوی معیارات کی بنیاد پر لوگوں کی حیثیت کا فیصلہ کرنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسلام لوگوں کا فیصلہ ایک ہی معیار پر کرتا ہے :وہ کتنے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار’’ ہے‘‘۔

لوگوں کی حیثیت کو جانچنے کے دیگر تمام معیارات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جیسے کہ جنس، نسل اور سماجی طبقے، اور مسلمانوں کو ان کو نظر انداز کرنا چاہیے، ورنہ یہ مسلم قوم کے درمیان نسل پرستی اور تفرقہ کو جنم دیتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کا ارادہ دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، اس لیے وہ ظاہری اعمال کی بنیاد پر دوسروں کو دوسرے لوگوں سے بہتر قرار نہیں دے سکتا اور اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی حیثیت سے دوسرے لوگوں یا اپنی ذات کے بارے میں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ تمام لوگوں کی نیت، قول اور فعل کو تنہا جانتا ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

تو اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا..." ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 221:

”اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور ایک مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔"

اس آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی تلاش میں عورت کے خاندان کو اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلط شوہر سے شادی کرنے والی عورت کے منفی نتائج اس کے لیے غلط عورت سے شادی کرنے والے مرد سے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں میاں بیوی اور بچوں کی زبانی اور جسمانی زیادتی شوہر کی طرف سے ہوتی ہے۔ عورت کے مرد رشتہ دار، بعض صورتوں میں، ممکنہ شوہر سے کچھ ایسی باتوں کا پتہ لگاسکتے ہیں جو عورت بھی نہیں جان سکتی، جیسے مرد دوسرے مردوں کو عورتوں سے بہتر پہچانتے ہیں، اسی طرح عورتیں دوسری عورتوں کو مردوں سے بہتر پہچانتی ہیں۔ لہٰذا غلط شوہر کا انتخاب کرنے والی عورت غلط بیوی کے انتخاب کرنے والے مرد سے زیادہ خطرناک ہے۔ عورت کے غلط شوہر سے شادی کرنے کے امکانات کو کم کرنے کے لیے، اس کے خاندان کو اس کی مدد کرنے کے لیے سرگرم عمل ہونا چاہیے تاکہ وہ ایک مناسب شریک حیات تلاش کر سکے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دے، جس کا ایک پہلو یہ ہے۔ اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرنا۔

پھر اللہ تعالیٰ ایک اور اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ باب البقرہ، آیت 221 2:

” اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں]اپنی عورتوں سے [نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ لوگ)تمہیں (جہنم کی طرف بلاتے ہیں لیکن اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا، یا عمل سے اپنے ایمان کے اعلان کی تائید نہیں کرتا، وہ لامحالہ ایسی زندگی گزارے گا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں گے، جیسا کہ ایک شخص لامحالہ اپنے ساتھیوں کی خصوصیات اور طرز عمل کو اپنائے گا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ انسان اپنے ساتھی کا طرز زندگی اختیار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی ایسا شخص جو تمباکو نوشی نہیں کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جاتا ہے جو کرتے ہیں، تو ان کی آنکھوں میں تمباکو نوشی معمول بن جاتی ہے، جو ان کے لیے بھی سگریٹ نوشی شروع کرنے کا پہلا قدم ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ غیر مسلموں کا طرز زندگی مسلمانوں کے ضابطہ اخلاق سے بہت مختلف ہے، اس لیے جو کچھ کرنا غیر مسلم کے لیے قابل قبول ہے، جیسے کہ شراب پینا، ان کے ساتھ آنے والے مسلمان کے لیے بھی معمول بن جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ اسلام کا ایک پہلو ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں ان سے اتنا خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ان کی خصوصیات اور طرز عمل کو اختیار کریں، خاص طور پر وہ چیزیں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں۔

لہٰذا اپنے ساتھیوں اور خاص طور پر اپنے شریک حیات کا انتخاب احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ وہ بالواسطہ یا براہ راست ان کی طرف سے اپنے طرز عمل اور نصیحت کے ذریعے دنیا میں پریشانیوں اور تناؤ کی آگ اور آخرت میں جہنم کی آگ یا امن کی طرف دعوت دیں گے۔ دنیا میں دماغ اور آخرت میں جنت کے باغات۔ باب 2 البقرہ، آیت 221:

’’ اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں]اپنی عورتوں سے [نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ لوگ)تمہیں (جہنم کی طرف بلاتے ہیں لیکن اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

اس کے علاوہ، شادی ایک ایسا رشتہ ہے جس کے گہرے سماجی، اخلاقی اور جذباتی اثرات ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان اور مشرک کے درمیان شادی کے بہت سے ممکنہ نتائج ہوتے ہیں۔ ایک طرف، یہ ممکن ہے کہ مسلمان شریک حیات کے اثر و رسوخ کی وجہ سے، دوسرے ساتھی، خاندان اور آنے والی نسلیں اسلامی عقائد اور اسلامی طرزِ زندگی کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ شریک حیات جو مشرک ہے مومن شریک حیات، خاندان اور آنے والی نسلوں کی سوچ اور طرز زندگی پر اثر انداز ہو۔ مزید یہ کہ یہ رشتہ اس خاندان میں مذاہب کے اختلاط اور اختلاط کو فروغ دے سکتا ہے۔ اگر یہ بات کسی غیر مسلم کے لیے بھی قابل قبول ہے تو اسلام کے لیے کسی صورت قابل قبول نہیں۔ کوئی بھی سچا مسلمان یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ یا تو وہ نظریات اور طرز زندگی جو الحاد اور شرک سے جڑے ہوئے ہیں ان کے خاندان کے افراد میں پروان چڑھیں یا ان کے اپنے عقیدے کا کوئی پہلو غلط عقائد اور طرز عمل سے آلودہ ہو جائے جو ان کے مذہب سے متاثر ہوں۔ مشرک شریک حیات .اگر کوئی آج مسلمانوں کا مشاہدہ کرے تو وہ دیکھے گا کہ ان میں سے بہت سے اپنے غیر مسلم دوستوں اور پڑوسیوں سے متاثر ہو کر غیر مسلم طریقوں اور عقائد کو اپناتے رہے ہیں۔ اگر دوستوں اور پڑوسیوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو کیا کوئی مشرک میاں بیوی کے اثر کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

باب 2 البقرہ، آیت 221:

’’ اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن لونڈی مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشرک مردوں]اپنی عورتوں سے [نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں خوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ لوگ)تمہیں (جہنم کی طرف بلاتے ہیں لیکن اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

آخر میں، اس کی چھوٹی سی آیت خاندانی گھر میں ذہنی سکون حاصل کرنے کی طرف ایک اہم قدم پر محیط ہے، جس کے نتیجے میں معاشرے میں امن اور انصاف پھیلتا ہے۔ لیکن یہ نتیجہ تب ہی نکلے گا جب لوگ اس نصیحت پر توجہ دیں اور اس پر عمل کریں، خواہ وہ ان کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور تمام اعمال اور انتخاب کے نتائج کو جانتا ہے، اس لیے وہی لوگوں کی رہنمائی کر سکتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں، خواہ کسی کی خواہشات متضاد ہوں۔ .لہٰذا ایک شخص کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض صحت مند ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 221:

‘‘اور وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔’’

باب 2 - البقرہ، آیات 222-223

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ
يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ
ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا۟ حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا۟ لِأَنفُسِكُمْ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّكُم
مُّلَٰقُوهُ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

"اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تکلیف ہے، لہٰذا حیض کے دنوں میں بیویوں سے دور رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ مسلسل توبہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتی کی جگہ ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی کی جگہ پر جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے]صداقت [پیش کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملو گے۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔"

مرکزی آیت کا آغاز اسلامی اور دنیاوی علوم کے متعلقہ موضوعات پر تحقیق و مطالعہ کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 215:

"...وہ تم سے پوچھتے ہیں "

دینی علم کے سلسلے میں جن موضوعات پر تحقیق اور مطالعہ کرنا ضروری ہے وہ وہ موضوعات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرے گا، جیسے کہ پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ جن موضوعات کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا وہ متعلقہ نہیں ہیں اور صرف انسان کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ہیں جو اپنی توانائی کو غیر متعلقہ موضوعات پر وقف کرنے کی پوزیشن میں ہیں جو پہلے ہی متعلقہ موضوعات پر کام کر چکے ہیں۔ چونکہ ایسا کرنا عملی طور پر ناممکن ہے، اس لیے لوگوں کو اپنی تمام تر کوششیں، وقت اور توانائی دینی علم کی ان شاخوں پر تحقیق کرنے اور ان پر عمل کرنے پر صرف کرنا چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا اور باقی سب کچھ چھوڑ دیں۔ اور متعلقہ موضوع کی مثال پھر اہم آیات میں مذکور ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 222:

" اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تکلیف ہے، لہٰذا حیض کے دنوں میں بیویوں سے دور رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ جدید دنیا میں لوگ خواتین کے حساس ہونے کی اہمیت پر بحث کر رہے ہیں جب وہ اپنے ماہانہ چکر سے گزرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے اس بات کا اشارہ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صرف یہ بتایا کہ عورت کا ماہانہ چکر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے تاکہ وہ اس دوران ان کی طرف اضافی دیکھ بھال، احترام اور صبر کا مظاہرہ کریں۔ اگر چہ مذکورہ آیت کے لغوی معنی یہ ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی سے اس کی ماہواری کے دوران مباشرت کا مخصوص فعل کرنے

کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس سے ان دونوں کو نقصان پہنچے گا لیکن اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اس مشکل وقت میں خواتین سے غیرضروری مطالبہ کرتے ہوئے انہیں ذہنی طور پر گھٹن میں ڈالنے کے بجائے اضافی جگہ دیں۔ یہ درحقیقت شوہروں سے آگے تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی تمام مردوں کو چاہیے کہ وہ خواتین کے ساتھ اپنے حسن سلوک کو بہتر بنائیں۔ یہاں تک کہ آجروں کو بھی اپنی خواتین ملازمین کے بارے میں زیادہ خیال رکھنا چاہئے اور کام کے اوقات اور گھر سے کام کرنے کے سلسلے میں ان کے ساتھ لچکدار رہنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے تاکہ ان کے لئے چیزیں آسان ہوسکیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس دور میں کتنے ہی لوگ خواتین کے حقوق کے حوالے سے اسلام پر تنقید کرتے ہیں لیکن ان اور دیگر تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں، جو آج کے تصورات سے صدیوں پہلے دی گئی تھیں۔

مزید برآں، اگر سائنس نے ابھی تک ان مخصوص نقصانات کو ثابت نہیں کیا ہے جو اس کی ماہانہ مدت کے دوران شریک حیات کے ساتھ قربت کے باعث ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہے۔ سائنس کے ان نقصانات میں سے کچھ کو ظاہر کرنے میں صرف وقت کی بات ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس نے اسلام کی طرف سے ممنوعہ چیزوں کے کچھ نقصانات کو بھی ظاہر کیا ہے، جیسے شراب اور سور کا گوشت کھانا۔

باب 2 البقرہ، آیت 222:

"اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تکلیف ہے، لہٰذا حیض کے دنوں میں بیویوں سے دور رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔

اسلام سے پہلے کے زمانے میں جو خواتین اپنے ماہانہ چکر سے گزر رہی تھیں ان کو نجس اور اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل کتاب کے مرد بھی اپنے گھروں میں ماہانہ چکر کے دوران اپنی بیویوں کے ساتھ کھانا کھاتے یا گھل مل جاتے۔ سنن نسائی نمبر 289 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس احمقانہ ذہنیت کو دور کر دیا کیونکہ اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ ماہانہ چکر کسی طرح ان کے ایمان کو ناپاک بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے مزید آگے بڑھایا کہ چونکہ یہ چکر ایک تکلیف دہ ہے اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور احترام کو بہتر بنائیں جس طرح کوئی شخص اپنے آپ کو زخمی یا بیمار کرنے والے کے ساتھ اپنا برتاؤ بہتر بناتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اس محبت اور خیال کا مظاہرہ کیا۔ مثال کے طور پر وہ اپنا سر اپنی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھتے اور ان کے ماہانہ چکر میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ یہ صحیح بخاری نمبر 297 میں موجود حدیث میں درج ہے کہ وہ اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماہانہ چکر میں اسی پیالے میں سے پیتے تھے اور جان بوجھ کر اپنے ہونٹ اسی حصے پر رکھتے تھے۔ پینے کے وقت وہ اپنے پاس رکھے گی۔ سنن نسائی نمبر 280 میں موجود حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

اپنی بیوی کے پاس اس طریقے سے آنا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، مسلمانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ صرف اپنے شریک حیات کے ساتھ جسمانی طور پر ان طریقوں سے خوفزدہ رہیں جس کی اسلام میں اجازت ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 222:

اور جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے..."

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جسمانی پاکیزگی کو روحانی پاکیزگی کے ساتھ جوڑ کر ایک مسلمان کی زندگی میں دونوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ جسمانی پاکیزگی جسم کی صحت کے لیے ضروری ہے اور روحانی پاکیزگی روحانی قلب کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ روحانی قلب کی پاکیزگی میں اسلامی تعلیمات کے اندر زیر بحث مثبت خصوصیات کو اپنانا شامل ہے، جیسے سخاوت، صبر اور شکر، اور اسلامی تعلیمات میں زیر بحث منفی خصوصیات کو ترک کرنا، جیسے حسد، دشمنی اور غرور۔ جو شخص اپنے روحانی دل کو پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، جو اس کی نیت، قول اور عمل کی پاکیزگی کا باعث بنے گا۔ جب ایک شخص کے اندر جسمانی اور روحانی پاکیزگی یکجا ہو جاتی ہے تو اس سے دماغ اور جسم کو سکون ملتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ جو شخص اپنے روحانی دل کو پاک کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ منفی خصوصیات کو اپنائے گا، جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گا، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا کرنا پڑے، کیونکہ وہ ذہنی اور جسمانی توازن حاصل نہیں کر پائیں گے جو ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے درکار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے کنٹرول سے نہیں بچ سکتے۔ ، ان کے روحانی دل پر، ذہنی سکون کا گھر ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، روحانی دل کو پاک کرنے میں ناکامی ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گی، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے جیسا کہ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کو، وہ اکیلا ہی روحانی قلب کی تطہیر کا صحیح طریقہ بتا سکتا ہے جو پھر ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ دوسرے تمام انسانوں کے بنائے ہوئے طریقے کبھی بھی اس نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کیونکہ ان کے پاس اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے علم اور دور اندیشی نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے کاملیت کی امید نہیں رکھتا، اس لیے جب بھی وہ گناہ کرتے ہیں تو وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 222:

‘‘بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔’’

سچی توبہ میں گناہ کا احساس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ اسی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اس کی تلافی کرے۔ ہر وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے پامال ہوئے ہوں۔ لہٰذا، اللہ تعالیٰ کو ماننے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے، ان سے کمال کا تقاضا ہے۔ اس کے بجائے، وہ لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے جسموں اور روحانی دلوں کو پاک کرنے کے لیے سخت کوشش کریں، ایسا کچھ کرنے کی تمام لوگ صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ لوگوں پر وہ فرائض عائد نہیں کرتا جو وہ پورا نہیں کر سکتے، اور جب وہ گناہ کرتے ہیں۔ سچے دل سے توبہ کرنا .باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

باب 2 البقرہ، آیت 223:

‘‘تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتی کی جگہ ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی کی جگہ جہاں چاہو آؤ۔ ’’

یہ آیت ذاتی مباشرت کے لمحات کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر بھی اپنی بیوی کے ساتھ شفقت، احترام اور محبت کا مظاہرہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ ایک کسان جو اپنی زمین کاشت کرتا ہے اسی طرح اس کی طرف بہت توجہ اور توجہ کا مظاہرہ کرتا ہے، ایک شوہر کو اپنی بیوی کے بارے میں ایسا ہی کرنا چاہئے :اپنے بچوں کی ماں ۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اجنبیوں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن اکثر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ احترام اور مہربانی کے ساتھ پیش آنے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص ،کے رشتہ داروں کے ساتھ محبت، احترام اور مہربانی سے پیش آنے کا حق کسی اور سے زیادہ ہے حالانکہ تمام لوگ اس سلوک کے مستحق ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2612 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔ .اپنے شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کے لیے، ایک شخص کو ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ ،وہ اپنے پیارے کی شریک حیات سے اپنے محبوب کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ اس کا داماد اس کی بیٹی کے ساتھ سلوک کرے۔ درحقیقت اپنے تمام رشتوں میں یہ رویہ اپنانا سچے یقین کی علامت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ آیت بالواسطہ طور پر ایک ایسے شخص سے شادی کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو اپنے شریک حیات کے حقوق کو پورا کرے گا، جس میں ان کے ساتھ خیال، احترام اور محبت سے پیش آنا شامل ہے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی ایسا شریک حیات منتخب کرے جو تقویٰ کا مالک ہو۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ان پر ایک فرض ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا وہ آسانی سے دوسرے لوگوں پر ظلم کرے گا، جیسے کہ ان کی شریک حیات اور اولاد، کیونکہ وہ اپنے رویے کے نتائج سے نہیں ڈرتے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایسے شخص سے نکاح کریں جو پرہیزگار ہو ورنہ وہ خسارے میں ہوں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 223:

”تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتی کی جگہ ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی کی جگہ پر جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے [صداقت]پیش کرو۔“

اس سے مراد اولاد پیدا کرنا اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی پرورش کرنا ہے۔ جو اسے حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے بچے کو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے سکون کا ذریعہ بنائے گا۔ ج 25 الفرقان، آیت 74:

”اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد میں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما“۔

لیکن یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنے بچے کے حقوق کو پورا کرے۔ اس میں انہیں اپنے ذرائع کے مطابق دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں کامیابی کے لیے آلات فراہم کرنا شامل ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان والدین اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم فراہم کرنے میں اچھے ہیں لیکن اکثر ان کی دینی تعلیم کو نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ بعد کی تعلیم زیادہ اہم اور دور رس ہے۔ اپنے بچے کو اس زبان میں قرآن پاک کی تلاوت کرنا جس کو وہ سمجھ نہیں پاتے اور پانچ وقت کی فرض نمازیں پڑھنا اس کے بچے کے حقوق ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ والدین کی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ انہیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے بارے میں کیا سکھائیں، تاکہ بچہ صرف چند منٹوں کے لیے نہیں بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا سیکھے۔ فرض نمازوں کے دوران اپنے والدین کی وجہ سے اسلام کی پیروی کرنے کی بجائے اس کے حق ہونے کے قائل ہوں۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایسا نہ کرنے سے بچے کا اسلام پر ایمان کمزور ہو جائے گا، جس کے نتیجے میں وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز

رہے گا۔ جو بچہ اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے والدین کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ کا باعث بنے گا، خواہ بچہ دنیاوی کامیابی حاصل کر لے۔ جب والدین اس اہم فرض کو پورا کریں گے تب ہی وہ الزام سے مستثنیٰ ہوں گے، چاہے وہ بچہ اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کرے۔

جیسا کہ شریک حیات کے حقوق کو پورا کرنا اور اپنے بچے کی پرورش ہر فرد پر فرض ہے، اس لیے انہیں ان فرائض میں ناکامی کے نتائج سے خوفزدہ ہونا چاہیے تاکہ ان کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرنے کی ترغیب دی جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 223:

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملو گے‘‘۔’’

جیسا کہ آیت 223 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، جو لوگ واقعی یقین رکھتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اپنے آخری احتساب کا سامنا کریں گے وہ عملی طور پر اس کی تیاری کریں گے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق، اور لوگوں جیسے کہ ان کی شریک حیات اور بچوں کی ادائیگی کو یقینی بنائیں گے۔ یہ رویہ پھر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 223:

اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو‘‘۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جب کہ جو عملاً قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اس پر اس طرح یقین نہیں رکھتے جس طرح کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ نتیجتاً، وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق، جیسے کہ ان کی شریک حیات اور بچوں کو ادا کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گا، خواہ انہیں تفریح اور تفریح کے لمحات کا سامنا کرنا پڑے، کیونکہ وہ ذہنی اور جسمانی توازن حاصل نہیں کر پائیں گے جو ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے درکار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے کنٹرول سے نہیں بچ سکتے۔ ، ان کے روحانی دل پر، ذہنی سکون کا گھر ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے امیر اور مشہور۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 223:

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملو گے‘‘۔’’

یاد رکھنے کا حکم کہ آخرت میں جوابدہی کا سامنا کرنا پڑے گا، مضبوط ایمان کو اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یقین اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کو سیکھے اور اس پر عمل کرے اور اس پر عمل کرے پختہ ایمان اختیار کرنے والا آخرت میں اپنے احتساب کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ کمزور ایمان رکھنے والا، جس کی جڑ اسلامی علم سے ناواقفیت ہے، وہ آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ عملاً روزِ حشر کی تیاری میں ناکام ہو جائیں گے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 224-225

وَلَا تَجْعَلُوا۟ ٱللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَٰنِكُمْ أَن تَبَرُّوا۟ وَتَتَّقُوا۟ وَتُصْلِحُوا۟ بَيْنَ ٱلنَّاسِ وَٱللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾

لَّا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾

اور اللہ کی قسم کو پرہیزگاری اور اللہ سے ڈرنے اور لوگوں میں صلح کرنے کے لیے عذر نہ بناؤ۔" اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری غیر ارادی قسموں پر تم پر الزام نہیں لگاتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں کی کمائی کا الزام تم پر عائد کرتا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔‘‘

اسلام کی تعلیمات کے اندر، اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنی بات کو کنٹرول کرنے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ عام طور پر تقریر کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی گناہ والی بات ہے اور اس سے ہر وقت پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس دنیا میں پریشانی اور تناؤ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ الفاظ، خاص طور پر گناہ والے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ، برے الفاظ بولے جانے والے لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ قیامت کے دن ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسری قسم کی تقریر فضول ہے۔ اگرچہ اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، لیکن اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ فضول باتیں اکثر گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو اکثر دوسروں کے بارے میں غیبت اور گپ شپ کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ وقت اور توانائی کا ضیاع ہے جو اس دنیا میں اکثر تناؤ اور جھگڑوں کا باعث بنتا ہے اور یہ قیامت کے دن ایک شخص کے لیے بہت زیادہ افسوس کا باعث ہوگا، خاص طور پر جب وہ ان لوگوں کو دیکھے جنہوں نے اپنے وقت اور توانائی کو صحیح طریقے سے استعمال کیا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ انعام حاصل کرتے ہیں۔ تیسری قسم کی تقریر اچھی اور فائدہ مند ہے اور اسے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں بولنا چاہیے۔ اس لیے اپنی زندگی سے دو تہائی تقریر کو نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2501 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اہم آیات میں ایک خاص مثال کے ساتھ اپنی بات پر قابو پانے کی اہمیت سکھائی ہے۔ باب البقرہ، آیت 224 2:

’’اور اللہ کی قسم کو تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لیے عذر نہ بناؤ۔‘‘

ان حالات میں لوگوں کے اپنے الفاظ کا غلط استعمال کرنے کی سب سے بڑی وجہ غصہ ہے۔ اسلام لوگوں کو اپنے غصے پر قابو رکھنا سکھاتا ہے تاکہ وہ اپنے قول و فعل سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔ مثال کے طور پر، ایک غصے والے شخص کو خاموش رہنا چاہیے اور اس کے غصے سے نکل جانے کے بعد ہی بات کرنی چاہیے۔ ایک شخص کو اس صورت حال کو چھوڑ دینا چاہئے جس میں وہ شامل ہیں جب وہ ناراض ہو اور صرف اس وقت واپس آئے جب وہ

پرسکون ہو۔ الفاظ اکثر اعمال سے زیادہ نقصان دہ ہو سکتے ہیں، لہٰذا کسی کی بات پر قابو رکھنا بہت ضروری ہے، خاص کر جب وہ غصے میں ہوں۔ اپنے اعمال پر قابو پانے کے لیے، غصے میں آنے والے شخص کو جسم کی غیر فعال پوزیشن اختیار کرنی چاہیے۔ یعنی اگر وہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور اگر بیٹھے ہوں تو اس وقت تک لیٹ جائیں جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782، میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ ایک شخص کو چاہیے کہ وہ تحمل بردباری اور عفو و درگزر جیسی قابل ستائش خصوصیات کو اپنا کر غصے کے منفی اثرات کا مقابلہ کرے، جن کا اسلامی تعلیمات میں ذکر کیا گیا ہے اور ان منفی خصوصیات کو ترک کرنا چاہیے۔ اسلامی تعلیمات کے اندر، جیسے فحش تقریر۔

باب 2 البقرہ، آیت 224:

’’اور اللہ کی قسم کو نیکی کے لیے عذر نہ بناؤ۔ ‘‘

نیک ہونے میں دوسروں کے ساتھ ہر طرح کی بھلائی کرنا شامل ہے، جیسے جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ اس طرح دوسروں کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کرنا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی کسی دوسرے کے خلاف ناراض ہوتا ہے، جیسے کہ اس کا رشتہ دار۔ اس کی مثال قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے رشتہ دار کی مدد جاری نہ رکھیں گے جس نے ان کی بیٹی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اس کا اس کے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل کی جس میں اسے اپنے وعدے کو پورا نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر معاف کرنے اور اپنے رشتہ دار کی مدد جاری رکھنے کی ترغیب دی گئی، کیونکہ اس کا رشتہ دار اپنی غلطی سے سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ واقعہ جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔

اس کے علاوہ، کسی کو اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے سے بچنے اور لوگوں کے برے رویے کو نظر انداز کرنے کے وعدے کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کی طرف سے ہونے والے کسی بھی سنگین نقصان، جیسے کہ جسمانی یا زبانی، سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ان کا اجر طلب کرنا چاہیے۔ نقصان

باب 2 البقرہ، آیت 224:

"اور اللہ کی قسم کو پرہیزگاری اور اللہ سے ڈرنے کا عذر نہ بناؤ۔ "

کسی شخص کی بات اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے سے نہیں روک سکتی۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی تقریر پر قابو پاتا ہے تاکہ اس سے ان اعمال کو انجام دینے میں مدد ملتی ہے جن کی جڑیں تقویٰ میں ہیں۔ تقویٰ میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی بات پر قابو رکھتا ہے، وہ اپنے اعمال پر قابو پانے کا زیادہ امکان رکھتا ہے، جیسا کہ زیادہ تر صورتوں میں اس سے زیادہ مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود ایک

حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب کسی کی بات درست اور سیدھی ہو گی تو اس کا عمل بھی درست ہو گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 224:

اور اللہ کی قسم کو تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لیے عذر نہ ''بناؤ۔''

اس آیت میں مذکور لوگوں کے درمیان میل جول دوسرے لوگوں کے خلاف بغض رکھنے سے خبردار کرتا ہے۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دونوں کے درمیان کسی مسئلے کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے بات نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے کیونکہ انسان کو دنیاوی اسباب سے سخت تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1909 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے دنیوی وجوہات کی بنا پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس کے بجائے، ایک شخص کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس میں اچھی باتوں میں ان کی مدد کرنا اور انہیں بری چیزوں سے تنبیہ کرنا شامل ہے۔ انہیں دوسروں کی طرف سے شدید نقصان پہنچانے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے بھی ضروری اقدامات کرنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنا اجر حاصل کرنا چاہیے۔ اگرچہ دینی وجوہات کی بناء پر دوسروں سے تعلقات منقطع کرنا قابل قبول ہے، لیکن اس رویے سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اچھی باتوں میں دوسروں کی مدد کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ یہ حسن سلوک ان کے لیے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 224:

اور اللہ کی قسم کو تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لیے عذر نہ ’’
بناؤ۔‘‘

اس آیت میں مذکور منفی باتیں اکثر اس وقت ہوتی ہیں جب کوئی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اپنی نیت کو درست کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ لوگوں کی خاطر دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اکثر یہ پائے گا کہ لوگ شکر گزار نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان تلخی پیدا ہو جاتی ہے جو ان کے درمیان مسائل کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ، ان کی بری نیت کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے، جب کہ جو شخص صحیح نیت اختیار کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہے، وہ صرف اس سے اجر طلب کرے گا اور اس لیے آیت میں مذکور چیزوں سے پرہیز کرے گا۔ 224 اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے رہیں، ان کے عمومی برے رویے سے قطع نظر۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر دوسروں کا برا سلوک سنگین ہے، جیسے کہ زبانی اور جسمانی زیادتی، تو انسان کو اپنی زندگی میں تبدیلیاں لانی چاہئیں تاکہ خود کو نقصان سے بچایا جا سکے بغیر یہ وعدہ کیے کہ وہ اچھے کام نہیں کریں گے۔

جیسا کہ آیت 224 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے، وہ تمام لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے، اس لیے انہیں اپنی بات پر قابو رکھنا چاہیے تاکہ وہ صرف اچھی باتیں ہی بولیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، اس لیے انہیں اپنی نیت درست کرنی چاہیے تاکہ وہ آیت 224 میں مذکور منفی باتوں سے بچیں اور اس کے بجائے اپنے مفاد کے لیے دوسروں کی بھلائی کرتے رہیں، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 224:

‘‘اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

باب 2 البقرہ، آیت 224:

’’ اور اللہ کی قسم کو تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لیے عذر نہ بناؤ۔‘‘

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے نام کو اس طرح استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ یہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور صفات کو سیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عزت اور خوف میں اضافہ کرنا چاہیے، کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے شخص سے خوف اور عزت نہیں رکھ سکتا جسے وہ نہیں جانتا۔ ایسا کرنے والا بھی قابل تعریف خصلتوں کو اپنائے گا اور منفی خصلتوں کو ترک کر دے گا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر اپنے بنائے ہوئے درجے کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ مثال کے طور پر، جو اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کے بارے میں جان لیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ سیکھے گا۔ اس لیے اسمائے الٰہی سیکھنا اور ان پر عمل کرنا جنت کی طرف لے جاتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2736 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایسی صورتوں میں جب کوئی شخص وعدہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ ایسے الفاظ کہتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، جیسے کہ عربی بولنے والے جن کو اپنی تقریر میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ اس کو نظر انداز کریں اور معاف کریں .باب 2 البقرہ، آیت 225:

" اللہ تم پر تمہاری غیر ارادی قسموں کا الزام نہیں لگاتا، لیکن وہ تمہارے دلوں کی کمائی کا الزام تم پر عائد کرتا ہے"

لیکن جیسا کہ پہلے زیر بحث آیا، اہم آیات کسی کو اپنی بات پر قابو رکھنے کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ وہ ہمیشہ سیدھے انداز میں بات کریں، جو اسے غیر ارادی گفتگو سے محفوظ رکھے۔

باب 2 البقرہ، آیت 225:

‘‘…لیکن وہ تمہارے دلوں کی کمائی کا تم پر الزام لگاتا ہے’ ’

یہ ہر وقت اپنی نیت کو درست کرنے کی تنبیہ ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بولے اور عمل کرے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام کی باطنی بنیاد انسان کی نیت ہے۔ اگر کسی کی بنیاد ہی کرپٹ ہے تو وہ جو کچھ کرے گا وہ کرپٹ ہو گا۔ جو غلط ارادہ اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لوگوں کو خوش کرنا، اس لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے قول و فعل کے درست ہونے کو یقینی بنایا جائے گا جس کے نتیجے میں ان کے لیے دونوں جہانوں میں اجر و برکت ہو گی۔ اچھے ارادے کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ کوئی دوسرے لوگوں سے شکرگزاری یا تعریف کی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی امید رکھتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 225:

‘‘...لیکن وہ تمہارے دلوں کی کمائی کا تم پر الزام لگاتا ہے’ ’

یہ کسی کے روحانی دل کو پاک کرنے کی اہمیت کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ روحانی قلب کی تطہیر نیک نیتوں، قول و فعل اور اعمال کی طرف لے جاتی ہے، جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جو بالآخر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ روحانی قلب کی تطہیر اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کے اندر مذکور مثبت خصوصیات کو سیکھتا اور اپناتا ہے، جیسے صبر، شکر اور سخاوت، اور اسلامی تعلیمات میں مذکور منفی خصوصیات جیسے حسد، غرور اور لالچ کو ترک کر دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بخشنے والا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ غلط نیت سے کیے گئے قول و فعل سے سچے دل سے توبہ کرے اور مستقبل میں اپنے ارادوں کو درست کرنے کا عزم کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 225:

‘‘اور اللہ معاف کرنے والا ہے ’’

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ، بردبار، بردبار ہے، اس لیے کسی شخص کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہیے کہ وہ اس کی غلط نیت اور برے قول و فعل کے لیے صرف اس لیے جوابدہ نہیں ہوں گے کہ انھیں فوری یا ظاہری طور پر سزا نہیں دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اکثر بہت باریک ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر دولت اور شہرت جیسی دنیاوی چیزیں کسی کو عطا کی گئی ہیں اکثر ان کے لیے تناؤ کا باعث بن جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ کسی شخص کو فوری طور پر سزا نہیں دی جاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بالکل بھی سزا نہیں دی جائے گی۔ تاخیر سے ملنے والی سزا کسی سزا کے برابر نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بردبار ہے اس لیے وہ لوگوں کو بہتر سے بہتر تبدیلی کی مہلت دیتا ہے اس لیے اس مہلت کے وقت کو اس بات کو یقینی بنا کر استعمال کرنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی نیت، تقریر اور عمل کو درست کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 225:

‘‘اور اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔’’

مزید برآں، یہ دو الہی نام مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ درگزر کرنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں جب بھی وہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں انہیں معاف کر دے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

اور لوگوں کو برے رویے کے سامنے تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے، کیونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں اور اس لیے غلطیاں کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگ ان کے ساتھ بردباری اور عفو و درگزر سے پیش آئیں، اسی طرح وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کی جسمانی اور زبانی بدسلوکی سے خود کو بچانے کے لیے

قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ وہ یہ اقدامات کریں تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا سیکھے۔ لیکن معمولی حالات میں بردباری اور عفو و درگزر کو اپنانا چاہیے۔

باب 2 - البقره، آیات 226-233

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾

وَإِنْ عَزَمُوا۟ ٱلطَّلَٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِىٓ
أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَٰحًا وَلَهُنَّ
مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا۟ مِمَّآ
ءَاتَيْتُمُوهُنَّ شَيْـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ
﴿٢٢٩﴾

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن
ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا
تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۟ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ هُزُوًا ۚ
وَٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ وَٱلْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِۦ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ
وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم
بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ
وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

۞ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى ٱلْمَوْلُودِ لَهُۥ
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَٰلِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ
لَّهُۥ بِوَلَدِهِۦ ۚ وَعَلَى ٱلْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ
وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوٓا۟ أَوْلَٰدَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ ءَاتَيْتُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ
وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کا انتظار" ہے، لیکن اگر وہ پھر سے رجوع کر لیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

طلاق یافتہ عورتیں تین عدت تک انتظار میں رہیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں۔ اور ان کے

شوہر زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر وہ صلح چاہتے ہیں تو اس]مدت [میں انہیں واپس لے جائیں۔ اور ان کی وجہ سے]یعنی ازواج مطہرات [وہی ہے جو ان سے توقع کی جاتی ہے، معقول کے مطابق۔ لیکن مردوں]یعنی شوہروں [کو]ذمہ داری اور اختیار میں [ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

طلاق دو بار ہے۔ پھر]اس کے بعد[، یا تو]اسے [قابل قبول طریقے سے رکھو یا]اسے [اچھے طریقے سے چھوڑ دو علاج اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لینا تمہارے لیے جائز نہیں جب تک کہ دونوں کو یہ خوف نہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ لیکن اگر آپ کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو برقرار نہیں رکھیں گے تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی اس میں کوئی گناہ نہیں جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو فدیہ دے رہی ہے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہی ظالم ہیں۔

اور اگر اس نے اسے]تیسری بار [طلاق دے دی ہے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اور اگر وہ]یعنی مؤخر الذکر شوہر [اسے طلاق دے دے]یا مر جائے [تو ان پر]یعنی عورت اور اس کے سابقہ شوہر [پر کوئی الزام نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس واپس آجائیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حد کے اندر رہ سکتے ہیں۔ اللہ کا یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکی ہوں تو یا تو انہیں قابل قبول شرائط کے مطابق رکھو یا قابل قبول شرائط کے مطابق چھوڑ دو، اور ان کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے)ان کے خلاف (نہ رکھو۔ اور جس نے ایسا کیا یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور اللہ کی آیات کو مذاق میں نہ اڑاؤ۔ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور جو کتاب اور حکمت تم پر نازل ہوئی ہے جس سے وہ تمہیں ہدایت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکی ہوں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو اگر وہ آپس میں کسی قابل قبول بنیاد پر راضی ہوں۔ تم میں سے جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے یہ ہدایت کی جاتی ہے ۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلا سکتی ہیں جو کوئی دودھ پلانے کی مدت مکمل کرنا چاہے۔ باپ کے ذمے ان کا]یعنی ماؤں کا [رزق ہے اور ان کا لباس اس کے مطابق جو قابل قبول ہے۔ کسی بھی شخص پر اس کی صلاحیت سے زیادہ کا الزام نہیں لگایا جاتا۔ کسی ماں کو اس کے بچے کے ذریعے اور کسی باپ کو اس کے بچے کے ذریعے نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ اور]باپ[کے وارث پر]باپ [کی طرح]فرض [ہے۔ اور اگر وہ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو متبادل کے

ذریعہ پالیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں جب تک کہ آپ قابل قبول ادائیگی کریں۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

پچھلی آیات میں گفتگو پر قابو پانے اور ناپسندیدہ قسمیں کھانے سے گریز کرنے کی اہمیت پر بحث کی گئی تھی۔ اس کے بعد زیر بحث آیات کے شروع میں ایک خاص مثال دی گئی ہے جو عرب معاشرے میں بہت زیادہ رائج تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 226:

"جو لوگ اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کا انتظار ہے..."

یہ ایک بار پھر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دونوں جہانوں میں مصیبت سے بچانے کے لیے اپنی بات پر قابو رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ عام طور پر تقریر کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی گناہ والی بات ہے اور اس سے ہر وقت پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس دنیا میں پریشانی اور تناؤ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ الفاظ، خاص طور پر گناہ والے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ، برے الفاظ بولے جانے والے لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ قیامت کے دن ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسری قسم کی تقریر فضول ہے۔ اگرچہ اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، لیکن اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ فضول باتیں اکثر گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو اکثر دوسروں کے بارے میں غیبت اور گپ شپ کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ وقت اور توانائی کا ضیاع ہے جو اس دنیا میں اکثر تناؤ اور جھگڑوں کا باعث بنتا ہے اور یہ قیامت کے دن ایک شخص کے لیے بہت زیادہ افسوس کا باعث ہوگا، خاص طور پر جب وہ ان لوگوں کو دیکھے جنہوں نے اپنے وقت اور توانائی کو صحیح طریقے سے استعمال کیا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ انعام حاصل کرتے ہیں۔ تیسری قسم کی تقریر اچھی اور فائدہ مند ہے اور اسے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں بولنا چاہیے۔ اس لیے اپنی زندگی سے دو تہائی تقریر کو نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2501 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

باب 2 البقرہ، آیت 226:

جو لوگ اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کا انتظار " ہے ..."

اسلام سے پہلے کے زمانے میں ناراض شوہر یہ قسم کھاتا تھا لیکن اس پر وقت کی پابندی نہیں لگاتا تھا۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 2:226 میں بحث کی گئی ہے۔ یہ اس کی بیوی کے ساتھ صریح ناانصافی تھی کیونکہ اسے طلاق نہیں دی گئی تھی تاکہ وہ دوبارہ شادی کر سکے اور نہ ہی وہ اپنے شوہر کے ساتھ حقیقی ازدواجی زندگی گزار رہی تھی۔ اللہ عزوجل نے اس جدائی پر ایک حد لگا کر اس احمقانہ اور ناجائز عمل کو ختم کر دیا۔

طلاق کو حتمی شکل دینے سے پہلے چار ماہ کے انتظار کا دورانیہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ میاں بیوی دونوں کے جذبات پرسکون رہیں تاکہ وہ واضح، غیرجانبدارانہ اور غیر جانبداری کے ساتھ باقی شادی یا طلاق لینے کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا اندازہ لگا سکیں۔ ضرورت سے زیادہ جذباتی دماغ تاکہ وہ باخبر فیصلہ کر سکیں جس پر انہیں بعد میں پچھتاوا نہ ہو۔ تاہم، یہ باخبر فیصلہ اس وقت حاصل نہیں ہوتا جب طلاق فوراً واقع ہو جاتی ہے اور لوگ اکثر عزت نفس اور شرم کی وجہ سے اپنا خیال بدلنے کی خواہش نہیں کرتے، جو کہ کسی شخص کے پچھتاوے کو مزید تناؤ میں مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ وقت حمل کے لیے خود کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اسے بیوی سے چھپایا نہیں جانا چاہیے، کیونکہ شوہر کو طلاق دینے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ جاننے کا حق ہے۔ آخر میں، ایک عدت جوڑے کو طلاق دینے کا انتخاب کرنے والے جوڑے کو جذباتی طور پر دوسری شادی کرنے سے روکتا ہے، جو ان کے لیے مزید مسائل کا باعث بنے گا۔

اگر شوہر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اپنی نذر توڑ دیتا ہے اور اس کے بجائے اپنی بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی جلد بازی کی سزا نہیں دیتا۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے لیے معافی اور رحم کرے گا، لیکن شوہر کو ان کی ٹوٹی ہوئی قسم کی تلافی کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 226:

" جو لوگ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کا انتظار ہے، لیکن اگر وہ دوبارہ تعلقات کی طرف لوٹ آئیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

بخشش اور رحم کی خدائی صفات شادی شدہ جوڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رحم اور درگزر کرنے کی یاد دلاتی ہیں، کیونکہ ان دو خصوصیات کو اپنانے سے وہ ایسے حالات میں زیادہ رد عمل ظاہر کرنے سے روکیں گے جو اکثر جھگڑے کا باعث بنتے ہیں، خاص طور پر ایسے مسائل پر جو طلاق کے بغیر آسانی سے حل ہو سکتے ہیں۔ .اگرچہ یہ بتانا ضروری ہے کہ سنگین حالات میں، جیسے کہ جسمانی زیادتی، ایک شخص کو اپنی اور دوسروں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے چاہییں، جیسے کہ اپنے بچوں، چاہے اس کا مطلب اپنے شریک حیات کو طلاق دینا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اسلام نے لوگوں کو یہ برداشت کرنے کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ زیادتی کی قسم اپنی حفاظت کے بعد ہی، تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے، انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنے کی کوشش کرے، اور پھر اپنی زندگی کو آگے بڑھائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شادی کی پریشانیوں سے نمٹنے میں بیرونی مدد کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو جوڑے کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 227:

"...اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کر لیں"

جمع لفظ جو کہ دو سے زیادہ افراد کی طرف اشارہ کرتا ہے، دوہری عربی کے بجائے استعمال ہوتا ہے۔ ایک شادی شدہ جوڑے کو سب سے پہلے اپنے درمیان مسائل کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہیں اپنے تعصبات اور جذبات کو ایک طرف رکھنا چاہیے اور اسلام کی رہنمائی میں معروضی اور منطقی طور پر مسائل سے نمٹنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ مسائل سے نمٹنے کے دوران، جوڑے کو ایک دوسرے کا احترام کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، چاہے

ان کا شریک حیات ایسا کرنے میں ناکام ہو۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ ان کے محبوب کے ساتھ ان کے شریک حیات کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ اس کے علاوہ، انہیں ان حقوق کو سیکھ کر مسائل کے امکانات کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو وہ اپنے شریک حیات پر واجب الادا ہیں اور وہ حقوق جو وہ اپنے شریک حیات کے واجب الادا ہیں۔ شادی کے مسائل اور طلاق کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے شریک حیات سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرے جو کہ تقویٰ کے حامل شخص سے شادی کرے۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی نہیں کرے گا، خواہ وہ ان سے ناراض ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوئے ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ سربلند، ان کا محاسبہ کرے گا۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ آسانی سے زیادتی کرے گا اور وہ اپنی شریک حیات کے حقوق ادا نہیں کریں گے، خواہ وہ ان سے محبت کا دعویٰ ہی کیوں نہ کریں۔

اگر شادی شدہ جوڑے مسائل کو خود حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، تو انہیں باہر کی مدد کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جیسے رشتہ داروں اور شادی کی مشاورت۔ باب 4 النساء، آیت 35:

"اور اگر تم دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث اس کی قوم سے اور ایک اس کی قوم سے منصف بھیج دو۔ اگر وہ دونوں صلح چاہتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔ بے شک اللہ ہمیشہ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

لیکن جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو مدد کے لیے بلایا گیا ہے، ان کے پاس تجربہ، اسلامی علم، حکمت اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیے۔ صرف اس صورت میں جب وہ ان خصوصیات کے حامل ہوں گے تو وہ ایماندارانہ اور مخلصانہ انداز میں برتاؤ کریں گے جو شادی شدہ جوڑے کی مدد کرتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان صحیح لوگوں سے مدد مانگنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ حالات کو مزید خراب کرتے ہیں۔ جو شخص یہ خصوصیات نہیں رکھتا وہ صرف اس بات کی پرواہ کرتا ہے کہ اس کا رخ صحیح ہے اور دوسرا فریق غلط ہے۔

اور نہ ہی وہ میاں بیوی کے حقوق کا علم رکھتے ہوں گے اور ایک دوسرے کے مقروض ہوں گے اور نتیجتاً وہ جو بھی بحث کرتے ہیں وہ ایماندار اور منصفانہ ہونے کے بجائے ان کے حق میں ہوں گے۔

باب 2 البقرہ، آیت 227:

"...اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کر لیں"

اس آیت میں فیصلہ کے لیے عربی لفظ کا مطلب مضبوط عزم ہے۔ اس لیے جب ایک فریق مکمل طور پر طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے تو دوسری طرف سے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے فریقین کے درمیان مزید مسائل اور دشمنی پیدا ہوتی ہے اور تناؤ کو طول دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں، طلاق کی کارروائی کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنا اور پھر زندگی کے ساتھ آگے بڑھنا بہتر ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 227:

''اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

چاہے کوئی جوڑا ایک ساتھ رہنے یا طلاق لینے کا فیصلہ کرے، انہیں اور اس میں شامل دیگر افراد، جیسے کہ ان کے رشتہ داروں کو، ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کو برقرار رکھنا چاہیے، جیسا کہ اسلام نے حکم دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت، قول اور فعل کو سنتا اور جانتا ہے، اس لیے

،وہ ان سے دونوں جہانوں میں جوابدہ ہوگا۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی جوڑا طلاق کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی پرامن زندگی کے حصول میں مدد کرے گا، کیونکہ وہ ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اس کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 130:

"لیکن اگر وہ علیحدگی اختیار کر لیں گے تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی کثرت سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ ہر وقت احاطہ کرنے والا اور حکمت والا ہے۔"

جب طلاق جاری کی جاتی ہے، تو عورت کو طلاق کے حتمی ہونے سے پہلے تین ماہانہ حیض کا انتظار کرنا چاہیے اور پھر وہ دوبارہ شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 228:

‘‘طلاق شدہ عورتیں تین عدت تک انتظار میں رہیں]یعنی دوبارہ نکاح نہ کریں[۔’’

جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، طلاق کو حتمی شکل دینے سے پہلے انتظار کا یہ وقت اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ میاں بیوی دونوں کے جذبات کو پرسکون کیا جا سکے تاکہ وہ واضح، غیر جانبداری کے ساتھ باقی شادی یا طلاق لینے کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا اندازہ لگا سکیں۔ اور ضرورت سے زیادہ جذباتی دماغ تاکہ وہ باخبر فیصلہ کر سکیں جس پر انہیں بعد میں پچھتاوا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عدت میں عورت کو اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہیے تاکہ جذبات ٹھنڈا ہونے کے بعد وہ ایک دوسرے کی تعریف کریں۔ اس کی طرف اگلی آیت کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 1:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو اور" عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ انہیں ان کے]شوہروں [کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ]خود [اس وقت تک باہر نکلیں جب تک کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب نہ کر رہے ہوں۔ اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے؛ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے بعد کوئی اور معاملہ لے آئے۔

تاہم، یہ باخبر فیصلہ اس وقت حاصل نہیں ہوتا جب طلاق فوراً واقع ہو جاتی ہے اور لوگ اکثر عزت نفس اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا خیال بدلنے کی خواہش نہیں کرتے ہیں، جس سے صرف ایک شخص کے پچھتاوے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، عدت کی مدت طلاق کا انتخاب کرنے والے جوڑے کو جذباتی طور پر دوسری شادی کرنے سے روکتی ہے، جو ان کے لیے مزید مسائل کا باعث بنے گی۔ آخر میں، یہ وقت حمل کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اسے بیوی کے ذریعہ چھپایا نہیں جانا چاہئے کیونکہ شوہر کو طلاق دینے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ جاننے کا حق ہے۔ بچے کی موجودگی بلاشبہ بیوی کو طلاق دینے یا نہ دینے کے سلسلے میں شوہر کے سوچنے کے عمل کو متاثر کرے گی۔ یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات اور یوم آخرت پر یقین کے ساتھ جوڑا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 228:

اور ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اگر وہ اللہ'' اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں''۔

ایک بار پھر، اللہ تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ لوگوں کے درمیان تعلق، جیسے کہ شادی شدہ جوڑے، براہ راست اس کی اطاعت یا نافرمانی سے جڑا ہوا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان حقوق العباد کو لوگوں کے حقوق سے بالکل الگ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے حقوق کی کوئی فکر نہیں ہے۔ نتیجتاً یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً فرض نمازوں کو ادا کرنے میں تو اچھے ہیں لیکن لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں خوفناک ہیں اور اکثر ان پر ظلم کرتے ہیں۔ اس گمراہ کن عقیدے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث ہے۔ انصاف قیامت کے دن

قائم ہو گا۔ دوسروں پر ظلم کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں متاثرین کے حوالے کرے اور اگر ضرورت پڑے تو ظالم اپنے شکار کے گناہ لے گا۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے ،اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنا بہت ضروری ہے۔ لوگوں کے حوالے سے یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے یا واپس لینے کی ذمہ داری شوہر کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 228:

اور ان کے شوہروں کو زیادہ حق ہے کہ وہ ان کو اس]مدت [میں واپس لے جائیں اگر وہ صلح چاہتے ’’ ‘‘...ہیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورتوں کے مقابلے میں کم جذباتی ہوتے ہیں اور اس لیے جذبات کی بنیاد پر اپنے شریک حیات کو طلاق دینے کا امکان کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، چونکہ بیوی اور بچوں سمیت گھر کی تمام مالی ذمہ داریاں شوہر پر ہیں، اس لیے یہ حق صرف اسی کے پاس ہے کہ وہ طلاق دے یا اسے واپس لے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو عدت کے دوران صرف اس صورت میں واپس لے جا سکتا ہے جب وہ صلح کرنا چاہے۔ وہ اپنی بیوی کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا نہیں کر سکتا، جیسے کہ اس کی زندگی کو مشکل بنانے کے لیے طلاق کی کارروائی کو طول دینا۔ اس سے اگلی آیت میں اور قرآن کریم کی دوسری آیات میں خاص طور پر تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 229:

طلاق دو بار ہے۔ پھر]اس کے بعد [یا تو]اسے [قابل قبول طریقے سے رکھو یا]اسے [اچھے سلوک" ‘‘کے ساتھ چھوڑ دو۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 228:

"...اور ان کے شوہروں کو زیادہ حق ہے کہ وہ ان کو اس]مدت [میں واپس لے جائیں اگر وہ صلح چاہتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے]یعنی بیویاں [اسی طرح ہیں جو ان سے توقع کی جاتی ہے، معقول کے مطابق..."

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح میں مردوں کے حقوق کا ذکر کرنے سے پہلے عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا شوہر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا، خواہ وہ کبھی کبھار اس کے حقوق ادا کرنے میں ناکام ہو جائے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو کبھی بھی اتنا خودغرض نہیں ہونا چاہئے کہ وہ صرف ان حقوق کی پرواہ کرے جو لوگوں کے ان پر واجب ہیں۔ اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت اور طاقت کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی بندے سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے، بلکہ اس سے پوچھے گا کہ کیا اس نے لوگوں کے حقوق ادا کیے؟ لہٰذا انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی زیادہ فکر کرنی چاہیے پھر ان حقوق کا خیال رکھنا چاہیے جو لوگوں کے واجب الادا ہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنا بھی ان کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے اور جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اپنے حقوق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی نصرت پائے گا۔

اس کے علاوہ، اس دور میں جب دنیا بھر میں خواتین کو کوئی حقوق حاصل نہیں تھے، یہ اللہ تعالیٰ اسلام نے خواتین کو ایسی عزت ،ہی تھا جس نے انہیں 1400 سال پہلے عطا کیا تھا۔ مثال کے طور پر

،دی ہے، جیسا کہ کسی اور ادارے یا عقیدے نے کبھی نہیں دی، جیسا کہ جنت، جو کہ آخری نعمت ہے میں موجود سنن نسائی نمبر 3106 عورت کے قدموں کے نیچے، یعنی اپنی ماں کو۔ اس کی تصدیق میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم جامع ترمذی نمبر 3895 ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے ساتھ حسن سلوک کرے۔ بہترین طریقے سے بیوی .پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ماہواری کے دوران عورتوں کا زیادہ خیال رکھنے اور ان کا احترام کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا کیونکہ یہ ان کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ اس اضافی دیکھ بھال اور احترام کا عملی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مظاہرہ کیا اور اس کی تقلید ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 222:

"...،اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، "یہ درد ہے "

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی چیزوں کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی حقدار ہونے کے علاوہ، وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کی ملکیت ہو۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے بعض گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام لوگوں کا احترام کرنے کا درس دیا، عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ان کے اپنے حقوق کے متوازی ذمہ دار ٹھہرایا۔ .خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو یہ اس کا اختیار بنتا ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

زیر بحث آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ بیوی کے حقوق شوہر کے برابر ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 228:

"...اور ان کی وجہ سے]یعنی بیویاں [اسی طرح کی ہیں جو ان سے توقع کی جاتی ہے، معقول کے مطابق۔ لیکن مردوں]یعنی شوہروں [کو ان پر]ذمہ داری اور اختیار میں [ایک درجہ حاصل ہے..."

گھر میں جو اعلیٰ مقام شوہر کو دیا گیا ہے اس کا تعلق ان کی اعلیٰ ذمہ داری سے ہے۔ شوہر کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی، بچوں اور گھر کے اخراجات کو مالی طور پر مہیا کرے۔ بیوی کی گھر میں کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے۔ درحقیقت عام طور پر دیکھا جائے تو شادی سے پہلے بھی اس کی کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کے والد اس کے ذمہ دار تھے اور بڑھاپے میں، ذمہ داری اس کے بچوں پر آتی ہے، اگر وہ بیوہ ہو یا طلاق یافتہ۔ ذمہ داری کا یہ اعلیٰ درجہ جشن منانے یا فخر کرنے کی چیز نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے پاس جواب دینے کے لیے بہت

کچھ ہے۔ اور جس کے اعمال کی جانچ پڑتال ہو گی وہ قیامت کے دن سزا پائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لہٰذا صرف احمق ہی زیادہ ذمہ داریوں کی خواہش رکھتا ہے جس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہوں گے۔ اس لیے خواتین کو خوش ہونا چاہیے کہ وہ اس پر آہ و بکا کرنے کے بجائے ان ذمہ داریوں سے معذرت کر لی گئیں۔ اس کے علاوہ صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ یہ درجہ مردوں کے لیے حسن سلوک اور اپنی بیویوں پر مناسب طریقے سے مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ ترجیح دینے والے کو نیکی اختیار کرنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ کردار تفسیر القرطبی جلد 1 صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

لیکن اگرچہ شوہروں کو ان کی اضافی ذمہ داریوں کی وجہ سے خاندان میں اعلیٰ مقام دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے عہدے کا غلط استعمال نہ کریں، کیونکہ وہ ان سے دونوں جہانوں میں جوابدہ ہوگا، کیونکہ کوئی بھی اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے باب 2 البقرہ، آیت 228:

لیکن مردوں]یعنی شوہروں [کو]ذمہ داری اور اختیار میں [ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ اور اللہ غالب ہے..."

اللہ تعالیٰ نے آیت 228 کو ختم کرتے ہوئے لوگوں کو یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ اکیلا ہی تمام چیزوں کا مکمل اور مکمل علم رکھتا ہے، جیسے لوگوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں اور خاندان کے گھر کو کیسے منظم کرنا ہے، وہ اکیلا ہی لوگوں کو عطا کرنے کی بہترین پوزیشن میں ہے۔ اپنے خاندان کے اندر ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے انہیں ضابطہ اخلاق کی ضرورت ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 228:

’’اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 228:

"...اور ان کی وجہ سے]یعنی بیویاں [اسی طرح کی ہیں جو ان سے توقع کی جاتی ہے، معقول کے مطابق۔ لیکن مردوں]یعنی شوہروں [کو ان پر]ذمہ داری اور اختیار میں [ایک درجہ حاصل ہے..."

عام طور پر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معیار مقرر کیا ہے جو ایک کو دوسروں پر برتر بناتا ہے، مسلمانوں کو اس واحد معیار کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسرے تمام دنیاوی معیارات کو چھوڑ دینا چاہیے جو لوگوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، جیسے کہ جنس، نسل اور سماجی حیثیت۔
باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

راستبازی میں شامل نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے انسان جتنا زیادہ صالح ہے، اتنا ہی بہتر ہے۔ دوسرے تمام معیارات جو لوگوں کو الگ کرتے ہیں، جیسے کہ جنس، کو نظر انداز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام میں ان کی کوئی قدر نہیں ہے۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ ایک شخص کی نیت پوشیدہ ہے، لوگوں کو اپنے ظاہری اعمال کی بنیاد پر خود کو یا دوسروں کو دوسرے لوگوں سے بہتر نہیں سمجھنا چاہیے۔
باب 53 عن نجم، آیت 32:

تو اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا..."
"ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنی بیوی کو اس کے درد اور تکلیف کا باعث بننے کے لیے واپس لینے کے وسیع کلچر کے خلاف خبردار کیا۔ درحقیقت اسلام سے پہلے عربوں میں اس بات کی کوئی حد نہیں تھی کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کی عدت کے دوران کتنی بار واپس لے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں بیوی غیر معینہ مدت تک اپنی شادی میں پھنس جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصحیح کی اور عدت کے دوران بیوی کو واپس لینے کی حد دو مرتبہ مقرر کی اور ان کے ساتھ بدسلوکی کے خلاف تنبیہ کی چاہے وہ طلاق کا فیصلہ کریں یا باقی رہنے کا۔ باب 2 البقرہ، آیت 229:

طلاق دو بار ہے۔ پھر]اس کے بعد [یا تو]اسے [قابل قبول طریقے سے رکھو یا]اسے [اچھے سلوک"
"کے ساتھ چھوڑ دو۔

ایک بار پھر، شریک حیات کے ساتھ حسن سلوک کا حکم شوہر کو دیا گیا ہے اور بالواسطہ طور پر اس میں شامل ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ لہٰذا، شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق صحیح سلوک کرنے کے لیے ابتدائی اقدامات کرے اور ان کے درمیان کسی بھی قسم کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس دن اور دور میں، بیویاں اکثر اپنے شوہروں کی طرف سے اپنے ازدواجی مسائل میں بیرونی مدد لینے کے لیے جوش و خروش کی کمی کے بارے میں شکایت کرتی ہیں، جیسے کہ شادی کی مشاورت، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ شوہر کو زیادہ ہونا چاہیے۔ شادی کے مسائل کو حل کرنے کے خواہشمند، چاہے اس کا مطلب بیرونی لوگوں سے مدد طلب کرنا ہو۔

اس کے علاوہ، حسن سلوک کو برقرار رکھنا، خواہ کوئی اپنے شریک حیات کو طلاق دے دے یا ان کے ساتھ رہے، تب حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی اپنے شریک حیات کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرے جس کی وہ خواہش کرتا ہے کہ ان کے محبوب کے ساتھ ان کی شریک حیات کا سلوک ہو۔

اس زمانے میں جب عورتوں کو گھریلو اشیاء کے طور پر درجہ بندی کیا گیا تھا اور مردوں کو وراثت ملی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ بیوی کو دیا گیا جہیز اور اس کو دیا گیا کوئی بھی تحفہ زبردستی اس سے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ شوہر یا اس کے خاندان کی طرف سے، جیسا کہ اسے چوری کے طور پر درجہ بندی کیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 229:

''...اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لینا تمہارے لیے جائز نہیں ہے''

بیوی رضاکارانہ طور پر تحفے اپنے شوہر کو واپس کر سکتی ہے اگر اس سے اسے طلاق حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن اس معاملے میں بھی، جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ وہ یا شوہر طلاق کا فیصلہ کریں، انہیں چاہیے کہ وہ باہر کے لوگوں کو شامل کریں تاکہ ان کے درمیان مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے۔ جو لوگ تجربہ، اسلامی علم اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں، جیسا کہ ان خصوصیات کے حامل افراد دونوں طرف سے مخلص اور دیانت دار ہوں گے۔ باہر کی مدد پر انحصار الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ دوہری شکل کے بجائے جمع استعمال کیا گیا ہے، جو صرف شوہر اور بیوی کی طرف اشارہ کرے گا .باب 2 البقرہ، آیت 229:

''اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو جب تک کہ دونوں کو یہ خوف نہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ لیکن اگر آپ کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو برقرار نہیں رکھیں گے تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی اس میں کوئی گناہ نہیں جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو فدیہ دے رہی ہے۔

میاں بیوی کے درمیان حسن سلوک کی اہمیت پر بحث کرنے کے بعد، خاص طور پر شادی کی مشکلات کے دوران، اللہ اس حقیقت کو تقویت دیتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرنا اس کی حدود سے تجاوز کرنا ہے، اگرچہ شادی اور اس کے مسائل دو افراد کے درمیان ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 229:

‘‘یہ اللہ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔’’

جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے لوگوں کے حقوق کو پورا کرنے میں مدد ملے گی، کیونکہ اس میں دوسروں کے ساتھ اپنے رویے کو کنٹرول کرنا بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ، ایک شخص کو اسلامی تعلیمات کے مطابق لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص دوسروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ عام لوگوں سے سلوک کیا جائے۔ درحقیقت وہ جو دوسروں کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی مومن کی تعریف ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے ۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والا ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو ان کی عطا کی گئی ہے وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے میں ناکام رہے گا جس کی وجہ سے وہ ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکے گا، خواہ وہ تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی دولت مندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح ذہنی امراض میں مبتلا ہیں، کیونکہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے پیدا ہونے والا تناؤ کتابوں کی ایک بڑی لائبریری کی طرح ہے جو کسی ترتیب سے ترتیب نہیں دی گئی ہے۔ نتیجے کے طور پر، ایک مخصوص کتاب تلاش کرنے والے شخص کو اسے تلاش کرنے میں بہت زیادہ دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ، جو ایک اچھی طرح سے منظم لائبریری کے اندر کسی مخصوص کتاب کو تلاش کرتا ہے وہ اسے کم سے کم دباؤ کے ساتھ آسانی سے تلاش کر لے گا۔ یہ اس شخص کے مترادف ہے جو اسے عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے، کیونکہ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اسے عطا کی گئی تمام دنیوی نعمتیں، بشمول اس کی زندگی کے اندر موجود لوگوں کو، ان کی زندگی میں صحیح طریقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ، بالکل کتابوں کی اچھی طرح سے منظم لائبریری کی طرح۔

اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنا دوسروں پر ظلم کرنے کا سبب بنے گا۔ اس ظالم کو دونوں جہانوں میں خاص کر قیامت کے دن انصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظالم کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے سپرد کرے اور اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے مظلوموں کے گناہ اس

وقت تک لے گا جب تک کہ انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ایک شادی شدہ جوڑے کو طلاق کے تیسرے اعلان تک نہیں پہنچنا چاہیے، کیونکہ یہ اسلام کے بتائے گئے طلاق کے طریقے سے متصادم ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کو غلط استعمال کرنے کی سزا لاگو ہوتی ہے۔ طلاق یافتہ جوڑا اب دوبارہ شادی نہیں کر سکتا، جب تک کہ بیوی کسی اور سے شادی نہ کرے اور اپنی شادی مکمل کر لے اور پھر اپنے دوسرے شوہر کو طلاق دے دے یا وہ مر جائے۔ کسی عورت سے طلاق کی نیت سے نکاح کرنا تاکہ وہ اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکے۔ سنن ابوداؤد نمبر 2076 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 230:

"اور اگر اس نے اسے [تیسری بار] طلاق دے دی ہے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔"

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے ایسے جاہل مسلمان ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ طلاق الفاظ کے ذریعے نہیں دی جانی چاہئے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص غصے کے وقت کہہ سکتا ہے حالانکہ وہ اس کا پورا مطلب نہیں رکھتے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر کوئی قرآن کریم کی نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرے تو وہ کبھی بھی تینوں طلاقیں ایک ساتھ نہیں دے گا۔ اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنقید کی ہے۔ درحقیقت اس نے اس طرز عمل کو قرآن پاک کا مذاق اڑانا قرار دیا۔ سنن نسائی نمبر 3430 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوئی ہے۔ ایسا کرنے والا اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتا، خاص طور پر ایسی سنگین صورتوں میں، اس لیے وہ اتنی بالغ نہیں ہوتی کہ پہلے شادی کر لیں۔ دوم، اگر کوئی اسلام کی دی گئی نصیحت پر عمل کرتا ہے اور الگ الگ مواقع پر زبانی طور پر طلاق دیتا ہے، تو اس سے ان کے جذبات پرسکون ہوتے ہیں تاکہ وہ اگلی طلاق دینے سے پہلے کچھ سوچ سکیں۔ آخر میں، یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان یہ کیسے قبول کرتا ہے کہ جو شخص شادی سے پہلے ان کے لیے حرام تھا وہ الفاظ کے ذریعے ان کے لیے حلال ہو سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعے نکاح ختم کرنے کے تصور پر اعتراض کرتا ہے۔ یہ اعتراض صرف اپنی جہالت اور خواہشات کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر کسی کو الفاظ کے

ذریعے طلاق پر اعتراض کرنا ہے تو اسے الفاظ کے ذریعے نکاح پر بھی اعتراض کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ الگ الگ تین طلاقیں دینا بھی اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کی طرف پچھلی آیت، باب 2 البقرہ، آیت 229 سے اشارہ کیا گیا ہے:

"طلاق دو بار ہے۔ پھر]اس کے بعد[، یا تو]اسے [قابل قبول طریقے سے رکھو یا]اسے [اچھے طریقے سے چھوڑ دو علاج..."

اس کی بجائے ایک طلاق دے اور بیوی کو واپس لیے بغیر عدت ختم ہونے دے کیونکہ اس سے نکاح ختم ہو جائے گا یا زیادہ سے زیادہ دو الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور پھر عدت ختم ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو جوڑے نئے نکاح نامہ کے ساتھ دوبارہ شادی کر سکتے ہیں اس کی ضرورت کے بغیر کہ بیوی پہلے کسی اور سے شادی کرے۔ لیکن اگر وہ دوبارہ شادی کر لیتے ہیں تو طلاق کا ایک تلفظ دونوں کو مستقل طور پر الگ کر دے گا، کیونکہ ان کی پہلی شادی میں دو تلفظ پہلے ہی استعمال ہو چکے ہیں۔

اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنی زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ بے قابو زبان دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ، انہیں اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلام کی طرف سے بتائی گئی تکنیک پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ جلد بازی میں ایسا برتاؤ کرنے سے گریز کریں جس پر انہیں بعد میں پچھتاوا ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 230:

اور اگر اس نے اسے]تیسری بار [طلاق دے دی ہے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے"
"جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر اسلامی تعلیمات کی غلط تشریح کرکے یا ان پر عمل کرنے کا وقت منتخب کرکے ان کا مذاق نہ اڑائیں اور اپنی خواہشات کے مطابق انہیں نظر انداز کردیں۔ یہ تضحیک ایک ایسی چیز ہے جس کا وہ دونوں جہانوں میں جواب دیں گے، کیونکہ یہ نہ صرف بے عزتی ہے بلکہ بیرونی دنیا کے سامنے اسلام کی غلط ترجمانی بھی کرتا ہے۔ جس طرح ایک سفیر کو اپنی قوم کی غلط تشریح کرنے پر نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح وہ مسلمان جو جان بوجھ کر اسلام کی غلط ترجمانی کرتا ہے، کیونکہ اسلام کی صحیح نمائندگی کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

لیکن جیسے جیسے احساسات وقت کے ساتھ بدلتے ہیں اور لوگ غلطیاں کر سکتے ہیں وہ بعد میں پچھتاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک جوڑے کو اجازت دیتا ہے کہ دوسرے شوہر کی اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد یا اس کی موت ہو جائے۔ لیکن یہ دوبارہ شادی صرف اسی صورت میں کی جانی چاہیے جب جوڑے نے اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھا ہو اور ان کے درمیان معاملات طے کرنے کا عزم ،کیا ہو جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی شامل ہو۔ باب 2 البقرہ آیت 230:

اور اگر وہ]یعنی بعد والا شوہر [اسے طلاق دے دے]یا مر جائے [تو ان پر]یعنی عورت اور اس کے سابقہ شوہر [پر کوئی الزام نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس واپس آجائیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ "...]اندر میں [رکھ سکتے ہیں۔ اللہ کی حدود

اللہ تعالیٰ ایک بار پھر واضح فرماتا ہے کہ لوگوں کے درمیان تعلق اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا تعلق براہ راست اس کی اطاعت سے ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ برتاؤ

کرنے میں ناکامی اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہے، اس لیے اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ وہ خود دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اس حیثیت میں ہے کہ وہ انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے ایک ضابطہ حیات مہیا کر سکتا ہے، جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان ضابطہ اخلاق، کیونکہ وہ اکیلا ہی انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت، مختلف مسائل کا مکمل علم رکھتا ہے۔ شادی کے اندر ہو سکتا ہے اور ان کو کیسے درست کیا جائے؟ شادی کے مسائل اور میاں بیوی کی ذہنی حالتوں کے بارے میں علم اور سمجھ کی کمی کی وجہ سے کوئی دوسرا ضابطہ اخلاق ہمیشہ نامکمل رہے گا ، یہاں تک کہ اس میدان میں ہونے والی پیشرفت کے باوجود۔ مثال کے طور پر، شادی کا مشیر ، ان کے تجربے سے قطع نظر، میاں بیوی کی ذہنی حالت کے ہر پہلو اور جوڑوں کے درمیان شادی کے تمام مسائل جو لوگوں کے درمیان مختلف ہوتے ہیں، خاص طور پر مختلف نسلوں، ثقافتوں اور مذاہب کے اندر نہیں جانتے ہوں گے۔ اس سارے علم کو لوگوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس اور تمام قسم کے علم کو صرف اللہ تعالیٰ نے ہی گھیر رکھا ہے۔ لہٰذا، اگر کوئی شادی، یا زندگی کے کسی اور پہلو میں صحیح رہنمائی چاہتا ہے، تو اسے کامیاب ازدواجی زندگی اور آرام دہ خاندانی گھر کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات پر بھروسہ کرنا چاہیے، جو ذہنی سکون حاصل کرنے کا ایک اہم پہلو ہے۔ صرف اسلامی علم رکھنے والے ہی اس حقیقت کی صحیح معنوں میں تعریف کر سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 230:

''یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لیے واضح کرتا ہے۔''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ بار بار شوہر کو تنبیہ کرتا ہے کہ اگر وہ شادی یا طلاق جاری رکھنے کا انتخاب کرتے ہیں تو اپنی بیوی کو تکلیف پہنچانے سے گریز کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 231:

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکی ہوں تو یا تو انہیں قابل قبول شرائط" کے مطابق اپنے پاس رکھو یا قابل قبول شرائط کے مطابق چھوڑ دو، اور ان کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہ رکھو۔"

،اللہ تعالیٰ پھر ایک خاص مثال کے ذریعے ایک عالمگیر اصول کی وضاحت کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ
آیت 231:

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت پوری کرچکی ہوں تو یا تو انہیں قابل قبول شرائط" کے مطابق رکھو یا انہیں قابل قبول شرائط کے مطابق چھوڑ دو، اور انہیں نقصان پہنچانے کے ارادے سے)ان کے خلاف (نہ رکھو۔ اور جس نے ایسا کیا اس نے یقیناً اپنے آپ پر ظلم کیا۔

جو دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا ہے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا اور اس لیے اسے دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس دنیا میں، ان کے پاس جو چیزیں ہیں وہ ان کے لیے تناؤ اور مصیبت کا باعث بنیں گی، چاہے وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کریں۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ عدل و انصاف قائم کرے گا جس کی وجہ سے ظالم اپنی نیکیاں متاثرین کے حوالے کر دے گا اور اگر ضرورت پڑی تو ظالم اپنے مظلوموں کے گناہ لے گا۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تنبیہ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس لیے اپنی ذات کے لیے دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ جو نقصان وہ پہنچاتے ہیں وہ اپنے اوپر ہی لوٹ آئے گا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر اس پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اسلام کا مذاق اڑانے سے گریز کریں لیکن عملی طور پر اس پر عمل کرنے میں ناکام رہیں۔ باب
البقرہ، آیت 231 2:

‘‘اور اللہ کی آیات کو مذاق میں مت لو۔’’

یہ مذاق انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے روکے گا جو انہیں دی گئی ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنے گی۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی تفریحی لمحات کا تجربہ کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، یہ مذاق ایک مسلمان کو بیرونی دنیا کے سامنے اسلام کو غلط طریقے سے پیش کرنے کا سبب بنے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اس سے دور ہو جائیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہر مسلمان

جواب دے گا، کیونکہ انہوں نے اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے کی ذمہ داری اس وقت اٹھائی جب انہوں نے اسلام کو اپنا عقیدہ قبول کیا۔

اس کے بجائے، قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں ان کو جو رہنمائی فراہم کی گئی ہے، ان کے سیکھنے اور ان پر عمل کر کے ان کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ وہ اس بات کا خاکہ پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے، تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکے، جس کے نتیجے میں ایک فرد، ایک خاندان اور وسیع تر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ معاشرہ باب 2 البقرہ، آیت 231:

’’اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور جو کتاب اور حکمت تم پر نازل ہوئی ہے جس کی وہ تمہیں ہدایت کرتا ہے‘‘۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، خاص طور پر لوگوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کا اور اس دنیا میں انسان یا معاشرہ جن مسائل کا سامنا کر سکتا ہے، ان کو کیسے حل کرنا ہے، وہ اکیلا ہی بنی نوع انسان کو ہدایت دے سکتا ہے۔ ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے جیو۔ تمام انسانوں کی بنائی ہوئی ہدایات علم، دور اندیشی اور تعصب کی کمی کی وجہ سے یہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکتیں۔

حکمت کا تذکرہ آیت 231 میں کیا گیا ہے، جیسا کہ یہ سکھاتا ہے کہ اسے جو علم دیا گیا ہے اسے صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے تاکہ اس سے ان کو اور دونوں جہانوں میں دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اسلامی علم انسان کو حکمت سے آراستہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے تمام دنیوی اور دینی علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرتا ہے۔ حکمت کے بغیر،

ایک شخص آسانی سے اپنے پاس موجود علم کا غلط استعمال کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، سائنسی علم خطرناک چیزوں کو تیار کرنے کا باعث بن سکتا ہے، جیسے کہ ہتھیار، اگر حکمت کا استعمال نہ کیا جائے۔ جبکہ جس کے پاس عقل ہے وہ اپنے سائنس کے علم کو مفید چیزیں بنانے کے لیے استعمال کرے گا، جیسا کہ دوائیاں۔ یہ حکمت اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں، خواہ یہ ان کی خواہشات اور سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کے مشورے کے خلاف ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 231:

"اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

ایک شخص کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہترین ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ۔ جس طرح یہ عاقل مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ جب کہ جو مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو رد کرتا ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوگی اور اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تعلیمات کو رد کرے گا کیونکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ ایک ڈاکٹر غلطی کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، اس لیے اس نے انسانوں کو جو ضابطہ اخلاق عطا کیا ہے وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی ضمانت دیتا ہے۔

انسان جو بھی راستہ اختیار کرے گا اسے دونوں جہانوں میں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم سے بچ نہیں سکتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 231:

‘‘اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 232:

’’اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکی ہوں تو انہیں اپنے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے نہ روکو اگر وہ آپس میں کسی قابل قبول بنیاد پر راضی ہوں‘‘۔

اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ طلاق یافتہ عورتوں کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنیں جو انہیں کسی اور سے شادی کرنے سے روکتی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ اکثر مسلمانوں میں ہوتا ہے، جس کے تحت سابق شوہر کے خاندان والے اپنی سابقہ بیوی کے بارے میں ایسی افواہیں پھیلاتے ہیں کہ اسے دوسرا شوہر تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بری خصلت ہے جس کو اپنانا کوئی نہیں چاہے گا کہ اس کی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے تو کوئی مسلمان کسی دوسرے کی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیسے کرسکتا ہے؟ اسلام واضح کرتا ہے کہ انسان کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اپنے پیاروں کے ساتھ سلوک کریں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2515 کی حدیث کے مطابق یہ ایک سچے مومن کی نشانی ہے۔ دوسروں کی ناموس کو خراب کرنا ایک سنگین گناہ ہے جس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا بہت بڑا عمل ہے۔ ، اور کوئی اور۔ جب کوئی اس جیسا سنگین گناہ کرتا ہے تو یہ اکثر دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 232:

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکی ہوں تو انہیں اپنے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے نہ روکو اگر وہ آپس میں کسی قابل قبول بنیاد پر راضی ہوں“۔

اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین کے رشتہ داروں کو طلاق یافتہ جوڑے کو ایک دوسرے سے دوبارہ شادی کرنے سے نہیں روکنا چاہیے، جب تک کہ وہ دونوں اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور مستقبل میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا عزم کریں۔ .اس تشریح کی تائید جامع ترمذی نمبر 2981 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بھائی نے ابتدا میں اپنی بہن کو اپنے شوہر سے ایک بار طلاق دینے کے بعد دوبارہ شادی کرنے سے روک دیا۔ انتظار کی مدت گزر چکی تھی .اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس نے خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا اور انہیں دوبارہ نکاح کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی حلال شادی کو نہ روکیں کیونکہ روکنا کسی چیز کو حرام قرار دینے کی ایک شکل ہے جب اسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ یہ اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ یہ براہ راست ایک شخص کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے دعوے کو چیلنج کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 232:

”یہ ہدایت ہے کہ تم میں سے ہر اس شخص کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے“۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال کرنے کے بعد اس طرح کا برتاؤ جس سے کوئی چیز حرام سمجھی جاتی ہے، وہ چیز ہے جو اکثر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے مسلمان غیر اسلامی وجوہات کی بنا پر اپنے بچوں کو حلال شادیوں سے روکیں گے، جیسے کہ شریک حیات کا تعلق کسی دوسرے ملک سے ہے۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے کیونکہ کسی کو بھی اپنی

خواہشات کے مطابق چیزوں کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو براہ راست چیلنج کرتا ہے۔ اس لیے اس سے ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے۔ چونکہ جہالت اس رویے کا بنیادی سبب ہے، اس لیے اس سے بچنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ آیت 232 میں اشارہ کیا گیا ہے، حلال شادی کو روکنا اکثر دونوں کے درمیان غیر قانونی تعلق کا باعث بن سکتا ہے، جو صرف اس میں شامل ہر فرد کے لیے دونوں جہانوں میں پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 232:

یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ ہے‘‘۔’’

جو بھی وجوہات ہو سکتی ہیں وہ مستقبل کے بارے میں علم کی کمی پر مبنی ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، ان کا انتخاب جذبات پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ ثبوت پر۔ اس لیے وہ یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، یہ فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو حلال قرار دیا ہے، دوسروں کو اسے حرام قرار دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 232:

‘‘اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔’’

شادی شدہ مسلمانوں کے لیے درج ذیل کچھ عمومی نصیحتیں ہیں تاکہ شادی کی مشکلات سے بچ سکیں جو طلاق کا باعث بن سکتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، ایک شخص کو اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے کہ ایک شخص کو چاہیے کہ وہ ایسے شریک حیات کا انتخاب کرے جو تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنے شریک حیات کے حقوق کو پورا کریں گے اور ان پر ظلم کرنے سے گریز کریں گے، یہاں تک کہ جب وہ ناراض ہوں، کیونکہ وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اپنے شریک حیات کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور وہ آسانی سے ان پر ظلم کریں گے کیونکہ وہ اپنے انتخاب اور عمل کے نتائج سے نہیں ڈرتے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان زمین کی طرح برتاؤ کرتا ہے اور ہر وقت اپنے شریک حیات کی مدد کرتا ہے تو اس کی شریک حیات اسے نقصان سے بچا کر اس کے لیے آسمان بن جاتی ہے ۔ اگر کوئی ،مسلمان اپنے شریک حیات کو ذہنی اور جسمانی سکون دیتا ہے تو اس کے بدلے میں وہ ان کی مالی ذہنی اور جسمانی مدد کا ستون بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اسلام کے قوانین کے تحت اپنے شریک حیات کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ پائیں گے کہ بدلے میں اس کی شریک حیات بھی ایسا ہی کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے شریک حیات کی عزت اور احترام کریں گے تو انہیں بھی وہی ملے گا۔ یعنی جو دیتا ہے وہی ملے گا۔

ایک مسلمان کو شائستہ ہونا چاہئے اور صرف اس طریقے سے بولنا اور عمل کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ اور ان کی شریک حیات کو راضی ہو۔ انہیں اپنی شادی اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر راضی ہونا چاہئے کیونکہ یہی حقیقی دولت اور خوشی ہے۔ میڈیا کا مشاہدہ کریں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہرت اور قسمت خوشی نہیں لاتی۔ دراصل، مشہور شخصیات کی اکثریت اپنی شہرت اور خوش قسمتی کے باوجود طلاق لے لیتی ہے۔ ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی سے گریز کرتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے شریک حیات کے لیے مزین کریں کیونکہ یہ ان کی محبت کو برقرار رکھنے کا ایک پہلو ہے۔ کسی کو ہمیشہ اپنے شریک حیات کے مزاج سے باخبر رہنا چاہیے اور مناسب طریقے سے بولنا اور عمل کرنا چاہیے، کیوں کہ اگر صحیح بات نامناسب وقت کہی جائے تو بھی جھگڑے ہو سکتے ہیں، مثلاً جب کوئی بھوکا یا تھکا ہوا ہو۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ پیسے کی قدر کی قدر کرے اور اسے ضائع نہ کرے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی شریک حیات کو یہ ناپسند ہے۔ شادی شدہ جوڑے کو اولین ترجیح دینی معاملات میں خود کو تعلیم دینا اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ان کے بچوں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اچھی تعلیم حاصل ہو۔ یہ تعلیم ان کے درمیان رشتے کو مضبوط کرے گی۔ ایک مسلمان کو اپنی شریک حیات کی معقول درخواستوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چیلنج نہ کرے کیونکہ شریک حیات کا مسلسل انکار غصے اور جھگڑوں کا باعث بن سکتا ہے۔ ان کے درمیان ہونے والی ہر چیز کو خفیہ رکھا جانا چاہئے کیونکہ راز افشا کرنے سے شادی شدہ جوڑے کے درمیان اعتماد ٹوٹ سکتا ہے۔ استثناء صرف یہ ہے کہ جب کوئی دوسرے سے مشورہ طلب کرے لیکن پھر بھی اسے عوامی معاملہ نہیں بننا چاہئے اور زیادہ لوگوں تک نہیں پھیلانا چاہئے۔ ایک مسلمان کو، حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے شریک حیات کے جذبات کی عکاسی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، جب اس کا شریک حیات غمگین ہو تو اسے کھلے عام خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے انسان کو یقین ہو سکتا ہے کہ اس کا شریک حیات ان کے جذبات کی پرواہ نہیں کرتا ۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی حدود میں اپنے شریک حیات کی خاطر قربانی اور سمجھوتہ کرنا سیکھے کیونکہ اس سے ان کی شریک حیات انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرے گی۔ ان سب باتوں کو یاد رکھنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی شریک حیات کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جو وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے محبوب کے ساتھ اس کی شریک حیات کا سلوک ہو۔ مثال کے طور پر، ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو وہ چاہتا ہے کہ اس کا داماد اس کی بیٹی کے ساتھ سلوک کرے۔ یا بیوی اپنے شوہر کے ساتھ وہی سلوک کرے جو وہ چاہتی ہے کہ اس کی بہو اپنے بیٹے کے ساتھ سلوک کرے۔ صرف اس ذہنیت کو اپنانا ہی شادی کے اندر ان گنت مسائل کو حل کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ، پھر طلاق کے بعد بچوں کی دیکھ بھال کے معاملے پر بات کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

"مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلا سکتی ہیں جو کوئی دودھ پلانے کی [مدت [مکمل کرنا چاہے۔ باپ کے ذمے ان کا [یعنی ماؤں کا [رزق ہے اور ان کا لباس جو کہ قابل قبول ہے...

اپنے بچے کی پرورش کی مالی ذمہ داری مکمل طور پر شوہر پر عائد ہوتی ہے اور سابقہ بیوی کی مالی ضروریات اس مدت کے دوران جب وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے اس کے سابقہ شوہر پر بھی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ فریضہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اس لیے انسان کو اس سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اسلام کے اندر ہر فرض کو لوگ پورا کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ کسی ایسے فرد پر کوئی فرض عائد نہیں کرتا جس کو وہ پورا نہ کر سکے اور نہ ہی وہ ایسی صورت حال کا حکم دیتا ہے جس کا سامنا انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے دوران نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

"...کسی بھی شخص پر اس کی صلاحیت سے زیادہ کا الزام نہیں لگایا جاتا"

جیسا کہ پورے قرآن پاک میں اس بات کو دہرایا گیا ہے، اس سے لوگوں کے پاس اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر وہ اپنی پوری کوشش کرتے تو وہ اپنے تمام فرائض کو پورا کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ضمانت دی ہے، اس لیے وہ اپنی پوری کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ لوگوں کو سستی چھوڑنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناقص عذر قبول نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ لوگ کس قابل ہیں اور اسی کے مطابق ان کے لیے فرائض مقرر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پھر مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بطور ہتھیار استعمال کرنے سے گریز کریں تاکہ وہ اپنے سابقہ شریک حیات کو تناؤ کا باعث بنیں۔ اس کے بجائے ہر فرد کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے خاندان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

”کسی ماں کو اس کے بچے کے ذریعے اور کسی باپ کو اس کے بچے کے ذریعے نقصان نہیں پہنچانا چاہیے...“

پہلی بات یہ ہے کہ ماں کو نقصان پہنچانے کا ذکر باپ کو نقصان پہنچانے سے پہلے ان کے بچے کے ذریعے کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ کو اللہ تعالیٰ کی اس حد سے تجاوز کرنے اور اپنے بچے کے ذریعے اپنی سابقہ بیوی کو نقصان پہنچانے سے زیادہ حساس اور ڈرنا چاہیے۔ باپ یا ماں کو اپنے بچے کے سامنے ایک دوسرے کو حقیر یا بے عزت نہیں کرنا چاہیے اس طرح بچے کی اپنے والدین سے محبت کو کم کرنا ہے۔ یہ ایک شیطانی ذہنیت ہے کیونکہ ایک مسلمان کا کردار بچوں کے دلوں میں دوسروں کے لیے محبت اور احترام پیدا کرنا ہے۔ اگر وہ اس کے برعکس کریں گے تو بچہ بڑا ہو گا نہ کسی کی عزت کرے گا اور نہ ہی پیار کرے گا اور اس سے ان کی گمراہی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

اس کے علاوہ، اس طرح سے دوسروں کو نقصان پہنچانا اکثر مسلم شادیوں میں ہوتا ہے، جس کے تحت کوئی شخص اپنے بچے کو اپنی شریک حیات کے خلاف استعمال کرے گا تاکہ وہ اپنی خواہشات حاصل کرے، جیسے کہ اپنے شریک حیات کے رشتہ داروں سے دور کسی دوسرے گھر میں جانا۔ اس طرح کا برتاؤ کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں براہ راست منع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا برتاؤ صرف ایک جوڑے کے درمیان زیادہ تناؤ اور مسائل کا باعث بنتا ہے، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا طلاق یافتہ، جو صرف اس میں شامل ہر فرد، خاص طور پر بچوں کے لیے زیادہ دلائل اور تناؤ کا باعث بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ باپ کے خاندان کو بھی ہدایت کرتا ہے کہ وہ اس کی موت کی صورت میں اپنے بچوں اور سابقہ بیوی کے تئیں اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

‘‘اور]باپ کے [وارث پر]فرض ہے [جیسا کہ]باپ کا[۔’’

ایک بار پھر، بہت سے مسلم خاندان اس ہدایت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے اپنے متوفی رشتہ دار کی سابقہ بیوی اور بچوں کو چھوڑنے میں جلدی کرتے ہیں، حالانکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی مدد کرنی چاہیے۔ ایک خاندان کو اپنے بچوں کی زندگی میں اپنے متوفی رشتہ دار کی طرف سے چھوڑے گئے خلا کو پر کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ صحیح طریقے سے پرورش پائیں اور دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ خاندانوں کا اپنے فوت شدہ رشتہ دار کے بچوں کو اس طرح چھوڑ دینا ان بچوں کی گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر جرم اور جیل کی زندگی گزارتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو کیا برے رویے دکھا سکتے ہیں، اس لیے وہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے متبادل انتظامات کرنے کی اجازت دیتا ہے اگر دونوں فریق متفق ہوں۔ لیکن بچوں کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے باہمی مشاورت اور معاہدہ ہونا چاہیے۔ ماں اور باپ دونوں کو اپنے بچے کے بارے میں کیے جانے والے کسی بھی فیصلے میں شامل ہونے کا حق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

اور اگر وہ دونوں دونوں کی باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر آپ اپنے بچوں کو کسی متبادل کے ذریعہ دودھ پلانے کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں جب تک کہ آپ اس کے مطابق ادائیگی کریں جو قابل قبول ہے..."

اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں والدین کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کے بہترین مفاد میں پیش آئیں اور ایک دوسرے کے لیے کسی بھی قسم کے منفی جذبات کو کسی بھی طرح اس میں رکاوٹ نہ بننے دیں

،کیونکہ اللہ ان کی نیت، قول اور فعل کو جانتا ہے اور دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہوگا۔ باب 2 البقرہ آیت 233:

‘‘اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔’’

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو اپنی دنیاوی اور دینی دونوں زندگیوں میں اپنے وسائل کے مطابق کامیابی کے اوزار فراہم کرکے اپنے بچوں کے حقوق کی تکمیل کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے والدین اپنے بچوں کو دنیا میں کامیاب بنانے کے لیے بہت کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی مذہبی ترقی میں وہی کوششیں کرنے میں ناکام رہتے ہیں، حالانکہ بعد والا معاملہ زیادہ اہم اور دور رس ہے۔ کسی بچے کو اس زبان میں قرآن پاک پڑھنے کا طریقہ سیکھنے کے لیے مسجد بھیجنا جو وہ نہیں سمجھتے۔ ہر والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچے کو قرآن پاک کا علم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ ان کا بچہ اسلامی علم کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جو انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جائے گی۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کے تئیں اپنے فرض میں کوتاہی ان کی گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے، جس کا جواب ہر والدین دونوں جہانوں میں دیں گے۔ اس دنیا میں ان کا بچہ ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنے گا اور جو آخرت میں آئے گا اس سے بھی بدتر ہو گا۔ والدین اس تناؤ سے صرف اسی صورت میں آزاد ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے بچوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ مطلب، انہیں اپنے بچوں سے کسی قسم کی تعریف اور معاوضہ نہیں لینا چاہئے، کیونکہ یہ صرف تلخی کا باعث بنتا ہے، جب ان کے بچے ان کا شکریہ ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ انہوں نے اپنے بچوں کی پرورش اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نہیں کی ، اس لیے انہیں اس سے کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے ۔

باب 2 - البقرہ، آیات 234-235

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجٗا يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٖ وَعَشۡرٗاۖ فَإِذَا بَلَغۡنَ
أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا فَعَلۡنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ٢٣٤
وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا عَرَّضۡتُم بِهِۦ مِنۡ خِطۡبَةِ ٱلنِّسَآءِ أَوۡ أَكۡنَنتُمۡ فِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ عَلِمَ ٱللَّهُ
أَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُواْ قَوۡلٗا مَّعۡرُوفٗاۚ وَلَا تَعۡزِمُواْ
عُقۡدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبۡلُغَ ٱلۡكِتَٰبُ أَجَلَهُۥۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ
فَٱحۡذَرُوهُۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٞ ٢٣٥

"اور جو لوگ تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ)بیویاں(چار مہینے اور دس دن انتظار کریں گے۔ اور جب وہ اپنی میعاد پوری کر لیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے ساتھ قابل قبول طریقے سے کرتے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

تم پر اس بات کا کوئی قصور نہیں ہے جس کی طرف تم عورتوں کو کسی تجویز کے بارے میں]بالواسطہ [اشارہ کرتے ہو یا جو تم اپنے اندر چھپاتے ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ ان کو ذہن میں رکھیں گے۔ لیکن ان سے چپکے سے وعدہ نہ کرو سوائے صحیح قول کے۔ اور جب تک مقررہ مدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا فیصلہ نہ کریں۔ اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے، لہٰذا اس سے بچو۔ اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل کا تذکرہ کیا ہے جو بیوہ کو اپنے شوہر کی موت کے بعد کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 234:

اور جو لوگ تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ)بیویاں (چار " مہینے اور دس دن انتظار کریں..."

اس عدت کے دوران بیوہ اپنے فوت شدہ شوہر کے گھر میں رہنے کی حقدار ہے اور اس کی مالی مدد اس کے مال سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 240:

اور جو لوگ تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان کی بیویوں کے" لیے وصیت ہے :ایک سال تک نفقہ ان کو نکالے بغیر۔"

افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان گھرانے اس اہم فرض کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے اپنے متوفی رشتہ دار کی بیوی کو چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں اس کے خلاف تنبیہ کی گئی ہے۔

بیوہ کے لیے عدت کا دورانیہ حمل کو خود کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے، جو ظاہر ہے کہ اس کے مستقبل کے انتخاب کو متاثر کرے گا۔ اس کے علاوہ، عدت بیوی کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے فوت شدہ شوہر پر سوگ منائے، اسلام کی بتائی گئی حدود میں، مستقبل کے انتخاب اور فیصلوں میں جلدی کیے بغیر، جس پر اسے بعد میں پچھتاوا ہو، جیسے کسی اور سے شادی۔ عدت گزر جانے کے بعد، بیوہ یا تو تنہا رہنے یا دوبارہ شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 234:

اور جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے ساتھ قابل قبول طریقے" سے کریں"۔

جیسا کہ اس آیت میں جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بیوہ کے رشتہ دار اس کی عدت کے دوران اور اس کے مستقبل کے انتخاب میں، جیسے شادی میں اس کی حمایت کرتے ہیں۔ بیواؤں کی مدد کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ وہ ایک مشکل جذباتی حالت میں ہیں اور اس لیے غلط انتخاب کرنے کے لیے زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ اسلام کے اندر بیواؤں کو ایک اعلیٰ مقام دیا گیا ہے اور ان کی مدد اپنے ذرائع کے مطابق کی جانی چاہیے، جیسے کہ جذباتی، جسمانی اور مالی مدد، خاص طور پر اس کے رشتہ داروں کی طرف سے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ جو شخص ہر روز روزہ رکھتا ہے اور ہر رات کو نفلی نماز پڑھتا ہے اتنا ہی ثواب پا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی بیوہ کی مالی مدد کرتے ہیں۔

غور طلب ہے کہ یہ آیت بیوہ کے مستقبل کا انتخاب بھی اس کے ہاتھ میں رکھتی ہے، اس لیے اس کے رشتہ دار اور اس کے متوفی شوہر کے رشتہ داروں کو اسے کچھ فیصلے کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ کنوارہ رہنا، اگر وہ دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ .رشتہ داروں کا کردار بیوہ کو جذباتی، مالی اور جسمانی طور پر سہارا دینا ہے، یہ اسے کچھ ایسے انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کرنا ہے جو ان کے لیے خوش ہوں۔ اس کے علاوہ عدت گزر جانے کے بعد بیوہ کو یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ اسے اس طرح زندگی گزارنی ہے جس سے اس کے رشتہ دار یا اس کے فوت شدہ شوہر کے رشتہ دار خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جذبات کو تسلیم کیا ہے اور اسے اپنے مستقبل کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی آزادی دی ہے اور اس لیے اسے بدنامی، دوسروں کے جذبات یا سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کی آراء سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیت، قول اور فعل سے پوری طرح باخبر ہے، لہٰذا بیوہ اور اس کے رشتہ داروں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 234:

‘‘اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔’’

یہ ایک بار پھر اس فہم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لوگوں اور دنیاوی معاملات کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے جڑا ہوا ہے۔ لہٰذا حقوق العباد، حقوق العباد اور حقوق العباد کا آپس میں براہ راست تعلق ہے اور ان میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کا خاکہ پیش کرتا ہے کہ بیوہ یا طلاق یافتہ کو پیش کی جانے والی تجویز کو صحیح اور احترام کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 235:

"تم پر اس بات کا کوئی قصور نہیں ہے جس کی طرف تم عورتوں کو کسی تجویز کے بارے میں [بالواسطہ] اشارہ کرتے ہو یا جو تم اپنے اندر چھپاتے ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ ان کو ذہن میں رکھیں گے۔ لیکن ان سے پوشیدہ وعدہ نہ کرو سوائے ایک مناسب قول کے کہنے کے..."

ایک مناسب قول میں تجویز کے بارے میں کھلا رہنا اور بیوہ سے خفیہ طور پر براہ راست وعدہ کرنے کے بجائے دونوں طرف کے رشتہ داروں کو شامل کرنا شامل ہے۔ مرد کو شادی کے امکان کے بارے میں بیوہ کے گھر والوں سے باوقار طریقے سے بات کرنی چاہیے تاکہ اس کی نیک نیت اور نیک نیت سب پر واضح ہو جائے۔ اسے اس طرح بحث کرنی چاہیے کہ وہ پسند کرے کہ کوئی آدمی اپنی بیٹی یا بہن سے شادی کے امکان پر بات کرے۔ چونکہ ایک بیوہ جذباتی وقت سے گزر رہی ہے، کوئی بھی خفیہ تجاویز جو اس کے لیے موزوں نہیں ہیں، قبول کی جا سکتی ہیں، جو اس کے طویل مدتی تناؤ میں اضافہ کرے گی۔ جبکہ بیوہ کے رشتہ داروں کو شامل کرنے والی تجویز کو عوامی سطح پر درست طریقے سے نمٹا جا سکتا ہے جس کے تحت جلد بازی میں فیصلے سے گریز کیا جاتا ہے۔

مزید برآں، عدت کا نیا معاہدہ کرنے سے پہلے پہلے گزر جانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 235:

"...اور عقدِ نکاح کے اس وقت تک طے نہ کریں جب تک کہ مقررہ مدت پوری نہ ہو جائے ..."

عدت کے کچھ فوائد پہلے بھی زیر بحث آئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ جلد بازی میں کیے جانے والے فیصلوں سے بچنے کا یہی واحد طریقہ ہے جب کہ بیوہ کو بہترین دیکھ بھال فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو آسانی سے آگے بڑھا سکے۔ اس کے شوہر کی موت .اسلام کے احکام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ صرف اپنے آپ کو اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنیں گے، چاہے احکام ان کی خواہشات کے خلاف ہوں۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ اپنے انتخاب کے نتائج سے نہیں بچ سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت، قول اور فعل کو جانتا ہے اور دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 235:

‘‘اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے، لہٰذا اس سے بچو۔ ’’

لیکن چونکہ اسلام میزان اور رحمت کا دین ہے، اس لیے ان کے لیے بخشش اور رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے، چاہے انہوں نے ماضی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 235:

‘‘اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ ’’

،توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے عام طور پر، سچی شامل ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، اس کے لیے ایک ہی یا اس سے ملتے جلتے گناہ کو دوبارہ کرنے سے بچنے کا خلوص نیت سے وعدہ کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کریں۔

آیت 235 میں مذکور مخصوص الہی صفات کو جاننے کا حکم، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ انسان کو اس کے بارے میں منحرف عقائد کو اپنائے بغیر، اسلام کی تعلیمات کے مطابق، سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی جائے۔ توہین آمیز اور بعض صورتوں میں توہین آمیز ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی صحیح بخاری نمبر 2736 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شخص اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو جانتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے علاوہ، الہی صفات کو ان پر اپنی انسانی صلاحیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مثال کے طور سیکھنا انسان کو پر، جو اللہ کو جانتا ہے، سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، وہ اللہ کی خاطر دوسروں پر رحم کرے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 235:

‘‘اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ ’’

بیوہ اور اس کے لواحقین کو ان دونوں اسمائے الٰہی پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کریں۔ بیوہ کو چاہیے کہ اپنے فوت شدہ شوہر کی کسی بھی غلطی کے لیے معاف کرنے کی کوشش کرے اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو قبول کرے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ہر ایک کے لیے بہتر ہے، چاہے اس کی پسند کے پیچھے حکمتیں پوشیدہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس کے علاوہ بیوہ کے رشتہ داروں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ دار کی وفات کے وقت تحمل کا مظاہرہ کریں اور ان کے اور بیوہ کے درمیان کسی قسم کے اختلافات کو ایک طرف رکھیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کی حمایت کریں۔

باب 2 - البقرہ، آیات 236-237

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا۟ لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ
قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعًۢا بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَن
يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ ٱلنِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا۟ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا۟
ٱلْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

’’تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جنہیں تم نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ان کے لیے کوئی فرض مقرر کیا ہے۔ لیکن ان کو معاوضہ دیں - امیر کو اس کی استطاعت کے مطابق اور غریب کو اس کی استطاعت کے مطابق - ایک رزق جو قابل قبول ہے، نیکی کرنے والوں پر فرض ہے۔

اور اگر تم نے ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دی اور تم نے ان کے لیے ایک فرض مقرر کر دیا ہے تو جو کچھ تم نے مقرر کیا ہے اس میں سے آدھا دے دو، الا یہ کہ وہ حق کو چھوڑ دے یا جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے وہ اسے ترک نہ کر دے۔ اور ترک کرنا نیکی کے زیادہ قریب ہے۔ اور اپنے درمیان احسان کو نہ بھولنا۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔‘‘

اللہ عزوجل، پھر نکاح کے مکمل ہونے سے پہلے طلاق کے مسئلہ پر بات کرتا ہے۔ ان آیات میں عدت کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کیونکہ حمل کا کوئی امکان نہیں ہے اور عدت کے دوران جوڑے کو ایک ساتھ رہنے پر مجبور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر وہ اس بات پر اڑے ہوں کہ وہ باضابطہ طور پر ایک ساتھ ازدواجی زندگی شروع نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ غیر ضروری جذباتی صدمہ جو دوبارہ شادی کرنے کے ان کے مستقبل کے انتخاب کو متاثر کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 236:

’’تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جنہیں تم نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی ان کے لیے کوئی فرض مقرر کیا ہے۔‘‘

لیکن جس صورت میں جہیز کا تعین نہ کیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ ایک بہترین مسلمان اپنی سابقہ بیوی کو جدائی کا تحفہ دے گا تاکہ معاملات کو مثبت انداز میں ختم کیا جا سکے۔ یہ تحفہ اسراف سے گریز کرتے ہوئے اپنی وساطت کے مطابق اور معاشرے کے اندر معاشرتی روایات کے مطابق دیا جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 236:

’’لیکن ان کو معاوضہ دے دو – امیر کو اس کی استطاعت کے مطابق اور غریب کو اس کی استطاعت کے مطابق – ایک رزق جو قابل قبول ہے، نیکی کرنے والوں پر فرض ہے۔

عمومی طور پر دیکھا جائے تو یہ اسلام کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے۔ انسان کو صرف اس کی وسعت کے مطابق ایک فرض دیا جاتا ہے اور وہ صرف آزمائشوں کا شکار ہوتے ہیں جن کا سامنا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھتے ہوئے کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف اپنے فرائض میں کوتاہی کے بہانے بنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اپنی پوری کوشش کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس بات کو سمجھے بغیر کہ اگر وہ حقیقت میں اپنی پوری کوشش کر رہے ہوں گے تو وہ بلاشبہ اپنے فرائض کو پورا کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ضمانت دی ہے۔ اس سست روی کو اپنانا انسان کو اپنے فرائض کی ادائیگی سے روکتا ہے اور اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ ہر حکم، ممانعت اور آزمائش ایک چہرے کو کامیابی سے پورا کیا جا سکتا ہے اگر وہ واقعی اپنی پوری کوشش کریں۔ اور جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو ان کے لیے سچی توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کمال کی امید نہیں رکھتا بلکہ وہ لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے خلوص نیت سے کوشش کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 236:

‘‘نیک کام کرنے والوں پر فرض ہے۔’’

اسلام ہمیشہ مسلمانوں کو ایمان کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ یہ تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص سچے دل سے اسلامی تعلیمات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کو استعمال کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پورا کریں گے۔ یہ فضیلت ایک متوازن ذہنی اور

جسمانی کیفیت کی طرف لے جاتی ہے جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص سست رویہ اختیار کرتا ہے جس کے تحت وہ اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے وہ آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ ان کا رویہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا، جو انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ یہ نتیجہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے امیر اور مشہور۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔

باب 2 البقرہ، آیت 237:

’’اور اگر تم ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے ان کے لیے ایک فرض مقرر کر دیا ہے تو جو تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا دے دو۔‘‘

اگر نکاح سے پہلے طلاق ہو جائے اور مہر مقرر ہو جائے تو مرد کو اس کا آدھا اپنی سابقہ بیوی کو دینا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان مرد اپنی بیویوں کو جہیز دینے میں ناکام رہتے ہیں

چاہے وہ شادی شدہ رہیں یا طلاق چاہیں، حالانکہ دینا فرض ہے اور عقد نکاح کا ایک پہلو۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سابقہ بیوی اور اس کے رشتہ داروں کو جہیز ترک کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ طلاق اچھی شرائط پر ختم ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 237:

" اور اگر تم نے ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دی ہے اور تم نے ان کے لیے ایک فرض مقرر کر دیا ہے، تو جو کچھ تم نے مقرر کیا ہے اس میں سے آدھا دے دو ، الا یہ کہ وہ حق کو چھوڑ دے ... یا جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے وہ اسے ترک نہ کر دے۔ اور ترک کرنا نیکی کے زیادہ قریب ہے"

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سابقہ شوہر کو اپنی سابقہ بیوی کو آدھا جہیز دینے کے حکم کو ترک کر دینا چاہیے اور اس کے بدلے اسے حسن سلوک کے طور پر پوری چیز دے دینا چاہیے، کیونکہ عقد نکاح اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا تذکرہ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 666-667 میں ہوا ہے۔ یہ ایک بار پھر طلاق یافتہ جوڑے اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان حسن سلوک کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ آیت اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے شوہر کے انتخاب کے فیصلے میں عورت کے رشتہ داروں کا ہاتھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ، زیادہ تر معاملات میں، عورت کے غلط شوہر کے انتخاب کے نتائج اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے زیادہ سنگین ہوتے ہیں، بجائے اس کے کہ مرد غلط بیوی کا انتخاب کرے۔ مثال کے طور پر، بیوی کے خلاف گھریلو تشدد شوہر کے خلاف گھریلو تشدد سے کہیں زیادہ عام ہے۔ اس کے علاوہ، بعض صورتوں میں، اس کے مرد رشتہ دار، جیسے کہ اس کا بھائی، ممکنہ شوہر کے کردار کے اندر منفی خصوصیات کو اس کے مقابلے میں آسانی سے شناخت کر لیں گے، کیونکہ مرد دوسرے مردوں کو عورتوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ جس طرح عورتیں دوسری عورتوں کو مردوں سے بہتر سمجھتی ہیں۔

اس کے علاوہ، اہم آیات کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ایک بار پھر طلاق یافتہ جوڑے اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان حسن سلوک کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسے نیکی سے جوڑتا ہے، جس کا تعلق اس کی اطاعت سے ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور فرائض کو لوگوں کے حقوق اور فرائض سے الگ کرتے ہیں، حالانکہ اسلام ان میں شامل ہو چکا ہے۔ ایک شخص دونوں جہانوں میں اس وقت تک ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کر لے، کیونکہ وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے اپنے فرائض کا جواب دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 237:

’’اور اپنے درمیان احسان کو نہ بھولنا۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔ ....‘‘

انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ دوسروں پر ظلم کرے گا تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ ظالم کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے سپرد کرے اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قائم ہونے تک ظالم اپنے مظلوموں کے گناہ لے گا۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ انسان دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کو اس طرح پورا کر سکتا ہے جس طرح معاشرہ اس کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت دوسروں کے لیے وہی پیار کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق حقیقی مومن کی تعریف ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 238-239

حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلۡوُسۡطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ٢٣٨

فَإِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا أَوۡ رُكۡبَانٗاۖ فَإِذَآ أَمِنتُمۡ فَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمۡ تَكُونُواْ
تَعۡلَمُونَ ٢٣٩

نماز]فرض [اور]خاص طور پر [درمیانی نماز کو احتیاط کے ساتھ قائم رکھو اور اللہ کے سامنے"
عبادت کے ساتھ کھڑے رہو۔

اور اگر تم)دشمن سے (ڈرو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ لیکن جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو
یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

آیات کا پچھلا اور اگلا مجموعہ شادی کے مسائل پر بحث کرتا ہے، جیسے کہ طلاق ، اور اس کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کو قائم کرنے کی اہمیت پر بحث کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 238:

"نمازوں کو احتیاط سے ادا کرو۔ "

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شادی کے مسائل سے جڑے تمام لوگوں کو، جیسے شادی شدہ جوڑے اور ان کے رشتہ داروں کو یاد دلا رہا ہے کہ وہ اس تناؤ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی اہمیت کو نہ بھولیں۔ .اللہ تعالیٰ ان کے لیے شادی کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے رہنمائی کرتا ہے بلکہ انہیں اپنے دیگر فرائض جیسے فرض نمازوں کی ادائیگی جاری رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا ہر حال میں خاص طور پر مشکلات کے وقت انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کسی کو دنیاوی دباؤ جیسے کہ شادی کے مسائل کو ان کے دیگر فرائض سے باز نہیں آنے دینا چاہیے، ورنہ وہ اس رحم سے محروم ہو جائیں گے جو انہیں اپنے دنیاوی دباؤ کو صحیح طریقے سے سنبھالنے کے لیے درکار ہے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ پانچوں وقت کی فرض نمازیں روزِ حشر کی باقاعدہ یاد دہانی ہیں، اس لیے اس باقاعدہ یاد دہانی سے ان لوگوں کے لیے دو خاص فوائد حاصل ہوتے ہیں جو شادی کے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اس شخص کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جسے شادی کے مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر دنیاوی مسائل کا سامنا ہے، قیامت کی بڑی اور سنگین حقیقت کے بارے میں۔ چونکہ قیامت کا دباؤ اس دنیا میں درپیش کسی بھی تناؤ سے کہیں زیادہ ہے، اس لیے اسے یاد رکھنا دنیاوی دباؤ کی ،سنگینی کو کم کر دیتا ہے۔ اس سے شادی کے مسائل کو صحیح طریقے سے نمٹانے میں مدد ملے گی بغیر کسی پریشانی کے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی مسئلے کو کسی بڑے مسئلے اور تناؤ سے تشبیہ دیتے ہوئے اسے چھوٹا دکھائی دیتا ہے ۔ یومِ حشر کو باقاعدگی سے یاد رکھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ یاد دلاتا ہے کہ دونوں جہانوں میں ان کی نیتوں، گفتار اور اعمال کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ لہٰذا، جو شادی میں مشکلات کا سامنا کر رہا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق، اپنے سابقہ شریک حیات اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صحیح طریقے سے بات کریں اور برتاؤ کریں، جیسا کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے اعمال کے لیے ان سے جوابدہ ہوگا۔ یہ دونوں فائدے ازدواجی مسائل اور دوسرے دنیوی مسائل کا صحیح طور پر سامنا کرنے کے لیے بہت اہم ہیں، تاکہ

وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہوئے ان مشکلات پر قابو پا لیں اور اس طرح وہ قیامت کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کریں، جو تمام لوگوں کا بنیادی مقصد ہے۔

مزید برآں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنے والا، جیسے کہ ان کی فرض نمازوں کو قائم کرنا، قیامت کے دن جوابدہ ہونے کے خوف سے اپنے شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرے گا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شریک حیات کے انتخاب کی اہمیت ہے جس کے پاس یہ چیزیں ہوں۔ خصوصیات صرف وہی شخص جس میں یہ خوبیاں ہوں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرے گا، خواہ وہ ان سے ناراض ہوں۔ جب کہ جس میں یہ صفات نہیں ہیں وہ آسانی سے اپنے شریک حیات پر ظلم کرے گا اور ان کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا، خاص طور پر جب وہ ان سے ناراض ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

باب 2 البقرہ، آیت 238:

"نمازوں کو احتیاط سے ادا کرو۔ "

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی اور عملی طور پر اس کی تیاری کے طور پر کام کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر قوم کو]خوف سے [گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا" جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 238:

"نماز]فرض [اور]خاص طور پر [درمیانی نماز کو احتیاط سے پڑھو۔ "

درمیانی نماز ظہر کی نماز)عصر (یا فجر کی نماز)فجر (ہو سکتی ہے۔ اسلامی کیلنڈر رات کو دن سے پہلے رکھتا ہے۔ تو اس طریقہ کے مطابق دن کی پہلی نماز غروب آفتاب کی نماز ہوگی اور اس لیے درمیانی نماز فجر کی نماز بن جاتی ہے۔ جبکہ اگر دن کی پہلی نماز کو دن کی روشنی کے لحاظ سے سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلی نماز فجر کی نماز ہوگی۔ اس طریقہ کے مطابق درمیانی نماز ظہر کی نماز)عصر (بن جاتی ہے۔ بہت سے علماء نے ظہر کی نماز)عصر (کو درمیانی نماز کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اس کی تائید احادیث سے ہوئی ہے، جیسا کہ جامع ترمذی، نمبر 2983 میں موجود ہے۔ کسی بھی صورت میں دونوں کو قائم کرنے کی نیت کرنی چاہیے کیونکہ اس سے باقی فرض نمازیں قائم ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 574 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ جو شخص دو ٹھنڈی فرض نمازیں قائم کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ دو ٹھنڈی فرض نمازوں سے مراد فجر کی نماز)فجر (اور عصر کی نماز)عصر (ہے، کیونکہ ان اوقات میں درجہ حرارت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں فرض نمازوں کا قائم کرنا سب سے مشکل ہے ، جیسا کہ یہ مشکل وقت یا ایسے وقت میں واقع ہوتے ہیں جب لوگ اکثر دوسری چیزوں میں مشغول ہوتے ہیں، اس لیے ان کو قائم کرنے والا دوسری فرض نمازوں کو قائم کرنے میں آسانی پیدا کرے گا۔

جو اپنی فرض نمازوں کو قائم کرتا ہے، اس کی ترغیب دی جائے گی کہ وہ اپنے دن بھر اور ہر اس صورتحال میں جس کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ شادی کے مسائل میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں رہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 238:

"نمازوں کی]فرض [اور]خاص طور پر [درمیانی نماز کو احتیاط سے پڑھو اور اللہ کے سامنے عبادت کے ساتھ کھڑے رہو۔"

اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور

لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں گے۔ اس سے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک شخص کو اپنی خاطر اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 238:

"اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، عبادت کے ساتھ ..."

باب 2 البقرہ، آیت 239:

"اور اگر تم)دشمن سے (ڈرو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ لیکن جب تم محفوظ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے ۔

آس پاس کی آیات کے سلسلے میں جو شادی کے مسائل پر بحث کرتی ہیں، یہ آیت مشکل کے وقت، جیسے شادی کے مسائل، اور آسانی کے وقت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق برقرار رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر توجہ مرکوز رکھنے کے لیے اس تعلق کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 239:

"اور اگر تم)دشمن سے (ڈرو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ لیکن جب تم محفوظ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

یہ آیت اسلام کی آسان فطرت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185:

"اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔"

اسلام اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ ان کی فطرت اور زندگی کے لیے کیا موزوں ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کسی بیمار کو نصیحت کرنے کے لیے بہترین ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی زندگی کے ہر معاملے میں نصیحت کرنے کے لیے بہترین ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جو غلطیوں کا شکار ہو اور جس کے پاس علم اور دور اندیشی بہت کم ہو جبکہ مریض اس بات سے ناواقف ہوتا ہے کہ ان کی تجویز کردہ دوائیں انسانی جسم میں کیسے کام کرتی ہیں، پھر بھی وہ اللہ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ وہ برگزیدہ جو سب کچھ جانتا ہے اور غلطی نہیں کر سکتا اور اس کے بجائے شک کرتا ہے کہ اس کی نصیحت پر عمل کرنے سے دماغ اور جسم کو سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی علم اور اس میں موجود واضح دلائل کو سیکھے اور اس پر عمل کرے، جیسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ، جو سچے دل سے اس کی اطاعت کرنے والوں کی مدد کرتا ہے اور تاریخ اور موجودہ وقت کے واقعات جو اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہ وعدہ اور کس طرح اس کی نافرمانی، عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے، دونوں جہانوں میں تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتی ہے اور تاریخ اور موجودہ وقت کے واقعات جو اس تنبیہ کی تائید کرتے ہیں۔ یہ واضح دلائل ایک شخص کو یقین کے یقین کو اپنانے کا باعث بنیں گے، جس کے نتیجے میں وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب ملے گی۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 239:

’’اور اگر تم)دشمن سے (ڈرو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ لیکن جب تم محفوظ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

یہ آیت اس بات کو سمجھنے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا صرف زبانی طور پر اس کے نام اور صفات کا ذکر کرنے سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد میں اللہ تعالیٰ کو اپنی نیت سے یاد کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اس کی خوشنودی کے لیے عمل کریں۔ جو لوگ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے اجر نہیں پاتے۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی قسم کی شکرگزاری یا بدلہ کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس کی امید رکھے۔ اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنے میں اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ اور اللہ کو یاد کرنا، اپنے اعمال میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تمام پہلو پورے ہو جاتے ہیں تو یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جاتا ہے، کیونکہ انسان اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح جگہ پر رکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

جیسا کہ آیت 239 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، اس طرز عمل کو اپنانے سے یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے جو اس نے انہیں عطا کی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 239:

‘‘پھر اللہ کو یاد کرو، جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔’’

باب 2 - البقرہ، آیات 240-242

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَٰجِهِم مَّتَٰعًا إِلَى ٱلْحَوْلِ غَيْرَ
إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِى مَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ
وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٢٤٠

وَلِلْمُطَلَّقَٰتِ مَتَٰعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ٢٤١

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ٢٤٢

اور جو تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، ان کی بیویوں" کے لیے وصیت ہے :ایک سال تک نگہبانی، بغیر ان کے نکالے"۔ لیکن اگر وہ)اپنی مرضی سے(چھوڑ دیں تو آپ پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے ساتھ قابل قبول طریقے سے کرتے ہیں۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے قابل قبول رزق ہے جو نیک لوگوں پر فرض ہے۔

اس طرح اللہ تم پر اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بیوہ کے حال پر گفتگو جاری رکھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 240:

" اور جو لوگ تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان کی بیویوں کے لیے وصیت ہے :ایک سال تک نگہبانی، بغیر نکالے"۔

چونکہ بیوہ انتہائی جذباتی وقت سے گزر رہی ہے، اس لیے اسے اکھڑ جانے کے بجائے اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہیے، جس سے ذہنی تناؤ بڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ، بیوہ کو اپنے غم کو سنبھالنے میں مدد کرنے کے لیے، اسے اس کے متوفی شوہر کی جائیداد سے یا اس کے رشتہ داروں کی طرف سے مالی مدد کرنی چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس فرض کو اکثر فوت شدہ شوہر کے رشتہ داروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے اور وہ اکثر بیوہ کو اس کے رشتہ داروں کے پاس بھیج دیتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک کے مطابق اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کی جذباتی جسمانی اور مالی مدد کرنے کے لیے ان قوانین کو نافذ کیا ہے اور اس لیے مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا چاہیے۔ انہیں اپنے متوفی رشتہ دار کی بیوہ کے ساتھ یہ سلوک کرنا چاہیے کہ اگر ان کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

مختلف آیات کے موافقت کرنے کے لیے جن میں بیوہ کو اپنے فوت شدہ شوہر کے گھر میں کتنی دیر تک رہنا چاہیے، بیوہ کو چار ماہ دس دن کی عدت میں گھر میں رہنا چاہیے اور پھر وہ یا تو باقی سال تک رہ سکتی ہے۔ یا اس کی عدت ختم ہونے کے بعد رخصت ہو جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 234:

"اور جو لوگ تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ (بیویاں) چار مہینے اور دس دن انتظار کریں گے۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 240:

"اور جو تم میں سے موت کے گھاٹ اتارے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، ان کی بیویوں کے لیے وصیت ہے :ایک سال تک نگہبانی، بغیر ان کے نکالے"۔ لیکن اگر وہ]اپنی مرضی سے [چھوڑ دیں تو..."

اس کے علاوہ، ایک سال کے لیے نفقہ کو درج ذیل آیت میں تفصیل سے بیان کیا جا سکتا ہے یا اس آیت میں بیوہ کے لیے مختص مخصوص وراثت سے الگ سمجھا جا سکتا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 12:

اور ان کے لیے چوتھائی ہے اگر آپ نے کوئی بچہ نہ چھوڑا ہو۔ لیکن اگر تم نے کوئی بچہ چھوڑا تو ان کے لیے تمہارے چھوڑے ہوئے مال کا آٹھواں حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرضہ ہو۔"

بیوہ کے لیے عدت کا دورانیہ حمل کو خود کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے، جو ظاہر ہے کہ اس کے مستقبل کے انتخاب کو متاثر کرے گا۔ مزید برآں، عدت بیوہ کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے فوت شدہ شوہر پر سوگ منائے، اسلام کی حدود میں، مستقبل کے انتخاب اور فیصلوں میں جلدی کیے بغیر جس پر اسے بعد میں پچھتاوا ہو سکتا ہے، جیسے کسی اور سے شادی۔ عدت گزر جانے کے بعد، بیوہ یا تو تنہا رہنے یا دوبارہ شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 240:

’’لیکن اگر وہ)اپنی مرضی سے (چھوڑ دیں تو آپ پر اس میں کوئی قصور نہیں کہ وہ اپنے ساتھ قابل قبول طریقے سے کریں...‘‘

جیسا کہ اس آیت میں جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بیوہ کے رشتہ دار اس کی عدت کے دوران اور اس کے مستقبل کے انتخاب میں، جیسے شادی میں اس کی حمایت کرتے ہیں۔ بیواؤں کی مدد کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ وہ ایک مشکل جذباتی حالت میں ہیں اور اس لیے غلط انتخاب کرنے کے لیے زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ اسلام کے اندر بیواؤں ،کو ایک اعلیٰ مقام دیا گیا ہے اور ان کی مدد اپنے ذرائع کے مطابق کی جانی چاہیے، جیسے کہ جذباتی جسمانی اور مالی مدد، خاص طور پر اس کے رشتہ داروں کی طرف سے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ جو شخص ہر روز روزہ رکھتا ہے اور ہر رات کو نفلی نماز پڑھتا ہے اتنا ہی ثواب پا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی بیوہ کی مالی مدد کرتے ہیں۔

غور طلب ہے کہ یہ آیت بیوہ کے مستقبل کا انتخاب بھی اس کے ہاتھ میں رکھتی ہے، اس لیے اس کے رشتہ دار اور اس کے متوفی شوہر کے رشتہ داروں کو اسے کچھ فیصلے کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ کنوارہ رہنا، اگر وہ دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ .رشتہ داروں کا کردار بیوہ کو جذباتی، مالی اور جسمانی طور پر سہارا دینا ہے، یہ اسے کچھ ایسے انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کرنا ہے جو ان کے لیے خوش ہوں۔ اس کے علاوہ عدت گزر جانے کے بعد بیوہ کو یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ اسے اس طرح زندگی گزارنی ہے جس سے اس کے رشتہ دار یا اس کے فوت شدہ شوہر کے رشتہ دار خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جذبات کو تسلیم کیا ہے اور اسے اپنے مستقبل کے بارے ،میں خود فیصلہ کرنے کی آزادی دی ہے اور اس لیے اسے بدنامی، دوسروں کے جذبات یا سوشل میڈیا فیشن اور ثقافت کی آراء سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیت، قول اور فعل سے پوری طرح باخبر ہے، لہٰذا بیوہ اور اس کے رشتہ داروں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حکمت والا ہے، وہ اکیلا ہی بہترین ضابطہ اخلاق تجویز کر سکتا ہے جس پر لوگوں کو عمل کرنا چاہیے، جیسے کہ بیواؤں کو، تاکہ ذہنی سکون حاصل ہو۔ اس لیے ان لوگوں کی رائے کو نظر انداز کر دینا چاہیے جو اس کی نصیحت کے خلاف ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 240:

‘‘اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔’’

اللہ تعالیٰ نے بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک پر بحث کرنے کے بعد طلاق یافتہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نکاح پر بحث ختم کی۔ باب 2 البقرہ، آیت 241:

‘‘اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے جائز رزق ہے جو کہ نیک لوگوں پر فرض ہے۔’’

عدت کے دوران، طلاق یافتہ خواتین کو ان کے سابقہ شوہر اور اس عدت کے دوران جب وہ اپنے بچے کی پرورش کر رہی ہوں ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 233:

"مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلا سکتی ہیں جو کوئی دودھ پلانے کی [مدت] مکمل کرنا چاہے۔ باپ کے ذمے ان کا [یعنی ماؤں کا] رزق ہے اور ان کا لباس جو کہ قابل قبول ہے...

مطلقہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کو صالحین پر فرض قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان اس وقت تک تقویٰ حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس طرح کا برتاؤ نہ کرے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا نہ کرے۔ یہ ایک بار پھر اس فہم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لوگوں اور دنیاوی معاملات کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے جڑا ہوا ہے۔ لہٰذا حقوق العباد، حقوق العباد اور حقوق العباد کا آپس میں براہ راست تعلق ہے اور ان میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

اس کے علاوہ یہ آیت تقویٰ رکھنے والے شریک حیات کے انتخاب کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی شریک حیات کے حقوق ادا کریں گے، خواہ وہ ان سے ناراض ہوں۔ جب کہ جس میں تقویٰ نہیں ہے وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کرے گا اور ان کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا، خاص طور پر جب وہ ان سے ناراض ہوں۔ اپنی پرہیزگاری کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنے کی تمام اسلامی تعلیمات میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود حدیث ہے ۔

آیات کے اس اور پچھلے حصے میں بحث صرف وہی لوگ قبول کریں گے اور اس پر عمل کریں گے جو اپنی عقل سے کام لیں اور اس کی نصیحتوں اور تعلیمات کے وسیع فوائد کی نشاندہی کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 242:

"اس طرح اللہ تم پر اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ انسان کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون یا ضابطہ اخلاق کبھی بھی کامل نہیں ہو گا کیونکہ یہ متعصب، کم نظری اور علم کے لحاظ سے محدود ہوگا۔ یہ لوگوں کو اپنی زندگی میں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ضابطہ اخلاق ہمیشہ کامل رہے گا کیونکہ وہ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کو جانتا ہے، ایسی چیز جس کو کوئی بھی معاشرہ مکمل طور پر علم میں نہیں لا سکتا حتیٰ کہ تحقیق کی گئی ہے۔ اس موضوع پر لہٰذا، اللہ تعالیٰ ہی واحد ذات ہے جو لوگوں کو ایک ایسا ضابطہ اخلاق عطا کر سکتا ہے جو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح دوا کے بارے میں مشورہ دینے کے لیے ایک ڈاکٹر بہترین شخص ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کسی کی زندگی کے ہر پہلو میں بہترین مشورہ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح اسلام کی تعلیمات انسانوں کی فطرت کے لیے وضع کی گئی ہیں، وہ بے وقت ہیں، اسی طرح انسان کی فطرت بھی لازوال ہے۔ اور اسلام کی تعلیمات پر کوئی بھی عمل کر سکتا ہے، خواہ اس کے علم کی سطح کچھ بھی ہو، کیونکہ انہیں سمجھنا اور اپنی زندگی میں لاگو کرنا آسان ہے۔ جبکہ، دوسروں کی طرف سے

دیے گئے مشورے کی اکثریت، جیسے کہ حوصلہ افزا مقررین، ناقابل عمل ہیں، چاہے وہ دلچسپ لگیں۔
باب 2 البقرہ، آیت 242:

''اس طرح اللہ تم پر اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

طلاق یافتہ جوڑے کے بچوں اور بیواؤں کے انتہائی اہم دستور پر بحث کی گئی ہے - ،

اگرچہ بہت سے دنیاوی مسائل ہیں جن کا لوگوں کو سامنا کرنا پڑ سکتا ہے لیکن ان سب کو قرآن کریم نے حل نہیں کیا ہے۔ قرآن کریم شاخوں کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے بنیادی مسائل کو حل کرتا ہے۔ ایک برانچ کا مسئلہ حل کرنے سے آخرکار دوسری برانچ کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ جبکہ جڑ کے مسئلے کو ٹارگٹ کرنے سے برانچ کے تمام مسائل غیر معینہ مدت تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اس معاملے میں، قرآن پاک نے ہر اس مسئلے پر بحث نہیں کی جس کا تجربہ ایک شادی شدہ جوڑے کو ہو سکتا ہے بلکہ اس نے بنیادی مسئلے اور ان سے مناسب طریقے سے نمٹنے کے طریقے پر بحث کی ہے۔ شادی کے کام کے لیے اور میاں بیوی دونوں کے حقوق کی تکمیل کے لیے جوڑے کے درمیان حسن اخلاق اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ضروری ہے۔ ناخوش شادی شدہ جوڑوں کو اکٹھے رہنے پر مجبور کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے انہیں طلاق دینے کا حلال راستہ دیا ہے۔ لیکن اس نے واضح کر دیا ہے ،کہ طلاق کی پوری کارروائی کے دوران اچھے کردار اور اللہ تعالیٰ کا خوف برقرار رکھا جانا چاہیے جس سے بیوی، شوہر اور بچوں پر ہونے والے جسمانی اور جذباتی دباؤ کو کم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بیوی اور شوہر کو طلاق کے دوران بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ طلاق کے منفی اثرات کو کم کیا جاسکے۔ یہ حربہ دوبارہ ایک جڑ کے مسئلے کو حل کرتا ہے جس کی وجہ سے شاخوں کے بے شمار مسائل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ان بچوں کا مشاہدہ کرے جو تعلیم میں کامیاب نہیں ہوتے اور اکثر مجرمانہ گروہوں، نوعمر عدالتوں، حراستی مراکز اور جیلوں میں ختم ہوتے ہیں، تو وہ دیکھیں گے کہ وہ ناخوش یا ٹوٹے ہوئے گھرانوں سے آتے ہیں جہاں ان کے والدین، خواہ اکٹھے ہوں یا طلاق یافتہ، پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق اور بچے کے حقوق۔

اللہ تعالیٰ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز تعلقات سے منع کرتا ہے۔ جب ایک جوڑے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح ایک دوسرے کے لیے حقیقی طور پر وقف نہیں ہوتے ہیں، تو پھر ان کو درپیش کوئی بھی حقیقی مشکلات جوڑے کے لیے زیادہ جذباتی دباؤ کا باعث بنتی ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کا صحیح طریقے سے ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کی زندگی میں ایک سے زیادہ رشتوں کا آنا اور باہر آنا بلاشبہ ان کی ذہنی صحت پر نقصان دہ اثر ڈالتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے شراکت داروں سے الگ ہوجاتے ہیں وہ اکثر مشاورت میں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ان رشتوں سے گریز کرنے والوں سے زیادہ ذہنی عارضے مثلاً ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ لوگ جو معاشرے میں ایک سے زیادہ شراکت داروں کے لیے جانے جاتے ہیں، ان کے لیے مناسب شریک حیات ملنے کا امکان کم ہوتا ہے جو ان کے حقوق کو پورا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی زندگی میں ایک سے زیادہ ساتھی ہوں گے وہ ایک ڈھیلے اور ناپسندیدہ کردار کو اپنائے گا، جسے لوگ شادی جیسے سنجیدہ عزم کے خواہاں ہیں، ناپسند کریں گے۔ یہ صرف اس شخص کے لیے جذباتی ،تناؤ میں اضافہ کرے گا جس کے ایک سے زیادہ شراکت دار ہوں۔ آرام دہ اور پرسکون تعلقات میں جوڑے اکثر ایک ہی طول موج پر نہیں ہوتے ہیں۔ مطلب، دونوں میں سے ایک ہمیشہ تعلقات کو زیادہ سنجیدگی سے لیتا ہے، جیسے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ بسنے کی خواہش۔ جبکہ دوسرا اپنے مستقبل کے بارے میں ایسا محسوس نہیں کرتا۔ جب رویے میں یہ فرق بالآخر سامنے آتا ہے تو یہ اکثر اس شخص کے لیے طویل عرصے سے جذباتی صدمے کا باعث بنتا ہے جس نے اس رشتے کو زیادہ سنجیدگی سے لیا تھا۔ جبکہ ایک شادی شدہ جوڑے پہلے قدم سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ طویل مدتی وابستگی کے سلسلے میں ایک ہی طول موج پر ہوتے ہیں۔ شادی شدہ جوڑے ہر حال میں ایک دوسرے ،کے لیے وقف ہوتے ہیں، چاہے انہیں ایسے حالات کا سامنا ہو جو منصوبہ بند ہوں یا غیر منصوبہ بند جیسے بچے پیدا کرنا۔ یہ رویہ عام جوڑوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی ایک شخص کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف بناتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو پوری طرح سے جانتا ہے اور اگر وہ شادی کرتے ہیں تو وہ اکثر شادی کے بعد اپنے شریک حیات کی تبدیلی کی شکایت کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، وہ تبدیل نہیں ہوئے .جو چیزیں تبدیل ہوئیں وہ ان کے تعلقات کی ذمہ داریاں اور دباؤ تھیں۔ یہ مسئلہ اکثر ان جوڑوں کے لیے شادی کے مسائل کا باعث بنتا ہے جو شادی سے پہلے رشتے میں تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ شادی سے پہلے ایک ساتھ رہتے ہیں، تب بھی ایک ہی مسئلہ ہوگا۔ اس کے علاوہ، یہ کوئی راز نہیں ہے کہ جب بھی کسی کو اپنے ساتھی کے ساتھ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا ان کی زندگی کے ہر دوسرے پہلو پر کتنا شدید اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے نوجوان صرف اس لیے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہر روز اپنے سابق ساتھی کو ،دیکھنے کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چونکہ شادی دو لوگوں کے درمیان ایک گہرا تعلق اور وابستگی ہے اس لیے ان کے ٹوٹنے کا امکان کم ہی ہوتا ہے انہی معمولی مسائل پر جو عام جوڑے کے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کسی شخص کو کسی غیر قانونی رشتے کی ظاہری شکل میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہیے کہ اس میں جوڑے یا وسیع تر معاشرے کے لیے کوئی نقصان نہیں ہے۔ چونکہ لوگ محدود علم رکھتے ہیں، انتہائی کم نظر ہوتے ہیں اور اکثر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں، اس لیے وہ غلط طور پر یقین کر سکتے ہیں کہ شادی سے باہر رشتہ رکھنا بے ضرر ہے جبکہ وہ اس چھپے ہوئے زہر کو دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں جو ان پر اور دوسروں پر منفی اثر ڈالے گا۔ غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے مسلمان کو وقت کے ساتھ ساتھ مزید قدم اٹھانے اور اپنے ساتھی کے ساتھ گناہ کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ چونکہ جذبات اور احساسات پر قابو پانا مشکل ہے اور چونکہ یہ گناہ، جیسے زنا، زیادہ تر معاشروں میں معمول بن چکے ہیں، اس لیے ایک غیر شادی شدہ جوڑا آسانی سے ان گناہوں میں پڑ سکتا ہے۔ یہ ان کے اور معاشرے کے لیے بے شمار دیگر مسائل کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ناپسندیدہ حمل اور یہاں تک کہ اسلام کے اندر دیگر بڑے گناہوں کو کم تر کرنا۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی اپنے ناجائز تعلق کے اندر کوئی اور بڑا گناہ نہ بھی کرے، جیسے کہ زنا، تب بھی ان کے جذبات انہیں واضح طور پر سوچنے سے روکیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے اچھی طرح شادی کر سکتے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ وہ مناسب شریک حیات نہیں ہیں۔ ,چاہے وہ ایک اچھا ساتھی لگ رہا تھا .جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے دباؤ اور ذمہ داریاں، جیسے کہ اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرنا، جوڑے کے درمیان تعلقات کو بدل دیتا ہے، جس کے نتیجے میں اکثر شادی کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے جو شادی سے پہلے اکٹھے ،تھے اکثر ایک دوسرے پر شادی کے بعد اپنے رویے میں تبدیلی کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ کتنا ہی وقت گزارتا ہے، وہ کبھی بھی اپنے کردار کو نہیں جان پائیں گے جیسے ایک شادی شدہ جوڑا ایک دوسرے کو جانتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں پوشیدہ منفی خصوصیات شادی کے بعد ظاہر ہو جائیں گی، جو شادی کے مزید مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ ایک سچائی جسے اکثر غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے کسی شخص کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک اچھا ساتھی بناتا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا ہے کہ وہ ایک اچھا شریک حیات یا اچھا والدین بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھا ساتھی بنانے کے مقابلے میں ایک اچھا شریک حیات اور والدین بنانے کے لیے مختلف خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ساتھی کے لیے اپنے جذبات کی وجہ سے، ایک شخص اکثر شادی کے لیے ایک متقی شخص کا انتخاب کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کیونکہ وہ واحد شخص ہے جو اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرے گا اور انہیں نقصان پہنچانے سے گریز کرے گا، خواہ وہ غصے میں ہوں۔ .جبکہ جو شخص تقویٰ نہیں رکھتا وہ اپنے شریک حیات یا بچوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان پر ظلم کرے گا، خاص طور پر جب وہ ناراض ہوں گے۔ جس کا ساتھی ہو گا وہ اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ان کے جذبات کی وجہ سے شادی کر لے گا، خواہ وہ تقویٰ کا مالک نہ ہو۔ محبت جیسے جذبات انسان کو اپنے محبوب کی منفی خصوصیات سے اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5130 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، جو بھی بچے غیر ارادی طور پر رشتے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے تعلقات پر مزید دباؤ ڈالتے ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر وہ الگ ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ بچے کی پرورش کی ذمہ داری بانٹنا نہیں چاہتے۔ اس سے بچے کے بڑے ہونے کے لیے ایک ٹوٹا ہوا گھر بنتا ہے جہاں انہیں والدین دونوں کی حمایت اور نگرانی حاصل نہیں ہوتی، جو اکثر ہر کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جرائم، گروہوں میں ملوث نوجوانوں کی اکثریت اور وہ بچے جنہیں جنسی شکاریوں نے پالا ہے اور گھریلو تشدد کا شکار ہیں، ٹوٹے پھوٹے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچے کی صحیح طریقے سے پرورش کرنا جب کوئی بچہ چاہتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے، پھر کیا کوئی بچے کی صحیح پرورش کے جذباتی دباؤ کا تصور کر سکتا ہے جب کہ والدین پہلے بچے کی خواہش نہیں رکھتے تھے؟ یہ بچے کی پرورش پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اکثر پہلے بیان کردہ مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ تناؤ اکثر واحد والدین کی طرف سے بچے کو پرورش یا گود لینے کے لیے ترک کر دیتا ہے، جس کے زیادہ تر معاملات میں بچے پر نقصان دہ منفی اور طویل مدتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس سے بچے کے گمراہ ہونے کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔

غیر قانونی تعلقات کے اندر یہ سب اور زیادہ منفی چیزیں کسی ایسے شخص کی تعریف نہیں کی جا سکتی جو جذباتی یا جاہل ہو، چاہے غیر قانونی تعلقات بے ضرر ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے کھانے کا کھانا جو حقیقت میں زہر آلود ہونے پر مزیدار لگتا ہے۔ چونکہ یہ زہر پوشیدہ ہے، اس لیے کسی ایسے شخص پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس زہر سے واقف ہو اور ان کی نصیحت پر بھروسہ کرے کہ وہ کھانے سے پرہیز کرے جو لذیذ لگتا ہے، خواہ یہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، خاص کر بعض اعمال اور رشتوں کے اندر چھپے زہروں کو، اس لیے اس کی نصیحت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ خواہشات کے خلاف ہو۔ یہ ایک عقلمند مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی

ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور جو نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار شاخوں کے مسائل کو اصل مسئلہ یعنی ناجائز تعلقات کو ممنوع قرار دے کر اور شادی کی ترغیب دے کر دور کر دیا جس کے تحت ایک جوڑے نے اپنے آپ کو ایک دوسرے اور اپنے بچوں کے لیے مخلصانہ طور پر وقف کر دیا۔

شادی، طلاق، بیوہ اور اولاد کے تصور کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک کامیاب معاشرے کی کنجی عطا فرمائی ہے۔ جب خاندان کے افراد، خواہ وہ اکٹھے ہوں یا طلاق یافتہ، ایک دوسرے کے حقوق پورے کرتے ہیں اور بچوں کے لیے ایک مستحکم اور خوش حال گھر بناتے ہیں، تو اس سے پورے معاشرے میں مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، جب ایک خاندان ناخوش ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے، تو یہ منفی لہر کا باعث بنتا ہے جو پورے معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔

بہت سے مفکرین آئے اور چلے گئے جنہوں نے لوگوں اور معاشرے کو درپیش مسائل کو حل کیا ہے لیکن چونکہ یہ حل برانچ کے مسائل کو نشانہ بناتے ہیں ان حلوں کا فائدہ کم ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی مسائل کے حل کے اس طریقے کے ذریعے جو فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 89:

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت اور ہدایت اور رحمت ہے‘‘۔’’

لیکن جیسا کہ آیت 242 میں اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ جو ان کو دی گئی ذہانت کو صحیح ،طریقے سے استعمال کریں گے وہی اللہ تعالیٰ کی آیات میں گہری حکمت کو سمجھیں گے۔ باب 2 البقرہ آیت 242:

‘‘اس طرح اللہ تم پر اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔’’

باب 2 – البقرہ، آیات 243-24 5

۞ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ خَرَجُوا۟ مِن دِيَـٰرِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ ٱلْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ ٱللَّهُ مُوتُوا۟
ثُمَّ أَحْيَـٰهُمْ إِنَّ ٱللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ
﴿٢٤٣﴾

وَقَـٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾

"کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جنہوں نے موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر بار چھوڑا؟ اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ۔ پھر اس نے انہیں زندہ کیا۔ اور اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟ اور اللہ ہی ہے جو روکتا ہے اور کثرت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

آیت 243 کا آغاز ایک خودغرض رویہ سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت انسان صرف اپنی زندگی اور خاص طور پر اپنے مسائل کے بارے میں سوچتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 243:

‘‘کیا تم نے ان پر غور نہیں کیا؟ ’’

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ عام تاریخ میں پائے جانے والے اسباق، اپنی ذاتی تاریخ اور اپنے اردگرد کے لوگوں کی حالت سے استفادہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ ان چیزوں سے سیکھنا ایک طاقتور ترین طریقہ ہے جس سے ایک شخص اپنے رویے کو بہتر بنا سکتا ہے اور تاریخ کو اپنے آپ کو دہرانے سے بچ سکتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ مثال کے طور پر جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ دولت مند اور مشہور لوگ ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ کس طرح تناؤ، ذہنی امراض، منشیات کی لت اور خودکشی کے رجحانات سے دوچار ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تفریح کے لمحات اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس دنیا کے، دیکھنے والے کو سکھائیں گے کہ وہ ان کے نقش قدم پر نہ چلیں جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کریں۔ یا جب کوئی شخص کسی بیمار شخص کو دیکھتا ہے، تو اسے اس کی حوصلہ افزائی کرنی ،چاہیے کہ وہ اپنی اچھی صحت کے لیے شکرگزار ہوں اور اس سے پہلے کہ وہ اسے بھی کھو بیٹھیں اس کا صحیح استعمال کریں۔ لہٰذا اسلام مسلمانوں کو باقاعدگی سے ایسے لوگوں کی بجائے مشاہدہ کرنے والے افراد بننے کی ترغیب دیتا ہے جو اپنے معاملات میں ایسے مگن رہتے ہیں کہ وہ کسی اور چیز پر توجہ نہ دیں۔ باب 47 محمد، آیت 10:

‘‘کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی اور دیکھا کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیسا ہوا؟’’

باب 2 البقرہ، آیت 243:

کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جنہوں نے موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر ''
بار چھوڑا؟''

اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ کسی شخص کو اس آیت کے پیچھے موجود اہم اسباق سے غافل نہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی توانائی اور وقت کو غیر متعلقہ معلومات کی تحقیق میں ضائع کردے، جیسے کہ لوگوں کے اس گروہ کی شناخت۔ اگر ان کی شناخت اہم اور متعلقہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرما دیتا۔ کسی کو دینی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اسلامی تاریخ کے مخصوص واقعات، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ چونکہ اسلام پر مکہ کے غیر مسلموں اور ان کے ساتھیوں جیسے منافقین اور مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کی طرف سے مسلسل حملے ہو رہے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منظم طریقے سے لڑنے کی ترغیب دی گئی۔ اپنے اور اسلام کے دفاع کے لیے۔ باب 22 الحج، آیت 39:

جو لوگ لڑے جا رہے ہیں انہیں]لڑنے کی [اجازت دی گئی ہے، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ اور''
بیشک اللہ ان کو فتح دینے پر قادر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے سلسلے میں دو اہم مسائل موت کا خوف اور ان وسائل کو کھونا ہے جو کسی کو عطا کیے گئے ہیں یا ان کا استعمال ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ دونوں مسائل قرآن کریم میں بارہا بیان کیے گئے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 243:

"کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جنہوں نے موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر بار چھوڑا؟ اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ۔ پھر اس نے انہیں دوبارہ زندہ کیا...

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں اس کے اختیار میں ہیں اور ہر شخص کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ باب 23 المؤمنون، آیت 80:

"...اور وہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے"

اور باب 63 المنافقون، آیت 11:

"لیکن اللہ کسی جان کو جب اس کا وقت آجاتا ہے تو اس میں تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

جیسا کہ ایک شخص کی موت مقرر ہے اور اسے ٹالا نہیں جا سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کوشش کرنے سے گریز کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی شخص کا طرز عمل اس کی موت کے وقت کو نہیں بدل سکتا۔ درحقیقت، موت ہر ایک کے لیے مقرر ہے اور ان کے لیے نامعلوم ہے، انہیں مزید حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ دوسرے الفاظ میں، جیسا کہ ایک شخص موت سے بچ نہیں سکتا، اس کے لیے وقت ختم ہونے سے پہلے اس کے لیے مناسب تیاری کرنا سمجھ میں آتا ہے۔
باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

باب 2 البقرہ، آیت 243:

" کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جنہوں نے موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنا گھر بار چھوڑا؟ اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ۔ پھر اس نے انہیں دوبارہ زندہ کیا...

یہ زندگی کی بحالی اس دنیا میں اس لیے ہو سکتی تھی کہ انہیں یہ اہم سبق سکھایا جائے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس لیے موت کے خوف سے اس کی اطاعت سے نہیں بھاگنا چاہیے۔ تاریخ میں اس دنیا میں قیامت برپا ہو چکی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 72-73:

اور یاد کرو جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس پر جھگڑا کیا، لیکن اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے کہا کہ اس کو مارو اس کا کچھ حصہ۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

یا یہ قیامت قیامت کے دن کا حوالہ دے سکتی ہے جہاں ہر ایک کو زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا جوابدہ ہوگا۔ اس صورت میں، یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بھاگنے کی طرف اشارہ کرتا ہے، موت کا خوف کسی کو عملی طور پر قیامت کے دن کی تیاری میں مدد نہیں دے گا۔ اس بات کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ روزِ حشر کے لیے عملی طور پر تیاری نہ کرنے سے تناؤ، پریشانی اور شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو دونوں نقطہ نظر کی قدر کرتا ہے اور اپنے طرز عمل کو درست کرتا ہے تاکہ وہ کسی دنیوی خوف جیسے موت یا غربت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بھاگنے سے بچ جائے اور جو ان کی جوابدہی کے خوف سے اس کی اطاعت پر قائم رہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں پر شکر ادا کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 243:

''اور اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

خاص طور پر، کسی کی نیت میں شکر گزاری میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ جو شخص کسی اور وجہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی قسم کا شکر یا معاوضہ نہیں چاہتا۔ زبان سے شکر گزاری میں شامل ہے کہ وہ بولنا جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، کسی کے اعمال کے ساتھ شکر گزاری میں شامل ہے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے جو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ شکر گزار ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو یقینی بنائے گا، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہنا، اس طرح ذہنی سکون اور کامیابی کو یقینی بنائے گا چاہے کوئی زندہ رہے، مر جائے اور جب وہ قیامت تک پہنچے۔ پس اس نتیجہ کی طرف رہنمائی حاصل کرنا بذات خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 243:

''اور اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

اور باب 9 توبہ آیت 52:

کہو کیا تم ہمارے لیے دو بہترین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے ہو]یعنی شہادت یا فتح''[۔''

دونوں جہانوں میں زندگی، موت اور کامیابی کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کے دفاع اور ہٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ عرب معاشرے میں ظلم باب 2 البقرہ، آیت 244:

''اور اللہ کی راہ میں لڑو۔''

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، وہ لوگوں کے لڑنے کے ارادے سے پوری طرح واقف ہے یا جب وہ اس کی راہ میں لڑنے سے باز رہنے کا عذر پیش کریں گے تو وہ ہر ایک کو اس کے مطابق معاوضہ دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 244:

’’اور جان لو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی ان دو غیبی صفات کو جاننے کا حکم اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ انسان یقین کا یقین اختیار کرے۔ یقین کا یقین انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ کمزور ایمان رکھنے والا اسلامی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جیسے کہ مشکل کے وقت، اور نتیجتاً وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 244:

‘‘اور جان لو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔’’

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی ان الٰہی صفات کو جاننے کا حکم، اس کی الٰہی صفات کو سیکھنے اور ان پر اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ اللہ، سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، لوگوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہئے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت حاصل کریں .جامع ترمذی نمبر 1922 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص صفات الٰہی کو صحیح طریقے سے نہ سیکھ سکے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتوں پر یقین کرے گا جو درست نہیں ہیں اور بعض صورتوں میں یہ عقیدہ بے عزتی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اور یہاں تک کہ انہیں کفر کی طرف لے جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا، تو انہیں سست رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے گی جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہیں، جس میں ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے۔ جب یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش حاصل کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے امید نہیں ہے، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ امید ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوشش کرنے اور پھر دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی توقع سے وابستہ ہے۔ دونوں کے درمیان فرق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، نیکی کرنے والے کے ساتھ ظالم کے برابر سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کی عدل و انصاف کو چیلنج کرتا ہے۔ جو کہ انتہائی بے عزتی ہے .باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری کر دیں گے؟ برا ہے وہ جس کا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

مزید برآں، ایک جاہل شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ایمان لاتا ہے، بعض نسب کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے، جیسا کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ اس بات کو سمجھے بغیر، اللہ تعالیٰ کی طرف نسل پرستی کو منسوب کر دیتے ہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے سیکھے اور ان پر عمل کرے تاکہ وہ ان کے بارے میں صحیح عقیدہ اختیار کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور صحیح طرز عمل اختیار کریں جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 244:

''اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

قرآن مجید کی آیات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے معانی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے انہیں ان کے صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں وہ کسی کے فعل کے جواز کے لیے نازل ہوئی یا درج کی گئی۔ آیات اور احادیث کے سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا جائے۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 194:

”… پس جس نے تم پر زیادتی کی ہے تو اس پر اسی طرح حملہ کرو جس طرح اس نے تم پر حملہ کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو..."

ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے، جیسا کہ زیر بحث اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں‘‘۔

لہٰذا امن کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

"...لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت]یعنی حملہ[نہیں ہوگی۔"

اگر دشمن چاہے امن اسے دیا جانا چاہئے .باب 4 النساء، آیت 90:

’’پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کے خلاف جنگ کا کوئی سبب نہیں بنایا‘‘۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زیر بحث اہم آیات سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ فاسق ہے۔ اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بزرگوں، اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور حواریوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر اور مسند احمد نمبر 2728- 2614

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات کے مطابق بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل کو حرام قرار دیا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

’’اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔‘‘

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

پس جب تک وہ آپ کی طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے..."
"محبت کرتا ہے۔

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے
جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ، آیات
8-9:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں
سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ انصاف
کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے اس لیے لڑتے
ہیں۔ دین کے بارے میں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دو اور تمہارے نکالنے میں مدد...

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس کی خواہش نہ کرتے ہوئے مجبور کیا
جانا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔’’

مندرجہ ذیل آیات میں اس کی مزید نشاندہی کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دو الٰہی صفات کا ذکر کیا ہے جو دونوں اس کی رحمت اور سلامتی سے جڑے ہوئے ہیں، یعنی سب بخشنے والا اور رحم کرنے والا۔ باب 2 البقرہ، آیت 192:

‘‘اور اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔’’

اس نے جان بوجھ کر اپنی قدرت اور طاقت کی خدائی صفات کے بجائے ان خدائی صفات کا ذکر کرنے کا انتخاب کیا تاکہ اس بات کی نشاندہی کی جا سکے کہ امن اور سلامتی وہی ہے جو وہ بنی نوع انسان کے لیے پسند کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان آیات کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔ اس پر

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار" کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5:

’’اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔‘‘

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جنگ کا یہ بیان مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد مواقع پر واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور امت مسلمہ کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ اور اس کے اتحادی .مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

"سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی۔ تو ان کے لیے ان کا معاہدہ مکمل کر دے یہاں تک کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

’’مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا تھا؟ اس لیے جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

’’کیسے [معاہدہ ہو سکتا ہے [جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے؟ وہ آپ کو اپنے منہ سے مطمئن کرتے ہیں، لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر بدل دیا اور لوگوں کو اس کی راہ سے روک دیا۔ درحقیقت یہ برا کام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اور وہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

"پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔"

اور باب 9 توبہ آیت 5:

اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان’’
‘‘کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جس نے بھی اس کی درخواست کی ہو اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کو بغیر کسی خوف اور دباؤ کے سننے کا موقع ملے یا وہ پرامن طریقے سے اس کی حفاظت کر سکیں۔ جزیرہ نما عرب کو نقصان پہنچنے کے خوف کے بغیر چھوڑ دیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔ پھر’’
"اسے اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے حقیقت میں کوئی خون نہیں بہایا گیا ، کیونکہ اس آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا، یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو . پرامن طریقے سے چھوڑ دیں۔

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص

دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

باب 2 البقرہ، آیت 244:

''اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

عام طور پر، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنا، ایک مسلسل جدوجہد ہے اور اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس سے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو یقینی بنایا جائے گا جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ جدوجہد لوگوں کی خواہشات سے متصادم ہو سکتی ہے لیکن چونکہ یہ ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے اس لیے انہیں اسے قبول کرنا چاہیے اور پورا کرنا چاہیے۔ لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں

کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔

باب 2 البقرہ، آیت 245:

''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے میں دو اہم چیزیں ہیں۔ پہلا موت کا خوف ہے اور دوسرا ان نعمتوں کو کھونا ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ دولت، یا اس کا اس طرح استعمال کرنا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ آیت نمبر 245 میں اللہ تعالیٰ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے کہ جو شخص ان وسائل کو استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کیے گئے ہیں، جیسے کہ دولت، اس کی رضامندی کے لیے اس کے استعمال کردہ وسائل سے کئی گنا زیادہ برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوں گی۔ حاصل کردہ برکات اور رحمتیں عطا کردہ وسائل سے کہیں زیادہ ہیں کیونکہ یہ ہر شخص کے آخری مقصد کی طرف لے جاتی ہیں جو کہ ذہنی سکون ہے۔ درحقیقت ہر شخص خواہ وہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی تلاش مختلف جگہوں پر کرتا ہے۔ کچھ اسے شہرت میں تلاش کرتے ہیں، کچھ دولت میں، کچھ اسے اختیار میں تلاش کرتے ہیں، کچھ اسے خاندان، دوستوں یا اپنے کیریئر میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو حاصل کرنے میں سب کا ایک ہی حتمی مقصد ہے، یعنی ذہنی سکون۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ جو نعمتیں اور رحمتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے عطا کیے گئے وسائل کو وقف کرنے سے حاصل ہوتی ہیں وہ دونوں جہانوں میں اس ذہنی سکون کا باعث بنتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کو جانتا ہے، وہ اکیلا جانتا ہے کہ انسان ذہنی سکون کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر دوسروں کو دوائیوں کی نصیحت کرنے والا بہترین شخص ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو صحیح طریقے سے نصیحت کر سکتا ہے کہ کس طرح ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کیا جائے۔

باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟’’

جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی بخل کو جانتا ہے، اس لیے وہ آیت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ ایک تجارتی لین دین کی طرح لگتا ہے جس سے منافع ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے والے کو شرم آنی چاہیے کہ ان کی حرص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ، جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اس کی خاطر جو بھی وسیلہ استعمال کیا گیا ہے اسے واپس کرنے کا وعدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دے۔ صحیح طریقے سے عطا کیا گیا ہے، حالانکہ اس سے انہیں صرف فائدہ ہوتا ہے۔ یہ شرم انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کیے گئے وسائل کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے لیے مزید محنت کرنے کی ترغیب دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان کے پاس جو وسائل ہیں، جیسے کہ دولت، اس کے علاوہ کسی اور نے عطا نہیں کی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘...اور اللہ ہی ہے جو روکتا ہے اور کثرت دیتا ہے’’

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیاوی چیزیں پیدا کیں اور عطا کیں، وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔ لہٰذا لوگوں کے لیے صرف یہ مناسب ہے کہ وہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال ان کے مالک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیاوی چیزیں قرض پر عطا کی ہیں، اس لیے انہیں یہ قرض واپس کرنا چاہیے۔ اس قرض کی واپسی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کو ایسے طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ دوسری طرف چونکہ جنت کی

نعمتیں ایک تحفہ ہیں اس لیے لوگ ان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں آزاد ہوں گے۔
باب 7 الاعراف، آیت 43:

”اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔“

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ دنیوی نعمتوں کو جو جنت کے تحفوں کے ساتھ قرض کی حیثیت رکھتا ہے، میں خلط ملط نہ کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 245:

”…اور اللہ ہی ہے جو روکتا ہے اور کثرت دیتا ہے“

عام طور پر دیکھا جائے تو انسان کا فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں جو کچھ اسے مختص کیا گیا ہے اس پر زور نہ ڈالے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے کیا تھا۔ اور تبدیل نہیں کیا جا سکتا .اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے بجائے انسان کو اس دنیا میں اپنے حلال رزق کے حصول کے لیے جو وسائل عطا کیے گئے ہیں، مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کرنا چاہیے اور پھر اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو۔ جو رزق ان کے لیے مختص کیا گیا تھا وہ بہت پہلے ان تک پہنچے گا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس کو سمجھنا انہیں غیر قانونی ذرائع سے رزق حاصل کرنے سے روک دے گا۔ اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی اس کے لیے مختص کیا ہے، وہ اس کے لیے بہترین

ہے، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ بھی ہو، اور جو کچھ وہ دوسروں کو عطا کرتا ہے وہ اس کے لیے بہترین ہے۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق جو بھی نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے پر توجہ دیں تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کریں، بجائے اس کے کہ اس دنیا میں ان کو یا دوسروں کے لیے کون سی دنیاوی چیزیں مختص کی گئی ہیں۔ ذہنی سکون دنیاوی چیزوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مضمر ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق بہت سی دنیاوی چیزیں رکھنے میں مضمر نہیں ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان امیروں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اپنی بہت سی دنیاوی املاک اور تفریح کے لمحات کے باوجود اکثر ذہنی سکون سے دور رہتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 245:

"کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟ اور اللہ ہی ہے جو روکتا ہے اور کثرت دیتا ہے..."

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی روزی کا فیصلہ کرتا ہے، اس لیے ہر شخص کو دنیاوی چیزیں اسی کے مطابق حاصل ہوں گی جو اس کا فیصلہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6748 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے جو اس کے لیے دونوں جہانوں میں سکون کا باعث بنیں تو اسے چاہیے کہ تعلیمات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کرے، اسلام سے۔ ورنہ یا تو وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہو جائیں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ اختیار، یا یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بن جائے گا خواہ وہ اس کے لمحات کا سامنا کریں۔ مزہ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ فیصلہ کرنا ایک شخص پر منحصر ہے کہ آیا وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو اسے اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

یا کوئی شخص اپنی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا انتخاب کر سکتا ہے، جو دونوں جہانوں میں صرف مصائب، پریشانی اور تناؤ کا باعث بنے گا، کیونکہ یہ انہیں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا جو ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جو بھی آپشن منتخب کرے گا وہ دونوں جہانوں میں اس کا جوابدہ ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔’’

لہٰذا، اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کی خاطر، صحیح راستے اور راستے کا انتخاب کرنا سمجھ میں آتا ہے۔

باب 2 – البقره، آیات 246-251

أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلۡمَلَإِ مِنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ مِنۢ بَعۡدِ مُوسَىٰٓ إِذۡ قَالُواْ لِنَبِيّٖ لَّهُمُ ٱبۡعَثۡ لَنَا مَلِكٗا
نُّقَٰتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِن كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡقِتَالُ أَلَّا تُقَٰتِلُواْۖ
قَالُواْ وَمَا لَنَآ أَلَّا نُقَٰتِلَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَقَدۡ أُخۡرِجۡنَا مِن دِيَٰرِنَا وَأَبۡنَآئِنَاۖ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيۡهِمُ ٱلۡقِتَالُ تَوَلَّوۡاْ إِلَّا قَلِيلٗا مِّنۡهُمۡۚ وَٱللَّهُ عَلِيمُۢ بِٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ ٱللَّهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوتَ مَلِكٗاۚ قَالُوٓاْ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ
ٱلۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ أَحَقُّ بِٱلۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةٗ مِّنَ ٱلۡمَالِۚ قَالَ إِنَّ ٱللَّهَ
ٱصۡطَفَىٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهُۥ بَسۡطَةٗ فِي ٱلۡعِلۡمِ وَٱلۡجِسۡمِۖ وَٱللَّهُ يُؤۡتِي مُلۡكَهُۥ مَن
يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ ﴿٢٤٧﴾

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ ءَايَةَ مُلۡكِهِۦٓ أَن يَأۡتِيَكُمُ ٱلتَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٞ مِّن
رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٞ مِّمَّا تَرَكَ ءَالُ مُوسَىٰ وَءَالُ هَٰرُونَ تَحۡمِلُهُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لَّكُمۡ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي
وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ
فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ
أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ
الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت پر غور نہیں کیا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے پاس ایک بادشاہ بھیج دو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اگر تم پر جنگ فرض کی جائے تو کیا تم لڑائی سے باز رہو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں جب کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی اولاد سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے چند ایک کے علاوہ وہ منہ موڑ گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بیشک اللہ نے تمہارے پاس ساؤل کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہم پر بادشاہی کیسے کر سکتا ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے لائق ہیں اور اس کو مال کا کوئی پیمانہ نہیں دیا گیا ہے۔ اس نے کہا بے شک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور

اس کے علم اور قد میں بہت زیادہ اضافہ کیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی حکومت دیتا ہے اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ سینہ آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے یقین ہے اور جو کچھ موسیٰ کے گھرانے اور ہارون کے گھر والوں نے چھوڑا تھا اسے لے کر چلے گئے تھے۔ یقیناً اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔''

اور جب ساؤل سپاہیوں کے ساتھ نکلا تو اس نے کہا کہ بیشک اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمائے گا، پس جو اس میں سے پیے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے اور جو اس کا مزہ نہ چکھے وہ میرا ہے، سوائے اس کے جو اس سے [اس کے ہاتھ کے کھوکھلے میں۔ "لیکن انہوں نے اس میں سے پیا سوائے ان میں سے تھوڑے سے۔ پھر جب وہ اپنے ساتھ ایمان لانے والوں کے ساتھ اس سے گزر گیا تو کہنے لگے کہ آج ہمارے لیے جالوت اور اس کے سپاہیوں پر کوئی طاقت نہیں ہے۔ لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملیں گے انہوں نے کہا کہ کتنی چھوٹی کمپنیاں اللہ کے حکم سے بڑی کمپنی پر غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور جب وہ جالوت اور اس کے سپاہیوں کے سامنے نکلے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہمارے پاؤں جما دے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔

پس انہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا، اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت]یعنی نبوت [عطا فرمائی اور اس کو جو چاہا سکھایا۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے نہ جانچتا تو زمین میں فساد ہو جاتا لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے۔

آیت 246 کا آغاز ایک خودغرض رویہ سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت انسان صرف اپنی زندگی اور خاص طور پر اپنے مسائل کے بارے میں سوچتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 243:

"تم نے غور نہیں کیا...؟ "

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ عام تاریخ میں پائے جانے والے اسباق، اپنی ذاتی تاریخ اور اپنے اردگرد کے لوگوں کی حالت سے استفادہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ ان چیزوں سے سیکھنا ایک طاقتور ترین طریقہ ہے جس سے ایک شخص اپنے رویے کو بہتر بنا سکتا ہے اور تاریخ کو اپنے آپ کو دہرانے سے بچ سکتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ مثال کے طور پر جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ دولت مند اور مشہور لوگ ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ کس طرح تناؤ، ذہنی امراض، منشیات کی لت اور خودکشی کے رجحانات سے دوچار ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تفریح کے لمحات اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس دنیا کے، دیکھنے والے کو سکھائیں گے کہ ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے ان کے نقش قدم پر نہ چلیں اور انہیں یقین دلایا جائے گا کہ ذہنی سکون جھوٹ نہیں بولتا۔ بہت سی دنیاوی چیزوں کے مالک ہونے میں۔ یا جب کوئی شخص کسی بیمار شخص کو دیکھتا ہے، تو اسے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ اپنی اچھی صحت کے لیے شکرگزار ہوں اور اس سے پہلے کہ وہ اسے بھی کھو بیٹھیں، اس کا صحیح استعمال کریں۔ لہٰذا اسلام مسلمانوں کو باقاعدگی سے ایسے لوگوں کی بجائے مشاہدہ کرنے والے افراد بننے کی ترغیب دیتا ہے جو اپنے معاملات میں ایسے مگن رہتے ہیں کہ وہ کسی اور چیز پر توجہ نہ دیں۔ باب 47 محمد، آیت 10:

"کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی اور دیکھا کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیسا ہوا؟"

جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ کے غیر مسلموں کی جارحیت سے اسلام اور اپنے آپ کو بچانے کی ترغیب دی جا رہی تھی، اللہ عزوجل نے زیر بحث آیات میں لڑائی سے جڑے کچھ عناصر پر بحث کی ہے۔ ماضی کا واقعہ .اس مثال نے مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں کی تنقید کا بھی کام کیا جنہوں نے قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود دنیاوی فائدے کی خاطر اسلام سے انکار کر دیا۔ ان دونوں پر ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کی گئی تھی۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

باب 2 البقرہ، آیت 246:

’’ کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت پر غور نہیں کیا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا۔‘‘

اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ کسی شخص کو اس آیت کے پیچھے موجود اہم اسباق سے غافل نہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی توانائی اور وقت کو غیر متعلقہ معلومات کی تحقیق میں ضائع کردے۔ اگر اس کی شناخت اس آیت کے اسباق کے ساتھ اہم اور متعلقہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرماتے۔ کسی کو دینی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اسلامی تاریخ کے مخصوص واقعات، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 246:

’’کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت پر غور نہیں کیا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے پاس ایک بادشاہ بھیج دو‘‘۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کی رہنمائی ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جا رہی تھی، جو خدائی رہنمائی اور مدد گار تھے پھر بھی وہ دنیاوی بادشاہ کی خواہش رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا رہنما رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے جو دنیاوی فائدے پر زیادہ توجہ مرکوز کرے، جیسے کہ دولت اور طاقت، پھر ایک ایسا رہنما ہونا جو انہیں آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب دے۔ عام طور پر، یہ ایک کمیونٹی کے اندر لیڈروں کے انتخاب کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے جو صحیح ذہنیت رکھتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی کرتا ہے وہ ہمیشہ اپنے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے

اور انہیں صحیح طریقے سے زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں سب کے لیے فائدہ ہوگا۔ جبکہ ایک دنیا دار کو صرف اپنے لیے دولت اور اقتدار حاصل کرنے میں دلچسپی رہے گی اور اس کے نتیجے میں وہ عوام کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ اگر آج کے سیاست دانوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لڑائی کی خواہش نہ رکھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ ایک شخص فرض کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 246:

کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت پر غور نہیں کیا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے پاس ایک بادشاہ بھیج دو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اگر تم پر جنگ فرض کی جائے تو کیا تم لڑائی سے باز رہو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں جب کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی اولاد سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو چند ایک کو چھوڑ کر وہ منہ پھیر گئے۔

بعض چھوٹے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسلام کے دفاع کے لیے لڑنے کی خواہش ظاہر کی اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مشکل کاموں کی خواہش کا خطرہ سمجھا دیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 143:

”اور یقیناً تم نے موت کی تمنا کی تھی]یعنی شہادت [اس کے سامنے آنے سے پہلے اور تم نے اسے دیکھ لیا]اب [جب تم دیکھ رہے تھے۔“

اس کے بجائے، ایک مسلمان کو امن و سلامتی کی خواہش کرنی چاہیے اور اگر وہ لڑنے پر مجبور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ثابت قدم رہیں۔ صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ عام طور پر انسان کو اپنی اور دوسروں کی زندگی کو غیر ضروری طور پر مشکل بنانے سے گریز کرنا چاہیے، خصوصاً دنیاوی معاملات میں۔ مثال کے طور پر، کوئی اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال دولت کمانے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا، اسے اتنا ہی کم دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ اس سے زیادہ کوشش کرنے والا اپنی زندگی میں تناؤ کو ہی دعوت دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 4118 میں فرمایا ہے کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اس کے علاوہ، یہ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق اسلامی احکام اور ممانعتوں کو قبول نہ کریں اور کن کو نظر انداز کریں۔ اس طرح کا برتاؤ کرنے والا اسلام کو ایک زرہ کی طرح سمجھتا ہے جسے وہ اپنی خواہشات کے مطابق پہنا اور اتار سکتے ہیں۔ یہ شخص صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ یہ مانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر رہے ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ بلا شبہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، چاہے وہ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا جس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گے، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ

ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 246:

لیکن جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے چند ایک کے علاوہ وہ منہ موڑ گئے۔ اور اللہ'' ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 247:

"اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اللہ نے ساؤل کو تمہارے پاس بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔"

اگرچہ بنی اسرائیل کے اس گروہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ انہیں بادشاہ مقرر کریں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا پڑا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہی ساؤل کو بادشاہ مقرر کیا۔ ان کے بادشاہ کے طور پر .وہ درحقیقت اسی آیت میں دوبارہ اس بات کا اعادہ کرتا ہے، جیسا کہ وہ جانتا ہے کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء علیہم السلام کے احترام میں کمی کرتے ہیں۔ احترام کی اس کمی کو پورے قرآن پاک میں نمایاں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 67:

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔’’ کہنے لگے کیا تم ہمیں تمسخر میں لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں جاہلوں میں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور باب 61 الصف، آیت 5:

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں؟

ایک مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کر سکتا ہے جب وہ زبانی طور پر ان سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن وہ آپ کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کی نصیحت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرنا انتہائی بے عزتی ہے اور اس کا جواب ہر مسلمان دونوں جہانوں میں دے گا۔ باب 24 النور، آیت 63:

"رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح مت بناؤ۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں سے چھپ کر بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو ہوشیار رہنا چاہیے جو اس کے حکم سے اختلاف کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت آ جائے یا دردناک عذاب ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 247:

"اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اللہ نے ساؤل کو تمہارے پاس بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔" انہوں نے کہا کہ وہ ہم پر بادشاہی کیسے کر سکتا ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے لائق ہیں...

ان کے جواب سے ایک دنیاوی بادشاہ کی تلاش کے پیچھے ان کا ارادہ ظاہر ہوا۔ وہ امید کر رہے تھے کہ ان میں سے بنی اسرائیل کے بزرگ افراد میں سے ایک کو ان کا بادشاہ منتخب کر لیا جائے گا اور وہ سیاست دانوں کی طرح عوام الناس کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اپنے معاشرے کے دیگر رہنماؤں کے مفادات کا خیال رکھے گا۔ آج کا

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ قیادت اور ضرورت سے زیادہ دولت کی خواہش انسان کے ایمان کو آسانی سے تباہ کر دیتی ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر آزاد کر دیا جاتا ہے .اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ان چیزوں کا خواہش مند ہے وہ ان کے حصول کے لیے اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور ان کو حاصل کرتے ہوئے اور ان کو تھامے ہوئے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بغیر قیادت اور ضرورت سے زیادہ مال نہیں مل سکتا، خاص طور پر اس دن اور دور میں۔ انسان جتنا زیادہ ان چیزوں کی خواہش کرے گا، اتنا ہی اللہ کی نافرمانی کرے گا اور دوسروں پر ظلم کرے گا۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے اور لوگوں نے قیادت اور دولت کے حصول کے لیے جتنی طوالتیں کیں، جیسے کہ بے گناہ لوگوں کا قتل۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی ضرورتوں اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال مال کمانے کی کوشش کرے اور اگر وہ قیادت پر فائز ہو جائے تو اسے ایسے طریقوں سے استعمال کرے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو، تاکہ یہ ان کے لیے اور دوسروں کے لیے امن کا باعث بن جائے۔ دنیا بصورت دیگر، جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے، دولت اور قیادت کا غلط استعمال دونوں جہانوں میں اس کے علمبردار کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گا، خواہ یہ بات ان پر یا دوسروں کے لیے واضح نہ ہو۔

:باب 2 البقرہ، آیت 247

"اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اللہ نے ساؤل کو تمہارے پاس بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔" انہوں نے کہا کہ وہ ہم پر بادشاہی کیسے کر سکتا ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے لائق ہیں اور اس کو مال کا کوئی پیمانہ بھی نہیں دیا گیا؟

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے یہی رویہ اپنایا ہے جس کے تحت وہ لوگوں کی حیثیت کو دنیاوی معیارات جیسے دولت کے مطابق پرکھتے ہیں۔ اسلام لوگوں کی حیثیت کو ایک عنصر یعنی تقویٰ کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ یعنی قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا جتنا زیادہ صحیح استعمال کرے گا، اس کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا۔ باب :الحجرات، آیت 13 49

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ ایک شخص کی نیت پوشیدہ ہے، اس لیے اسے اپنے ظاہری :اعمال کی بنیاد پر خود کو یا دوسروں کو برتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32

"تو اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا... ہے۔"

،صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے میں ناکامی صرف لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا باعث بنتی ہے جیسے نسل پرستی۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دنیاوی معیارات جیسے کہ جنس، نسل یا سماجی حیثیت کو نظر انداز کرے اور اس کے بجائے تقویٰ کے ذریعے برتری حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دے۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ تقویٰ کی جڑ علم ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

‘‘اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔’’

اور باب 2 البقرہ، آیت 247:

اس نے کہا" :بے شک اللہ نے اسے تم پر منتخب کیا ہے اور اس کے علم اور مرتبے میں بہت زیادہ اضافہ کیا ہے۔ ..."

قد اس کے اچھے کردار کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو تقویٰ کا ظاہری مظہر ہے۔ اچھا کردار اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی علم میں بیان کردہ اچھی خصوصیات کو سیکھتا اور اپناتا ہے، جیسے سخاوت، صبر اور شکر گزاری، اور اسلامی علم میں زیر بحث منفی خصوصیات جیسے لالچ، غرور اور بے وفائی کو ترک کر دیتا ہے۔

جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اور اس کے ذریعے حسنِ اخلاق اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں برتری عطا فرمائے گا، جیسا کہ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 247:

اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس کے علاوہ، یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں سے حسد کرنے سے گریز کریں جنہیں مخصوص دنیاوی نعمتیں دی گئی ہیں۔ حسد ایک بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت عطا کر کے غلطی کی ہو۔ جو شخص اپنی حسد کو زبانی اور جسمانی طور پر اس کے خلاف لڑنے دیتا ہے جس سے وہ حسد کرتے ہیں وہ صرف ان کے اپنے اعمال کو تباہ کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس جیسی نعمت حاصل کرنا چاہے بغیر اس کے کہ وہ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے، لیکن یہ صرف دینی معاملات میں قابل تعریف اور دنیوی معاملات میں قابل ملامت ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں حلال اور قابل تعریف حسد کی دو صورتیں بتائی ہیں۔ جو شخص اپنے علم کا صحیح استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے حسد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے حسد وہ ہے جس نے حلال مال حاصل کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا۔

یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا، دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مزید برکات اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

جبکہ دوسروں سے حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی بھول جائے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبتیں آئیں گی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حسد کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے حسد کرنے والے کی زبانی اور جسمانی حرکات پر صبر کرے اور صرف اسلام کی حدود میں اپنا دفاع کرے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول و فعل کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم اس طرح ان کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرتا'' ہے۔''

،اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم و حکمت کے مطابق کام کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی محدود سوچ . کے مطابق۔

باب 2 البقرہ، آیت 247:

اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔"

یہ ان لوگوں کو بھی متنبہ کرتا ہے جنہیں قیادت عطا کی گئی ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے اس لیے اگر وہ ان کو دی گئی قیادت کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ ان کا دونوں جہانوں میں جوابدہ ہوگا۔ لہٰذا، اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر اس نعمت کا صحیح استعمال کرے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ اگر وہ ان کا غلط استعمال کرنے کا انتخاب کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور مصیبت کا باعث بن جائیں گے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اگر کوئی ان لوگوں کو دیکھے جنہوں نے ان نعمتوں کا غلط استعمال کیا جو انہیں عطا کی گئی تھیں، جیسے کہ قیادت۔

اگرچہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم پر یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ صحیح آدمی کو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا ہے، جیسا کہ انہیں بغیر کسی سوال کے ان کی اطاعت کرنی چاہیے تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک نشانی عطا فرمائی۔ ان کو قائل کرنے اور خلوص دل سے اس کی اطاعت کرنے کے اپنے عہد کو مضبوط کرنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 248:

اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ سینہ آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے یقین ہے اور جو کچھ موسیٰ کے گھرانے اور ہارون کے گھر والوں نے چھوڑا تھا، اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یقیناً اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے تمام مختلف قوموں کو بے شمار معجزات سے نوازا ہے لیکن سب سے بڑا لازوال معجزہ بنی نوع انسان کو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں عطا کیا گیا۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو معجزات کے بارے میں دل لگی کہانیاں نہیں ڈھونڈنی چاہئیں بلکہ اپنے

ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات کا مقصد تھا۔ یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھے اور اس کا مطالعہ کرے اور اس میں مذکور واضح دلائل کی قدر کرے۔ جیسا کہ آیت 248 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، یہ انہیں حقیقی اور مضبوط عقیدہ اختیار کرنے میں مدد دے گا۔ مضبوط ایمان اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے، تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت ،حاصل کر سکیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل :آیت 97

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ اسلامی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے کمزور عقیدہ اختیار کرنے والا ہر مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور اس کے نتیجے میں وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

اس لیے انسان کو دل لگی اور معجزاتی کہانیوں کی تلاش سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے تمام معجزات کی تلاش میں رہنا چاہیے جو کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے مضبوط ایمان حاصل کرنا ہے۔ جو شخص اس طرح پختہ ایمان حاصل کر لیتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مضبوط تر بنانے کے لیے معجزات کے مطالعہ، سننے یا ان کے مشاہدے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا، جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر دکھائے جانے والے معجزاتی واقعات کو دیکھنے کے باوجود اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مضبوط ایمان کی کوشش کی۔

اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو جو بھی معجزہ عطا ہوا وہ وقت کے لحاظ سے محدود تھا۔ صرف ان لوگوں کو جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا اپنے ایمان کی مضبوطی کا تجربہ کیا۔ حالانکہ جو لوگ ان کے بارے میں کہانیاں سنتے ہیں وہ ان سے حیران ہوتے ہیں جبکہ اس سے نہ تو ان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف، قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ایسے لازوال معجزات ہیں جن کا مشاہدہ ہر روز کیا جا سکتا ہے اور اس وجہ سے کسی شخص کے ایمان کو تقویت دینے کا زیادہ امکان ہے تاکہ وہ اپنے ایمان میں اضافہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جب انسان سیکھے اور کھلے ذہن کے ساتھ اس پر عمل کرے۔

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ’’ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 248:

اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ سینہ آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے یقین ہے اور جو کچھ موسیٰ کے گھرانے اور ہارون کے گھر والوں نے چھوڑا تھا، اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یقیناً اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمان مقدس اشیاء، مقامات اور دنوں کا احترام کرنے میں اکثر اچھے ہوتے ہیں لیکن اکثر دوسری چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدس قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔ یہ حدیث اس وقت پوری ہوتی ہے جب کوئی دوسروں اور ان کے مال کے ساتھ ایسا سلوک کرے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ سلوک کریں۔ جامع ترمذی نمبر 2032 میں موجود ایک حدیث کے مطابق درحقیقت مسلمانوں کی حرمت کا احترام خانہ کعبہ کی حرمت سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو تمام چیزوں کا احترام کرنا چاہیے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہشات کے مطابق چننے اور چننے کے بجائے مقدس قرار دیا ہے، کیونکہ وہ ان سے ان کے رویہ اور رویہ کا حساب لے گا۔ سلوک

باب 2 البقرہ، آیت 248:

اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ سینہ آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے یقین ہے اور جو کچھ موسیٰ کے گھرانے اور ہارون کے گھر والوں نے چھوڑا تھا، اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یقیناً اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔"

جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ ضروری ہے کہ دینی علم کے غیر متعلقہ موضوعات کی تحقیق میں اپنی توانائی اور وقت ضائع نہ کیا جائے، جیسے کہ اس سینے کے اندر کیا تھا۔ اگر یہ اہم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس پر بحث فرماتا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ان موضوعات کی تحقیق اور مطالعہ کرنے کی کوشش کرے جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہو اور وہ دیگر تمام قسم کے دینی علوم سے اجتناب کرے۔

اللہ تعالیٰ پھر ایک خاص مثال کے ذریعے ایک عمومی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 249:

"اور جب ساؤل سپاہیوں کے ساتھ نکلا تو اس نے کہا: "بے شک اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمائے گا، پس جو اس میں سے پیے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے، اور جس نے اس کا مزہ نہ چکھ لیا وہ مجھ میں سے ہے، سوائے اس کے جس نے پی لیا] "اس سے [اس کے ہاتھ کے کھوکھلے میں۔ "لیکن انہوں نے اس میں سے پیا، سوائے ان میں سے چند]بہت [کے۔''

اس دنیا کا مقصد بنی نوع انسان کو آزمانا ہے۔ اس امتحان میں یہ شامل ہوتا ہے کہ آیا کوئی ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ الہی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 67 الملک، آیت 2:

"...]وہ [جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے"

صحیح طریقے سے کام کرنا اکثر انسان کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے، جو زندگی کے امتحان کو ایک حقیقی امتحان بنا دیتا ہے، جیسا کہ آیت 249 میں مذکور امتحان۔ ان کی اپنی خاطر .جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، جیسے کہ لوگوں کی ذہنی اور جسمانی حالت، وہ اکیلا ہی وہ ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسانوں کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، جس میں موڑ دونوں جہانوں میں ،ذہنی سکون کی طرف جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی نصیحتوں، احکام اور ممنوعات پر عمل کرنا ضروری ہے جس طرح اگر کوئی شخص ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے تو ڈاکٹر کے غذائی مشورے اور علاج کے منصوبے پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن جس طرح ایک مریض جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرتا ہے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوگی، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی ،تعلیمات کو نظر انداز کرتا ہے اور اس طرح ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو اسے دی گئی ہیں خواہ وہ تفریح اور تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا جو نہیں کرتے۔ ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 :عن نجم، آیت 43

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

:باب 2 البقرہ، آیت 249

،اور جب ساؤل سپاہیوں کے ساتھ نکلا تو اس نے کہا" :بے شک اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمائے گا" پس جو اس میں سے پیے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے، اور جس نے اس کا مزہ نہ چکھ لیا وہ مجھ میں سے ہے، سوائے اس کے جس نے پی لیا] "اس سے [اس کے ہاتھ کے کھوکھلے میں۔ "لیکن انہوں ‘‘نے اس میں سے پیا، سوائے ان میں سے چند]بہت [کے۔

اس کے علاوہ، یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رہنما کے نقش قدم پر خلوص اور عملی طور پر چلنے کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس زمانے میں اور آخری زمانے تک یہ رہبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتے ہیں، اور آخرت میں ان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں، لیکن آپ کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے انکاری ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جو اس کے سوا کوئی راستہ اختیار کرتا ہے وہ اس کی عزت نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے محبت کرتا ہے اور نہ ہی آخرت میں اس کا ساتھ دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں اتنے سخت تھے جتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کرتے تھے اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملنے کی خواہش رکھتے تھے۔ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث سے کسی شخص کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے، جس میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ محبت کرے گا۔ حقیقی محبت الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے کس طرح عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ دوسری قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ آخرت میں ان کا ساتھ نہیں دیں گی کیونکہ انہوں نے عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی۔

:باب 2 البقرہ، آیت 249

پھر جب وہ اپنے ساتھ ایمان لانے والوں کے ساتھ اس سے گزر گیا تو کہنے لگے کہ آج ہمارے لیے جالوت اور اس کے سپاہیوں کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں ہے۔ لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملیں گے انہوں نے کہا کہ کتنی چھوٹی کمپنیاں اللہ کے حکم سے بڑی کمپنی پر غالب آگئیں۔

اس سے یقین کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یقین رکھنے والے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کا یقین صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی ان واضح دلائل کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو اسلام کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اہمیت کو ثابت کرتے ہیں، جن کا ذکر قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں کیا گیا ہے۔ اس پر ہو یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اسے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وہ اکیلا ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جو اس کے دماغی اور جسمانی کے لامحدود علم کی وجہ سے اس نتیجے پر پہنچا۔ لوگوں کی حالتیں اور دیگر تمام چیزیں۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کے پاس اچھی صحت کا علم ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا علم رکھتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں کس طرح عمل کرنا چاہیے تاکہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہو۔ جبکہ، جیسا کہ آیت 249 میں اشارہ کیا گیا ہے، کمزور ایمان والے ہر حال میں خاص طور پر مشکل کے وقت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنے میں ناکام رہیں گے۔

مزید برآں، یقین کا یقین انسان کو ہمیشہ یاد رکھنے اور عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ، قیامت کے دن ملاقات اور ان کے ناگزیر احتساب کے لیے تیاری کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی مزید حوصلہ افزائی ہو گی تاکہ وہ آخرت میں کامیابی حاصل کر سکے۔

باب 2 البقرہ، آیت 249:

لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملیں گے انہوں نے کہا کہ کتنی چھوٹی کمپنیاں اللہ کے حکم سے بڑی کمپنی پر غالب آگئیں۔

یقین کا یقین بھی انسان کو یہ سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے کہ تمام چیزوں کے نتائج کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، چاہے یہ لوگوں پر واضح نہ ہو۔ اور اس نے ان لوگوں کے لیے کامیاب نتائج کی ضمانت دی ہے جو اس کی اطاعت پر قائم رہتے ہیں۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا’’

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو خلوص سے اس کی اطاعت کرتے ہیں، کسی کی خواہش کے مطابق نہیں ہے۔ لوگوں کو نکلنے کا راستہ اس کے ٹائم ٹیبل، لامحدود حکمت اور علم کے مطابق ہے، جو ہمیشہ ان لوگوں کے بہترین مفاد کے مطابق ہو گا، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنے کا ایک اہم پہلو، جو یقین کے یقین سے حاصل ہوتا ہے، صبر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 249:

لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملیں گے انہوں نے کہا کہ کتنی چھوٹی کمپنیاں اللہ کے حکم سے بڑی کمپنی پر غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کے سپاہیوں کے سامنے نکلے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہمارے پاؤں جما دے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔

صبر وہ ہے جب کوئی شخص اپنے عمل یا تقریر کے ذریعہ اپنی مشکل کی شکایت کرنے سے گریز کرتا ہے اور اپنی آزمائش کے دوران اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھتا ہے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے اس کی خوشنودی کے لیے جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ صبر کرنے کی جڑ اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی شخص اسلامی علم کو سیکھے گا اور اس پر عمل کرے گا، اتنا ہی وہ سمجھے گا کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو، کیونکہ ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں۔ ان سے پوشیدہ .مثال کے طور پر اسلامی تعلیمات کے اندر اس طرح کے بہت سے واقعات زیر بحث ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، جنہیں ان کے بھائیوں نے چھوٹی عمر میں اپنے والدین سے جدا کر دیا، ایک اندھیرے اور گہرے کنویں میں چھوڑ دیا، بچپن میں غلام کے طور پر بیچا گیا اور غلط طریقے سے جیل میں ڈال دیا گیا۔ لیکن ان واقعات میں سے ہر ایک نے اسے کچھ اسباق سیکھنے کا موقع دیا جس نے اسے مصر کی آبادی کو ایک بڑے قحط سے بچانے کے لیے تیار کیا۔ اگر وہ اپنی مشکلات کو برداشت نہ کرتا تو وہ لاکھوں جانیں بچانے کی پوزیشن میں نہ ہوتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ان حکمتوں پر ایمان لانا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھنا اس کے ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آسانی کے وقت اس کی حمد و ثنا کرنا آسان ہے لیکن اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مشکل کا سامنا کرے اور پھر بھی اس کی اطاعت اور حمد کرے۔

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو اپنی مشکلات کا دوسرے لوگوں سے موازنہ کرنے میں بھی مدد ملتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، اور زیادہ مشکلات برداشت کیں۔ یہ موازنہ کسی کو اپنی مشکل کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ مریض کو باقی رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ اس وقت بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی اپنے وقت کے اندر دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان سے زیادہ مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات انسان کو تقدیر کی اہمیت کو سمجھنے کی بھی اجازت دیتی ہیں اور یہ کہ وہ اپنی زندگی میں کس طرح ہر واقعہ کا سامنا کرے گا، خواہ آسانی کا وقت ہو یا مشکلات کا، ناگزیر ہے۔ کسی ناگزیر اور ناگزیر چیز کے بارے میں شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایک شخص صرف ان لاتعداد انعامات سے محروم ہو جائے گا جو وہ حاصل کر سکتا تھا اس ناگزیر مشکل پر صبر کرنے سے جس کا سامنا اس کا مقدر ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

لہٰذا ایک شخص کے پاس ایک انتخاب ہوتا ہے کہ صبر کے ساتھ ناگزیر واقعہ کا سامنا کرنا اور بے شمار انعام حاصل کرنا یا کسی ناگزیر واقعہ کا بے صبری سے سامنا کرنا اور اس انعام سے محروم ہونا جو اسے ملنا چاہیے تھا۔ کسی بھی طرح سے وہ ناگزیر واقعہ کا سامنا کریں گے، لہذا دونوں جہانوں میں اس سے فائدہ اٹھانا سمجھ میں آتا ہے۔ باب 57 الحدید، آیات 22-23:

" کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے..."

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ انسان کو یہ سمجھنے کا باعث بھی بنتا ہے کہ اس دنیا میں وہ جو چیزیں چاہتے ہیں وہ ضروری نہیں کہ ان کے لیے بہترین ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ہر شخص کی زندگی میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو ایک شخص یہ ماننا چاہتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، صرف ان چیزوں کے لیے جو اس کے لیے تناؤ کا باعث بنیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ایک شخص کو ناپسند ہے کہ اسے ان کے لیے برا مانیں، صرف وہی چیزیں اس کے لیے خیر کا ذریعہ بنیں۔ جو شخص اس بات کو سمجھتا ہے وہ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے کم بے صبری کا مظاہرہ کرے گا جو ان کی خواہشات سے متصادم ہوں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حالات کا سامنا کرنا ان کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔

اس کے علاوہ جس طرح سونا گرمی سے پاک ہوتا ہے، اسی طرح لوگ مشکلات کا سامنا کرکے ذہنی طاقت حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ آسان زندگی کے عادی ہیں، وہ اکثر ذہنی خرابی کا سامنا کرتے ہیں جب معیاری اور چھوٹی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے شادی کے مسائل۔ آزمائشوں کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کی ذہنی حالت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ مستقبل کی مشکلات کا آسانی کے ساتھ سامنا کر سکیں۔

جیسا کہ اسلام نے سکھایا ہے، ہر حال میں صبر کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ آسانی کے وقت بھی۔ آسانی کے وقت، ایک شخص کو صبر و تحمل کو اپنانا چاہیے تاکہ وہ اپنے آپ کو عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روکے، جیسے کہ اچھی صحت یا اپنی تنخواہ میں اضافہ۔

اس دنیا میں مشکلات کا سامنا کرنے کے پیچھے اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اسلامی تعلیمات میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کا مطالعہ کریں، سیکھیں اور

ان پر عمل کریں تاکہ وہ ہر حال میں صبر کو اپنائیں تاکہ دونوں جہانوں میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ انسان کو ہر حال میں صبر سے رہنا چاہیے، جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے، باوجود اس کے کہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔

صبر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بے عمل ہو جائے۔ صبر کا ایک پہلو حالات سے نمٹنا اور اسے اسلام کی تعلیمات کے مطابق درست کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک بیوی جو اس کے شوہر کی طرف سے بدسلوکی کا نشانہ بنتی ہے اسے اپنے اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں، جیسے کہ اپنے شوہر سے علیحدگی۔ اس طرح کا برتاؤ صبر سے متصادم نہیں ہے جب کہ غیر فعال ہونے کا صبر یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح رونے جیسے جذبات کا اظہار کرنا بھی صبر کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے غم پر اس قدر روئے کہ اندھے ہو گئے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر کبھی تنقید نہیں کی۔ باب 12 یوسف، آیت 84:

اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا، "یوسف پر میرا افسوس "اور اس کی آنکھیں غم سے سفید " ہو گئیں، کیونکہ وہ دبانے والا تھا۔

ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات جیسی افسوسناک صورتحال پر رو پڑے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنے قول و فعل سے ظاہر موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ کرنا صبر کے منافی ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز قابل قبول اور انسانی فطرت کا حصہ ہے، جیسے رونا اور غمگین ہونا۔ .

یہ جاننا ضروری ہے کہ مشکل شروع ہونے سے لے کر اس دنیا سے رخصت ہونے تک صبر کا ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1302 کی مظاہرہ کرنا چاہیے۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد صبر کرنا اصل صبر نہیں ہے، یہ محض قبولیت ہے جو قدرتی طور پر ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ مشکل کے آغاز سے ہی اپنے قول و فعل پر قابو رکھتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کرے تاکہ وہ بے صبری کے آثار نہ دکھائے اور یہ رویہ اس وقت تک برقرار رکھے جب تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں، کیونکہ بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے صبر کا اجر آسانی سے ضائع ہو سکتا ہے۔ لائن

باب 2 البقرہ، آیت 250:

اور جب وہ جالوت اور اس کے سپاہیوں کے سامنے نکلے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے رب، ہم پر " صبر ڈال اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔"

یہ آیت واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کے ساتھ ہی فتح حاصل ہوتی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح مسلمان آج دنیا میں برتری کے مقام پر نہیں ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کی شرط پوری نہیں ہوئی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر سچا عقیدہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کرنا شامل ہے، تاکہ وہ ہر حال میں اس کی اطاعت پر قائم رہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو انہیں دی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے

مطابق۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں برتری اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 55:

’’اللہ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین پر حکومت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو دیا تھا اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قائم کرے گا۔ جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور یہ کہ وہ ان کے خوف اور سلامتی کے بعد ان کی جگہ ضرور لے گا، کیونکہ وہ میری عبادت کرتے ہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ لیکن جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔‘‘

اور باب 2 البقرہ، آیت 251:

پس انہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔

فتح ان مسلمانوں کی ضمانت ہے جو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مقررہ وقت، لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوگی۔ اس لیے بعض اوقات یہ فتح مسلمانوں کے لیے تاخیر کا شکار ہو سکتی ہے یا ظاہر نہیں ہو سکتی، جو بذات خود ایک اور امتحان ہے جس سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 251:

"پس انہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو شکست دی، اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا، اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہا سکھایا۔ ..."

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جہانوں میں اجر وثواب جیسا کہ نفع بخش علم، تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرے۔ جس طرح انسان مادی دنیا میں جدوجہد اور قربانی کے ذریعے کامیابی حاصل کرتا ہے، اسی طرح انسان صرف روحانی کامیابی حاصل کر سکتا ہے، جس سے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کامیابی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی دنیاوی کامیابیوں مثلاً قیادت کو استعمال کریں۔ صحیح طور پر، اسلامی تعلیمات کے مطابق۔ بصورت دیگر جو دنیاوی نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں وہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جائیں گی۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جنہوں نے ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا، جیسے کہ قیادت، اور آیت 251 کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 251:

"اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے نہ جانچتا تو زمین میں فساد ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے فضل کا مالک ہے۔"

جب لوگ اختیارات جیسی نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے تو وہ زمین میں فساد پھیلا دیں گے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس پر ثابت قدم رہ کر زمین سے اس فساد کو دور کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت انہیں ان وسائل کا استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دیے گئے ہیں، جیسے کہ سماجی اثر و رسوخ اور دولت، تاکہ وہ بدعنوانی کے خلاف ،جدوجہد کریں۔ اس کے علاوہ، یہ آیت لوگوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں جیسے کہ اختیارات کا غلط استعمال نہ کریں، ورنہ یہ دنیوی نعمتیں جلد یا بدیر ان سے ختم ہو جائیں گی۔ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، کسی شخص کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ ایسا بالکل نہیں ہوگا کیونکہ یہ فوری طور پر اور لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ جس سزا میں تاخیر ہو وہ سزا کے برابر نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کا صحیح استعمال کرتے ہوئے سچے دل سے توبہ کر کے اپنی نیت، قول و فعل کو درست کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ باب 68 القلم، آیت 45:

"اور میں انہیں وقت دوں گا۔ بے شک، میرا منصوبہ پختہ ہے۔"

،سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے ،عام طور پر شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 251:

اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے نہ جانچتا تو زمین میں فساد ہو جاتا، لیکن اللہ” ”تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے فضل کا مالک ہے۔

یہ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اپنے فرض کو ادا کرنے کی اہمیت کا درس دیتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

" تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے]مثال کے طور پر [پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو...

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے پہلے صحیح کردار اور صحیح علم کا حامل ہونا چاہیے ورنہ یہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزید دور کر دے گا۔ اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس اہم فرض کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ معاشرے میں بدعنوانی کو پھیلانے کے لئے صرف ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ اچھے لوگ کچھ نہ کریں. جس طرح ایک سڑا ہوا سیب دوسرے اچھے سیب کو متاثر کرے گا، اسی طرح لوگوں کے برے رویے کا اثر وسیع تر معاشرے پر پڑے گا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے میں برائی معمول بن جاتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں وسیع تر معاشرہ انہی گناہوں اور بدعنوانی میں مبتلا ہونے لگتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی کسی ایسے معاشرے کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے جو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں ناکام رہا۔ یہاں تک کہ اگر وسیع تر معاشرے کو نصیحت کرنا بہت مشکل ہو جائے، جیسے کہ دوسروں کے نقصان کا اندیشہ ہو، تب بھی مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کو نیکی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے منع کرتا رہے، کیونکہ سنن ابوداؤد میں موجود حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے۔ نمبر 2928۔ جب کوئی نیکی کا حکم دے اور برائی سے صحیح طریقے سے روکے تب ہی وہ معاشرے کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

’’اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ رب اور شاید وہ اس سے ڈریں۔"

لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کی تائید صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا کرنے میں ناکامی کو کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں سے بھری دو سطحیں نچلے ڈیک پر موجود لوگوں نے نچلے ڈیک میں سوراخ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اوپری ڈیک کے لوگوں کو پریشان کیے بغیر براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ لیکن اگر اوپر والے ڈیک پر موجود لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو وہ سب ڈوب جائیں گے۔

باب 2 - البقرہ، آیات 252-25 4

تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِٱلْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

۞ تِلْكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ ٱللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَٰتٍ ۚ
وَءَاتَيْنَا عِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ٱلْبَيِّنَٰتِ وَأَيَّدْنَٰهُ بِرُوحِ ٱلْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا ٱقْتَتَلَ
ٱلَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ وَلَٰكِنِ ٱخْتَلَفُوا۟ فَمِنْهُم مَّنْ ءَامَنَ وَمِنْهُم
مَّن كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا ٱقْتَتَلُوا۟ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿٢٥٣﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا
شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

"یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم مقصد کے ساتھ پڑھتے ہیں،]نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم[، سچائی کے ساتھ اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

وہ رسول، ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے وہ بھی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل دیے اور ہم نے پاک روح سے ان کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد آنے والی نسلیں واضح دلیلیں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتی۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی بدلہ ہوگا اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش۔ اور کافر - وہی ظالم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی آیات کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسانیت اس زمین پر زندگی کے مقصد کو سمجھے اور اس کی تکمیل کے لیے کوشش کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 252:

"...یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھتے ہیں، [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم]، مقصد کے ساتھ"

باب 67 الملک، آیت 2 اور:

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے‘‘۔ ’’

اس امتحان میں یہ شامل ہے کہ آیا کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ جو اس امتحان میں کامیاب ہو جائے گا وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا، کیونکہ وہ اپنی زندگی میں موجود ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح جگہ پر رکھ کر ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر لے گا۔ جبکہ جو شخص اس امتحان میں ناکام ہو کر ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کر کے متوازن اور ذہنی کیفیت حاصل نہیں کر سکے گا اور اس کے نتیجے میں اسے نہ دنیا میں سکون ملے گا اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، وہ اکیلا ہی بنی نوع انسان کو ایک ایسا ضابطہ حیات عطا کر سکتا ہے جو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنے۔ دوسری طرف چونکہ لوگوں کا علم انتہائی محدود ہے اور دور اندیشی کی کمی کی وجہ سے کوئی بھی انسان کا بنایا ہوا ضابطہ اخلاق ذہنی سکون کا باعث نہیں بنے گا۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کو دوائیوں کے بارے میں کچھ علم ہوتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی انسان کی زندگی کے ہر پہلو میں بہترین مشورہ دے سکتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ لہٰذا لوگوں کو اپنی خاطر اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے، جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے،

،حالانکہ انھیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

”کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...“

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

”اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے“۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 252:

"...یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھتے ہیں،]رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[، مقصد کے ساتھ"

اس کے علاوہ، یہ واضح ہے کہ اگر وہ قرآن پاک کے مختلف پہلوؤں کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو قرآن پاک کا مقصد دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی طرف رہنمائی کے لیے حاصل نہیں ہو گا۔ پہلا یہ کہ اسے باقاعدگی سے اور صحیح طریقے سے پڑھا جائے، دوسرا اس کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور آخری پہلو اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، تاکہ انسان ان نعمتوں کا صحیح استعمال کر سکے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں کو پورا کرنے میں ناکامی ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان، جو کم سے کم فرائض کو پورا کرتے ہیں، ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتے، کیونکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس لیے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور آنے والی نسلوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تعلیم دیں اور پہلے پہلو پر باقی رہنے سے گریز کریں، جس کے تحت وہ قرآن پاک کو اس زبان میں پڑھتے ہیں جسے وہ سمجھ نہیں پاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور ساتھ ہی مکہ کے غیر مسلموں اور مدینہ میں رہنے والے اہل کتاب کے علماء پر آپ کی نبوت کے رد پر تنقید کرتا ہے، حالانکہ وہ دونوں حقیقت سے واقف تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 252:

"اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔"

مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے اعلان سے 40 سال پہلے تک جانتے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ امانت دار اور دیانت دار ہیں۔ وہ عربی زبان کے ماہر تھے اور پوری طرح جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق سے نہیں آیا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اور اہل کتاب میں سے علماء نے قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا جیسا کہ ان دونوں کو اپنے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کے علماء نے قرآن پاک کو اس لیے پہچانا کہ وہ اس کے مصنف، اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے [اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تاریخی واقعات اور مفید اسباق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ ان پڑھ تھے اور انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جسے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں ہی سمجھتے تھے۔ - مکہ کے مسلمان بخوبی جانتے تھے، آپ کی نبوت کی واضح نشانی تھی۔

غیر مسلموں اور اہل کتاب دونوں پر حق واضح ہونے کے باوجود وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقصان پہنچانے اور ان کی مخالفت پر اڑے رہے۔ یہ سب اس لیے کہ وہ اپنے من گھڑت طرز زندگی اور ضابطہ حیات کو ترک نہیں کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کرتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 87:

لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس آیا، وہ چیز لے کر جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا۔ اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عملی طور پر ان کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں خواہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو زبانی تسلیم کر لیا ہو۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کوئی اپنی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس سے وہ اس کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کریں گے۔ گمراہی کا راستہ جو دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، کیونکہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے گی جو انہیں عطا کی گئی ہیں، خواہ وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

،اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکامی آخرت میں بھی ان کے ساتھ شامل ہونے سے روک دے گی۔ یہ سمجھنا منطقی ہے کہ اگر کوئی زندگی میں اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ایک ہی منزل پر متحد نہیں ہوں ،گے۔ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث سے کسی شخص کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ محبت الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے جنہوں نے اپنے عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ پچھلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن آخرت میں ان کے ساتھ اتحاد نہیں کریں گی کیونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہی ہیں۔ لہٰذا اگر انسان کو دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی اور آخرت میں آپ کے ساتھ متحد ہونا چاہتے ہیں تو عملی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے آپ کے سیرت و کردار کو اپنانا چاہیے۔
:باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور” تمہارے گناہوں کو بخش دے گا“۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی ہے، پھر بھی وہ آپس میں حسد کی وجہ سے اختلاف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پھیلانے کے اپنے مشن پر متحد ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 253:

"وہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے وہ بھی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل دیے اور ہم نے روح پاک سے ان کی مدد کی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی رویہ اختیار کیا اور اس کے نتیجے میں وہ ایک طاقتور متحد قوت بن گئے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان اس روش کو اپنانے میں ناکام رہے ہیں اور ایک دوسرے سے حسد اور قیادت کی خواہش کی وجہ سے وہ دھڑوں میں بٹ گئے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کمزور ہو گئی۔ باب 23 المؤمنون، آیت 53:

"لیکن انہوں نے اپنے مذہب کو اپنے درمیان حصوں میں تقسیم کر دیا - ہر ایک گروہ، جو کچھ اس کے پاس ہے، خوش ہے۔"

اور باب 2 البقرہ، آیت 213:

"انسان [ان کے انحراف سے پہلے [ایک مذہب تھا؛ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کیا جائے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے

ان لوگوں کے جنہیں یہ دیا گیا تھا - ان کے پاس واضح دلیلیں آنے کے بعد - آپس کی حسد کی وجہ سے۔"

عام طور پر، حسد ایک بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ براہ راست نعمتوں کی تقسیم کو چیلنج کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا تھا۔ حسد کرنے والا ایسا کام کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو عطا کرنے کی بجائے کوئی خاص نعمت عطا کرنے میں غلطی کی ہو۔ ایک غیرت مند شخص کو کبھی بھی اپنے حسد کو اپنے قابو میں نہیں آنے دینا چاہئے تاکہ وہ دوسرے شخص سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے اور نہ ہی اسے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرنے سے روکے۔ اس کے بجائے، حسد کرنے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ اس لیے انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کے صحیح استعمال پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں۔ یہ بدلے میں، دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ جبکہ ان کے حسد پر عمل کرنا انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 253:

وہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے وہ بھی تھے جن" سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند کئے۔"

یہ آیات تمام انبیاء علیہم السلام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ ایک آسمانی سفر کے دوران ،اس کی تصدیق دیگر کئی مقامات پر بھی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر سفید جانور جسے البراق کہا جاتا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تاکہ اس پر سوار ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرشتہ جبرائیل علیہ السلام پھر روانہ ہوئے۔ آخرکار وہ مسجد اقصیٰ پہنچے جہاں تمام انبیاء علیہم السلام جمع تھے۔ فرشتہ جبرائیل علیہ السلام

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب کی نماز پڑھانے کے لیے آگے لائے۔ سنن نسائی نمبر 451 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اسی طرح آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 110:

”تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو..."

لہٰذا امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انسانیت کی بھلائی کے لیے پیدا ہونے والی بہترین قوم کے طور پر اپنا کردار ادا کریں۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ بیرونی دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندگی کریں۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ جتنے بھی مسلمان اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ باہر کی دنیا میں اسلام کو غلط طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم اور دوسرے مسلمان جو کمزور عقیدے کے حامل ہیں اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جس طرح بادشاہ کے سفیر کو بادشاہ کے بارے میں غلط بیانی کرنے پر سزا دی جائے گی، اسی طرح اسلام کی غلط تشریح کرنے والے مسلمان کو بھی سزا دی جائے گی۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ فرض ہر اس شخص پر ہے جو اسلام کو اپنا عقیدہ تسلیم کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 253:

‘‘اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل دیے اور ہم نے ان کی پاک روح سے مدد کی۔’’

عام طور پر دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط عقائد کے پھیلنے کے اسباب میں آپ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھ جانا شامل تھا۔ قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تصدیق کرتا ہے اور واضح طور پر ان کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی نشانی کے طور پر بیان کرتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 47:

وہ)مریم رضی اللہ عنہا (کہنے لگیں کہ اے میرے رب، میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا؟)فرشتے نے (کہا کہ اللہ ایسا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ اس حقیقت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ الہی ہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 59:

’’بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

عجیب بات ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے، حالانکہ وہ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ذہنیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہلانے کا حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہے، لیکن وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق کیسے کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق قرآن پاک سے ہوئی ہے۔ تاہم یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی مرضی، اجازت اور حکم سے انجام دیے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی یا اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔
باب 3 علی عمران، آیت 49:

"اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بناؤ،]جو کہے گا [کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے بناتا ہوں۔ جو پرندے کی طرح ہے پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں - اللہ کے حکم سے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو..."

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سفر میں لے لیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو اپنی فطری قوت سے یہ سفر طے کر سکتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 55:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ، بیشک میں تمہیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور’’
‘‘تمہیں کافروں سے پاک کروں گا۔

قرآن کریم عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے برعکس سولی نہیں دی گئی۔ صلیب پر جس کی تصویر نظر آئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ وہ شخص تھا جسے آپ جیسا بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا۔ باب 4 النساء، آیات 156-158:

اور ان کے کفر اور مریم کے خلاف ان کے کہنے کی وجہ سے بہت بڑا بہتان ہے۔ اور ان کے کہنے" پر کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ اور اُنہوں نے اُسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی اُسے سولی پر چڑھایا۔ لیکن]دوسرے [کو ان سے مشابہ کیا گیا ...بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلط عیسائی عقیدہ، آپ کا مصلوب ہونا، مارا جانا، اپنے آپ میں عجیب ہے کیونکہ ایک حقیقی الٰہی ہستی موت کا سامنا کرنے سے بہت دور ہے۔ اگر کوئی ہستی مر سکتی ہے تو وہ الہی نہیں ہو سکتی۔ تو درحقیقت، مصلوب کے ذریعے اس کی موت کے بارے میں ان کا غلط عقیدہ خود ان کی الوہیت کے غلط عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

ایک الہٰی ہستی فطرتاً ایک ایسی چیز ہے جو خود کو برقرار رکھنے کے معنی رکھتی ہے، انہیں برقرار رکھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہستی دوسرے کے ذریعہ برقرار ہے تو وہ الہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں آسمانی مخلوق نہیں تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرورش کی ضرورت تھی، یعنی وہ خود کفیل مخلوق نہیں تھے۔ باب 5 المائدة، آیت 75:

"مسیح ابن مریم نہیں تھا مگر ایک رسول۔ اس سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اور اس کی ماں حق کی حامی تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے کیسے نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کس طرح بہک رہے ہیں۔"

اس کے علاوہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ فرشتے نہیں کھاتے انہیں خدا سمجھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف طریقے سے برقرار ہیں اس لیے وہ بھی خود کفیل نہیں ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخلیق کیے گئے ہیں اور باقی مخلوقات کی طرح موت کا تجربہ کریں گے، الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایک حیاتیاتی بچہ ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ کچھ خصوصیات کا اشتراک کرے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی صفات میں شریک نہیں ہیں۔ درحقیقت اس کی تمام خصوصیات دوسرے انسانوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ وہ پیدا کیا گیا تھا، اسے خوراک اور پانی سے پالا گیا تھا، وہ مرے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، بالکل دوسرے انسانوں کی طرح۔ اس کی خصوصیات الوہیت کی نفی کے لیے کافی ہیں۔

عیسائیت اختیار کرنے والے رومیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور کو اپنے عقیدے میں الٰہی ہونے کے تصور کو متعارف کرایا، وہ تصورات جو انہوں نے اپنے سابقہ عقیدے، بت پرستی سے لے کر چلائے تھے۔ انہوں نے ایک عظیم اور بابرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا، اور اسے زیوس، ہرکولیس اور اوڈن جیسے افسانوں اور افسانوں کے ساتھ رکھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے صرف تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے کہ جو وجود کسی اور کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو، اسے برقرار رکھا گیا ہو اور وہ مر سکتا ہے وہ کبھی بھی الٰہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ چیزیں الہی ہستی کے معیار سے متصادم ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 253:

اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد آنے والی]نسلیں [واضح دلیلیں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتی۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر۔''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حسد اور قیادت کی خواہش کی وجہ سے پچھلی قومیں اپنی آسمانی تعلیمات پر متحد رہنے میں ناکام رہیں اور اس کے بجائے کئی دھڑوں میں بٹ گئیں۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے جان بوجھ کر اپنی آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح اور تدوین کی۔ افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے اندر بہت سے علماء نے ایسا ہی کیا ہے جس کے نتیجے میں مسلمان بھی کئی دھڑوں میں بٹ گئے ہیں۔ اس نے ان علماء کو اللہ تعالیٰ اور عام لوگوں کے درمیان دربان بننے کا موقع دیا۔ اس کے نتیجے میں عوام الناس کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا واحد راستہ تحفے اور اندھی اطاعت کے ذریعے ان دربانوں کو خوش کرنا ہے۔ ایک مسلمان کو اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہیے جس میں وہ قیادت اور دولت کی خاطر جان بوجھ کر خدائی تعلیمات کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ یہ صرف ان کے اچھے اعمال کو تباہ کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا یا آخرت میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں کر پائیں گے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص توجہ حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم حاصل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ان گروہوں میں شامل ہونے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے ایک مخلص استاد کی تلاش کرنی چاہیے تاکہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے، سمجھنے اور اس پر عمل کرے۔ اگر چہ کسی کو اپنے استاد کا احترام ضرور کرنا چاہیے لیکن ان کی وفاداری صرف قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ہونی چاہیے۔ لہٰذا انہیں اسلامی تعلیمات کی طرف سے بیان کردہ رویہ اور طرز عمل کو اپنانا چاہیے، چاہے وہ ان کے استاد کے رویہ اور طرز عمل سے متصادم ہو۔ انہیں اپنے مکتبہ فکر کے مطابق قرآن پاک کی تعلیمات کو ہرگز نہیں توڑنا چاہیے اور اس کے بجائے انہیں اپنی سوچ اور طرز عمل کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ صحیح راستہ اختیار کریں گے، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 253:

اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد آنے والی]نسلیں [واضح دلیلیں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتی۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت یا گمراہی پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ اس سے دنیا کی آزمائش بے معنی ہو جائے گی۔ اس دنیا کا امتحان، جو یہ ہے کہ آیا کوئی ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، تب ہی معنی خیز ہے جب لوگوں کو یہ اختیار کرنے کی آزادی ہو کہ وہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے لیے صحیح ضابطہ اخلاق پر عمل کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی بھی مدد کرتا ہے جو اس کے ضابطہ اخلاق کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کو رہنمائی پر مجبور نہیں کرتے جو زندگی گزارنے کے لیے ایک مختلف ضابطہ اخلاق کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔ باب 18 الکہف، آیت 29:

''اور کہو حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو انتباہ دیتا ہے کہ وہ اپنے عطا کردہ ضابطہ اخلاق کی پابندی کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ
وہ دن آئے جس میں نہ کوئی بدلہ ہو گا اور نہ دوستی ہو گی اور نہ کوئی شفاعت ہو گی۔"

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ اس معاملے میں مسلمانوں کو ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے کی طرف بلایا جا رہا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، خاص طور پر انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کو، وہ اکیلا ہی ایسا ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جس سے ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہو۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ دنیا کام کا گھر ہے اور آخرت جزا و جزا کا گھر ہے۔ اگر کوئی کام کے گھر میں کام نہ کرے تو آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ ایسا سلوک نہ کریں جیسے یہ دنیا ثواب اور راحت کا گھر ہے بلکہ اس کی اصل نوعیت اور مقصد کو سمجھیں۔ یہ ایک پل ہے جو کسی کو ان کے ابدی گھر تک لے جاتا ہے ۔ اس لیے انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں انہیں دی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں انہیں مصروف رہنا چاہیے، تاکہ انہیں اس دنیا کا سکون اور نجات اس دن حاصل ہو جب کسی کی دنیاوی نعمتیں یا رشتے انہیں فائدہ نہ پہنچا سکیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ
وہ دن آئے جس میں نہ کوئی بدلہ ہو گا اور نہ دوستی ہو گی اور نہ کوئی شفاعت ہو گی۔"

اس آیت میں مذکور چیزوں کے ذریعے انسان اپنی دنیاوی خواہشات مثلاً دنیا میں اپنے اعمال کے نتائج سے بچنے کے قابل ہو سکتا ہے لیکن قیامت کے دن ان میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ اس سے وہ خواہش مندانہ سوچ ختم ہو جاتی ہے جو مسلمانوں میں کافی پھیل چکی ہے جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس آیت میں بیان کردہ طریقوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کو قبول ہو گا۔
باب 2 البقرہ، آیت 254:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں کوئی بدلہ نہ ہو۔‘‘

مثال کے طور پر، بعض کا خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن سچی توبہ یا کسی اور طریقے سے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ انسان اس دنیا میں صرف اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی اس کے ساتھ صلح کر سکتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 24:

اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔ اور اگر وہ (اللہ کو (راضی کرنے کے لیے کہیں گے پس تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جنہیں راضی کرنے کی اجازت ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی بدلہ ہو گا اور نہ دوستی ہو گی اور نہ کوئی شفاعت ہو گی۔"

کچھ کا خیال ہے کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج سے اپنے کسی رشتے کے ذریعے بچ جائیں گے، جیسے کہ دوستی، رشتہ دار یا روحانی رہنما۔ گو کہ مسلمانوں کے لیے قیامت کے دن شفاعت کا تصور بھی ایک حقیقت ہے، لیکن جو شخص ایک گمراہانہ رویہ اختیار کرتا ہے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، اور کسی اور کو مانتے ہیں۔ ان کو ان کے اعمال کے انجام سے بچائے گا تو شفاعت کے تصور کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شفاعت کے تصور کا مذاق اڑانے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ان کو عطا نہیں کی گئی ہے۔ اور اگر یہ ان کو عطا کر دیا جائے تو یہ ان کو جہنم میں جانے سے بچانے کے لیے کافی نہیں ہے، چاہے ان کی سزا میں کمی کر دی جائے۔ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جہنم میں ایک لمحہ بھی بالکل ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سچی امید اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید، اس کی اطاعت کے لیے خلوص دل سے کوشش کرنا شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اور پھر امید رکھنا کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان پر رحم فرمائے گا۔ خواہش مند سوچ اور اللہ عزوجل پر امید کے فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ عطا کیا گیا ہے، قیامت کے دن غیر مسلموں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

''اور کافر ہی ظالم ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے زندہ رہنے کے لیے پرورش پانا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ایک پودا سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی موت ہو جاتی ہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی ٹھیک ہو سکتا ہے جو اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش میں ناکام رہتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 254:

‘‘اور کافر ہی ظالم ہیں۔’’

اس کے علاوہ، ظالم وہ ہے جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ چونکہ غیر مسلم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ اخلاق پر عمل نہیں کرتے اس لیے وہ ظالموں کے زمرے میں آتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس طرز عمل سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ زبانی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں، ورنہ آخرت میں ان کا انجام غیر مسلموں سے ہو سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی گروہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوتا ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 255

ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُۚ لَا تَأۡخُذُهُۥ سِنَةٞ وَلَا نَوۡمٞۚ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ
مَن ذَا ٱلَّذِي يَشۡفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذۡنِهِۦۚ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ أَيۡدِيهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيۡءٖ
مِّنۡ عِلۡمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَۚ وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفۡظُهُمَاۚ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ
ٱلۡعَظِيمُ ٢٥٥

اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود کو برقرار رکھنے والا ہے۔ نہ اسے" غنودگی آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو ان کے بعد ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جو وہ چاہے۔ اس کے قدموں کی چوکی آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اور ان کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں ہے۔ اور وہ سب سے بلند اور عظیم ہے۔

اسلام انسانوں کو سکھاتا ہے کہ ان کو ہر حال میں جس کی اطاعت کرنی چاہیے وہ ان کا خالق اور پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 255:

"... اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں "

درحقیقت، جو کوئی اطاعت کرتا ہے اور اپنی زندگی کا نمونہ بناتا ہے وہ وہی ہے جس کی وہ پوجا کرتا ہے، چاہے وہ کسی دیوتا کو نہ ماننے کا دعویٰ کرے۔ انسانوں کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ کسی چیز کی اطاعت اور پیروی کریں۔ چاہے یہ کچھ دوسرے لوگ ہوں، سوشل میڈیا، فیشن، ثقافت یا حتیٰ کہ ان کی اپنی خواہشات۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

کوئی شخص جس کی بھی اطاعت کرتا ہے اور جس کی پیروی کرتا ہے وہ وہی ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے زبانی اعلان ایمان کی حمایت عمل کے ساتھ کریں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے دیگر تمام چیزوں پر عمل کریں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے رحمن کی طرف سے ذہنی سکون اور کامیابی عطا ہوگی۔ باب 2 البقرہ، آیت 163:

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود [عبادت کے لائق] نہیں ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

:باب 16 النحل، آیت 97 اور

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی"
" "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے اور اس کے بجائے دوسری چیزوں کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے وہ اس رحمت سے محروم رہے گا جو دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہے، خواہ اس کے پاس پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو اور لمحات کا تجربہ ہو۔ تفریح اور تفریح، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اختیار سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ باب 9 توبہ آیت
82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت"
کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

"... اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود کو قائم رکھنے والا "

جب کوئی آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لاتعداد بالکل متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کو بنانے اور برقرار رکھنے والا صرف ایک ہی ہے۔ مثال کے طور پر، سورج کا زمین سے کامل فاصلہ ایک واضح علامت ہے، کیونکہ اگر سورج اس سے تھوڑا قریب یا اس سے زیادہ دور ہو تو زمین قابل رہائش نہیں ہوگی۔ اسی طرح زمین کو اس طرح بنایا گیا ہے جو ایک متوازن اور پاکیزہ ماحول بناتا ہے جس سے اس پر زندگی کی نشوونما ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 164:

‘‘...اور رات اور دن کا ردوبدل ’’

دن اور رات کے بہترین اوقات اور سال بھر میں ان کی مختلف لمبائی لوگوں کو ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتی ہے۔ اگر دن لمبے ہوتے تو لوگ طویل گھنٹوں سے تھک جاتے۔ اگر راتیں لمبی ہوتیں تو لوگوں کے پاس اتنا وقت نہ ہوتا کہ وہ اپنی روزی کما سکیں اور دوسری مفید چیزیں مثلاً علم۔ اگر راتیں کم ہوتیں تو لوگ زیادہ سے زیادہ صحت حاصل کرنے کے لیے کافی آرام نہیں کر پاتے۔ دن اور رات کی لمبائی میں تبدیلی سے فصلوں پر بھی اثر پڑے گا جس سے انسانوں اور جانوروں کے رزق پر نقصان دہ اثر پڑے گا۔ یہ حقیقت کہ کائنات کے اندر دن اور راتیں اور

دوسرے متوازن نظام کامل ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے ہیں، یہ بھی واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ متعدد خدا مختلف چیزوں کی خواہش کرتے ہیں، جو کائنات کے اندر افراتفری کا باعث بنتی ہیں۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

"اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 164:

"اور وہ [عظیم] بحری جہاز جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اور جو اللہ نے آسمان سے بارش نازل کی ہے۔"

جب کوئی بالکل متوازن پانی کے چکر کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتا ہے۔ سمندر سے پانی بخارات بن کر اٹھتا ہے اور پھر گاڑھا ہو کر تیزابی بارش پیدا کرتا ہے جو پہاڑوں پر گرتی ہے۔ یہ پہاڑ تیزابی بارش کو بے اثر کرتے ہیں تاکہ لوگ اور جانور اس سے استفادہ کر سکیں۔ اگر اس بالکل متوازن نظام میں کوئی تبدیلی ہوئی تو یہ زمین پر انسانوں اور جانوروں کے لیے تباہی کا باعث بنے گی۔ سمندر کا نمک سمندر کے اندر موجود مردہ مخلوق کو آلودہ ہونے سے روکتا ہے۔ اگر سمندر کو آلودہ ہونے دیا جائے تو سمندری زندگی ممکن نہیں رہے گی اور سمندروں کی نجاست خشکی پر بھی زندگی پر حاوی ہو جائے گی۔ سمندروں اور سمندروں کے اندر پانی کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ سمندری زندگی اس کے اندر پھل پھول سکتی ہے جبکہ اس کے اوپر بھاری بحری جہاز چل سکتے ہیں۔ اگر پانی کی ساخت قدرے مختلف ہوتی تو عدم توازن پیدا ہوتا جس کی وجہ سے یا تو سمندری حیات پانی کے اندر پنپتی یا اس کے اوپر بحری جہازوں کو چلنے دیتی لیکن دونوں ایک ہی وقت میں ممکن نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ آج تک، سمندر کے ذریعے نقل و حمل دنیا بھر میں سامان کی نقل و حمل کی سب سے زیادہ استعمال شدہ شکل ہے۔ یہ کامل توازن اس لیے زمین پر زندگی کے لیے ضروری ہے۔

ارتقاء اتپریورتن کی ایک شکل ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نامکمل ہے۔ لیکن جب کوئی ان گنت انواع کا مشاہدہ کرے گا تو وہ پائیں گے کہ انہیں بالکل متوازن طریقے سے تخلیق کیا گیا ہے تاکہ وہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس میں پھل پھول سکیں۔ مثال کے طور پر، اونٹ کو زیادہ درجہ حرارت کو برداشت کرنے اور طویل عرصے تک چلنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ پانی پینے کی ضرورت کے بغیر .وہ بالکل صحرائی زندگی کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ باب 88 الغاشیہ، آیت 17:

‘‘پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟’’

بکری کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا تھا کہ اس کے جسم کے اندر موجود نجاست اس سے پیدا ہونے والے دودھ سے بالکل الگ ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے دودھ پینے کے قابل نہیں ہو گا۔ باب 16 النحل، آیت 66:

اور درحقیقت تمہارے لیے مویشی چرانے میں عبرت ہے۔ ہم آپ کو ان کے پیٹوں میں سے پیتے ہیں’’ "اخراج اور خون کے درمیان - خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہے۔ -

ہر پرجاتی کو ایک مخصوص زندگی کا دورانیہ دیا گیا ہے جو ایک پرجاتیوں کو دوسروں پر قابو پانے سے روکتا ہے۔ مثال کے طور پر، مکھیوں کی زندگی بہت کم ہوتی ہے، 3-4 ہفتے، اور 500 تک انڈے دیتی ہیں۔ اگر اس کی عمر طویل ہوتی تو مکھیوں کی آبادی غیر متناسب ہو جاتی اور وہ اس دنیا کی دیگر تمام انواع کو مغلوب کر دیتی۔ جبکہ دوسری مخلوقات جن کی عمر بہت طویل ہوتی ہے ان میں صرف چند اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ایک بار پھر یہ ان کی آبادی کو معتدل کرنے

کی اجازت دیتا ہے۔ یہ سب کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ارتقاء کا عمل اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 164:

"...اور آسمان اور زمین کے درمیان ہواؤں اور بادلوں کا کنٹرول ..."

ہوا کی آلودگی کے لیے ہوائیں ضروری ہیں، جو فصلوں، پودوں اور درختوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ پہلے دنوں میں سمندری سفر کے لیے ہوا ضروری تھی، جو آج تک دنیا بھر میں سامان کی نقل و حمل کا اہم ذریعہ ہے۔ تخلیق کے لیے پانی مہیا کرنے کے لیے بارش کے بادلوں کو مخصوص جگہوں پر منتقل کرنے کے لیے ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہواؤں کا ایک بالکل متوازن نظام زمین کے اندر پایا جاتا ہے، کیونکہ ہواؤں کی کمی تخلیق کے لیے انتشار کا باعث بنتی ہے اور ہواؤں کا بڑھنا بھی تخلیق کے لیے انتشار کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح بارش بھی بالکل متوازن ہے، کیونکہ بہت کم بارش خشک سالی اور قحط کا باعث بنتی ہے اور بہت زیادہ بارش بڑے پیمانے پر سیلاب کا باعث بنتی ہے۔ باب 23 المومنون، آیت 18:

"اور ہم نے آسمان سے ایک مقدار میں بارش برسائی اور اسے زمین میں ٹھہرایا۔ اور بے شک ہم اس کو دور کرنے پر قادر ہیں۔"

یہ بالکل متوازن نظام بے ترتیب نہیں ہو سکتا اور واضح طور پر خالق کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ ان تمام متوازن نظاموں پر غور کرنے والا منطقی طور پر ایک خالق کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

"...اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود کو برقرار رکھنے والا "

درحقیقت، جو موت کا تجربہ کر سکتا ہے اور کسی چیز یا کسی اور کے ذریعے برقرار ہے وہ دیوتا نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان کے اندر موجود ہر ہستی کے لیے الوہیت کو مسترد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو اکیلے پیدا کیا اور مخلوق کو برقرار رکھا، وہی اطاعت کے لائق ہے۔ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص کے رزق کے کچھ پہلوؤں کا خیال رکھتا ہے، جیسے کہ ان کی رہائش، شکر گزار ہونے کے لائق ہے ۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر نعمت لوگوں کو عطا فرمائی ہے صرف یہی حق اور انصاف ہے کہ لوگ اس کا شکر ادا کریں۔ کسی کی نیت کے ساتھ شکرگزاری میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کام کرنا شامل ہے۔ جو شخص کسی اور وجہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ آدمی لوگوں سے کسی قدر یا معاوضے کی امید نہ رکھے اور نہ ہی اس کی امید رکھے۔ زبان سے شکر گزاری میں شامل ہے کہ وہ بولنا جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال کے ساتھ شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے برکتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور بالآخر دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔
باب 14 ابراہیم، آیت 7:

’’...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا‘‘

باب 16 النحل، آیت 97 اور:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

مزید برآں، جب کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے تو اس کے لیے اس چیز کا استعمال کرنا درست اور معمول سمجھا جاتا ہے جو وہ چاہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے اندر موجود ہر چیز کا مالک ہے، جس میں انسان بھی شامل ہیں، اس کا مالک ہے، اس لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کائنات میں کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں۔ لہٰذا، ایک شخص کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا مناسب ہے، کیونکہ وہ اکیلا ان سمیت پوری کائنات کا مالک ہے۔

اسی طرح جب کوئی اپنی کوئی چیز دوسرے کو قرض دیتا ہے تو یہ جائز ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت کو قرض کے طور پر عطا اس فرمایا۔ اس نے اسے بطور تحفہ نہیں دیا۔ دنیاوی قرضوں کی طرح یہ قرض بھی چکانا چاہیے۔ قرض کی ادائیگی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال ان طریقوں سے کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ دوسری طرف چونکہ جنت کی نعمتیں ایک تحفہ ہیں اس لیے لوگ ان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں آزاد ہوں گے۔ باب 7 الاعراف، آیت 43:

اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو" "تم کرتے تھے۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ دنیوی نعمتوں کو جو جنت کے تحفوں کے ساتھ قرض کی حیثیت رکھتا ہے، میں خلط ملط نہ کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

"اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے "

عام طور پر، حقیقت یہ ہے کہ اللہ، بلند، ہمیشہ زندہ ہے، ان کی اپنی موت کی یاد دلانا چاہئے .چونکہ اس دنیا میں ہر ایک کا وقت محدود ہے اس کے اندر اپنا مقصد پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔ اس مقصد میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔
باب 67 الملک، آیت 2:

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے‘‘۔ ’’

جو شخص اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرکے اپنی زندگی کو استعمال کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ایک بے مقصد اور بے مقصد وجود کی قیادت کرے گا، چاہے وہ دنیاوی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ نتیجے کے طور پر، وہ کبھی بھی ذہنی سکون نہیں پا سکیں گے، چاہے ان کے پاس تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ جس طرح ایک ایجاد جو اپنی تخلیق کے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے اسے ناکامی قرار دیا جاتا ہے، خواہ اس میں کچھ خوبیاں ہوں، اسی طرح وہ شخص جو اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے، خواہ وہ کچھ دنیوی کامیابی حاصل کر لے۔ اس ناکامی کا تجربہ ایک خالی پن کے طور پر ہوتا ہے جسے تمام لوگ اپنی زندگی میں جلد یا بدیر محسوس کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

"...اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود کو برقرار رکھنے والا "

عام طور پر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قائم و دائم ہے اور مخلوق کو برقرار رکھتا ہے، اس لیے انسان کو اس سے تمام اچھی دنیاوی اور دینی چیزیں تلاش کرنی چاہئیں۔ یہ صرف اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، چونکہ لوگ انتہائی کم نظر ہوتے ہیں اور بہت کم علم رکھتے ہیں، اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ سے عمومی دنیاوی بھلائیاں طلب کرنی چاہئیں، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے یا نہیں۔ کسی کی زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں وہ صرف اس کے لیے کچھ چاہتے تھے جو ان کے لیے تناؤ کا باعث بنے۔ اور جب وہ کسی چیز کو صرف اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ وہ ان کے لیے خیر کا باعث بن جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مخصوص چیزیں مانگنے کے بجائے عمومی اچھی چیزیں مانگنے پر قائم رہنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس’’ کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اس کے علاوہ، انسان کو اللہ تعالیٰ کی خود کو برقرار رکھنے والی الٰہی صفت پر اپنی پیدا کردہ صلاحیت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس میں مخلوق سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرنا اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا شامل ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی سست رویہ اختیار کرنے سے گریز کرتا ہے جس کے تحت وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے عطا کردہ وسائل جیسے کہ ان کی جسمانی طاقت کو استعمال کرنے کے بجائے لوگوں پر انحصار کرتا ہے ۔ صرف اس صورت میں جب کوئی اپنے وسائل ختم کر دے تو اسے دوسروں سے مدد مانگنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

" اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود کو برقرار رکھنے والا ہے۔ نہ اسے غنودگی آتی ہے نہ نیند...

یہ آیت ایک اور انتہائی اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جسے اکثر مسلمان غلط سمجھتے ہیں۔ غیر مسلم جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اکثر انسانی کمیوں کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسے کہ تھک جانا۔ نتیجتاً، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دنیاوی بادشاہ جیسا سلوک کیا۔ ایک دنیاوی بادشاہ اپنی سلطنت کے معاملات خود نہیں چلا سکتا اور اس لیے مدد کرنے والے مقرر کرتا ہے، جیسے کہ گورنر، اس کی بادشاہت کے انتظام میں مدد کرنے کے لیے۔ اس عقیدے کے نتیجے میں ان میں سے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دوسری چیزوں کی عبادت کرنے لگے جیسے بتوں کی ۔ باب 39 از زمر، آیت 3:

”اور جو لوگ اس کے سوا کارساز بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔“

یہی تصور بعض مسلمانوں نے بھی اپنایا ہے۔ یہ مسلمان ایسے روحانی لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے وقت، توانائی اور دولت صرف کرتے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایک خاص طریقے سے ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک گورنر بادشاہ سے ایک خاص طریقے سے جڑا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد روحانی ہستی کو خوش کرنا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی طرف سے شفاعت کر سکیں، جس طرح ایک گورنر کسی ایسے شخص کی طرف سے بادشاہ کی شفاعت کر سکتا ہے جو گورنر کو خوش کرتا ہو، تحائف اور احترام اور محبت کے غیر فطری مظاہروں کے ساتھ۔ یہ روحانی لوگ عام لوگوں اور اللہ عزوجل کے درمیان دروازے کے رکھوالے کے طور پر کام کرتے ہیں جو کہ اسلام کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے دربانوں کی طرح کام نہیں کیا۔ انہوں نے اس کے بجائے

وہ راستہ اور طریقہ دکھایا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے اور لوگوں سے کبھی بھی کسی قسم کی ادائیگی مثلاً تحائف کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایک قابل استاد سے اسلامی علم سیکھے اور انہیں وہ احترام دکھائے جس کے وہ حقدار ہیں لیکن انہیں اس بات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے کہ انہیں ایسے لوگوں کی عبادت کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اسے خوش کرنے کے لیے روحانی دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی مزید تائید زیر بحث مرکزی آیت سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 255:

"...اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین پر ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے۔''

اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات پر مکمل کنٹرول اور اختیار رکھتا ہے اور اس کے اندر موجود ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس لیے اسے اپنے اور لوگوں کے درمیان دربانوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو قرآن پاک میں واضح کر دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 186:

''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہی ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے..."

اور باب 40 غافر، آیت 60:

''اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

:باب 2 البقرہ، آیت 255

‘‘کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے؟ ’’

،اس کے علاوہ، اگرچہ شفاعت قیامت کے دن ہو گی، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد، کوئی بھی کم نہیں انسان کو اس کے تصور کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے، ورنہ وہ اس سے انکار کر سکتا ہے۔ شفاعت کا مذاق اڑانے میں ایک سست رویہ اپنانا شامل ہے جس کے تحت ایک شخص ان نعمتوں کو استعمال کرنے میں ناکام رہتا ہے جو اسے اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں اور پھر بھی یہ توقع رکھتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی اور اسے بچا لے، جیسے کہ کوئی رشتہ دار یا روحانی استاد۔ اگر شفاعت قبول ،بھی ہو جائے تو ان کی سست روی کی وجہ سے وہ انہیں جہنم میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی خواہ ان کی سزا میں کمی کر دی جائے۔ اور یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ اس لیے شفاعت کے تصور میں حقیقی امید رکھنی چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اور پھر قیامت کے دن لوگوں سے شفاعت کی امید رکھنا شامل ہے۔ انسان جو بھی رویہ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں، قول و فعل سے پوری طرح باخبر ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہوگا۔ باب 2 :البقرہ، آیت 255

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا، اور وہ اس کے علم میں سے’’ ‘‘کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جو وہ چاہے۔

چونکہ کسی کو تمام علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے عطا نہیں کیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا صحیح استعمال کریں۔ علم کا صحیح استعمال ان کے لیے اور دونوں جہانوں میں دوسروں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔ جبکہ جو شخص علم بالخصوص دینی علم کو دنیاوی فائدے مثلاً قیادت اور مال و دولت کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے اسے یہ چیزیں دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث پائیں گی۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے 253 دینی علم حاصل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

’’وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جو وہ چاہے۔‘‘

اس کے علاوہ، یہ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، اور غلطیوں سے پاک ہے، اس لیے وہ اکیلا ہی انسانوں کو کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو امن کی طرف لے جاتا ہے۔ دماغ اور دونوں جہانوں میں کامیابی۔ وہ اکیلا ہی بنی نوع انسان کو سکھا سکتا ہے کہ کس طرح ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح جگہ پر رکھنا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ لوگوں کی طرف سے حاصل کردہ علم اور تجربہ سے قطع نظر، وہ اس اہم مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے علم کے مطابق لوگوں سے مشورہ لیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت نصیحت اور علم کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکے، خواہ وہ کیوں نہ ہو۔ ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دماغ اور جسم کے سکون کے حصول کے لیے ادا کرنے کی ایک چھوٹی سی قیمت ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص اچھی جسمانی صحت کے حصول کے لیے اپنی خوراک کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ زندگی اس کے لیے ایک تاریک قید خانہ بن جاتی ہے جو اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔

آیت 255 کا اختتام ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے مکمل اختیار اور کنٹرول کا ذکر کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 255:

"...اس کے قدموں کی چوکی آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اور ان کی حفاظت اسے نہیں تھکاتی۔ اور وہ سب سے بلند اور عظیم ہے۔

Footstool کے بارے میں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر ایمان لانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر قدرت اور علم کی قدر کرنا چاہیے۔ عام طور پر، کسی کو دینی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اسلامی تاریخ کے مخصوص واقعات، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

اس کے قدموں کی چوکی آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اور ان کی حفاظت اسے نہیں..."
تھکاتی۔ اور وہ سب سے بلند اور عظیم ہے۔

اس کے علاوہ، کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر یقین کرنے کے لیے بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہیے، وہ اس بات سے واقف نہیں ہے کہ کائنات کے اندر کیا ہوتا ہے یا وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے لیے ،جوابدہ ٹھہرانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کسی کے اعمال کے نتائج جیسے سزا، فوری طور پر یا اس طرح سے ظاہر نہیں ہوتا ہے جو ان پر واضح ہو۔ زیادہ تر معاملات میں، تمام لوگ اپنے اعمال کے نتائج کو باریک طریقے سے محسوس کرتے ہیں جس سے وہ دنیاوی چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حاصل ہوتی ہیں، ان کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں اور وہ اس دنیا کی آسائشوں تک رسائی کے باوجود کس طرح ذہنی صحت کے مسائل میں مبتلا ہیں ۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنے طرز عمل کو بہتر بنا سکیں۔ لہٰذا، کسی شخص کو سزا میں تاخیر کو بغیر سزا کے الجھانا نہیں چاہیے۔ باب 68 القلم، آیت 45:

"اور میں انہیں وقت دوں گا۔ بے شک، میرا منصوبہ پختہ ہے۔"

لہٰذا، ایک شخص کو چاہیے کہ وہ جو مہلت دی گئی ہے اس سے استفادہ کرے تاکہ اس کا وقت ختم ہونے سے پہلے خلوص دل سے توبہ کرے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرے۔ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 255:

"اور وہ سب سے بلند اور عظیم ہے۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چاہے کوئی سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے یا نہ کرے، اس کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کسی کے رویے کے اثرات دونوں جہانوں میں ہی پڑیں گے۔ باب 17 الاسراء، آیت 7:

"اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے بھلائی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو ان کے ساتھ کرو گے۔"

ہر شخص کو دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت غذا کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو کہ عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں جیسی تمام چیزوں کو جانتا ہے، وہ اکیلا ہی ایسا ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ

وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لیکن اگر کوئی اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ بھگتیں گے، خواہ وہ تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے اندر تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون ملے اور کون۔ نہیں کرتا باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

آخر میں، زیر بحث اصل آیت اس غلط فہمی کو دور کرتی ہے جو اکثر جاہل لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتی ہے، یعنی یہ غلط گمان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تھا، تاکہ ہر قسم کا اختلاف اور اختلاف ختم ہو جائے۔ غیر معینہ مدت تک جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قبول کیا ان میں انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کے بعد بھی لوگوں میں کافی تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ حق کے ساتھ باطل بھی موجود تھا۔ اس سے وہ اس بات پر یقین کرنے پر مجبور ہوئے کہ یہ حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے بسی کا اشارہ دے سکتی ہے، یعنی وہ ان برائیوں کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہے جو وہ چاہتا تھا۔ اس کا جواب اس سے پہلے کی ایک آیت میں دیا گیا تھا کہ یہ اللہ

تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی کہ تمام انسانوں کو ایک ہی راہ پر چلنے پر مجبور کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ راستے سے ہٹ نہیں سکتے تھے۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہو چکا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 253:

"اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل دیے اور ہم نے پاک روح]یعنی جبرائیل [سے ان کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد آنے والی نسلیں واضح دلیلیں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتی۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اور باب 2 البقرہ، آیت 256:

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے"

اس کے بعد یہ نکتہ پیش کیا جاتا ہے کہ زندگی میں کتنے ہی مختلف عقائد، نقطہ نظر، طرز زندگی اور طرز عمل موجود ہوں، کائنات کی ترتیب کی اصل حقیقت وہی ہے جو زیر بحث مرکزی آیت میں بیان کی گئی ہے اور یہ لوگوں کے غلط تصورات سے متاثر نہیں ہوتی۔ .

آخر میں یہ کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے مکمل کنٹرول اور اختیار میں ہے، انسان کے پاس اس کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جس طرح کسی شخص کو کسی خاص ملک کے انچارج حکومت کے مقرر کردہ اصولوں کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح اگر وہ مالک کائنات کے احکام کی تعمیل میں ناکام رہے تو اسے دونوں جہانوں میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک شخص کسی ملک کو چھوڑنے کے قابل ہو سکتا ہے اگر وہ اس کے قوانین

سے راضی نہ ہو لیکن وہ ایسی جگہ فرار نہیں ہو سکے گا جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام اور دائرہ اختیار کا اطلاق نہ ہو۔ ایک شخص اپنے معاشرے کے اصول بدل سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام کو کبھی نہیں بدل سکتا۔ اس کے علاوہ جس طرح ایک گھر کا مالک مکان کے احکام طے کرتا ہے، اگر دوسرے لوگ بھی ان اصولوں پر اعتراض کریں، اسی طرح یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اس لیے اس کائنات کے قوانین کا فیصلہ وہی کرتا ہے، لوگوں کو یہ اصول پسند ہیں یا نہیں۔ لہذا، ایک کو ان کے اپنے مفاد کے لئے، ان قوانین کی تعمیل کرنا ضروری ہے .جو شخص اس حقیقت کو سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی خوشنودی کے لیے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم ایک شخص یا تو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ممنوعات کے پیچھے موجود حکمتوں کو سیکھنے کی کوشش کر سکتا ہے، تاکہ وہ سمجھ سکے کہ ان سے ان کے اور وسیع تر معاشرے کو کس طرح فائدہ ہوتا ہے اور وہ کس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنتے ہیں یا وہ ان کی عبادت کر سکتے ہیں۔ خواہشات اور اسلام کی تعلیمات کا انکار۔ لیکن جو شخص اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو دونوں جہانوں میں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور کوئی اعتراض، احتجاج یا شکایت انہیں نہیں بچا سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز غالب نہیں کر سکتی۔ باب 18 الکہف، آیت 29:

اور کہہ دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لے گی۔ اور اگر وہ حاجت کے لیے پکاریں گے تو وہ پانی سے اس طرح راحت حاصل کریں گے جیسے گدلے تیل سے، جو]ان کے [چہروں کو جھلسا دیتا ہے۔ برا شراب ہے اور بری آرام گاہ ہے۔‘‘

باب 2 - البقرہ، آیات 256-257

لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّۚ فَمَن يَكۡفُرۡ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤۡمِنۢ بِٱللَّهِ
فَقَدِ ٱسۡتَمۡسَكَ بِٱلۡعُرۡوَةِ ٱلۡوُثۡقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَاۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٢٥٦

ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوۡلِيَآؤُهُمُ
ٱلطَّٰغُوتُ يُخۡرِجُونَهُم مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَٰتِۗ أُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا
خَٰلِدُونَ ٢٥٧

’’دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے۔ پس جو کوئی عبادت کی باطل چیزوں سے کفر کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس نے سب سے قابل اعتماد ہاتھ پکڑ لیا ہے جس میں کوئی توڑ نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے حلیف عبادت کی جھوٹی چیزیں ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ کے ساتھی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

جیسا کہ پچھلی آیت میں بحث کی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مکمل قدرت، کنٹرول اور اختیار رکھتا ہے، وہ کسی کو بھی ہدایت پر مجبور نہیں کرتا اور نہ ہی لوگوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسروں کو ایمان قبول کرنے یا عمل کرنے پر مجبور کریں۔ .باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔ ’’

لوگوں پر زبردستی رہنمائی کرنا اس دنیا کی زندگی کو بے مقصد بنا دے گا۔ اس دنیا میں زندگی کا نقطہ یہ ہے کہ لوگ اس آزادانہ خواہش کو استعمال کریں جو انہیں دی گئی ہے تاکہ وہ خود انتخاب کریں کہ زندگی کا کون سا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ ایمان قبول کرنا روحانی قلب کا معاملہ ہے، اس لیے ایک شخص دوسرے کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اس غلط عقیدے کو رد کرتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔

،اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیے گئے ہیں اس لیے کسی کو ایمان لانے پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے جو قبول کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا ۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے ’’

بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت لڑائی سے متعلق دیگر آیات سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ عقیدہ اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے ابہام پیدا کرتا ہے۔ بہتر پوزیشن یہ ہے کہ اسے منسوخ نہیں کیا گیا ہے اور اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔

جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اسلام ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کے دل سے قبول کرنا ضروری ہے نہ کہ صرف اس کے قول و فعل سے۔ چونکہ کسی شخص کے دل کا معاملہ پوشیدہ ہے اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ایک بے مقصد کوشش بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا ان لوگوں کی مذمت اور سخت تنقید کی ہے جو اپنی زبان سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن دلوں میں اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ اس کا نتیجہ ہو گا جو اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطہ اخلاق سے کبھی راضی نہیں ہوگا کیونکہ کھلے عام کفر کو منافقت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جہنم میں سب سے نچلا درجہ منافقین کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 145:

‘‘بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔’’

اس کے علاوہ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اسلامی ریاست میں رہ کر امن اور مکمل حقوق کے ساتھ رہ سکتے ہیں خواہ وہ ٹیکس ادا کر کے اسلام قبول نہ کریں۔ اگر مسلمانوں کو دوسروں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت دی جائے تو اس ٹیکس کو تجویز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 29:

’’ان لوگوں سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور جن کو کتاب دی گئی ہے ان میں سے دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ جزیہ دیتے ہیں..."

اس کے علاوہ، اگر آیت 256 کو منسوخ کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ واضح راستہ اب غلط راستے سے الگ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل اور مکمل نہیں ہوا، حالانکہ یہ تھا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 3:

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا‘‘۔

اور اگر واضح راستہ غلط راستے سے الگ نہیں رہا تو پھر کسی شخص کو زندگی میں غلط راستے کے انتخاب کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا جو کہ پورے قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق واضح طور پر ایسا نہیں ہے۔ یہ اور بہت سے دوسرے دلائل بتاتے ہیں کہ آیت 256 منسوخ نہیں ہوئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 256:

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے ’’

اس سے یہ احمقانہ عقیدہ بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جہالت کسی کو اس کے اعمال کے نتائج سے بچا لے گی۔ کچھ لوگ جان بوجھ کر اسلامی علم کا مطالعہ کرنے سے گریز کرتے ہیں تاکہ وہ جہالت کو بہانہ بنا کر اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے بچ سکیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح راستے کو غلط راستے سے الگ کر دیا ہے، اس لیے انسان کے لیے اسلامی علم سیکھنے اور زندگی میں صحیح راستے کا انتخاب کرنے سے بچنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں بچا۔ جس لمحے ایک شخص نے اسلام کو اپنا عقیدہ قبول کیا یہ ان کی ذمہ داری بن گئی کہ وہ اسلامی علم سیکھیں تاکہ وہ زندگی میں صحیح

راستے کا انتخاب کریں۔ یہ ایک ملازم کی ذمہ داری کے مترادف ہے جب اس نے نوکری قبول کی ہے تو وہ اپنا فرض ادا کرے۔ اس کے علاوہ، صحیح اور غلط کی تمیز انسانی فطرت میں پیوند کی گئی ہے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2389 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی اپنے بچوں کو برے کاموں سے بچنے کی تعلیم دیتے ہیں، حتیٰ کہ وہ برے کام جن کا دنیاوی اختیار میں کوئی نتیجہ نہیں ہوتا، جیسے کہ پولیس۔ .لہٰذا حق و باطل میں فرق کرنے کی اس فطری خصوصیت کی وجہ سے غیر مسلموں کے پاس بھی زندگی میں صحیح راستہ تلاش کرنے اور اسے قبول کرنے کے سوا کوئی بہانہ نہیں بچا جس سے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 256:

"...صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے... "

اس سے یہ سمجھنے کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ زندگی میں صحیح اور غلط راستے میں فرق کرنے کے لیے دنیاوی علم ہی کافی نہیں ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دنیاوی علم اور ذہانت ان کی زندگی میں صحیح راستے کی طرف رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ یہ راستہ صرف اسلامی علم کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے جو قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو اپنی ترجیح بنائے جس طرح وہ دنیاوی علم حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ رویہ والدین اور مسلم معاشرے کے بزرگوں کو بھی اگلی نسل تک پہنچانا چاہیے۔

مزید برآں، چونکہ یہ راہِ راست سیکھنے اور ہدایت کے دو ذرائع پر مشتمل ہے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، اس لیے دینی علم کے دیگر ذرائع پر عمل کرنے سے گریز کرنا ،چاہیے۔ اگر نیکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا

ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جس کے نتیجے میں وہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں، رد کر دی جائیں گی۔ اللہ عزوجل۔

باب 2 البقرہ، آیت 256:

"پس جو کوئی جھوٹی عبادت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے۔ ..."

یہ سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام ایک زرہ کی طرح نہیں ہے جسے کسی کی مرضی کے مطابق پہنا اور اتار دیا جائے۔ اسلام ایک طرز زندگی ہے جو ہر حالت اور سانس کو متاثر کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات کو اس وقت نافذ کیا جانا چاہیے جب کوئی ہر اس دنیاوی نعمت کے ساتھ تعامل کرے جو اسے عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا اس آیت کے مطابق جو شخص یہ انتخاب کرتا ہے کہ کب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے اور کب اس کی نافرمانی کرنی ہے، جھوٹی عبادتوں مثلاً سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر کو مان کر اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔ اعلیٰ ان آیات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس کے تحت وہ مستقل اور جان بوجھ کر یہ انتخاب کریں کہ کب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے اور کب اس کے اوپر دوسری چیزوں کی اطاعت کرنی ہے۔ .لہٰذا انسان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ وہ عملی طور پر اپنے زبانی اعلان ایمان کو ثابت کر سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

"... پس جو کوئی عبادت کی باطل چیزوں سے کفر کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس نے سب سے زیادہ بھروسہ مند ہاتھ پکڑ لیا ہے جس میں کوئی توڑ نہیں ہے..."

جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے جس میں لوگوں کی ذہنی اور جسمانی حالتیں بھی شامل ہیں، وہ اکیلا ہی ایسا کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہو۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کا علم اور نصیحت یہ بھی سکھائے گی کہ کس طرح ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھا جائے تاکہ اس سے ان کے ذہنی سکون میں اضافہ ہو۔ یہ علم کوئی دوسرا فراہم نہیں کر سکتا کیونکہ ان کا علم انتہائی محدود ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

‘‘اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔’’

لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اسے وہ ذہنی اور جسمانی مدد فراہم کی جائے گی جس کی انہیں ہر صورت حال پر قابو پانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ امن و سکون حاصل کریں۔ دماغ اور کامیابی دونوں جہانوں میں۔ باب 2 البقرہ، آیات 256-257:

"... پس جو کوئی عبادت کی جھوٹی چیزوں سے کفر کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس نے سب سے قابل اعتماد ہاتھ پکڑ لیا ہے جس میں کوئی توڑ نہیں ہے ۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے حلیف عبادت کی جھوٹی چیزیں ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں..."

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں ناکام رہتا ہے اسے یہ ذہنی اور جسمانی مدد نہیں دی جائے گی اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی زندگی میں مختلف حالات سے دوچار ہو جائیں گے۔ نتیجے کے طور پر، وہ اس دنیا میں یا آخرت میں ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ، یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ایک شخص ذہنی سکون صرف اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب وہ ایک مستحکم ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے۔ لیکن چونکہ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت جیسی جھوٹی عبادتیں کمزور اور غیر مستحکم چیزیں ہیں، اس لیے ان کی اطاعت کرنے والا کمزور اور غیر مستحکم ہو جائے گا۔ اس شخص کی خوشی، غم، محبت اور نفرت سب ان کمزور اور ہمیشہ بدلتی ہوئی چیزوں کے گرد گھومے گی۔ یہ انہیں ایک مستحکم اور متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جڑیں ایسے اصولوں پر ہیں جو مستحکم ، مستحکم اور لازوال ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان اصولوں کو اپنائے گا وہ اپنی ذہنی اور جسمانی حالتوں میں استحکام اور مضبوطی حاصل کرے گا۔ اس سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے معاشرے کے اندر کسی بااثر اور طاقتور شخص سے جوڑ لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ شخص اپنے معاشرہ کے اندر ان کے تعلقات کی وجہ سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ جب کہ جو اپنے معاشرے کے اندر کسی کمزور شخص کو جوڑتا ہے وہ کمزوری ہی حاصل کرے گا۔ یہ اس شخص کی حالت ہے جو عبادت کی جھوٹی چیزوں جیسے سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت سے لگاؤ رکھتا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 73:

"کمزور تعاقب کرنے والے اور تعاقب کرنے والے ہیں۔..."

یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان باتوں کو اندھا کرکے ماننے والوں کو دیکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کس طرح کمزور اور غیر متوازن ذہنی حالت اختیار کرتے ہیں۔ اس سے دماغی صحت کے بے شمار مسائل پیدا ہوتے ہیں، جیسے انتہائی تناؤ، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کے عروج اور اثر کے ساتھ معاشرے میں ذہنی صحت کے مسائل میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کا مقصد انسانوں کو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد کرنا ہے جبکہ اس مقصد میں وہ ان کی کامیابی یا ناکامی سے کچھ حاصل نہیں کرتا۔ جبکہ جھوٹی

عبادتوں کے رہنما، جیسے سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کے پیچھے لوگ، معاشرے پر دولت اور سماجی اثر و رسوخ جمع کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی کا خیال نہیں رکھتے۔ یہ بالکل واضح ہے جب کوئی ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے کیونکہ وہ ایسے اقدامات کرنے سے انکار کرتے ہیں جو عام لوگوں کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کے تحفظ میں معاون ہوں، جیسے کہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر حفاظتی خصوصیات میں اضافہ، کیونکہ اس سے دولت اور سماجی اثر و رسوخ میں کمی آئے گی۔ وہ حاصل کر سکتے ہیں .باب 2 البقرہ، آیت 257:

"اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے حلیف عبادت کی جھوٹی چیزیں ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں..."

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص صرف ذہنی سکون حاصل کرے گا، جو کہ روشنی کے اندر رہنے کے مترادف ہے، جب وہ سچا عقیدہ اختیار کرے گا۔ اس میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

’’تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

لہٰذا ان کے زبانی اعلانِ ایمان کی تائید عمل سے کرنی چاہیے، ورنہ وہ دونوں جہانوں میں مشکلات، تناؤ اور پریشانیوں کے اندھیروں میں ڈوبے رہیں گے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ جو لوگ کم سے کم ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

جو اس دنیا میں روشنی پر اندھیرے کو پسند کرتا ہے وہ جنت کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں جہنم کے اندھیروں میں رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اکیلے ہی کائنات کو پیدا کیا اور اس کا کنٹرول کیا ہے، اس لیے یہ نتیجہ ناگزیر اور ناگزیر ہے خواہ لوگوں کی رائے کچھ بھی ہو۔ باب 2 257 البقرہ، آیت:

اور جو کافر ہیں ان کے حلیف عبادت کی باطل چیزیں ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں "میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ کے ساتھی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لہٰذا انسان کو دونوں جہانوں میں اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کی خاطر اس دنیا میں روشنی کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ وہ آخرت میں جنت کے نور کی طرف لے جائے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، جس پر پہلے بحث کی گئی ہے، دونوں جہانوں میں روشنی سے بھرپور زندگی صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب وہ سچا عقیدہ اختیار کرے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اعمال کے ساتھ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرتے ہیں۔ ان اعمال میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ آیت 257 میں متنبہ کیا گیا ہے، جو شخص اپنے عقیدے کو درست کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اسے کھو سکتا ہے، جو دنیا اور آخرت میں اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا مر جاتا ہے اگر وہ سورج کی روشنی کی طرح پرورش حاصل نہ کر سکے، اسی طرح انسان کا ایمان بھی اس صورت میں مر جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 257:

" اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے حلیف عبادت کی جھوٹی چیزیں ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ کے ساتھی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

باب 2 – البقرہ، آیت 258

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِى حَآجَّ إِبْرَٰهِـۧمَ فِى رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّىَ ٱلَّذِى
يُحْىِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ
بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى كَفَرَ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

کیا تم نے اس شخص پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا’’ تھا کیونکہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا کہ میں زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکالو۔ تو کافر مغلوب ہو گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کا آغاز اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک خودغرض رویہ سے بچنے کی اہمیت ہے جس کے تحت انسان صرف اپنی زندگی اور خاص طور پر اپنے مسائل کے بارے میں سوچتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 258:

"تم نے غور نہیں کیا...؟"

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ عام تاریخ میں پائے جانے والے اسباق، اپنی ذاتی تاریخ اور اپنے اردگرد کے لوگوں کی حالت سے استفادہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ ان چیزوں سے سیکھنا ایک طاقتور ترین طریقہ ہے جس سے ایک شخص اپنے رویے کو بہتر بنا سکتا ہے اور تاریخ کو اپنے آپ کو دہرانے سے بچ سکتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ مثال کے طور پر جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ دولت مند اور مشہور لوگ ان کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ کس طرح تناؤ، ذہنی امراض، منشیات کی لت اور خودکشی کے رجحانات سے دوچار ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تفریح کے لمحات اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس دنیا کے، دیکھنے والے کو سکھائیں گے کہ ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرکے ان کے نقش قدم پر نہ چلیں اور انہیں یقین دلایا جائے گا کہ ذہنی سکون جھوٹ نہیں بولتا۔ بہت سی دنیاوی چیزوں کے مالک ہونے میں۔ یا جب کوئی شخص کسی بیمار شخص کو دیکھتا ہے، تو اسے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ اپنی اچھی صحت کے لیے شکرگزار ہوں اور اس سے پہلے کہ وہ اسے بھی کھو بیٹھیں، اس کا صحیح استعمال کریں۔ لہٰذا اسلام مسلمانوں کو باقاعدگی سے ایسے لوگوں کی بجائے مشاہدہ کرنے والے افراد بننے کی ترغیب دیتا ہے جو اپنے معاملات میں ایسے مگن رہتے ہیں کہ وہ کسی اور چیز پر توجہ نہ دیں۔ باب 47 محمد، آیت 10:

"کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی اور دیکھا کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیسا ہوا؟"

اللہ تعالیٰ، ایک متکبرانہ ذہنیت سے بچنے کی اہمیت سکھاتا ہے جو اکثر ان کے معاشرے میں سماجی اثر و رسوخ اور طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 258:

’’کیا تم نے اس شخص پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اس لیے کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی؟‘‘

مکہ کے غیر مسلم جو جزیرہ نمائے عرب کے رہنما سمجھے جاتے تھے اور اہل کتاب کے علماء مدینہ میں اپنی قیادت سے محبت کی وجہ سے اسلام کی دعوت کو رد کرنے کی اجازت دے رہے مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی تھے، حالانکہ دونوں نے اس کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے اعلان سے 40 سال پہلے تک جانتے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ امانت دار اور دیانت دار ہیں۔ وہ عربی زبان کے ماہر تھے اور پوری طرح جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق سے نہیں آیا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اور اہل کتاب میں سے علماء نے قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا جیسا کہ ان دونوں کو اپنے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کے علماء نے قرآن پاک کو اس لیے پہچانا کہ وہ اس کے مصنف، اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [اپنے] بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو" جانتے ہیں"۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تاریخی واقعات اور مفید اسباق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ ان پڑھ تھے اور انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جسے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں ہی سمجھتے تھے۔ - مکہ کے مسلمان بخوبی جانتے تھے، آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی واضح نشانی تھی۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ کسی بھی دنیوی چیز جیسے کہ دولت اور قیادت کو حق کو قبول کرنے سے باز نہ آنے دے کیونکہ اسی سے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایک شخص کو کھلے ذہن کے ساتھ ہر صورت حال سے رجوع کرنا چاہئے اور اپنے پہلے سے طے شدہ انتخاب کے بجائے واضح ثبوت کی بنیاد پر کسی چیز کو قبول یا مسترد کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو یہ جان لینا چاہیے کہ دولت اور قیادت جیسی جو بھی نعمت انہیں عطا کی گئی ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اسے صحیح طریقے سے استعمال کر سکیں۔ اس سے معاشرے میں انصاف اور ذہنی سکون پھیلے گا۔ لیکن جو شخص عطا کردہ چیزوں پر تکبر اختیار کرتا ہے وہ ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہے گا اور نتیجتاً یہ دنیاوی چیزیں اس کے لیے اور دونوں جہانوں میں دوسروں کے لیے پریشانی، پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جائیں گی۔ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات بالکل واضح

ہوتی ہے اور اس دور کے لوگوں کو جو دنیاوی نعمتوں مثلاً دولت اور قیادت کا غلط استعمال کرتے ہیں، انہیں عطا کیا گیا ہے۔ باب 23 المومنون، آیات 55-56:

"کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں سے جو کچھ دیتے ہیں؟ کیا ہم ان کے لیے اچھی چیزوں میں جلدی کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 258:

جب ابراہیم نے کہا، "میرا رب وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے، تو اس نے کہا، میں زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں"...

نمرود نے جان بوجھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد کی غلط تشریح کرکے ان کی گفتگو سننے والے لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تخلیق کی ابتداء، معنی، زندگی اور موت کے خالق و منبع کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ نمرود نے صرف ان دونوں عملوں کے ظاہری ظہور کی طرف اشارہ کیا حالانکہ وہ اس بات سے واقف تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں عملوں کی پیدائشی ابتداء کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ یعنی ان دونوں عملوں کا ظاہری مظہر کوئی خاص نہیں ہے۔ ظاہری طور پر ڈاکٹر بھی دوا کے ذریعے بیمار کو شفا دے کر زندگی دے سکتے ہیں۔ ظاہری طور پر، ایک قاتل موت دیتا ہے. پس نمرود نے زندگی اور موت کے ظاہری ظہور کو اپنی طرف منسوب کرنا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس نے ایسا صرف اس لیے کیا کہ ان کی گفتگو سننے والے لوگوں کو الجھایا جائے۔ غلط بیانی کرنے اور چیزوں کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹ کر لے جانے کا یہ رویہ ہمیشہ سے ان لوگوں کا وطیرہ رہا ہے جو سچ کو قبول کرنے کو ناپسند کرتے ہیں، جیسے کہ سیاستدان۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث بنے گا، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

اس کے بجائے ایک سیدھا اور سیدھا رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ چیزوں کی صحیح تشریح کرے اور چیزوں کو اپنے سیاق و سباق سے ہٹ کر نہ لے۔ یہ انہیں مذہبی اور دنیاوی دونوں صورتوں میں سچائی سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے گا تاکہ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد دے، چاہے یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس طرح کا برتاؤ دراصل عقیدہ کی ایک خصوصیت ہے اور اس لیے اسے ہر اس شخص کو اختیار کرنا چاہیے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 70:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور انصاف کی بات کہو۔’’

جیسا کہ نمرود نے زندگی اور موت کے منبع کا ذکر کرنے سے گریز کیا اور زندگی اور موت کے ظاہری مظہر پر بحث کر کے سننے والوں کو الجھانے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ،نے ظاہری مظہر پر بحث کر کے اپنی ذہنیت کو اس کے خلاف استعمال کیا۔ سورج کی باب 2 البقرہ آیت 258:

ابراہیم نے کہا، "بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکالو"۔ تو کافر" ‘‘مغلوب ہو گیا]حیرت سے[۔

درحقیقت نمرود نے بھی سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچ کہہ رہے ہیں۔ اگر وہ واقعی یہ مانتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے نہیں ہیں تو وہ ان سے صرف یہ مطالبہ کر سکتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی نبوت ثابت کرنے کے لیے سورج کو مغرب سے طلوع کرنے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ نمرود نے اس کی درخواست نہیں کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ معجزہ اس کی قوم پر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے ، جس کے تحت وہ صریح حق کو اس لیے رد کرتا ہے کہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، وہ صحیح رہنمائی حاصل نہیں کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 258:

’’اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

ہر حالت میں کامیابی کے ساتھ سفر کرنے کے لیے صحیح رہنمائی بہت ضروری ہے تاکہ کوئی زندگی میں صحیح انتخاب کرے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ جس طرح جسمانی طور پر کھو جانے والا شخص صرف تناؤ، اضطراب اور یہاں تک کہ خوف کا سامنا کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اپنی روزمرہ کی زندگی میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔ لہٰذا، ظالم، جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے پر اصرار کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، وہ تناؤ اور پریشانی کی زندگی گزارے گا، خواہ وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام باب کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔
یوسف، آیت 108 12:

کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو"
میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 258:

‘‘اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 258:

"کیا تم نے اس شخص پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا کیونکہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا کہ میں زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکالو۔ تو کافر مغلوب ہو گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام لوگوں میں شرک کی بنیاد آسمانی اجسام اور/یا جاندار چیزوں جیسے انسانوں کی عبادت پر واپس جاتی ہے۔ ان جانداروں کو آخرکار بتوں کے طور پر پیش کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے پیش کردہ ثبوت کے دو نکات دوسرے خداؤں کے جھوٹ کو نمایاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی زندگی اور موت دیتا ہے اور ایک ایسی مخلوق جو آخر کار مر جائے گی اسے زندگی یا موت کے دوران الٰہی نہیں سمجھا جا سکتا۔ لہٰذا اس جاندار کا ایک قادر مطلق رب ہے جو سب کو کنٹرول کرتا ہے اور وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اس نے بتوں کی پوجا کرنے کا تصور ختم کر دیا جو جانداروں کی نمائندگی کرتے تھے، جیسے کہ لوگ۔ اس کے علاوہ، آسمانی اجسام، سورج ان میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقتور ہے، کا بھی ایک رب ہے اور وہ سب اسی کے زیر کنٹرول ہیں۔ ان کا اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہے اور یہ ان کا رب اور خالق ہے جو ان کو کنٹرول کرتا ہے، جیسے سورج کو مشرق سے طلوع کرنا۔ پس آسمانی اجسام عبادت کے لائق نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ پس عبادت اور اطاعت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

باب 2 - البقرہ، آیت 259

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ
اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ
عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا اس شخص کی طرح جو کسی بستی کے پاس سے گزرا جو تباہ ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ" تعالیٰ اسے اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ پس اللہ نے اسے سو سال تک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے اسے زندہ کیا۔ اس نے کہا تم کب تک رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہ گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ تم سو سال رہے، اپنے کھانے پینے کو دیکھو، وقت کے ساتھ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اور اپنے گدھے کو دیکھو، ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشان عبرت بنا دیں گے۔]اس گدھے کا [- ہم انہیں کیسے اٹھاتے ہیں اور پھر گوشت سے ڈھانپ دیتے ہیں۔ "اور جب اس پر واضح ہو گیا تو اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اگر اس شخص کی شناخت اس آیت کے اسباق سے متعلق ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا نام ضرور ذکر فرماتے۔ باب 2 البقرہ، آیت 259:

"...یا جیسے جو کسی بستی کے پاس سے گزرا ہو "

لہٰذا کسی کو دینی علم کے اندر ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو ان کی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں کرے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اس آیت میں انسان کے نام پر بحث کی گئی ہے، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 259:

" یا اس شخص کی طرح جو کسی بستی کے پاس سے گزرا جو تباہ ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟

یہ سوال ضروری نہیں کہ شک میں جڑا ہوا ہو اور یہ محض ایک لمحہ فکریہ تھا جس پر آدمی پہلے سے یقین رکھتا تھا۔ اس کی ایک مثال اگلی آیت میں مذکور ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 260:

جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن]میں پوچھتا ہوں [صرف اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو۔

لہٰذا زیر بحث اہم آیت ان چیزوں پر غور کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو انسان کے ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی ہیں، جیسے کہ تاریخ اور دوسرے لوگوں کی زندگی، تاکہ وہ مضبوط ایمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کو تاریخ کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ کس طرح جن لوگوں کو بڑی طاقت اور دولت عطا کی گئی تھی جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے تو کس طرح تباہ ہو گئے اور ان کی چند نشانیوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، جیسا کہ مصر کی سلطنت۔ یہ عکاسی کسی کو حوصلہ دے گی کہ وہ ان جیسی غلطیاں کرنے سے گریز کرے اور اس کے بجائے ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے۔ اس کے علاوہ، وہ دنیاوی سلطنت بنانے میں اپنی کوششیں ضائع نہیں کریں گے، جیسا کہ تاریخ صاف بتاتی ہے، دنیاوی سلطنتیں اکثر دنیا میں لوگوں کے لیے دباؤ کا باعث بنتی ہیں اور وہ آخرت میں لوگوں کی مدد نہیں کریں گی۔ باب 3 علی عمران، آیت 137:

’’اسی طرح کے حالات تم سے پہلے گزر چکے ہیں، لہٰذا تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا‘‘۔

اس زمانے کے لوگوں میں غور و فکر کرنا بھی ایمان کی مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔ جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے کہ دولت، اور یہ انہیں کس طرح تناؤ، ڈپریشن اور خودکشی کے رجحانات کی طرف لے جاتا ہے، خواہ وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں، تو وہ اس بات پر قائل ہو جائیں گے کہ ذہنی سکون حاصل کرنا جھوٹ نہیں ہے۔

دنیاوی آسائشوں میں اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنا۔ نتیجے کے طور پر، وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرے گا جو معاشرتی آزادی کا دعویٰ کرتے ہوئے تمام اخلاقیات کو ترک کر کے جانوروں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں اور یہ کس طرح ذہنی عارضے کا باعث بنتے ہیں، جیسے ڈپریشن ،اور مادہ کی زیادتی، تو انہیں حقیقی آزادی کا احساس ہو گا، جو ہمیشہ ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے پیروی میں جھوٹ نہیں بولتا۔ ان کی زندگی کا طریقہ .جب انسان مختلف شعبوں میں سائنسی تحقیق کی ترقی کا مشاہدہ کرے گا، جیسے کہ انسانوں کی جسمانی اور ذہنی حالت، تو وہ سمجھے گا کہ معاشرے کا علم کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، وہ کبھی بھی ایسا ضابطہ اخلاق تیار نہیں کر سکے گا جس کی وجہ سے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت، علم، تجربے، دور اندیشی اور تعصب کی کمی کی وجہ سے۔ دوسری طرف، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جانتا ہے اور صرف لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے نصیحت کرتا ہے، وہ اکیلا ہی کامل ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور وہ اکیلا ہی لوگوں کو سکھا سکتا ہے کہ کیسے کیسے کام کرنا ہے۔ ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح جگہ پر رکھیں تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کریں۔ یہ اس وقت واضح ہو جاتا ہے جب کوئی ان لوگوں پر غور کرتا ہے جنہوں نے زندگی میں صحیح راستے کا انتخاب کیا۔ آخر میں، جب کوئی کائنات کے اندر کامل اور لاتعداد متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے سورج کا زمین سے کامل فاصلہ، پانی کا چکر، سمندروں کی کثافت جو بحری جہازوں کو ان پر چلنے کی اجازت دیتی ہے جبکہ سمندری زندگی کو پھلنے پھولنے دیتا ہے۔ انہیں، اور بہت سے، وہ ایک خالق کے ہاتھ کا مشاہدہ کریں گے۔ بہت سارے بالکل متوازن نظام بے ترتیب واقعات کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ، اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں گے تو یہ افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ہر خدا کائنات کے اندر کچھ مختلف چاہتا ہے۔ یہ واضح طور پر معاملہ نہیں ہے اور اس وجہ سے ایک واحد باب 21 الانبیاء، آیت 22 .خدا، اللہ، بلند کی طرف اشارہ کرتا ہے:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

اس کے علاوہ، جب کوئی ان بالکل متوازن نظاموں اور دیگر کو آسمان و زمین کی تخلیق کے اندر دیکھے گا تو اسے ایک بڑی چیز نظر آئے گی جو متوازن نہیں ہے، یعنی لوگوں کے اعمال۔ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا پورا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا اور برے کام کرنے والے کو ان کی پوری سزا ،نہیں ملتی، خواہ انہیں حکومت کی طرف سے سزا دی جائے۔ یہ سمجھنا منطقی ہے کہ واحد خالق، اللہ برگزیدہ، جس نے اس کائنات کے اندر تمام دوسرے نظاموں کو متوازن کیا، ایک دن لوگوں کے اعمال

میں بھی توازن پیدا کرے گا، جو اس دنیا کی سب سے بڑی غیر متوازن چیز ہے۔ اعمال کے اس توازن کے لیے، لوگوں کے اعمال کو پہلے ختم ہونا چاہیے۔ یہ قیامت کا دن ہے جب لوگوں کے اعمال کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ اور توازن رکھا جائے گا۔ یہ افہام و تفہیم قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے کی ترغیب دے گی۔ اس تیاری میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔

اس لیے لوگوں کو اپنی زندگی اور تاریخ میں مختلف چیزوں پر غور کرنے کے لیے وقت نکالنا چاہیے تاکہ وہ اہم اسباق سیکھیں جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کے حتمی مقصد کو حاصل کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ باب 38 غم، آیت 29:

’’یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ وہ اس کی آیات پر غور کریں اور عقلمندوں کو نصیحت کی جائے‘‘۔

باب 2 البقرہ، آیت 259:

"یا]ایسی مثال پر غور کریں [جیسے وہ شخص جو کسی بستی کے پاس سے گزرا جو تباہی میں پڑ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ پس اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال تک مروا دیا۔ پھر اس نے اسے زندہ کیا۔ اس نے کہا تم کب تک رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہ گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا” :بلکہ تم سو سال رہے ہو...“

یہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے۔ انسان کی عمر، عقیدہ، نسل یا کچھ بھی ہو، ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ وقت بہت تیزی سے گزرتا ہے۔ وقت دنیا کی واحد نعمت ہے جو گزر جانے کے بعد واپس نہیں آتی۔ اس لیے وقت کی اس حقیقت کو سراہنا چاہیے اور اس وقت سے استفادہ کرنا چاہیے جو اسے دیا گیا ہے اس کے ختم ہونے سے پہلے۔ اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرکے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنا شامل ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کر سکیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے میں تاخیر کرتے ہیں اور اس کے بجائے ثانوی چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا اور ایک سلطنت جمع کرنا جس سے وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے سے مزید توجہ ہٹائیں گے۔ اگرچہ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیاوی چیزوں کا حصول شامل ہے، جیسے کہ دولت، تاکہ انسان اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، لیکن پھر بھی اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقت نکالنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں اپنے مقصد پر مرکوز رہے۔ .اسے مستقبل کی تاریخ تک موخر کرنا حماقت ہے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس دنیا میں ان کے پاس کتنا وقت ہے۔ اور جیسے جیسے زندگی تیزی سے گزرتی ہے، اگر وہ تاخیر پر اڑے رہیں تو ان کی موت آنے پر انہیں خالی ہاتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ ایک مسلمان کو ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسے وہ اس دنیا میں عارضی ورک ویزا پر آئے ہوں۔ جو شخص ورک ویزا پر ہے وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے لیکن ہمیشہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے اپنے مقصد کو ترجیح دیتا ہے تاکہ ان کا ویزا ختم ہونے سے پہلے اس کے ساتھ اپنے آبائی ملک واپس آ جائے، کیونکہ یہ ان کے ورک ویزا کا مقصد ہے۔ .اسی طرح اس دنیا میں انسان کا مقصد اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل کرنا اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنا ہے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی ہیں۔ جو اپنے وقت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہے گا وہ یہ پائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل نہیں کر پائیں گے اور نہ ہی وہ قیامت کے لیے مناسب تیاری کر سکیں گے۔ چونکہ یہ آخرت میں کوئی دوسرا موقع نہیں ہیں، اس لیے انسان کو چاہیے کہ اس دنیا میں اپنے مختصر وقت کو استعمال کرے، اس سے پہلے کہ وہ آخرت میں خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھر جائے۔

باب 2 البقرہ، آیت 259:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لیے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے اسے زندہ کیا۔ اس نے کہا تم کب تک رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہ گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ تم سو سال رہے، اپنے کھانے پینے کو دیکھو، وقت کے ساتھ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اور اپنے گدھے کو دیکھو، ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشان عبرت بنا دیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر نشانی کو سمجھنا اور اس کے مقصد کے مطابق ،عمل کرنا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے اندر بہت سی نشانیاں جن کا ایک خاص مقصد ہے جیسے کہ لوگوں کو قیامت کی یاد دلانا اور اس کے لیے عملی طور پر تیاری کرنا، اکثر اس کے مقصد کے مطابق نہیں سمجھی جاتیں اور نتیجتاً نشانیوں کے پیچھے جو سبق ملتا ہے، اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھنے میں ناکامی کی طرف قرآن پاک میں صحیح اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 18 الکہف، آیت 21:

اور اسی طرح ہم نے ان کو اس لیے پایا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی" شک نہیں۔)یہ وہ وقت تھا (جب انہوں نے اپنے معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا اور کہا کہ ان پر کوئی عمارت بنا لو، ان کا رب ان کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ اس معاملے میں غالب آنے والوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنا لیں گے۔

اس سے مراد غار کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں سال تک سوئے رکھا تاکہ لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کا اہم سبق سکھایا جائے اور ایسا کرنے سے حفاظت اور یاد کی اہمیت کا علم ہو۔ عملی طور پر قیامت کے دن کی تیاری۔ لیکن اس وقت کے لوگ اور ان کے بعد کے بہت سے لوگ ان نکات کو سمجھنے میں ناکام رہے اور غار کے لوگوں کو سیاحتی مقام میں تبدیل کر دیا جہاں ان کے مقبروں پر جا کر اور ان کی کہانی بیان کر کے ان سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح پورا قرآن کریم نشانیوں سے بھرا ہوا ہے جو مختلف حقائق کی نشاندہی کرتا ہے جو لوگوں کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن بہت سے مسلمانوں نے قرآن پاک کو ایک ایسا آلہ بنا لیا ہے جو بعض آیات کو بغیر سمجھے اور اس پر عمل کیے بغیر مخصوص اوقات کی تلاوت کر کے اپنے دنیوی مسائل حل کر دیتا ہے۔ ان کے اندر نشانیاں لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس طرز عمل سے گریز کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کو عطا کردہ نشانیوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 259:

’’اور اس گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو کہ کس طرح ہم ان کو اٹھاتے ہیں اور پھر گوشت سے ڈھانپتے ہیں ‘‘اور جب اس پر یہ بات واضح ہوگئی تو اس نے کہا ’’میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قیامت کے دن انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے امکان سے انکار کرنا ایک عجیب دعویٰ ہے جب کہ قیامت کی کئی مثالیں موجود ہیں جو دنوں، مہینوں اور سالوں میں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ بارش کا استعمال کرتے ہوئے ایک مردہ بنجر زمین کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق کو مہیا کرنے کے لیے ایک مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مردہ بیج کو بھی زندہ کر سکتا ہے جس کا نام انسان ہے، جو زمین میں دفن ہے، اس مردہ بیج کی طرح جو زندہ ہو جاتا ہے۔ موسموں کا بدلنا قیامت کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سردیوں میں درختوں کے پتے مر کر گر جاتے ہیں اور درخت بے جان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دوسرے موسموں میں، پتے ایک بار پھر اگتے ہیں اور درخت زندگی سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کی نیند کے جاگنے کا چکر قیامت کی ایک اور مثال ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جیسے سونے والے کے حواس کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کی روح ان کو واپس کردیتا ہے اگر وہ اس پر زندہ رہنا مقصود ہو تو سوئے ہوئے شخص کو ایک بار پھر زندگی بخشتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

"اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں قبض کرتا ہے۔ پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کیا ہے ان کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقیوں کو ایک معین مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

ان اور بہت سی مثالوں پر غور کرنا قیامت کے دن آخری قیامت کے امکان کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، لوگوں کے اعمال کو متوازن کرنے کے لیے یومِ جزا کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے زندگی، موت، قیامت اور انسانوں کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 259:

‘‘اور جب اس پر یہ بات واضح ہوگئی تو اس نے کہا ’’میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔’’

باب 2 – البقرہ، آیت 260

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَـٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ
قَلْبِى قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ ٱجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ
ٱدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَٱعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن صرف اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے پاس رکھو، پھر ہر پہاڑی پر ان میں سے ایک حصہ رکھو، پھر انہیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس جلدی سے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہے غالب
"اور حکمت والا ہے۔

یہ آیت ایسے موضوعات کی تحقیق اور سیکھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے انسان کے ایمان کو تقویت ملے گی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوگا، تاکہ انسان دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق دی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 260:

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن]میں پوچھتا ہوں [صرف اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو۔

لہٰذا، ایسے موضوعات کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو دینی علم کے اندر ان کے ایمان کو مضبوط نہیں کریں گے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ کریں گے۔ یہ فیصلہ کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ آیا دینی علم کا کوئی موضوع متعلقہ ہے یا نہیں، یہ اندازہ لگانا ہے کہ آیا یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن پوچھے گا۔ اگر ان سے اسلام میں کسی خاص موضوع کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ اسلامی تاریخ کے مخصوص واقعات، تو وہ موضوع غیر متعلق ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قیامت کے دن کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی، تو اس موضوع پر تحقیق، سیکھنا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 260:

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن]میں پوچھتا ہوں [صرف اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو۔

یہ بھی یقین کے حصول کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن مجید کے اندر موجود واضح دلائل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرتا ہے۔ یہ واضح دلائل مخلوق کے اندر موجود واضح ثبوتوں کو بھی نمایاں کرتے ہیں جو انسان کے ایمان کو مضبوط کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

جس کا ایمان جتنا مضبوط ہو گا، اتنا ہی صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت میں اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو درست طریقے سے رکھیں گے۔ یہ سب دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتے ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کا عمل دکھایا۔ باب 2 البقرہ، آیت 260:

]اللہ نے [فرمایا" :چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے پاس رکھو، پھر ہر ایک پہاڑی پر ان کا ایک ..."
"حصہ رکھو، پھر انہیں بلاؤ، وہ جلدی سے تمہارے پاس آئیں گے۔

گو کہ لوگ اس طرح سے قیامت کی عملی مثال نہیں دیکھیں گے، لیکن قیامت کا عمل دنیا میں باقاعدگی سے ہوتا رہتا ہے اور ان کے ذریعے قیامت کے دن ہونے والی آخری قیامت کا یقین ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ بارش کا استعمال کرتے ہوئے ایک مردہ بنجر زمین کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق کو مہیا کرنے کے لیے ایک مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مردہ بیج کو بھی زندہ کر سکتا ہے جس کا نام انسان ہے، جو زمین میں دفن ہے، اس مردہ بیج کی طرح جو زندہ ہو جاتا ہے۔ موسموں کا بدلنا قیامت کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سردیوں میں درختوں کے پتے مر کر گر جاتے ہیں اور درخت بے جان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دوسرے موسموں میں، پتے ایک بار پھر اگتے ہیں اور درخت زندگی سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کی نیند کے جاگنے کا چکر قیامت کی ایک اور مثال ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جیسے سونے والے کے حواس کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کی روح ان کو واپس کردیتا ہے اگر وہ اس پر زندہ رہنا مقصود ہو تو سوئے ہوئے شخص کو ایک بار پھر زندگی بخشتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی" نیند میں قبض کرتا ہے۔ پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کیا ہے ان کو وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقیوں کو ایک معین مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو
"غور و فکر کرتے ہیں۔

ان اور بہت سی مثالوں پر غور کرنا قیامت کے دن آخری قیامت کے امکان کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ، غالب اور حکیم ہے، وہ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور کرے گا تاکہ وہ انصاف کی خدمت کے لیے ان کے اعمال کا جوابدہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 260:

''اور جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

منطقی طور پر دیکھا جائے تو قیامت ایک ایسی چیز ہے جو واقع ہونی چاہیے۔ اگر کوئی کائنات کا مشاہدہ کرے تو اسے توازن کی بہت سی مثالیں نظر آئیں گی۔ مثال کے طور پر، زمین سورج سے ایک کامل اور متوازن فاصلے پر ہے۔ اگر زمین سورج سے قدرے قریب یا اس سے زیادہ دور ہوتی تو یہ رہنے کے قابل نہ ہوتی۔ اسی طرح پانی کا چکر، جس میں سمندر سے پانی کے بخارات بن کر فضا میں شامل ہوتے ہیں جو کہ بارش پیدا کرنے کے لیے گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل متوازن ہے تاکہ مخلوق زمین پر زندہ رہ سکے۔ زمین کو متوازن طریقے سے بنایا گیا تھا تاکہ بیج کی کمزور شاخیں اور ٹہنیاں اس میں گھس سکیں تاکہ تخلیق کے لیے فصلیں مہیا ہو سکیں لیکن وہی زمین اتنی سخت ہے کہ اس کے اوپر بنی ہوئی بھاری عمارتوں کو برداشت کر سکے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو نہ صرف واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتی ہیں بلکہ توازن بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا میں ایک بڑی چیز ہے جو واضح طور پر غیر متوازن ہے، یعنی بنی نوع انسان کے اعمال۔ اکثر ظالم اور جابر لوگوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس، بے شمار لوگ ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں مظلوم ہیں اور دیگر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن ان کے صبر کا پورا پورا اجر نہیں ملتا۔ بہت سے مسلمان جو سچے دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو دنیا میں اکثر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں اجر میں تھوڑا سا حصہ ملتا ہے جب کہ جو کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور صرف کچھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں توازن قائم کیا ہے اسی طرح اعمال کی جزا اور سزا بھی متوازن ہونی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس دنیا میں نہیں ہوتا اس لیے اسے کسی اور وقت یعنی یومِ جزا میں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پوری طرح جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں پوری طرح سزا نہ دینے کے پیچھے ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں موقع کے بعد موقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے طرز عمل کو درست کریں۔ وہ اس دنیا میں مسلمانوں کو پوری طرح سے

اجر نہیں دیتا کیونکہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غیب پر یقین کرنا یعنی اگلے جہان میں ایک مسلمان کے لیے مکمل اجر کا انتظار کرنا، ایمان کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت غیب پر یقین ہی ایمان کو خاص بناتا ہے۔ کسی ایسی چیز پر ایمان لانا جسے پانچ حواس کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس دنیا میں پورا اجر ملنا، کوئی خاص بات نہیں۔

سزا کا خوف اور آخرت میں پورا اجر ملنے کی امید انسان کو گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

جزا کے دن کے آغاز کے لیے اس مادی دنیا کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا اور جزا تب ہی مل سکتی ہے جب ہر ایک کا عمل ختم ہوجائے۔ لہٰذا یومِ جزا اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے اعمال مکمل نہ ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادی دنیا کو جلد یا بدیر ختم ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ، جو لوگ قیامت کو رد کرتے ہیں ان کے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ایک لاش کے بکھر جانے اور پوری دنیا میں مختلف سمتوں میں بکھر جانے کے بعد یہ ذرات دوبارہ اکٹھے ہو کر ایک انسان کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ان لوگوں کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ ہر ایک کو اپنی محدود طاقت اور حیثیت کے پیمانے پر ناپتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت کو جان بوجھ کر نہیں دیکھتے۔

ایک شخص کو قیامت پر یقین کرنے کے لیے صرف اپنے وجود پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص کا وجود ان حصوں کا مجموعہ ہے جس میں ایسے عناصر ہوتے ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں سے آتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں جو انسان استعمال کرتا ہے وہ خود دنیا کے مختلف حصوں سے لایا جاتا ہے۔ جو دوائیں لیتی ہیں وہ دنیا کے مختلف حصوں کے اجزاء پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں دنیا کے مختلف حصوں سے آنے کے باوجود ایک جسم میں جمع ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی

شخص کے لیے اس رزق کا انتظام کرتا ہے تاکہ وہ اس دنیا میں زندہ رہ سکے تو اس بات کو قبول کرنا کیوں مشکل ہے کہ جب اس کا جسم، جو ان چیزوں سے پرورش پاتا ہے جو دنیا کے مختلف حصوں سے آئی ہیں، مر جائیں اور بکھری ہوئی خاک اور ہڈیاں بن جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان ذرات کو دوبارہ اکٹھا کر کے دوبارہ بنا سکتا ہے۔

جب کوئی اس بحث پر غور کرے گا تو اس سے قیامت کے دن پر ان کے ایمان کو تقویت ملے گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی ترغیب ملے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب 45 الجثیہ، آیت 22:

"کیونکہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، تاکہ ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے۔ اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

باب 2 - البقره، آيات 261-266

مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِى كُلِّ سُنۢبُلَةٍ
مِّا۟ئَةُ حَبَّةٍ ۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا۟ مَنًّا وَلَآ أَذًى ۙ لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

۞ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَآ أَذًى ۗ وَٱللَّهُ غَنِىٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ
لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمۡوَٰلَهُمُ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِ وَتَثۡبِيتٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ كَمَثَلِ
جَنَّةِۭ بِرَبۡوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٞ فَـَٔاتَتۡ أُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ فَإِن لَّمۡ يُصِبۡهَا وَابِلٞ فَطَلّٞۗ وَٱللَّهُ
بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٌ ٢٦٥

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمۡ أَن تَكُونَ لَهُۥ جَنَّةٞ مِّن نَّخِيلٖ وَأَعۡنَابٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ لَهُۥ فِيهَا
مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ وَأَصَابَهُ ٱلۡكِبَرُ وَلَهُۥ ذُرِّيَّةٞ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعۡصَارٞ فِيهِ نَارٞ فَٱحۡتَرَقَتۡۗ
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُونَ ٢٦٦

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگتی ہیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے)اپنا اجر (بڑھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نصیحت یا تکلیف نہیں دیتے ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہیں.

اچھی بات اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف ہو۔ اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال اُس]بڑے [ہموار پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو اور وہ موسلا دھار بارش سے ٹکرا جائے جس سے وہ ننگا ہو جائے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا اس میں سے وہ کچھ بھی رکھنے سے قاصر ہیں۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہے جس پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے تو اس کا پھل دوگنا ہوتا ہے۔ اور اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تو ایک بوندا باندی]کافی ہے[۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کھجور کے درختوں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں جس میں اس کے پاس ہر پھل ہو؟ لیکن وہ بڑھاپے میں مبتلا ہے اور اس کی اولاد کمزور ہے اور اس پر آگ لگی ہوئی آندھی کی زد میں آکر جل گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی اہمیت پر بحث کی ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ثواب، برکت اور ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 261:

’’مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘‘۔

انسان کو اس دنیا میں ملنے والی نعمتوں اور جنت میں ملنے والی نعمتوں میں فرق کو سمجھنا چاہیے۔ باب 7 الاعراف، آیت 43:

’’اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے‘‘۔

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ایک مسلمان جنت کا وارث ہوگا، یعنی انہیں اس کی ملکیت بطور تحفہ دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جنت میں جو چاہیں کرنے میں آزاد ہوں گے کیونکہ انہیں اس کی ملکیت دی جائے گی۔ جبکہ اس مادی دنیا میں نعمتیں لوگوں کو بطور تحفہ نہیں بلکہ قرض کے طور پر عطا کی گئی ہیں۔ تحفہ ملکیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ قرض کا مطلب ہے کہ نعمت کو اس کے حقیقی مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے۔ اس مادی دنیا کی نعمتیں جو لوگوں کو قرض کے طور پر دی گئی ہیں ان کو واپس کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال ان طریقوں سے کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کریں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت حقیقی شکر ہے اور دونوں جہانوں میں برکتوں اور رحمتوں میں اضافے کا باعث ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمھارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

دنیاوی نعمتیں جو قرض کے طور پر لوگوں کو عطا کی گئی ہیں ان کو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی مرضی سے یا زبردستی واپس کرنا چاہیے۔ اگر خوشی سے لوٹا دیا جائے تو ان کو بہت زیادہ اجر ملے گا لیکن اگر زبردستی لوٹا دیا جائے جیسا کہ ان کی موت سے، تو یہ نعمتیں ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تحفہ اور قرض کے درمیان فرق کو سمجھیں تاکہ وہ اس مادی دنیا میں نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 261:

’’ مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘‘۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ثواب کو حاصل کرنے کے لیے اچھی نیت کی ضرورت ہے۔ نیت اسلام کی باطنی بنیاد ہے جس طرح حلال کمانا اور استعمال کرنا اسلام کی ظاہری بنیاد ہے۔ ثواب حاصل کرنے کے لیے ان دونوں کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، لہٰذا اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کریں۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنے والے کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی معاوضے یا شکرگزاری کی امید نہ رکھے۔

اس کے علاوہ، انسان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ دولت، قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق، ثواب، برکت اور سلامتی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ دونوں جہانوں میں دماغ کا۔ باب 2 البقرہ، آیت 261:

" جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگتی ہیں۔"

یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح ایک پودا آہستہ آہستہ اگتا ہے، اسی طرح انسان کا اجر وثواب ان تک اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کے مطابق پہنچتا ہے، نہ کہ اس کے اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان جو اچھے اعمال انجام دیتے ہیں وہ فوری واپسی کی توقع رکھتے ہیں، جو کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نظام الاوقات کے مطابق لوگوں کو انعام اور برکت دیتا ہے، جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بہترین ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کا ایک حصہ یہ ہے کہ اچھے کام کرتے وقت صبر کیا جائے اور فوری برکات اور اجر کی امید نہ رکھی جائے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تمام اسلامی تعلیمات میں اعمال صالحہ کرنے کے لیے اجر کی مختلف مقداروں کا اعلان کیا گیا ہے۔ بعض تعلیمات میں دس گنا ثواب کی تلقین کی جاتی ہے، بعض میں سات سو گنا اور بعض میں ایسا ثواب جو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 261:

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگتی ہیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے)اپنا اجر (بڑھا دیتا ہے۔''

یہ مختلف اجر کسی کے اخلاص پر منحصر ہے۔ انسان جتنا زیادہ مخلص ہوگا اسے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا زیادہ نیک عمل کریں گے اتنا ہی ان کو اجر ملے گا۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی حلال دنیوی نعمت کی خواہش کیے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اسے اس شخص سے زیادہ اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اور حلال دنیاوی نعمت کا طالب ہے۔ اس کے علاوہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں، مثلاً مال، ان چیزوں پر جس کا براہ راست ذکر قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں کیا گیا ہے، جتنا زیادہ استعمال کرے، اس کے اجر میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ جیسے یتیموں اور بیواؤں پر مال خرچ کرنا۔

اس لیے انسان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ نیک نیت اپنائیں، حتی الامکان مخلص ہونے کی کوشش کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق عمل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت، قول و فعل سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے مطابق ان کی تلافی کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 261:

''اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔''

جس طرح ایک کاشتکار جو فصل کاتا ہے اسے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی مسلسل دیکھ بھال کرنی چاہیے، اسی طرح نیک عمل کرنے والے کو دونوں جہانوں میں ثواب حاصل کرنے کے لیے اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 262:

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد جو خرچ کیا ہے اسے یاد دلانے یا" دوسرے [نقصان پہنچانے کے بعد ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔"

دوسروں کو ان احسانات کی یاد دلانے سے گریز کرنا چاہیے جو انہوں نے کیے ہیں۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ سے بے وفائی کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، ایک شخص کو ان اچھی چیزوں کو استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو اس نے دوسروں کے ساتھ کیے ہیں، خاص طور پر دوسروں کے سامنے انہیں ناراض کرنے، شرمندہ کرنے یا شرمندہ کرنے کے لیے۔ ایسا کرنا فخر کی علامت ہے، کیونکہ اس شخص کو یقین ہے کہ وہ اس سے برتر ہو گئے ہیں جس کی انہوں نے مدد کی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، جیسے کہ مال، اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور قرض عطا کیا ہے نہ کہ تحفہ کے طور پر۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد کو قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنا غلط نیت اور رویہ اختیار کر کے اپنے ثواب کو برباد کرنے سے روک دے گا۔

جو شخص صحیح رویہ اختیار کرتا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون نصیب ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 262:

”جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نصیحت یا تکلیف نہیں دیتے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی خوف۔ کیا وہ غمگین ہوں گے؟"

ذہنی سکون صرف اسی طریقے سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ وہ انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے کامل ضابطہ حیات فراہم کرے تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ، وہ اکیلا ہی ایک شخص کو سکھا سکتا ہے کہ کس طرح اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح جگہ پر رکھنا ہے اور آخرت میں ان کے جوابدہی کے لیے مناسب تیاری کرنا ہے۔ یہ تمام چیزیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

لوگ خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لیں، وہ کبھی بھی ایسا ضابطہ اخلاق وضع نہیں کر پائیں گے جو علم کی کمی، دور اندیشی اور تعصب کی وجہ سے ذہنی سکون کا باعث بنے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ مریض اچھی جسمانی صحت حاصل کرے گا، وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے

کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

”کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...“

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

”اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے“۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 262:

“اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔’ ’

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اس دنیا میں تناؤ اور مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ ناگزیر ہے اور اس دنیا میں رہنے کے امتحان کا حصہ ہے۔ اس آیت سے مراد ذہنی سکون عطا کیا جانا ہے تاکہ انسان اس دنیا میں جن پریشانیوں، پریشانیوں اور ،پریشانیوں سے دوچار نہ ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں، وہ ہر حال میں کامیابی سے سفر کریں گے خواہ آسانی کا وقت ہو یا مشکل، ذہنی سکون کے ساتھ اور دونوں جہانوں میں بے شمار انعامات حاصل :باب 39 از زمر، آیت 10 کرتے ہوئے

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کو عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے اور اپنی زندگی میں موجود چیزوں اور لوگوں کو غلط جگہ دیتا ہے تو وہ ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا۔ نتیجتاً، وہ ہر مشکل صورتحال پر قابو پا لیں گے، جس کے ،نتیجے میں ان کے تناؤ اور اضطراب میں اضافہ ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ ذہنی صحت کے مسائل جیسے ڈپریشن، نشے کی لت اور خودکشی کے رجحانات میں مزید گہرائی میں گر جاتے ہیں، چاہے :باب 9 توبہ آیت 82 . وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کریں۔

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:باب 20 طہٰ، آیات 124-126

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ایسی حقیقت بیان کرتا ہے جسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 263:

"خوش کلامی اور عفو و درگزر اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے "

ایک شخص کے لیے یہ بہت بہتر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اچھی بات کے ذریعے دوسرے کی مدد کرنے سے عذر کرے، پھر ان کی مخلصانہ مدد کرے جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کرنے کے بجائے ان سے کسی قسم کے شکرگزاری یا معاوضے کی امید رکھے۔ کسی شخص کو کبھی بھی کسی سے مدد مانگنے والے کے ساتھ بدتمیزی سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو انہیں اپنے آپ کو مہربان طریقے سے معاف کرنا چاہئے اور کم از کم ضرورت مند کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ جب تک وہ صبر کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کرے گا۔ دوسرے کو نرمی سے یہ نصیحت کرنے کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ، کوئی ضرورت مند شخص کو کسی اور یا کسی ایسی تنظیم کو بھی ،ہدایت دے سکتا ہے جو ان کی مدد کرنے کے قابل ہو۔ اس طریقے سے برتاؤ کرنا ایک نیک عمل ہے یہاں تک کہ اگر کوئی دوسرے طریقوں سے کسی کی مدد نہیں کرسکتا ہے، جیسے کہ مالی امداد۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ جاننا ضروری ہے کہ جب کوئی دوسرے کی مدد کرتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان نہیں کر رہا ہوتا، وہ صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہوتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 15:

"جو کوئی نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرتا ہے وہ اس کے خلاف ہے]یعنی روح[۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور مخلوق سے بے نیاز ہے اور ضرورت مند کی کسی اور ذریعے سے مدد کرے گا اگر کوئی شخص اس موقع کو استعمال کرنے میں ناکام ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے تاکہ وہ ضرورت مند کی مدد کر کے اجر حاصل کر سکے۔ وہ ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 263:

’’اور اللہ بے نیاز ہے‘‘۔

اور باب 11 ہود، آیت 6:

"اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور وہ اس کے رہنے کی جگہ اور ذخیرہ کرنے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ ایک کھلی کتاب میں ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 263:

"اور اللہ بے نیاز ہے۔ اور بردباری

جس شخص سے مدد طلب کی جاتی ہے اور ضرورت مند دونوں کے لیے تحمل کو اپنانا ضروری ہے۔ جس شخص سے مدد طلب کی جائے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے اپنی وسعت کے مطابق دوسروں کی مدد کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان کے خرچ سے کہیں زیادہ بہتر معاوضہ دے گا۔ باب 34 سبا، آیت 39:

"کہہ دو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے، لیکن تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اس کا بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ "

اگر وہ کسی دوسرے کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، تو انہیں کسی ضرورت مند کے ساتھ بردباری کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو ان کی مدد نہ کرنے پر ان پر مسلسل تنقید کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، لوگوں کو نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ان پر کسی ضرورت مند کی مدد کرنے میں ناکامی پر تنقید کرتا ہے، تو انہیں صبر سے رہنا چاہیے اور سختی سے جواب نہیں دینا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 263:

"اور اللہ بے نیاز ہے۔ اور بردباری

ضرورت مند کو اپنی مشکل کے وقت صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہوئے کہ ان کا کردار یہ ہے کہ وہ ان وسائل کو استعمال کرے جو انہیں عطا کیے گئے ہیں، جیسے کہ ان کی جسمانی طاقت، اسلام کی تعلیمات کے مطابق انہیں درپیش کسی بھی مشکل کو حل کرنے کے لیے۔ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت کا انتظار کرنا۔ باب 94 اششر، آیت 6:

''بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہوگی۔''

اس کے علاوہ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

ان چیزوں کو یاد رکھنے سے مشکل کے وقت تحمل کا مظاہرہ کرنے میں مدد ملے گی۔

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ اس صورت میں، اللہ

تعالیٰ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں صحیح نیت اختیار کریں، خاص طور پر جب وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو جیسا کہ وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ دوسروں کے احسانات کی یاد دلانا یا کسی بھی طرح سے نقصان پہنچانا، جیسے کہ انہیں شرمندہ کرنا، اس بات کی واضح نشانیاں ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کوئی عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جو نیک کام لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے وہ بالکل اس شخص کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا اور قیامت کے دن ان کے اجر پر ایمان نہیں رکھتا۔ نتیجتاً، یہ شخص صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کام کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی اور مقصد نہیں ہوتا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا، یا قیامت کی تیاری کرنا۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے نیک کام کرنے کے رویے سے گریز کرے کیونکہ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر یا قیامت کے دن ان کی جوابدہی پر صحیح معنوں میں یقین نہیں رکھتے۔ اگر وہ زبانی طور پر دوسری صورت میں دعوی کرتے ہیں. یعنی جس کا رویہ درست ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے گا اور روزِ حشر کے حساب کتاب کے لیے عملی طور پر تیاری کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بری نیت کو اپنانے کے نقصان پر زور دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"...اس کی مثال ایک [بڑے] ہموار پتھر کی سی ہے جس پر غبار ہے اور اس پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے جس سے وہ ننگا رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی [اپنے پاس رکھنے] سے قاصر ہیں..."

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کوئی بری نیت اختیار کی، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور وجہ سے کوئی اچھا کام کرنا شامل ہے، اس کی محنت اور اجر ضائع ہو جائے گا اور اس کے لیے دونوں جہانوں میں کچھ بھی نہیں بچے گا۔ نتیجے کے طور پر، یہ شخص اس دنیا میں عطا کردہ وسائل سے لطف اندوز نہیں ہو گا اور نہ ہی اسے اپنی بری نیت کی وجہ سے صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے کوئی اجر ملے گا۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ یہ شخص ان وسائل کو دوسرے حلال طریقوں سے استعمال کرنے سے بہتر تھا جو ان کے لیے خوشنما تھے اور پھر انہیں اچھی چیزوں پر استعمال کرتے تھے، جیسے خیرات، بری نیت سے۔ اس کے علاوہ، لوگوں کو خوش کرنے کے ان کے برے ارادے کے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ آخرکار ان کی بے حسی کو دوسروں پر ظاہر کر دے گا جس کی وجہ سے لوگ ان کی عزت اور محبت کھو دیں گے۔ اور برے ارادے سے جو بھی نیکی کرتے ہیں وہ بھی لوگ آسانی سے بھول جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں زیادہ دیر تک بے راہ روی کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔ اگر تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس نے لوگوں کے مخلصانہ اعمال کو کس طرح زندہ رکھا، جب کہ لوگوں کے مخلصانہ اعمال کو جلد ہی فراموش کر دیا گیا، چاہے وہ بڑے کام ہی کیوں نہ ہوں، جیسے کہ ہسپتال بنانا۔ اور جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں، وہ اس شخص کی کوششوں کی صحیح معنوں میں تعریف نہیں کریں گے جو انہیں خوش کرنے کے لیے اچھے کام کرتا ہے۔ اس سے انسان صرف تلخ اور اداس ہو جائے گا۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے مزید روک دے گا ۔ لہٰذا بری نیت اختیار کرنے سے انسان کی توانائی، وقت، وسائل اور دونوں جہانوں میں اجر و ثواب ضائع ہوتا ہے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104:

’’کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتادیں جو ان کے اعمال ہیں؟ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔‘‘

جیسا کہ آیت 264 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص بری نیت اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی پر حقیقی طور پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کے نتیجے میں اس شخص کو ہر حال میں ذہنی سکون کی رہنمائی نہیں کی جائے گی۔ یہ دنیا باب 2 البقرہ، آیت 264:

‘‘اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔’’

یہ اس شخص کے لیے تنبیہ ہے جو اچھے کام کرتے وقت بری نیت اختیار کرتا ہے، خواہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے جس کی بنیاد نیک نیتوں پر ہو۔ جس طرح ایک پودا جو پانی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جائے گا، اسی طرح جو شخص اپنے ایمان کی پرورش اچھے اعمال سے نہ کر سکے، اس کی بنیاد نیک نیتوں پر ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے فائدے کی وضاحت کرتا ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، صحیح نیت کے ساتھ، جو اسے راضی کرنا ہے اور قیامت کے دن کے لیے مناسب تیاری کرنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 265:

‘‘اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی اور یقین دلانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔’’

اپنے آپ کو یقین دلانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب یہ شخص صحیح نیت اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتا ہے اور قیامت کے دن ان کی جوابدہی کرتا ہے۔ یعنی صحیح نیت اختیار کرنا ان کے پختہ ایمان کی علامت ہے۔ لہٰذا ایمان کا یقین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کی نیت، قول اور فعل کو ہر وقت درست کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ ایمان کا یقین اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلام کے واضح دلائل کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے تیار ہوں گے۔ اس میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے اور ہر چیز اور ہر ایک کو

اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

جبکہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت صرف غلط نیت کو اپنانے اور عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گی۔ یہ ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے اور انسان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو غلط جگہ دینے کا سبب بنتا ہے۔ یہ بدلے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 265:

"اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی اور اپنے آپ کو یقینی بنانے کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہے جس پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے تو اس کا پھل دوگنا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ موسلا دھار بارش کی زد میں نہ آئے تو پھر بوندا باندی]کافی ہے[۔‘‘

اس آیت میں جس دوہرے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ اجر، رحمت اور ذہنی سکون ہے جو دونوں جہانوں میں اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ صحیح نیت کے ساتھ صحیح طریقے سے کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، جس کی نیت جتنی زیادہ خلوص ہو گی، اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی حلال دنیوی نعمت کی خواہش کیے بغیر صرف

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اسے اس شخص سے زیادہ اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اور حلال دنیاوی نعمت کا طالب ہے۔

آیات کا یہ مجموعہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے، جو لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ جیسا کہ وہ ان کے ارادوں اور اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے ، وہ دونوں جہانوں میں اسی کے مطابق انہیں معاوضہ دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 265:

‘‘اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔’’

اس لیے ہر وقت اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کرنا چاہیے، ورنہ ان کی محنت، وقت اور اجر دونوں جہانوں میں ضائع ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیات کی تعلیمات کا خلاصہ ایک تمثیل کے ساتھ کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 266:

"کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کھجور کے درختوں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں جس میں اس کے پاس ہر قسم کا پھل ہو۔ لیکن وہ بڑھاپے میں مبتلا ہے اور اس کی اولاد کمزور ہے اور وہ آگ کے بھنور کی زد میں آکر جل کر خاک ہو گیا ہے۔’’

،اس تمثیل کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب کوئی شخص بے ہودہ کام کرتا ہے تو اس کی تمام کوششیں دنیاوی کامیابیاں، وسائل اور اجر ضائع ہو جاتے ہیں اور ضرورت کے وقت اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، جیسے دنیاوی مشکل میں، موت کے وقت، کسی کی موت کے وقت۔ قبر پر یا قیامت کے دن۔
:باب 18 الکہف، آیات 103-104

’’کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتادیں جو ان کے اعمال ہیں؟ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔‘‘

:اور باب 25 الفرقان، آیت 23

"اور ہم ان کے اعمال کے قریب پہنچ جائیں گے اور انہیں پراگندہ خاک بنا دیں گے۔"

:باب 2 البقرہ، آیت 266

"کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کھجور کے درختوں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں جس میں اس کے پاس ہر قسم کا پھل ہو۔ لیکن وہ بڑھاپے میں مبتلا ہے اور اس کی اولاد کمزور ہے اور وہ آگ کے بھنور کی زد میں آکر جل کر خاک ہو گیا ہے۔‘‘

جیسا کہ اہم آیات کسی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں، یہ تمثیل اس شخص کی طرف بھی اشارہ کر سکتی ہے جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ اور گنہگار چیزیں اور ان کا رویہ انہیں اپنی زندگی کے اندر ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنتا ہے جبکہ قیامت کے دن کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ان کے اس رویے کے نتیجے میں، ان کی زندگی کی ہر چیز، جیسے ان کے رشتہ دار، ان کے لیے تناؤ، اضطراب اور پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں، کیونکہ ان کی زندگی میں ان کا غلط استعمال اور غلط استعمال ہوا ہے۔ یہ شخص اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا، خواہ اس کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں، جیسے کہ دولت۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور ان کی ضرورت کے وقت، جیسے کہ کسی دنیاوی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کا کوئی بھی سامان انہیں وہ جذباتی سہارا نہیں دیتا جس کی انہیں مشکل پر قابو پانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنے احتساب کے لیے آخرت تک پہنچیں گے، جیسا کہ انہوں نے عملی طور پر اس کے لیے تیاری نہیں کی تھی، تو وہ اسی طرح خالی ہاتھ رہ جائیں گے، جس طرح تمثیل کے بوڑھے آدمی نے کہا تھا۔

لہٰذا، کسی کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو جو انہیں عطا کی گئی ہیں، صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان نتائج سے بچیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں اور عملی طور پر اپنے احتساب کی تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر چیز کو اپنی زندگی کے اندر درست طریقے سے رکھیں۔ آخرت میں یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ لیکن جیسا کہ آیت 266 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ ان سے مستفید ہوں گے جو کھلے ذہن کے ساتھ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں۔ جبکہ جو لوگ اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں یا قرآن پاک کو ایسی زبان میں پڑھتے ہیں جس کی وہ سمجھ نہیں پاتے ہیں وہ اس کی تعلیمات اور اسباق سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیونکہ وہ اس کی

،تعلیمات پر غور نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں اپنی زندگیوں میں لاگو کر سکیں گے۔ باب 2 البقرہ
آیت 266:

‘‘اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ ’’

باب 2 – البقره، آيات 267-274

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ أَخۡرَجۡنَا لَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِۖ وَلَا
تَيَمَّمُواْ ٱلۡخَبِيثَ مِنۡهُ تُنفِقُونَ وَلَسۡتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغۡمِضُواْ فِيهِۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ
حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

ٱلشَّيۡطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلۡفَقۡرَ وَيَأۡمُرُكُم بِٱلۡفَحۡشَآءِۖ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغۡفِرَةٗ مِّنۡهُ وَفَضۡلٗاۗ
وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ ﴿٢٦٨﴾

يُؤۡتِي ٱلۡحِكۡمَةَ مَن يَشَآءُۚ وَمَن يُؤۡتَ ٱلۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ أُوتِيَ خَيۡرٗا كَثِيرٗاۗ وَمَا
يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ ﴿٢٦٩﴾

وَمَآ أَنفَقۡتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوۡ نَذَرۡتُم مِّن نَّذۡرٖ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُهُۥۗ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنۡ
أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

إِن تُبۡدُواْ ٱلصَّدَقَٰتِ فَنِعِمَّا هِيَۖ وَإِن تُخۡفُوهَا وَتُؤۡتُوهَا ٱلۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۚ
وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّـَٔاتِكُمۡۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ﴿٢٧١﴾
۞ لَّيۡسَ عَلَيۡكَ هُدَىٰهُمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهۡدِي مَن يَشَآءُۗ وَمَا تُنفِقُواْ مِنۡ خَيۡرٖ
فَلِأَنفُسِكُمۡۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ٱبۡتِغَآءَ وَجۡهِ ٱللَّهِۚ وَمَا تُنفِقُواْ مِنۡ خَيۡرٖ يُوَفَّ
إِلَيۡكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تُظۡلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا
يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس میں" سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ اور اس میں سے عیب دار کی طرف متوجہ نہ ہو،]اس میں سے [خرچ کرو جبکہ تم اسے بند آنکھوں کے بغیر نہیں لیتے۔ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔

شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، جبکہ اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے یقیناً بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔ اور عقل والوں کے سوا کوئی یاد نہیں کرے گا۔

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا نذر مانو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اگر آپ اپنے خیراتی اخراجات کو ظاہر کرتے ہیں، تو وہ اچھے ہیں؛ لیکن اگر تم انہیں چھپا کر غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور وہ تم سے تمہاری کچھ برائیاں دور کر دے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

ان کی ہدایت کی ذمہ داری تم پر نہیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جو کچھ تم)مومنوں (خرچ کرتے ہو وہ تمہارے لیے ہے، اور تم اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہیں کرتے۔ اور تم جو مال خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

]صدقہ [ان غریبوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں، جو زمین میں چلنے پھرنے سے قاصر ہیں۔ ایک جاہل]شخص [ان کی تحمل کی وجہ سے انہیں خود کفیل سمجھے گا، لیکن آپ

انہیں ان کی]خصوصیت [نشانی سے پہچانیں گے۔ وہ لوگوں سے مسلسل]یا بالکل بھی [نہیں پوچھتے۔ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے، بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

جو لوگ اپنا مال رات اور دن چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ‘‘اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ اس صورت میں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو اس نے انہیں عطا کی ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تاکہ وہ امن حاصل کریں۔ دونوں جہانوں میں دماغ کا۔ باب 2 البقرہ، آیت 267:

"اے ایمان والو خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔"

جب ایک مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تو اس کے پاس موجود نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدقہ دینا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ محض ایک قرض واپس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔"

یہ رویہ کسی کو فخر کے ذریعے اپنے خیراتی کام کو برباد کرنے سے بھی بچاتا ہے۔ فخر ایک شخص کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ صدقہ دے کر اللہ، بزرگ اور ضرورت مندوں پر احسان کر رہے ہیں۔ لیکن جس طرح سے کوئی شخص بنک کا قرض بغیر فخر کے واپس کرتا ہے مسلمانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت مند اپنا صدقہ لے کر عطیہ کرنے والوں پر احسان کر رہے ہیں۔ ضرورت مند ان

کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان کی دولت ان کی ذہانت اور قوت سے جمع ہوئی ہے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ لہٰذا اس قرض کو دولت جیسی نعمتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے، ورنہ ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جو دنیا میں شروع ہو کر آخرت تک جاری رہے گا۔

جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو اس کا لین دین کسی مسکین سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص نیت سے کاروبار کرتا ہے تو وہ ایک ناقابل تصور نفع کا یقین رکھ سکتا ہے جو اس کو دنیا اور آخرت میں فائدہ دے گا۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟’’

اللہ تعالیٰ پھر ایک خاص مثال کے ذریعے ایک عالمگیر اصول کی وضاحت کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 267:

’’اور اس میں سے عیب دار کی طرف متوجہ نہ ہو،]اس میں سے [خرچ کرتے ہوئے جب کہ تم اسے بند آنکھوں کے بغیر نہیں لیتے۔‘‘

اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں، ایک شخص کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق دراصل مومن کی یہی تعریف ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اسلامی تعلیمات

کے مطابق لوگوں کے حقوق ادا کرے گا، جس میں اپنے وسائل کے مطابق ان کی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ مالی، جذباتی اور جسمانی مدد کے طور پر۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر 267 کے اختتام پر لوگوں کو یہ یاد دلاتے ہوئے کہا ہے کہ جو نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا، جیسے کہ دوسروں کی مدد کرنا، صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بے نیاز ہے اور اس کے ذریعے کسی ضرورت مند کی آسانی سے مدد کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ثواب کمانے کے موقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہتا ہے تو اسے ضرورت مند کی مدد کرکے دیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 267:

اور جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے‘‘۔’’

الجاثیہ، آیت 15 45 اور سورۃ:

جو کوئی نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرتا ہے وہ اس کے خلاف ہے]یعنی" روح[۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔’’

اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، کسی کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک اچھا کام کرنے کا الہام، موقع، علم اور صلاحیت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے اچھے کام کرتے وقت اپنی تعریف نہیں کرنی چاہیے، جیسے کہ دوسروں کی مدد کرنا، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر پوری توجہ مرکوز کرے جس نے انہیں نیکی کرنے کی توفیق بخشی تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ثواب اور ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ .باب 2 البقرہ، آیت 267:

‘‘اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔ ’’

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ شیطان کے اوزاروں سے متاثر نہ ہوں، جیسے کہ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کے کچھ پہلوؤں سے، ان نعمتوں کا غلط استعمال نہ کریں جو انہیں خوف کی وجہ سے عطا کی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 268:

"...شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے"

یہ غربت بہت سی مختلف شکلیں لے سکتی ہے، جیسے کہ مالی طور پر غریب ہونا۔ ایک شخص سماجی طور پر غریب ہونے سے ڈر سکتا ہے۔ ان کی زندگی میں لوگوں کے درمیان غیر مقبول ہونے کا خوف جیسے کہ اسکول کے طلباء اور کام کے ساتھی، انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب ، دیتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ ایک شخص جذباتی غربت سے ڈر سکتا ہے، جس سے وہ ڈرتا ہے کہ اگر وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا جو اسے عطا کی گئی ہیں تو وہ اپنی خواہشات کی تکمیل سے محروم ہو جائیں گے، جس کے نتیجے میں وہ خوشی اور ذہنی سکون سے محروم ہو جائیں گے۔ ان اور دیگر اندیشوں کے نتیجے میں، ایک شخص کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے جو اسے دی گئی ہیں جو اسے فضول اور گناہ کی چیزوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 268:

"...شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے"

لیکن انسان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، وہ ان تمام خوفوں کے منفی اثرات سے انسان کو اس وقت تک بچا سکتا ہے اور رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے اس کا فرمانبردار رہے۔ صحیح طور پر، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 268:

"شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، جبکہ اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے..."

ایک چیز جو ان تمام خوفوں اور ان کے منفی اثرات پر قابو پا سکتی ہے وہ ہے ذہنی سکون۔ جبکہ ذہنی سکون کی کمی انسان کو خوف زدہ زندگی گزارنے کا سبب بنے گی، چاہے وہ اپنی تمام خواہشات کو پورا کرے۔ جو شخص ان مختلف قسم کی غربت کے خوف میں جی رہا ہے، وہ درحقیقت زندہ نہیں ہے، چاہے ایسا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے ان خوف اور ان کے منفی نتائج سے خود کو بچانے کے لیے ذہنی سکون حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اور ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکے گا اور آخرت میں اپنے جوابدہی کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ سکے گا۔ یہ سب ذہنی سکون کی طرف لے جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک شخص پہلے زیر بحث خوف اور ان کے منفی نتائج سے محفوظ رہے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 268:

"شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، جبکہ اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے..."

لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 268:

‘‘اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔’’

یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 268:

"شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، جبکہ اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے..."

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان بھی فرق کرتی ہے۔ خواہش مند سوچ وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے اور اس سے رحمت، بخشش اور عنایات کی توقع رکھتا ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ یہ شخص شیطان کی اطاعت کر رہا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اس کی اطاعت میں کوشش کرتا ہے، اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے اسلامی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے

ہوئے اور پھر اس کی رحمت سے امید رکھتا ہے۔ اس طرز عمل میں کامل ہونا اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کی شرط نہیں ہے۔ لیکن جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انسان کو سچے دل سے توبہ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 269:

وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے یقیناً بہت زیادہ بھلائی دی'' گئی''۔

حکمت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے تاکہ یہ دونوں ،جہانوں میں اسے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ زیادہ تر معاملات میں علم بذات خود اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ علم اس وقت اچھائی کا ذریعہ بن سکتا ہے جب اس کا صحیح استعمال ،کیا جائے۔ جبکہ علم برائی کا ذریعہ بن سکتا ہے جب اس کا غلط استعمال کیا جائے۔ مثال کے طور پر سائنسی علم کا صحیح استعمال کرنے سے ادویات اور دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ سائنسی علم جس کا غلط استعمال ہوتا ہے وہ ہتھیاروں اور دیگر خطرناک چیزوں کی تیاری کا باعث بنتا ہے۔ یہ حکمت ہی ہے جو کسی کو اپنے پاس موجود علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور یہ حکمت اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ ایک شخص کو سکھاتی ہے کہ اسے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ اس کے علم کو، صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے اور اسے سکھایا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے رکھیں تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کرے۔ دونوں جہانوں .لیکن جیسا کہ آیت 269 کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ جو کھلے اور غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات سے رجوع کرتے ہیں وہ اس کی حکمتوں اور دونوں جہانوں میں لوگوں کو ذہنی سکون کی طرف رہنمائی کرنے کی صلاحیت کی تعریف کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 269:

‘‘اور کوئی یاد نہیں کرے گا سوائے سمجھ والوں کے۔’’

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص بھول جائے کہ اس نے جو نعمتیں عطا کی ہیں اس کا صحیح استعمال کیا ہے یا اس طرز عمل کو معاشرہ تنقید کا نشانہ بناتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی نیت، قول اور فعل سے پوری طرح باخبر ہے اور اس کی تلافی کرے گا۔ ان کے مطابق .باب 2 البقرہ، آیت 270:

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا نذر مانو، بے شک اللہ اس کو جانتا ہے‘‘۔’’

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے رویے اور تنقید سے پریشان نہ ہو بلکہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن جو لوگ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں وہ ذہنی سکون حاصل نہیں کر پائیں گے، کیونکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر پائیں گے اور وہ اپنی زندگی

میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دیں گے۔ نتیجے کے طور پر، وہ ذہنی صحت کے مسائل کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کریں گے، جیسے ڈپریشن، مادہ کی لت اور خودکشی کے خیالات، یہاں تک کہ اگر وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتے ہیں، اور ان کا کوئی بھی دنیاوی مال یا رشتہ اس نتیجے کو روکنے کے قابل نہیں ہوگا۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ انجام بالکل واضح ہوتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 270:

‘‘اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔’’

اور باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

باب 2 البقرہ، آیت 270:

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا نذر مانو، بے شک اللہ اس کو جانتا ہے‘‘۔’’

عام طور پر، ایک نذر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی خاص نیک کام کرنے کا وعدہ کرتا ہے اگر وہ کچھ حلال حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں یہ حرام نہیں ہے، کم بھی نہیں، اس سے حتی الامکان پرہیز کیا جانا چاہیے کیونکہ انسان آسانی سے ایسی ذہنیت اختیار کر سکتا ہے جس سے وہ ایسا برتاؤ کر لے کہ گویا اس کے اچھے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیمتی ہیں، اور وہ صرف اور صرف اس سے بچیں گے۔ جب ان کو دنیا کی چیزیں دی جائیں جو وہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے اور کسی سے کسی چیز کا محتاج نہیں۔ انسان کے اعمال سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ دوسرے لوگوں کو۔ باب 45 الجثیہ، آیت 15:

جو کوئی نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے ہے۔ اور جو کوئی برائی کرتا ہے وہ اس کے خلاف ہے]یعنی" ‘‘روح[۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ پھر عوامی اور نجی نیک کاموں کی اہمیت پر بات کرتا ہے، جیسے صدقہ۔ باب 2 البقرہ، آیت 271:

اگر آپ اپنے خیراتی اخراجات کو ظاہر کرتے ہیں، تو وہ اچھے ہیں؛ لیکن اگر تم ان کو چھپا کر" غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے...

دونوں صورتوں میں کسی نیک کام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول کرنے کے لیے اچھی نیت کو اپنانا چاہیے جو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو اور نیک عمل قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق کیا جائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو راضی کرنے کے لیے کام کرے اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینے کے لیے عوامی نیک کام کیے جا سکتے ہیں۔ ایک شخص کو وہی اجر ملے گا جو ان کی حوصلہ افزائی پر عمل کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔ باب 4 النساء آیت 85:

"جو شخص کسی نیک مقصد کے لیے سفارش کرے گا اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو کسی برے کام کے لیے سفارش کرے گا اس کو اس میں سے ایک حصہ]یعنی بوجھ [ملے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔‘‘

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جو دوسروں کو کسی برے کام کی ترغیب دیتا ہے وہ وہی سزا پائے گا جو ان کے بُرے مشورے پر عمل کرنے والے کو ملے گا۔ اس لیے دوسروں کو صرف اچھے کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 271:

"...اگر آپ اپنے خیراتی اخراجات کو ظاہر کرتے ہیں، تو وہ اچھے ہیں"

لیکن جن لوگوں کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی تشہیر کرکے اپنی نیت کو خراب کر دیں گے، انہیں چاہیے کہ ان کو حتی الامکان چھپائیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 271:

''...لیکن اگر تم انہیں چھپا کر غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''

اس کے علاوہ جس صورت میں کوئی دوسرا احسان کر رہا ہو، جیسے کہ ان کی مالی مدد کرنا، تو بہتر ہے کہ ان کی نیکی کو چھپایا جائے، تاکہ ضرورت مند کو سرعام شرمندگی نہ ہو۔ عوامی شرمندگی ایک ضرورت مند شخص کو دوسرے کی مدد قبول کرنے سے انکار کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

کسی بھی صورت میں، ایک نیک نیت کو برقرار رکھنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ ان کے اجر کو ضائع نہ کریں، جیسے کہ ضرورت مند کو اس احسان کی یاد دلانا جو انھوں نے ان پر کیا تھا۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کی وجہ سے ان کے بعض گناہوں کو مٹا دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 271:

''...اور وہ تم سے تمہاری کچھ برائیاں دور کردے گا''

اور باب 11 ہود، آیت 114:

"بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔"

چھوٹے گناہوں کو اعمال صالحہ سے مٹایا جا سکتا ہے، جب کہ بڑے گناہوں کو مٹانے کے لیے سچی مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم توبہ کی ضرورت ہے۔ ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

کو معمولی اور بڑے کے طور پر درجہ بندی کیا گیا ہے۔ وقت کے ساتھ sins عام طور پر، اسلام میں ساتھ بہت سی تعریفیں اس بارے میں دی گئی ہیں کہ اصل میں بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک سادہ درجہ بندی یہ ہے کہ جس بھی گناہ کی اسلام نے حکومت اسلامی کو سزا دینے کا حکم دیا ہے اسے ایک بڑا گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایک اور درجہ بندی یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کا ذکر جہنم کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، یا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، تو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ گناہوں کو چھوٹا کرنا یا ان پر قائم رہنا بھی انہیں کبیرہ گناہ بنا سکتا ہے۔ صحیح تعریف بنی نوع انسان پر نازل نہیں کی گئی تھی تاکہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اس خوف سے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کرے تاکہ اسے دونوں جہانوں میں اجر وثواب حاصل ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 271:

''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

باب 2 البقرہ، آیت 272:

ان کی ہدایت کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔''

کرام رضی اللہ عنہم شروع میں اپنے غیر مسلم رشتہ داروں یا دیگر غیر مسلموں کی مدد کرنے سے کتراتے تھے جو ضرورت مند تھے۔ ان کا خیال تھا کہ صرف مسلمانوں کی مدد ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اجر و ثواب کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ بعض کا خیال تھا کہ اگر وہ صرف مومنوں کو صدقہ دینے پر پابندی لگا دیں تو غیر مسلم بھی ایمان کی طرف مائل ہوں گے تاکہ وہ بھی صدقہ وصول کر سکیں۔ اس آیت نے ان کا رویہ درست کر دیا۔ اس آیت کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مسلمان لوگوں پر صحیح رہنمائی کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسلام کا پیغام لوگوں تک ان کے اعمال کے ذریعے پہنچانا ان پر واجب ہونے والی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ حق کی پیروی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ جو بھی حق کی پیروی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں۔ جبکہ حق کو رد کرنے کا فیصلہ کرنے والے کو اپنے چنے ہوئے راستے پر چلنے کی اجازت دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر جبراً ہدایت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو دنیا کے معاملات میں لوگوں کی مدد کرنے سے صرف اس لیے گریز نہیں کرنا چاہیے کہ وہ صحیح ہدایت پر عمل نہیں کر رہے۔ ضرورت مندوں کی جو بھی مدد وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں اجر دے گا۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 63 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 272:

''اور جو کچھ تم]مومنین [خرچ کرتے ہو وہ تمہارے لیے ہے، اور تم صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہیں کرتے۔''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انسان صرف اس وقت اپنے اوپر احسان کرتا ہے جب وہ اچھے کام کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اچھے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایک ضرورت مند نے عطیہ دہندگان کی امداد قبول کر کے احسان کیا ہے۔ اگر ضرورت مند ان کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دے تو عطیہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے اجر کیسے ملے گا؟ لہٰذا، ایک شخص کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ ہر نیک عمل جو وہ کرتا ہے وہ اس کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 272:

’’اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

یہ معاوضہ ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ دیگر نعمتوں اور مواقع کی صورت میں آتا ہے، جیسے مالی مواقع، جن کا مقصد کسی شخص کے ذہنی سکون کو بڑھانا ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خود میں مشغول ہونے سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت انسان صرف اپنے اور اپنے مسائل کے بارے میں فکر مند رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے اردگرد کے لوگوں پر توجہ دینے میں ناکام رہتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 273:

"صدقہ [ان فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں، جو زمین میں چلنے پھرنے سے قاصر ہیں۔ ایک جاہل [شخص [ان کی تحمل کی وجہ سے انہیں خود کفیل سمجھے گا، لیکن آپ انہیں ان کی [خصوصیت [نشانی سے پہچانیں گے۔ وہ لوگوں سے مسلسل نہیں پوچھتے [یا بالکل بھی[..."

زیادہ تر ضرورت مند لوگ اشتہار نہیں دیتے اور نہ ہی دوسروں سے امداد کی بھیک مانگتے ہیں۔ لہٰذا، مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی کمیونٹی کے ارکان سے واقفیت حاصل کریں تاکہ وہ ایک دوسرے کو ان مشکلات کے بارے میں آگاہ کر سکیں جن کا وہ سامنا کر رہے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں مدد کی ضرورت ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں مسجد میں فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ مسلمانوں کو دوسروں سے جڑنے اور ان رابطوں کے ذریعے دوسروں کی مدد کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اپنی ضرورت کو واضح نہیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ کنکشن ایک ضرورت مند شخص کو دوسرے کی طرف ،بھیجنے کی بھی اجازت دیتے ہیں جو ان کی مدد کے لیے بہتر پوزیشن میں ہوں۔ مثال کے طور پر ملازمت کی تلاش میں کوئی شخص کمیونٹی کے کسی ایسے رکن سے منسلک ہو سکتا ہے جو ملازم کی تلاش میں ہے۔

اس کے علاوہ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ضرورت کے وقت ہی دوسروں سے مدد طلب کی جائے۔ ایک شخص کو سب سے پہلے ان تمام وسائل کو استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اسے عطا کیے گئے ہیں، جیسے اس کی جسمانی طاقت، اس سے پہلے کہ وہ دوسروں سے مدد طلب کرے۔ دوسروں سے مدد مانگنے پر اڑے رہنا لوگوں پر زیادہ اور اللہ تعالیٰ پر کم انحصار کرنے کا سبب بنتا ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، جو دوسروں سے مدد مانگنے پر اصرار کرتا ہے وہ اپنی عزت نفس اور وقار کو بھی کھو سکتا ہے، جو اکثر دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ دوبارہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ کسی شخص کی نیت، قول اور فعل سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے مطابق ان کی تلافی کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 274:

‘‘اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔’’

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی نیت، قول و فعل کو درست کرے اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے کی کوشش کرے تاکہ اسے دونوں جہانوں میں سکون اور ثواب حاصل ہو۔ چونکہ اس نیکی میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق، کوئی بھی اپنے آپ کو نیکی کرنے سے عذر نہیں کر سکتا، کیونکہ ہر ایک کو کچھ دنیوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا خلاصہ بیان کرتا ہے کہ ایک شخص کو ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو اسے عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ اس کا مال۔ باب 2 البقرہ، آیت 274:

’’جو لوگ اپنا مال رات اور دن چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔‘‘

کسی کو یہ انتخاب نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کب کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں اور اس کے بجائے اسے ہر صورت حال میں کرنا چاہیے۔ اسلام زندگی کا ایک طریقہ ہے اور اسے ہر ایک شخص کو درپیش حالات پر اثر انداز ہونا چاہیے۔ اسلام کو ہرگز اس کوٹ جیسا نہیں سمجھنا چاہیے جسے کسی کی خواہش کے مطابق پہنا اور اتارا جا سکے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

’’کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟‘‘

لہٰذا اس رویہ سے بچنا چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق، ہر حال میں، اپنے دنوں اور راتوں میں دی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 274:

”جو لوگ اپنا مال رات اور دن چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔“

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو اور اس کا قول و فعل قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق ہو وہ کھلے دل سے نیک اعمال انجام دے سکتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے، یا خفیہ طور پر، ان کی نیت کو خراب کرنے سے بچنے کے لیے۔ بہر حال ان کا اجر دونوں جہانوں میں ملے گا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے بات کی گئی ہے، اس انعام کا ایک پہلو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی انمول نعمت کا حصول ہے۔ جب کوئی ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو اسے عطا کی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق، یہ اسے متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جائے گی اور آخرت میں ان کے جوابدہی کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی کے اندر صحیح طریقے سے رکھنے میں مدد کرے گی۔ نتیجے کے طور پر، یہ شخص دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 274:

”اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

ایک شخص کو اس دنیا میں اب بھی تناؤ اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ اس دنیا میں رہنے کے امتحان کا ایک حصہ ہے۔ لیکن ان کا ذہنی سکون ان مشکلات پر قابو پا لے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ثواب، برکت اور زیادہ ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کو جانتا ہے، وہ اکیلا ہی ایسا کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہو۔ جبکہ معاشرے کی طرف سے فراہم کردہ ضابطہ اخلاق ان کے علم، تجربے کی کمی اور ان کے دانستہ اور غیر ارادی تعصبات کی وجہ سے کبھی بھی ذہنی سکون کا باعث نہیں بن سکتا۔ لہٰذا، ایک سمجھدار مریض کے طور پر کام کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔

باب 2 - البقره، آیات 275-281

ٱلَّذِينَ يَأۡكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِي يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيۡطَٰنُ مِنَ ٱلۡمَسِّۚ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمۡ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡبَيۡعُ مِثۡلُ ٱلرِّبَوٰاْۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوۡعِظَةٞ مِّن رَّبِّهِۦ
فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمۡرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۖ وَمَنۡ عَادَ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا
خَٰلِدُونَ ٢٧٥

يَمۡحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرۡبِي ٱلصَّدَقَٰتِۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ٢٧٦

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ لَهُمۡ أَجۡرُهُمۡ
عِندَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ٢٧٧

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ٢٧٨

فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ فَأۡذَنُواْ بِحَرۡبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ وَإِن تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوسُ أَمۡوَٰلِكُمۡ لَا
تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ ٢٧٩

وَإِن كَانَ ذُو عُسۡرَةٖ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيۡسَرَةٖۚ وَأَن تَصَدَّقُواْ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ
٢٨٠

وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا تُرۡجَعُونَ فِيهِ إِلَى ٱللَّهِۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفۡسٖ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ٢٨١

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہو سکتے سوائے اس کے کہ وہ کھڑا ہو جسے شیطان نے'' دیوانہ وار مارا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی سود کی طرح ہے۔ لیکن اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت حاصل ہو گئی اور وہ باز آ جائے تو اس کے پاس جو ہو چکا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن جو لوگ)سود یا سود کی طرف (لوٹیں گے وہ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ سود کو ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے]تمہارے خلاف [جنگ کی خبر دی جائے۔ لیکن اگر آپ توبہ کرتے ہیں تو آپ کو آپ کا پرنسپل مل سکتا ہے -]اس طرح [آپ نے کوئی غلط کام نہیں کیا اور نہ ہی آپ پر ظلم کیا گیا ہے۔

اور اگر کوئی تنگی میں ہے تو]قرض کو [آسانی کے وقت تک موخر کر دیا جائے۔ لیکن اگر تم)اپنے حق سے (صدقہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا. یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ

محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور

دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ، خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 275:

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہو سکتے سوائے اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہو جسے شیطان پاگل پن میں مار رہا ہو۔"

یہ متنبہ کرتا ہے کہ دولت کے حصول کے غیر قانونی ذرائع جیسے کہ مالی مفاد سے نمٹنا کسی کو لالچی اور خود غرض ذہنیت اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس کے تحت وہ صرف زیادہ دولت کمانے کی فکر کرتا ہے خواہ اس کے ان پر اور دوسروں پر منفی اثرات کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ مالی سود کھاتے ہیں، جس طرح ایک لالچی شخص اس وقت کھانا کھاتا ہے جب وہ بہت زیادہ بھوکے ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی طریقے سے زیادہ دولت کمانے کے جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ عام معیار کے مطابق دیوانے لگتے ہیں۔ جو مسلمان اس ذہنیت کو اپنائیں گے وہ بلاشبہ اپنے ایمان کو تباہ کر دیں گے کیونکہ وہ اس کے خلاف کام کریں گے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ دولت اور قیادت کی حد سے زیادہ محبت اور خواہش مسلمان کے ایمان کے لیے تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے۔ دو بھوکے بھیڑیوں کے ذریعے جو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ پاگل رویہ کسی کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا، چاہے وہ بہت زیادہ دولت حاصل کر لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ رویہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر پائیں گے اور وہ بلاشبہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دیں گے۔ مزید دولت حاصل کرنے کا مستقل خیال اور جو بھی دولت حاصل کی ہے اسے کھونے کا مستقل خوف ان کے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کو دونوں جہانوں میں ہی بڑھاتا ہے۔ کام کے انتہائی لمبے گھنٹے اور نیند اور آرام کی کمی چیزوں کو مزید خراب کرے گی۔ خواہ وہ کتنی ہی دولت اور دیگر دنیاوی چیزیں حاصل کر لیں، اس لیے انہیں کبھی بھی ذہنی سکون نہیں ملے گا۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جنہوں نے دولت کے حصول کے لیے شدید حرص کو اپنایا۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کی خاطر ہر قسم کی ناجائز دولت، جیسے مالی سود سے بچنا چاہیے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ جس طرح انسان کی نیت اسلام کی باطنی بنیاد ہے اسی طرح حلال چیزوں کو کمانا اور استعمال کرنا بھی اسلام کی ظاہری بنیاد ہے۔ اگر کسی کی بنیاد

ہی خراب ہے تو وہ جو کچھ بھی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خراب اور رد ہو جائے گا، جیسے صدقہ دینا۔ کسی کے عقیدے کی بنیاد کو خراب کرنا گناہوں کے ارتکاب سے بدتر ہے جو اس کے ایمان کے دوسرے حصوں کو متاثر کرتے ہیں اور اس سے ہر قیمت پر بچنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ کوئی بہانہ بنانے سے گریز کریں کیونکہ وہ اسے قبول نہیں کریں گے۔ تجارتی اور مالی مفاد میں فرق کرنے کا مسئلہ پہلے بھی زیر بحث آیا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اسلام کی بعض ممنوعات یا احکام کے پس پردہ حکمت کو نہ سمجھے تب بھی ان کا فرض ہے کہ وہ بطور مسلمان ان کو قبول کریں اور ان پر عمل کریں۔ کون سے حکموں اور ممانعتوں کو قبول کرنا ہے یا مسترد کرنا ہے۔ انہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی چیز حلال ہے تو اس کا متوازن طریقے سے استعمال کرنا ان کے لیے قابل قبول اور اچھا ہے۔ اور جب کوئی چیز حرام ہو تو وہ بلا شبہ ان کے لیے نقصان دہ ہے، خواہ یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو۔ باب 7 الاعراف، آیت 157:

"وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں، ان پڑھ نبی، جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ان کے لیے اچھی باتوں کو حلال اور حرام کرتا ہے۔ ان کو برائیوں سے بچاتا ہے اور ان کے بوجھ کو دور کرتا ہے۔ اور بیڑیاں جو ان پر تھیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 275:

یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں، "تجارت بھی سود کی طرح ہے۔" لیکن اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔"

مزید برآں، یہ آیت دھوکہ دینے والے رویہ کے خلاف تنبیہ کرتی ہے جس کے تحت انسان حق کو دریافت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے صرف بحث کے ذریعے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔ مسئلہ مالیاتی مفاد کا ہے، تجارت کا نہیں، پھر بھی لوگ تجارت کو پہلے جگہ دیتے ہیں جب دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ مالی سود کی ممانعت تجارت کی ممانعت کی طرح ہی بیہودہ ہے۔ جو لوگ صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی ذہنیت اپناتے ہیں جس کے تحت وہ انتہائی مثالوں کے ذریعے سچ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص جو صدقہ دینے کی خواہش نہیں رکھتا ہے تو اسے کوئی دوسرا ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، تو وہ دعویٰ کریں گے کہ انہیں اپنے تمام اثاثے دینے اور بے گھر ہونے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ وہ جان بوجھ کر سیاق و سباق سے ہٹ کر مشورہ لیتے ہیں تاکہ یہ مضحکہ خیز لگے۔ یا جب لوگوں کو اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے کردار کو بہتر بنائیں تو وہ دعویٰ کریں گے کہ وہ کامل نہیں ہوسکتے جیسا کہ مشیر کا مطالبہ ہے۔ اگرچہ مشیر نے کمال کا مطالبہ نہیں کیا ہے پھر بھی وہ شخص مشورے کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور اس حد تک لے جاتا ہے کہ یہ مضحکہ خیز لگتا ہے، کیونکہ وہ مشورے پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔ اس رویہ سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں صحیح رہنمائی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی سچائی کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے۔ صحیح رہنمائی کے بغیر کوئی زندگی میں صحیح اور غلط راستوں میں فرق نہیں کر سکے گا۔ وہ مسلسل غلط انتخاب کریں گے جس کی وجہ سے وہ دونوں جہانوں میں مزید تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بنیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 275:

"پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت ملی اور وہ باز آ جائے تو اس کے پاس جو کچھ ہو چکا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔"

سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، عام طور پر شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلام کے احکام و ممنوعات کو سیکھے اور ان پر عمل کرے، کیونکہ جہالت یا کسی اور عذر کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے قبول کیا جائے۔ جس طرح ایک لائسنس یافتہ ڈرائیور سڑک کے اصول

سیکھنے کا پابند ہے، اسی طرح مسلمان پر بھی واجب ہے کہ وہ اسلام کے احکام سیکھے اور ان پر عمل کرے، چاہے وہ انہیں سمجھے یا نہ سمجھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑے بڑے گناہوں جیسے مالی سود کا سودا کرنے کے بڑے خطرے سے خبردار کیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 275:

"... پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت ملی اور وہ باز آ جائے تو اس کے پاس جو گزر چکا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن جو لوگ (سود یا سود کی طرف) لوٹیں گے وہ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ایک مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، چاہے وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اس میں داخل ہو۔ لہٰذا یہ آیت مسلمانوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں پر اڑے رہنے سے بچیں ورنہ وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اس لیے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے اور گناہوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو پرورش نہ پاتا ہو یا نقصان دہ چیزوں سے محفوظ نہ ہو وہ مر جاتا ہے، اسی طرح انسان کا ایمان بھی اس صورت میں مر سکتا ہے جب اسے اچھے اعمال سے پرورش نہ ملے یا گناہوں سے محفوظ نہ رکھا جائے۔ یہ تنبیہ اگلی آیت میں دہرائی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 276:

"اللہ سود کو ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر گنہگار کافر کو پسند نہیں کرتا۔ "

اللہ سبحانہ وتعالیٰ، صدقہ بڑھانے اور مالی سود کو ختم کرنے کے بارے میں پہلے بھی بات ہو چکی ہے، لیکن خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، وہ اس بات کو یقینی

بنائے گا کہ جو شخص صدقہ کرتا ہے اس کے ذریعے اس کو عطا کی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، دونوں جہانوں میں برکتوں اور رحمتوں میں اضافہ ہوگا۔ جبکہ حرام چیزوں کا سودا کرنے والا یہ پائے گا کہ اس کی زندگی میں ہر دنیاوی چیز اور انسان اس کے لیے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس شخص کی دولت میں اضافہ ہو جائے تو اس کی ذہنی تندرستی تباہ ہو جائے گی، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو اور خواہ وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے

ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام تر تحقیق کے باوجود معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کی نصیحت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچنا۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں تاکہ وہ اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ زندگی وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام باب کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔
یوسف، آیت 108 12:

''کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو
میری پیروی کرتے ہیں...''

باب 2 البقرہ، آیت 275:

"... پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت ملی اور وہ باز آ جائے تو اس کے پاس جو گزر چکا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن جو لوگ)سود یا سود کی طرف (لوٹیں گے وہ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ آیت اللہ تعالیٰ میں حقیقی امید اور خواہش مند سوچ کے درمیان بھی فرق کرتی ہے۔ خواہش مند سوچ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا، دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ اسلام میں اس رویے کی کوئی اہمیت نہیں۔ جبکہ حقیقی امید میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرنا شامل ہے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنا اور پھر دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ .اس فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس فرق کی قدر کرنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش میں حقیقی امید اختیار کریں اور خواہش مندانہ سوچ سے بچیں، جیسا کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام میں قدر

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو اپنی خاطر اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 277:

’’بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

ایمان کے زبانی اعلان کو عملی جامہ پہنانا بہت ضروری ہے کیونکہ اچھے اعمال دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے ایک ثبوت اور کرنسی کی ضرورت ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 275:

’’بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے...‘‘

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ایمان ایک پودے کی طرح ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے کی جائے ورنہ وہ مر جائے گا، بالکل اسی طرح جس پودے کو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل نہیں ہوتی وہ مر جائے گا۔ لہٰذا، اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے گمراہ کن رویہ سے بچنا چاہیے اور اس پر عملی طور پر عمل کرنے میں ناکام رہنا چاہیے۔ مسلمان کی تعریف ہی وہ ہے جس نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو اور اس تعریف پر پورا اترنا چاہیے۔ عام طور پر دیکھا جائے تو اس عملی عرضداشت میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو ایک کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس عمومی عرضداشت کا تذکرہ پھر مخصوص مثالوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 277:

’’ اور نماز قائم کرو‘‘۔

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ایک زبردست دن کے لیے جس دن بنی نوع انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

"اور تم ہر قوم کو [خوف سے] گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے۔ ہر قوم کو اس کے نامہ اعمال میں بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 277:

اور زکوٰۃ دو‘‘۔ ’’

واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف

ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہا اور اس کے بجائے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے انہیں عطا کی گئی نعمتیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کی ملکیت ہے اور اس وجہ سے واجب صدقہ دینے سے باز رہے، اس کو جرمانے کا سامنا کرنا پڑے گا، بالکل اسی طرح جو ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔ دنیاوی قرض کو سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

وہ لوگ جو اپنے ایمان کے زبانی اعلان کو جسمانی اطاعت کے ذریعہ فراہم کرتے ہیں جب تک کہ وہ اچھی نیت کو اختیار کریں گے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کریں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 277:

’’بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔‘‘

نیک نیت وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عمل کرے۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں پائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ معاوضے یا احسان کی امید نہ رکھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، جو لوگ اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں، وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور وہ ہر ایک کو اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر جگہ دیں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب تیاری کریں گے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ اکیلا ہی انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں سمیت تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، وہ اکیلا ہی کامل ضابطہ حیات کی نصیحت کر سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو، بالکل اسی طرح جیسے ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں۔ غذا کی منصوبہ بندی. باب 2 البقرہ، آیت 277:

’’اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اس دنیا میں تناؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ اس دنیا میں رہنے کے امتحان کا حصہ ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں درپیش ہر مشکل سے نمٹنے کی طاقت اور رہنمائی فراہم کی جائے گی تاکہ وہ دونوں جہانوں میں بے شمار انعامات اور ذہنی سکون حاصل کرتے ہوئے ان پر قابو پالیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص اسلامی تعلیمات کو رد کرتا ہے وہ یہ پائے گا کہ وہ ہر مشکل صورتحال سے مغلوب اور مغلوب ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ذہنی سکون سے دور ہو جائیں گے اور اس وجہ سے وہ تناؤ، اضطراب اور ذہنی عوارض سے بھری زندگی گزاریں گے، جیسے کہ ڈپریشن، مادے کی لت اور یہاں تک کہ خودکشی کے رجحانات، چاہے انہیں تفریح کے لمحات کا سامنا ہی کیوں نہ ہو۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ

رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس سے پہلے کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں، جیسے مالی مفاد میں لین دین کو کفر سے جوڑ دیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 275:

اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کو اس کے رب کی طرف لیکن سے نصیحت حاصل ہو گئی اور وہ باز آ جائے تو اس کے پاس جو ہو چکا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن جو لوگ)سود یا سود کی طرف (لوٹیں گے وہ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

پھر اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں پر استقامت سے بچنے کو ایمان کے ساتھ جوڑتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 278:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ’’ ہو۔‘‘

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ اس صورت میں، کسی

کے ایمان کا ثبوت کبیرہ گناہوں، جیسے مالی سود کا سودا کرنے سے بچنا ہے۔ اس لیے کبیرہ گناہوں پر قائم رہنا حقیقی عقیدہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس شخص کو ڈرنا چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کے بغیر مر جائیں گے، جو ان کے لیے سب سے بڑا نقصان ہوگا۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب اسے نقصان دہ چیزوں سے محفوظ نہ رکھا جائے، اسی طرح اگر انسان اسے دائمی گناہوں سے بچانے میں ناکام رہے تو اس کا ایمان بھی مر سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کو، خصوصاً مسلمانوں کو، مالی سود کے معاملے پر اڑے رہنے کے نتائج سے خبردار کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 279:

"اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے [تمہارے خلاف [جنگ کی خبر دی جائے..."

جس کے پاس اللہ تعالیٰ ہے، وہ دنیا اور آخرت میں اس کی مخالفت کرنے والا کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ذہنی سکون حاصل کر سکتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی دنیاوی چیزیں حاصل کر لے، جیسے کہ مال۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، جیسے لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون ملے اور کس کو نہیں۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود کس طرح دکھی زندگی گزارتے ہیں۔ مزید برآں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ، آپ کے انتقال کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شفاعت کرنے کے بجائے قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دینے کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ اس گواہی کا نتیجہ کیا نکلے گا اس کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

"اور اس دن کا ذکر کریں جب ہم ہر امت میں سے ان پر ان کی طرف سے (یعنی ان کے نبی (کو گواہ بنائیں گے۔ اور ہم آپ کو، [یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم [کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے..."

حسبِ معمول لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، جب تک کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے اس سے استفادہ کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 279:

لیکن اگر آپ توبہ کرتے ہیں، تو آپ کو آپ کا پرنسپل مل سکتا ہے -]اس طرح [آپ نے کوئی غلط..." کام نہیں کیا اور نہ ہی آپ پر ظلم کیا گیا ہے۔"

اور باب 4 النساء، آیات 17-18:

"]اللہ کی طرف سے قبول کی جانے والی توبہ صرف ان لوگوں کی ہے جو نادانی]یعنی لاپرواہی سے برائی کر بیٹھیں اور پھر جلد ہی توبہ کر لیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا اور اللہ ہمیشہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی توبہ]قبول نہیں [جو برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے یا ان لوگوں کی جو کفر کی حالت میں مر جائیں۔ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

چونکہ زیادہ تر لین دین جن میں مالی سود ہوتا ہے قرضوں سے جڑا ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جن قرضوں میں مالی سود شامل نہیں ہے وہ حلال ہیں اور خاص طور پر جب نرمی کا مظاہرہ کیا جائے تو وہ اجر کا باعث بنتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 280:

اور اگر کوئی تنگی میں ہے تو آسانی کے وقت تک موخر کر دے‘‘۔ ’’

جب دوسرے لوگ مالی مشکلات کا شکار ہوں تو ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق ان کی مدد کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کاروباری معاملات کے دوران نرمی اور اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کرنا کسی کی کاروباری ساکھ کو بہتر بنائے گا، جس کے نتیجے میں اس کے کاروبار میں مدد ملے گی۔ پس کاروبار کے معاملات میں نرمی اختیار کرنے سے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں فائدہ ہوتا ہے۔ کاروبار کے معاملات میں نرمی کو اپنانے سے یہ بھی یقینی ہو گا کہ ایک مسلمان یہ سمجھے کہ ان کا کاروبار زندگی میں ان کی اولین ترجیح نہیں ہے۔ آخرت کے لیے عملی طور پر تیاری کرتے ہوئے یہ دنیا میں سکون قلب حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ کاروبار کے معاملات میں نرمی نہ دکھانے والا لالچی ہو جائے گا۔ اور لالچ ہمیشہ انسان کی توجہ مادی دنیا کی کمائی اور ذخیرہ اندوزی پر مرکوز کرتا ہے۔ یہ ان کا حتمی مقصد اور زندگی میں پہلی ترجیح بن جاتا ہے۔ پھر یہ انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے روکتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں، جو انہیں اس دنیا یا آخرت میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتی ہے۔ جو شخص اس بات کو سمجھتا ہے اور اس وجہ سے مادی دنیا کو جمع کرنے پر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کو ترجیح دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرض اتار کر ایک قدم آگے بڑھنے کی ترغیب دی جائے گی۔ ایسا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں راحت عطا فرمائے گا۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 280:

اور اگر کوئی تنگی میں ہے تو آسانی کے وقت تک موخر کر دیا جائے۔ لیکن اگر تم صدقہ کرو تو یہ" تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ آیت بھی لوگوں سے اپنے مکمل حقوق مانگنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اگرچہ ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے سے اپنے حقوق کو پوری طرح ادا کرنے کا مطالبہ کرے، لیکن نرمی کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر احسان کرتا ہے۔ دونوں جہانوں میں سرفراز۔ اور یہ اجر اس سے بہتر ہو گا کہ وہ شخص دوسروں سے اپنا پورا حق مانگے۔ مثال کے طور پر، والدین کو اپنے بچوں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے اور جب بھی ممکن ہو نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ ،وہ اپنے بالغ بچے سے ان کے لیے رات کا کھانا بنانے کا مطالبہ کریں لیکن اگر وہ خود کر سکتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے بچے کو اس فرض سے فارغ کر دیں۔ یہ لوگوں سے آزادی کا باعث بنتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ان کے واجب الادا حقوق کے سلسلے میں نرمی کا مظاہرہ کرنے کا بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 280:

‘‘تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔’’

یہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ وہ ہر صورت حال سے بہترین نتائج حاصل کر سکیں۔ جس طرح ایک شخص سرمایہ کاری سے سب سے زیادہ منافع کی خواہش رکھتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر صورت حال سے بہترین نتائج اور اجر کی خواہش کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کسی کے پاس اسلامی علم ہو جو اسے سکھاتا

ہے کہ کس طرح برتاؤ کرنا ہے تاکہ وہ بہترین نتائج حاصل کر سکے۔ جبکہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت صرف ایسے فیصلے کرنے کا سبب بنے گی جس کے دونوں جہانوں میں بہترین نتائج برآمد نہیں ہوتے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ زیر بحث آیات پر صرف وہی شخص دھیان دے گا جو قیامت کے دن ان کی جوابدہی سے ڈرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 281:

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا" جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

لہٰذا، یہ دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے احتساب پر کس قدر یقین رکھتے ہیں، یہ دیکھ کر کہ وہ مالی مفاد سے اجتناب جیسی اسلامی تعلیمات پر کس حد تک عمل پیرا ہیں۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک کو دونوں جہانوں میں اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں، یہ نتائج اکثر باریک ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ اپنی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ سے جوڑ نہیں پاتے، ان پریشانیوں اور مشکلات سے جو ان کا سامنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ،اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں مثلاً مال و دولت ان کے لیے پریشانی پریشانی اور پریشانی کا باعث بن جائے گی، حالانکہ انہیں امید تھی کہ یہ دنیاوی چیزیں ان کے لیے سکون کا باعث بنیں گی۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے، وہ اپنی زندگی کے اندر موجود چند اچھی چیزوں ،کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، جن ذہنی امراض کا سامنا کر رہے ہیں جیسے کہ ڈپریشن۔ جب وہ ان چند چیزوں کو اپنی زندگی سے نکال دیں گے تو ان کے دماغی عارضے مزید بڑھیں گے اور انہیں خودکشی تک بھی دھکیل سکتا ہے۔ جبکہ آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج بہت واضح ہوں گے لیکن اس وقت تک سچے دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو بدلنے میں بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا، اسلامی تعلیمات میں پائے جانے والے واضح ثبوتوں کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا چاہیے، جو یومِ جزا کے بارے میں بات کرتے ہیں، تاکہ اس پر اپنا ایمان مضبوط ہو۔ جس کا اس پر ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی وہ عملی طور پر اس کے لیے تیاری کریں گے۔ اس تیاری میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن

پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 281:

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا" جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے دن جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، وہ اسی حالت کے مطابق ہوگا جس میں وہ فوت ہوا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7232 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہتے ہوئے، دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ،اطاعت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جب کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کر کے اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نافرمانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس بحث کی بنیاد پر کسی شخص کا نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا، ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ کسی کو اپنے آپ کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہ سکتے ہیں، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، پھر بھی اطاعت کی حالت میں مرتے ہیں اور اسی طرح اطاعت کی حالت میں زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خواہش مندانہ سوچ کے سوا کچھ نہیں جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 281:

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا" جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ زیر بحث اہم آیات دولت کمانے کے بارے میں تھیں، آیت 281، لوگوں کو یاد دلاتی ہے کہ انہیں نیک اعمال کمانے اور گناہوں سے بچنے کی زیادہ فکر کرنی چاہیے، کیونکہ یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ آیا انسان کو دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے یا نہیں۔ ہر کوئی اپنے عقیدے یا پس منظر سے قطع نظر ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ اسے مختلف جگہوں پر تلاش کرے۔ اللہ تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا تعلق بہت سی دنیاوی چیزوں کے حصول سے نہیں ہے، جیسے کہ دولت، یہ صرف اس بات سے منسلک ہے کہ آیا کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے یا نہ کرے، جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ .اس لیے مال کمانے یا دوسری دنیاوی چیزوں سے زیادہ نیک اعمال کے ذریعے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے بات کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جانتا ہے، وہ اکیلا ہی کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہو۔ لوگ خواہ وہ کتنا ہی علم حاصل کر لیں، مکمل علم، تجربہ، دور اندیشی اور تعصب کی کمی کی وجہ سے یہ کبھی حاصل نہیں کر پاتے۔

باب 2 البقرہ، آیت 281:

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا'' جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

جیسا کہ قیامت کے دن عدل قائم ہو گا، انسان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ دونوں جہانوں میں نجات حاصل کر لیں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کہ فرض نمازیں ادا کرنا۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ظالم کو قیامت کے دن اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قائم ہونے تک ظالم اپنے مظلوموں کے گناہ لے گا۔ اس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ظالم کو قیامت کے دن جہنم میں ڈالا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی

تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 281:

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا" جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بہت سے علماء کے نزدیک یہ آخری آیت ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کا تذکرہ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 83 میں کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو اس آیت کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان پر نازل ہونے والا آخری کلام ہے۔ اس نے بنی نوع انسان کو قیامت کے دن کی یاد دلانے اور اس کے لیے دیگر تمام چیزوں پر تیاری کرنے کا انتخاب کیا جس کے بارے میں وہ کہہ سکتا تھا۔ اس لیے کہ عملی طور پر روزِ حشر کی تیاری ہی اس دنیا کی زندگی کا مقصد ہے۔ جس طرح ورک ویزا والا شخص صرف اپنے ملک میں واپس لے جانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے لیے دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے، اسی طرح اس دنیا میں ہر شخص ورک ویزا پر ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کر لیں تاکہ وہ قیامت کے دن ان کے احتساب کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ نیکیاں تب حاصل ہوتی ہیں جب کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اضافی رحمت یہ ہے کہ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ روزِ حشر کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرے گا اور اس کو دنیا میں بھی ذہنی سکون ملے گا۔ لہٰذا کسی کو یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ عملی طور پر روزِ قیامت کی تیاری کر لیں

تو وہ اس دنیا میں ذہنی سکون سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس انہیں دونوں جہانوں میں سکون قلب نصیب ہوگا۔ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے وعدہ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جس طرح ورک ویزا پر کام کرنے والے ملازم کو کسی دوسرے ملک میں کام کرنے کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکامی پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا جائے گا، جو کہ اپنے وطن واپس لے جانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنا ہے، اسی طرح ناکام ہونے والا شخص بھی کیا کرے گا۔ اس دنیا میں نیکیاں جمع کرنے کے لیے۔ لیکن اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ناکامی کی شدت پر منحصر ہے، ان کی تنقید میں جہنم کی سزا شامل ہو سکتی ہے۔

مزید برآں، جس طرح ایجاد جو اپنے بنیادی کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جائے اسے ناکامی کا درجہ دیا جاتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو اپنے مقصدِ تخلیق میں ناکام ہو جائے گا، جو کہ عملاً اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے قیامت کے دن تیار ہو جائے گا۔ .جس طرح ناکام ایجاد کو ضائع کر دیا جاتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی ضائع ہو جائے گا جو اس دنیا میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکا۔ چونکہ قیامت کے دن صرف ایک ہی جگہ ہے جس میں ایک شخص کو ضائع کیا جائے گا، اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس نتیجے سے بچنے کی کوشش کریں کہ وہ اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جو انہیں دی گئی ہیں، تاکہ وہ امن حاصل کریں۔ دماغ اور دونوں جہانوں میں کامیابی۔ باب 2 البقرہ، آیت 281:

”اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

باب 2 - البقرہ، آیات 282-283

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ وَلۡيَكۡتُب بَّيۡنَكُمۡ
كَاتِبُۢ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَلَا يَأۡبَ كَاتِبٌ أَن يَكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُۚ فَلۡيَكۡتُبۡ وَلۡيُمۡلِلِ ٱلَّذِي
عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـٔٗاۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِي عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ سَفِيهًا أَوۡ
ضَعِيفًا أَوۡ لَا يَسۡتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهُۥ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَٱسۡتَشۡهِدُواْ شَهِيدَيۡنِ مِن
رِّجَالِكُمۡۖ فَإِن لَّمۡ يَكُونَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٞ وَٱمۡرَأَتَانِ مِمَّن تَرۡضَوۡنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ
إِحۡدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحۡدَىٰهُمَا ٱلۡأُخۡرَىٰۚ وَلَا يَأۡبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُواْۚ وَلَا تَسۡـَٔمُوٓاْ أَن تَكۡتُبُوهُ
صَغِيرًا أَوۡ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦۚ ذَٰلِكُمۡ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقۡوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَرۡتَابُوٓاْ إِلَّآ
أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةٗ تُدِيرُونَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَلَّا تَكۡتُبُوهَاۗ
وَأَشۡهِدُوٓاْ إِذَا تَبَايَعۡتُمۡۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٞ وَلَا شَهِيدٞۚ وَإِن تَفۡعَلُواْ فَإِنَّهُۥ فُسُوقُۢ بِكُمۡۗ
وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ ٢٨٢

۞ وَإِن كُنتُمۡ عَلَىٰ سَفَرٖ وَلَمۡ تَجِدُواْ كَاتِبٗا فَرِهَٰنٞ مَّقۡبُوضَةٞۖ فَإِنۡ أَمِنَ بَعۡضُكُم بَعۡضٗا فَلۡيُؤَدِّ
ٱلَّذِي ٱؤۡتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥۗ وَلَا تَكۡتُمُواْ ٱلشَّهَٰدَةَۚ وَمَن يَكۡتُمۡهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٞ
قَلۡبُهُۥۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ٢٨٣

”اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور کوئی کاتب تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔ کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ لہٰذا وہ لکھے اور جس پر واجب ہے]یعنی مقروض [لکھے۔ اور وہ اللہ سے ڈرے

جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ نہ چھوڑے۔ لیکن اگر فرض کرنے والا محدود فہم یا ضعیف ہو یا خود حکم نہ دے سکے تو اس کا ولی عدل کے ساتھ حکم دے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ لے آؤ۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ان میں سے ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ مانتے ہو - تاکہ اگر ان میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور اسے لکھنے میں تنگ نہ ہوں، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی]مخصوص [مدت کے لیے۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ اور دلیل کے طور پر زیادہ مضبوط ہے اور آپ کے درمیان شکوک و شبہات کو روکنے کا زیادہ امکان ہے، سوائے اس صورت میں کہ جب یہ کوئی فوری لین دین ہو جسے آپ آپس میں کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ اسے نہ لکھیں تو آپ پر کوئی قصور نہیں۔ اور جب آپ معاہدہ کر لیں تو گواہ لے لو۔ نہ کسی کاتب کو نقصان پہنچے اور نہ کوئی گواہ۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تم میں]سنگین [نافرمانی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اور اگر سفر پر ہو اور لکھنے والا نہ ملے تو امانت لے لینی چاہیے۔ اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر امانت رکھے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ کیونکہ جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر اہل ایمان کو پکارتا ہے تو اس کی پکار اکثر ان کے ایمان کے زبانی دعوے کو عملی جامہ پہنانے سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عمل کے بغیر ایمان کا زبانی دعویٰ اسلام میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اعمال وہ ثبوت اور ثبوت ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ جس طرح پھل دینے والا درخت تب ہی کام آتا ہے جب وہ دونوں جہانوں میں اجر و رحمت حاصل ہو۔ پھل لاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی تب کام آتا ہے جب وہ اچھے اعمال پیدا کرے۔ اس معاملے میں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ راست اور دیانتداری کے ساتھ حلال تجارتی لین دین میں حصہ لیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 282:

''اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور کوئی کاتب تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔''

پہلی بات یہ ہے کہ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ اسلام محض چند مذہبی رسومات نہیں ہیں جن کا انسان کی روزمرہ کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے مسلمان جو کہ مذہبی عبادات مثلاً پانچ وقت کی فرض نمازیں ادا کرتے ہیں، اپنے روزمرہ کے کاموں جیسے کہ اپنے کاروباری معاملات میں اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسلام کوئی زرہ نہیں جسے کسی کی خواہشات اور حالات کے مطابق پہنا اور اتار دیا جائے۔ اسلام ایک طرز زندگی ہے جس کو ہر صورت حال اور روزمرہ کے کاموں میں نافذ کرنا چاہیے۔ جو اس طرز عمل میں ناکام رہتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟''

باب 2 البقرہ، آیت 282:

’’ اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور کوئی کاتب تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔ کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے...

اس سے یہ سمجھنے کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تمام علوم خواہ دینی ہوں یا دنیاوی، اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں۔ باب 96 العلق، آیات 3-5:

"پڑھو، اور تمہارا رب سب سے زیادہ کریم ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

لہٰذا مسلمان کو ایسی انتہا پسندانہ ذہنیت نہیں اختیار کرنی چاہیے جس کے تحت وہ دینی علم کو ترک کرتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں دنیاوی علم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیں اور نہ ہی دنیاوی علم کو ترک کرتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں دینی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس کے بجائے ایک متوازن رویہ اپنائے جس کے تحت وہ زندگی بھر دینی علم سیکھے اور اس پر عمل کرے اور مفید دنیوی علم سیکھے تاکہ وہ ایک اچھا حلال کام حاصل کر سکے جو ان کی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مددگار ہو۔ اس لیے انسان کو دنیاوی علم حاصل کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے ، جیسا کہ مفت تعلیم، اور اسے یہ مان کر رد نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ جس نے اچھی دنیوی تعلیم حاصل کی جو ایک اچھی حلال ملازمت کی طرف لے جائے جس کے ذریعے وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریاں پوری کر سکیں اور دوسروں کی مدد کر سکیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر پائے گا۔ لیکن اس بات کو یقینی بنانا بہت ضروری ہے کہ دنیاوی علم حاصل کرنے کے سفر کے دوران، وہ اسلام کی تعلیمات کا بھی مطالعہ کرتے رہیں ، کیونکہ اسلامی علم انہیں اپنے دنیوی علم اور ان کو عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مدد فراہم کرے گا تاکہ وہ ایک اعلیٰ تعلیم

حاصل کر سکیں۔ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھیں۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 282:

"اور ایک کاتب تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔ کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ لہٰذا وہ لکھے اور جس پر واجب ہے [یعنی مقروض] لکھے۔ اور اسے چاہیے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑے...

جیسا کہ پہلے زیر بحث آیا، اللہ تعالیٰ اکثر اپنے خوف کو دنیاوی معاملات، جیسے مالی لین دین سے جوڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے اس لیے قیامت کے دن ان سے ہر نیت، ہر بولے جانے والے قول اور ہر عمل کے لیے جوابدہ ہوں گے چاہے وہ دینی یا دنیاوی معاملات سے جڑے ہوں۔ لہٰذا اسے ذہن میں رکھنا چاہیے اور ہر صورت حال میں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 282:

لیکن اگر فرض کرنے والا محدود فہم یا کمزور یا اپنے آپ کو حکم دینے سے قاصر ہے تو اس کا ولی عدل کے ساتھ حکم دے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ لے آؤ۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ان میں سے ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہ مانتے ہو - تاکہ اگر ان میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلائے...

چونکہ زیادہ تر خواتین کاروباری لین دین میں حصہ نہیں لیتی تھیں اور اس لیے کاروباری معاہدوں سے ناواقف تھیں، اس لیے ایک مرد گواہ کی جگہ دو خواتین کو بطور گواہ لینے کا مشورہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ، چونکہ خواتین بنیادی طور پر اپنے گھروں کی دیکھ بھال کرتی تھیں، ان کے پاس قانونی مقدمات میں حصہ لینے کے لیے بہت کم وقت ہوتا تھا۔ لہٰذا دو خواتین کو بطور گواہ لے کر، ان میں سے کوئی ایک قانونی مقدمہ میں گواہی دے سکتی ہے اگر ان دونوں کو بلایا جائے۔ اس لیے کسی شخص کو اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے تاکہ یہ جھوٹا ثابت ہو کہ عورت کو مردوں سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔ برتری کی حقیقت کو قرآن کریم کے ایک ہی بیان میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

برتری صرف اس بات میں ہے کہ انسان کتنے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، وہ اتنا ہی اعلیٰ ہے۔ کوئی دوسرا دنیاوی معیار جو لوگوں کو الگ کرتا ہے، جیسا کہ جنس، نسل یا سماجی حیثیت، اسلام کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن چونکہ لوگوں کی نیت باب اور کچھ اعمال پوشیدہ ہوتے ہیں کسی کو اپنی یا دوسروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ عن نجم، آیت 32 53:

تو اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا..." ہے۔"

باب 2 البقرہ، آیت 282:

اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں‘‘۔’’

عام طور پر، یہ دوسروں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ ایک معاشرہ تبھی ترقی کرتا ہے جب اس کے ارکان ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لہٰذا، ایک دوسرے کو ان کے وسائل کے مطابق فعال طور پر مدد کرنی چاہیے، کیونکہ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل حمایت حاصل کرتے رہیں گے۔ اس کی نصیحت صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہے وہ ہر حال میں صحیح رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل کرے۔

باب 2 البقرہ، آیت 282:

اور اسے لکھنے میں]زیادہ [نہ تھکیں، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی]مخصوص [مدت کے..." لیے۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ اور دلیل کے طور پر زیادہ مضبوط ہے اور آپ کے درمیان شکوک و شبہات کو روکنے کا زیادہ امکان ہے، سوائے اس صورت کے جب یہ فوری لین دین ہو جسے آپ آپس میں کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ اسے نہ لکھیں تو آپ پر کوئی قصور نہیں۔ اور جب تم کوئی معاہدہ کرو تو گواہ لے لو..."

عام طور پر، لوگوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ واضح اور غیر مبہم انداز میں بات چیت کرنی چاہیے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 70:

‘‘اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور انصاف کی بات کہو۔’’

جیسا کہ اعمال کے بعد اکثر الفاظ ہوتے ہیں، جو اپنی بات میں سیدھا اور صاف ہے، وہ اپنے عمل میں بھی سیدھا اور صاف ہوگا۔ یہ دوسرے لوگوں کے کردار اور الفاظ کے بارے میں الجھنوں اور منفی مفروضوں سے بچتا ہے۔ منفی گمان اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

منفی مفروضے بھی رشتے ٹوٹنے کا باعث بنتے ہیں جو ایک مسلمان کو دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے۔ اس کا ایک خاندان اور پورے معاشرے پر برا اثر پڑتا ہے۔ لہذا، ایک شخص کو لوگوں کے ساتھ اپنے تمام تعاملات اور معاملات میں واضح اور کھلا ہونا چاہیے، چاہے وہ ذاتی حالات میں ہو یا مالی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ کاتب پر دباؤ نہ ڈالیں جو تجارتی معاہدہ مرتب کرتا ہے، جیسے وکیل، یا گواہ جو معاہدہ میں حصہ لیتا ہے اور جسے قانونی عدالت میں گواہی کے لیے بلایا جا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 282:

کسی کاتب یا کسی گواہ کو نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تم میں [سنگین] ..."
...نافرمانی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو"

یہ اکثر کاروباری دنیا میں ہوتا ہے، جس کے تحت طاقتور کارپوریشنز دنیاوی فائدے، جیسے کہ دولت کی خاطر کاروباری سودے میں ملوث مختلف لوگوں سے مباشرت کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ ایک دنیاوی معاملہ ہے، اس سے بھی کم نہیں، معمول کے مطابق، اللہ تعالیٰ تمام معاملات، خواہ دینی ہو یا دنیاوی اپنی اطاعت یا نافرمانی سے جوڑتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت سیدھا سیرت اختیار کرے۔ ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتائج دنیا اور آخرت میں بھگتنا پڑتے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیوی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بنتی ہیں، خواہ انہیں تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جو لوگ سیاسی قیادت کے حصول کے لیے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، وہ ہمیشہ خوفزدہ اور پاگل رہتے ہیں کہ کوئی انہیں ان کے اقتدار کے منصب سے ہٹا دے گا۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ اور آخرت میں عدل قائم ہو گا۔ اس میں یہ شامل ہے کہ ظالم اپنے نیک اعمال کو اپنے متاثرین کے حوالے کردے اور اگر ضروری ہو تو ظالم اپنے مظلوموں کے گناہ اس وقت تک لے گا جب تک کہ انصاف قائم نہ ہوجائے۔ اس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ظالم کو قیامت کے دن جہنم میں ڈالا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔

کاروباری معاہدے میں شامل لوگوں کو نقصان پہنچانے میں انہیں رشوت کی پیشکش بھی شامل ہو سکتی ہے۔ چونکہ رشوت دینے یا لینے والے پر لعنت کی گئی ہے، اس لیے دوسروں کو رشوت دینا ان کو نقصان پہنچانے کا ایک پوشیدہ طریقہ ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1337 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لعنت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 282:

''اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

یہ آیت لوگوں کو یاد دلانے کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنی چاہیے، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں جیسا علم رکھتا ہے تاکہ انسانوں کو کامل ضابطہ حیات عطا کرے تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنے اندر صحیح طور پر رکھ سکیں۔ روزِ قیامت کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے زندگی۔ اس کے علاوہ، یہ ضابطہ اخلاق اس بات کو یقینی بنائے گا کہ معاشرے میں انصاف اور امن پھیلے کیونکہ یہ انصاف، انصاف اور مساوات پر مبنی ہے اور کسی بھی تعصب سے دور ہے، جو لوگوں کے بعض گروہوں کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے کہ امیر۔ اس لیے یہ ضابطہ اخلاق ایک فرد اور پورے معاشرے کے لیے ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے جب تک کہ لوگ اس پر عمل پیرا رہیں۔ کوئی بھی انسان کا بنایا ہوا ضابطہ اخلاق علم، تجربے اور تعصب کی کمی کی وجہ سے کبھی بھی ان نتائج کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کے وسیع اور بے مثال فوائد کو پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ اخلاق کے واضح دلائل اور شواہد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسلامی ضابطہ اخلاق کے پیچھے کچھ حکمتوں کو سمجھنے میں ناکام ہو جائے یا اس کی خواہشات اس سے متصادم ہوں تو بھی اسے ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اگرچہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ایک سخت غذا کا منصوبہ۔ جس طرح یہ عاقل مریض اچھی جسمانی صحت حاصل کرے گا اسی طرح اسلامی ضابطہ اخلاق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والا دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرے گا۔

واضح رہے کہ آیت 282 قرآن پاک کی سب سے لمبی آیت ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست جڑے ہوئے فرائض پر بحث نہیں کی گئی ہے، جیسے کہ نماز یا حج۔ اس کے بجائے یہ دوسروں کے ساتھ صحیح طریقے سے سلوک کرنے کی اہمیت پر بحث کرتا ہے، خاص طور پر کاروباری لین دین کے دوران۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہمیشہ ایمان کے دونوں حصوں کو پورا کرنے کی

کوشش کرنی چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے فرائض، اور لوگوں کے لیے فرائض۔ مؤخر الذکر دوسروں کے ساتھ سلوک کر کے پورا کیا جا سکتا ہے جس طرح سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سفر کے دوران کاروبار کرنے کے معاملے کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح سیدھا سلوک کرنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 283:

"اور اگر تم سفر پر ہو اور لکھنے والا نہ مل سکے، تو امانت لے لینی چاہیے۔ اور اگر تم میں سے کوئی کسی کو امانت دے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے...

عام طور پر، کسی کی امانتوں میں خیانت کرنا منافقت کا ایک پہلو ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ برکات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں مزید برکتوں اور رحمتوں کا باعث بنتا ہے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنی امانتیں پوری کرنی چاہئیں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے درمیان اعتماد کو پورا کریں۔

،اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ تمام امانتوں کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ باب 17 الاسراء، آیت 34:

"اور]ہر [امانتیں پوری کرو۔ درحقیقت امانت ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[۔..."

، چونکہ کوئی شخص اس دنیا یا آخرت میں اپنی امانتوں میں خیانت کرنے کے نتائج سے نہیں بچ سکتا اس لیے ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری استطاعت کے مطابق انہیں پورا کریں۔

باب 2 البقرہ، آیت 283:

"اور اگر تم سفر پر ہو اور لکھنے والا نہ مل سکے، تو امانت لے لینی چاہیے۔ اور اگر تم میں سے کوئی کسی کو امانت دے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے...

پورے قرآن پاک میں، اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام کو اس سے ڈرنے اور ان قوانین کو توڑنے کے نتائج سے ڈرنے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اس لیے کہ معاشرے میں انصاف اور امن کے پھیلاؤ کے لیے ایک اچھا نظامِ قانون اور اللہ تعالیٰ کا خوف ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کے بغیر ایک اچھا نظامِ قانون ہی کافی نہیں ہے، کیونکہ جن لوگوں کو یقین ہے کہ وہ حکومت کی جانب سے قانون شکنی کے لیے جوابدہ ہونے سے بچ سکتے ہیں، وہ جرائم کا ارتکاب کریں گے۔ اس کے علاوہ، ایک اچھے قانون کے نظام میں ہیرا پھیری کی جا سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کا خوف نہ کرے۔ دوسری طرف، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، کسی کو براہ راست دوسروں پر ظلم کرنے سے روکے گا لیکن ایک اچھے اور منصفانہ نظام کی عدم موجودگی میں، لوگوں پر حکومت کی طرف سے ظلم ہوگا۔ مثال کے طور پر، ٹیکس کا نظام ہمیشہ امیروں کو باقی معاشرے پر ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا، ایک اچھا نظامِ قانون، جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتا ہے، جیسا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا خوف، معاشرے میں انصاف اور امن کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قانونی عدالتی مقدمات میں گواہی چھپانے کے خلاف خبردار کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 283:

اور گواہی کو نہ چھپاؤ کیونکہ جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے‘‘۔’’

اس میں جھوٹی گواہی بھی شامل ہے، جس کے تحت کوئی جان بوجھ کر جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ تنبیہ کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر چھیننے کے لیے اس طرح

کا برتاؤ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، خواہ اس نے درخت کی ایک ٹہنی بھی لے لی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 283:

اور گواہی کو نہ چھپاؤ کیونکہ جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے‘‘۔’’

یہ آیت باطنی منفی خصوصیات جیسے لالچ کو ظاہری گناہوں سے بھی جوڑتی ہے۔ یہ کسی کے روحانی دل کو پاک کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ یہ اچھے اور پاکیزہ اعمال کی طرف لے جائے۔ اس تزکیہ میں اسلامی تعلیمات کے اندر زیر بحث مثبت خصوصیات کو سیکھنا اور اپنانا شامل ہے، جیسے صبر، شکر اور اللہ تعالیٰ کا خوف، اور اسلامی تعلیمات میں زیر بحث منفی خصوصیات جیسے لالچ، حسد اور غرور سے بچنا۔ ایسا کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ایک پاکیزہ روحانی دل رکھنے والا اچھے اعمال کرے گا جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ جس کا روحانی دل ناپاک ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے سے روک دے گا۔
باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس پاک دل کے ساتھ’’ آتا ہے۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی کے روحانی دل کی حالت، ان کے ارادوں، قول و فعل کو جانتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہوگا۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے

روحانی قلب کی حالت کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیاری کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے روحانی قلب کو پاک کر سکیں، جس کے نتیجے میں وہ نیک نیت، گفتار اور اعمال کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 283:

’’اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو‘‘۔

باب 2 – البقرہ، آیات 284-286 از 286

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ
اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ
﴿٢٨٥﴾

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن
نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا
وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

"اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تم اپنے اندر جو کچھ ہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول اس پر ایمان لائے جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی اور مومن بھی۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں،]یہ کہتے ہوئے[کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب، اور تیری ہی]آخری [منزل ہے۔

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس کا]نتیجہ [ہوگا اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس کا]نتیجہ [وہ اٹھائے گا۔ "اے ہمارے رب، اگر ہم

بھول گئے یا غلطی کر گئے تو ہم پر الزام نہ ڈال، اے ہمارے رب، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو
"نے ہم سے پہلے والوں پر ڈالا، اے ہمارے رب، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہمارے پاس نہیں ہے۔
اور ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔

بالآخر یہ کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے مکمل کنٹرول اور اختیار میں ہے، انسان کے پاس اس کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 284:

‘‘جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ ’’

جس طرح کسی شخص کو کسی خاص ملک کے انچارج حکومت کے مقرر کردہ اصولوں کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح اگر وہ مالک کائنات کے احکام کی تعمیل میں ناکام رہے تو اسے دونوں جہانوں میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک شخص کسی ملک کو چھوڑنے کے قابل ہو سکتا ہے اگر وہ اس کے قوانین سے راضی نہ ہو لیکن وہ ایسی جگہ فرار نہیں ہو سکے گا جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام اور دائرہ اختیار کا اطلاق نہ ہو۔ ایک شخص اپنے معاشرے کے اصول بدل سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام کو کبھی نہیں بدل سکتا۔ اس کے علاوہ جس طرح ایک گھر کا مالک مکان کے احکام طے کرتا ہے، اگر دوسرے لوگ بھی ان اصولوں پر اعتراض کریں، اسی طرح یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اس لیے اس کائنات کے قوانین کا فیصلہ وہی کرتا ہے، لوگوں کو یہ اصول پسند ہیں یا نہیں۔ لہٰذا، ایک کو ان کے اپنے مفاد کے لئے، ان قوانین کی تعمیل کرنا ضروری ہے .جو شخص اس حقیقت کو سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی خوشنودی کے لیے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم ایک شخص یا تو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ممنوعات کے پیچھے موجود حکمتوں کو سیکھنے کی کوشش کر سکتا ہے، تاکہ وہ سمجھ سکے کہ ان سے ان کے اور وسیع تر معاشرے کو کس طرح فائدہ ہوتا ہے اور وہ کس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنتے ہیں یا وہ ان کی عبادت کر سکتے ہیں۔ خواہشات اور اسلام کی تعلیمات کا انکار۔ لیکن جو شخص اسلامی احکام پر عمل کرنے میں ناکام رہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو دونوں جہانوں میں اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور کوئی اعتراض، احتجاج یا شکایت انہیں بچا نہیں سکے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 284:

‘‘تم اپنے اندر جو کچھ ہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ ’’

بعض کا خیال ہے کہ اس آیت کو باب 2 البقرہ، آیت 286 سے منسوخ کر دیا گیا ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام، اللہ ان سے راضی ہیں، نے آیت 284 کی تشریح کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اندرونی خیالات کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا، جو اکثر غیر ارادی اور فطرت میں بے قابو ہوتے ہیں اور نتیجتاً آیت 286۔ نازل کیا گیا تھا .تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 96-97 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن آیات کو منسوخ کی ضرورت کے بغیر ملایا جا سکتا ہے۔ آیت 286 نے صرف ان کی غلط فہمی کو واضح کیا، اس سے آیت 284 کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ آیت 284 اس وقت کی طرف اشارہ کر سکتی ہے جب کوئی شخص کسی کام کرنے کا پختہ ارادہ کرتا ہے اور وہ یا تو اسے کر لیتا ہے یا بیرونی عوامل کی وجہ سے جو ان کے قابو میں نہیں ہیں اسے کرنے سے روکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جرم کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے لیکن پولیس افسران کی موجودگی کی وجہ سے وہ اپنا ارادہ بدل لیتا ہے جس کی انہیں توقع نہیں تھی۔ دونوں صورتوں میں، اس شخص کو جوابدہ ٹھہرایا جائے گا، چاہے اس نے جسمانی طور پر کچھ نہ کیا ہو، کیونکہ اس کا پختہ ارادہ تھا اور جہاں بیرونی عوامل کی وجہ سے اسے کام کرنے سے روکا گیا تھا۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی صحیح نیت کو اپنائے اور اسے ہر حال میں اسلامی تعلیمات پر مبنی اچھے اعمال کے ساتھ جوڑ دے تاکہ دونوں جہانوں میں اجر حاصل ہو۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نہیں پائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ نیک نیت کی علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے شکرگزاری یا معاوضے کی امید نہ رکھے۔

نیتوں، قول و فعل پر آخرت میں جوابدہ ہوں گے۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسان کو اس دنیا میں بھی جوابدہ ٹھہرایا جاتا ہے، خواہ یہ ان پر واضح نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی نعمتیں انہیں حاصل ہوتی ہیں، وہ ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنیں گی، حالانکہ

انہیں امید تھی کہ یہ چیزیں ان کے لیے سکون اور راحت کا باعث بنیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر، وہ اس نتیجہ کا سامنا کرنے سے بچ نہیں سکتے۔ مزید برآں، جب کوئی ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تو یہ ان کی ذہنی اور جسمانی حالت میں عدم توازن پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنتی ہے۔ یہ چیزیں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے مزید روکیں گی۔ لہٰذا انسان کو ہمیشہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنا چاہیے۔ جو بھی آپشن منتخب کرے گا وہ دونوں جہانوں میں جوابدہ ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیت 284:

"... تم اپنے اندر جو کچھ ہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

جب تک کوئی اس دنیا میں ہے، سچی توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اس کا وقت ختم ہونے سے پہلے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ، انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کے سلسلے میں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ خواہش مند سوچ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا، دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ جبکہ اللہ عزوجل پر امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سچی اطاعت کی کوشش کریں، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدق دل سے توبہ کریں اور پھر اللہ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھیں۔ دونوں جہانوں میں برگزیدہ, ۔ امید اور خواہش کے درمیان فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کے حوالے سے یقین کے یقین کو اپنانے کی اہمیت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کو یقینی بنائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 285:

"رسول اس چیز پر ایمان لایا جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی اور مومنین بھی۔"

ممکنہ طور پر یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بجائے مومنین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، کیونکہ اسلامی تعلیمات میں پائے جانے والے علم کی بنیاد پر مومنین کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کے مطالعہ کے لیے باقاعدگی سے وقت اور توانائی صرف کریں تاکہ وہ ایمان کا یقین حاصل کر سکیں۔ یقین کا یقین ہر حال میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کو یقینی بنائے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ اسلامی تعلیمات سے غافل رہنے والا ایمان کا یقین حاصل نہیں کر سکتا۔ نتیجے کے طور پر، وہ آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان جو کم سے کم فرض ادا کرتے ہیں وہ اب بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتے، کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ان تمام نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

"رسول اس چیز پر ایمان لایا جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی اور مومنین بھی۔"

جب کوئی کھلے اور غیرجانبدار ذہن کے ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کرے گا تو وہ بلاشبہ اس کی قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے معجزانہ نوعیت کی تعریف کرے گا۔ طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ،ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ ،قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ :تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

‘‘اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔’’

باب 2 البقرہ، آیت 285:

"رسول اس چیز پر ایمان لایا جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی اور مومنین بھی۔"

یہ بھی مثال کے طور پر رہنمائی کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ دوسروں کو نصیحت کرنے اور رہنمائی کرنے میں موثر ہونے کے لیے، جیسے کہ اپنے بچوں کو، ایک مسلمان کو ہمیشہ مثال کے طور پر رہنمائی کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں، تاکہ وہ دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن جائیں، بجائے اس کے کہ انہیں زبانی نصیحت کریں۔ اچھا کرو دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن کر اپنے اعمال کے ذریعے ان کی زبانی نصیحت سے متصادم ہونے سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

یہ سب اللہ پر ایمان لائے ہیں‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ پر حقیقی عقیدہ، عمل کے ساتھ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتا ہے وہ لازماً اس کی بندگی کو قبول کرے گا۔ ایک سچا بندہ نہ اپنی خوشنودی تلاش کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں سے اس کی خوشنودی کی امید رکھتا ہے۔ وہ اپنے مالک کی رضا اور اطاعت کو دیگر تمام چیزوں پر ترجیح دیں گے، جیسے لوگوں کی اطاعت اور پیروی، ان کی اپنی خواہشات، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت۔ بندے کی صرف یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو راضی کرے۔ اس کے علاوہ، ایک بندہ یہ قبول کرتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے، بشمول ان کی اپنی جان، ان کے خالق اور مالک، اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا، وہ ہر اس چیز کو استعمال کرنے میں جلدی کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک سچا بندہ یہ سمجھے گا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رب اور ہر چیز کا خالق اور رب ہے، اس لیے وہ اس کی نافرمانی کرتے ہوئے

ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر .اس لیے وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، اس کی اطاعت میں بھرپور کوشش کریں گے، کیونکہ یہی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

انسان جتنا زیادہ اس طریقے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اسے یقین ہو گا کہ قیامت کے دن ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس سے ان کو مزید حوصلہ ملے گا کہ وہ اپنے ایمان کو عملی طور پر اس کے لیے تیار کر لیں، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

‘‘...یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر ایمان لائے ہیں ’’

غیب پر ایمان، وہ چیزیں جو پانچ حواس کے ادراک سے باہر ہیں، ایمان کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ ان چیزوں پر ایمان جو مکمل طور پر سمجھی اور سمجھی جاتی ہے، اس چیز پر ایمان کی اتنی اہمیت نہیں ہے جو پانچوں حواس کے ادراک سے باہر ہے۔ حواس، اگرچہ وہ نشانیاں ہیں جو اس کے وجود کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی وحدانیت کی گواہی دینے والے

کا ایمان قبول نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے غیب کا مشاہدہ کیا ہے جیسے کہ جہنم، جنت اور فرشتے۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ اور اس پر عمل کرتے ہوئے مخلوق کے اندر موجود غیب چیزوں پر اپنا ایمان مضبوط کرنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ غیب کی چیزوں پر اس کا ایمان ایمان کے زبانی اعلان سے آگے بڑھ جائے اور اس کے بجائے ان کے اعمال میں جھلکتا ہے کیونکہ یہ انہیں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم مثال کے طور پر وہ شخص جس کو یقین ہو کہ دو فرشتے اس کے ساتھ مسلسل ہیں جو قیامت کی تیاری کے لیے ان کے ہر قول و فعل کو قلمبند کر رہے ہیں، وہ اپنے قول و فعل پر قابو پالیں گے، خواہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہوں۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

''یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے ہیں۔''

،انسان کو بنی نوع انسان پر نازل ہونے والی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا چاہیے۔ خاص طور پر قرآن کریم پر یقین اس کے مختلف پہلوؤں کو پورا کرنا شامل ہے۔ ان میں اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا، اسے سمجھنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو پہلے درجے پر رہنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ صرف اس زبان میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں جسے وہ نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید تلاوت کی کتاب نہیں، کتاب ہدایت ہے۔ اس سے رہنمائی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اس کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ جس طرح ایک نقشہ کسی کو اس کی مطلوبہ منزل تک لے جائے گا اگر وہ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرے، اسی طرح قرآن پاک دونوں جہانوں میں سکون کی طرف تب ہی لے جا سکتا ہے جب وہ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے میں ناکامی ایک بڑی وجہ ہے کہ جو مسلمان باقاعدگی سے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں

ناکام رہتے ہیں وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جس کی وجہ سے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

باب 2 البقرہ، آیت 285:

"... یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں،]کہتے ہیں کہ[، "ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے..."

انبیاء علیہم السلام پر ایمان ان کے طرز زندگی، ان کے طرز عمل اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونا شامل ہے جن کا قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث ہوئی ہے۔ ان کے خوبصورت طرز عمل کا خلاصہ، مکمل اور کامل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی زندگی، تعلیمات اور اعلیٰ کردار کو عملی طور پر سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ان پر ایمان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔‘‘

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرنا جبکہ آپ کی تعلیمات اور سیرت پر عمل نہ کرنا اس زبانی دعوے کے خلاف ہے۔ جس طرح ہر کوئی قیامت کے دن اس کی شفاعت کی امید رکھتا ہے، اسی طرح انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دے گا اگر وہ اس کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک لایا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 30:

"اور رسول نے کہا ہے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔"

اگر کوئی قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دینے کے بجائے اس کی شفاعت چاہتا ہے تو اسے قرآن پاک کی تعلیمات اور اس کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

مزید برآں، زبانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرنا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و اخلاق کی پیروی میں ناکامی کی اسلام میں کوئی قدر نہیں، جیسا کہ پچھلی امتیں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتی تھیں۔ انہیں لیکن چونکہ وہ عملی طور پر ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ آخرت میں ان سے اتحاد نہیں کریں گے۔ لہٰذا جو شخص آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملنا چاہتا ہے اسے آپ کی تعلیمات اور سیرت پر عملاً عمل کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

"...]کہتے ہوئے[، "ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے..."

پچھلی امتوں کے برعکس، مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ عام طور پر، یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو منتخب کرنے سے گریز کرنے اور اپنی خواہشات کی بنیاد پر کن اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن کو نظر انداز کرنا ہے۔ اسلام کوئی زرہ نہیں جسے کسی کی خواہش کے مطابق اتارا یا پہنا جائے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جسے ہر حال میں نافذ کرنا چاہیے، خواہ یہ کسی کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جو اس طرز عمل میں ناکام رہتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پرستش کر رہا ہے خواہ وہ اس کا کوئی اور دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

ایک مسلمان کو ہر حال میں اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو یا جب وہ اسلامی تعلیمات کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ مریض اچھی جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والا مسلمان دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کامل ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جو ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اکیلا ہی ایسا کرنے کا علم اور دور اندیشی رکھتا ہے۔ تمام انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق کم نظری، علم کی کمی اور تعصبات کی وجہ سے یہ نتیجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی کھلے ذہن کے ساتھ لوگوں کے بنائے ہوئے ضابطوں پر غور کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

‘‘...اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا’’

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں بیان کردہ سماعت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کہی گئی باتوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے، اس پر غور کرتا ہے، بیان کو اپنی زندگی کے تجربات سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے، اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کہی گئی باتوں کو اپنی زندگی میں کیسے نافذ کیا

جائے اور پھر عملی طور پر ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس عمل اور نتیجہ کی طرف آیت 285 میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اس مرحلہ وار عمل کے بغیر کہی گئی باتوں کو سننے سے کبھی بھی کسی کے طرز عمل پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے بجائے، الفاظ ان کی سوچ یا مستقبل کے اعمال کو متاثر کیے بغیر ان کے کانوں سے گزر جائیں گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح صرف اسلامی تعلیمات کو سننا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ آیت 285 میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، ایک شخص کو صحیح طور پر سننا چاہیے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 285:

"...اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا"

اس اطاعت میں اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے حوالے سے یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قرآن پاک کو سننا اور پھر اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اس وقت ممکن نہیں جب اسے سمجھ نہ آئے۔ لہٰذا قرآن پاک کو ایسی زبان میں پڑھنا یا سننا جس کی سمجھ میں نہیں آتا، ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی اچھا نہیں ہے۔ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سننے، پڑھنے، سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ مختلف زبانوں میں میڈیا کا وافر مواد دستیاب ہے جس میں قرآن پاک کی تعلیمات پر بحث کی گئی ہے، اس لیے مسلمانوں کے پاس کوئی عذر نہیں رہ جاتا ہے اگر وہ قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے علاوہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، امن۔ اور اس پر درود ہو۔

باب 2 البقرہ، آیت 285:

"...اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا"

آخر میں، سننا اور ماننا دوسروں کے انتخاب اور فیصلوں میں اندھی تقلید کرنے کے گمراہ کن رویے سے متصادم ہے، جیسا کہ صحیح سننے والا خود فیصلہ کرے گا کہ اطاعت کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ اندھی تقلید ایک ایسی چیز ہے جس پر اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ تنقید کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ وہ خود اس بات کا تعین کر سکیں کہ اسلام ہی حق ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

’’کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں...‘‘

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو۔ ‘‘تیرے ساتھی میں کوئی دیوانگی نہیں۔ وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔"

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عقل و فہم کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے لیے اسلام کی حقانیت کا تعین کریں اور اس کی تعلیمات پر یقین کے ساتھ عمل کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ یہ بدلے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے رکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام میں اندھی تقلید ہی کمزور ایمان کا باعث بنتی ہے۔

یہ شخص آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے عطا کی گئی ہیں جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہوں، جیسے کہ جب وہ مشکل کے وقت کا سامنا کر رہے ہوں۔ یہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

جب کوئی اس طرح اپنے زبانی اعلان ایمان کو عملی جامہ پہنائے گا تو وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش حاصل کر سکے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 285:

"...اور وہ کہتے ہیں، "ہم نے سنا اور مانا،]ہم تیری بخشش چاہتے ہیں [اے ہمارے رب..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معافی اسی وقت حاصل کی جا سکتی ہے جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرے۔ معافی اس وقت حاصل نہیں ہوتی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہے اور پھر معافی کی امید رکھے۔ یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

سچی توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے ،عام طور پر شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

لہٰذا ایک شخص کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صحیح رویہ اپنائے جس میں خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا شامل ہے، ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات

میں بیان کیا گیا ہے، اور خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کریں، کیونکہ ہر شخص کو ان کے ارادوں کے لیے جوابدہ ٹھہرایا جائے گا۔ دونوں جہانوں میں قول و فعل۔ باب 2 البقرہ، آیت 285:

’’اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب، ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی آخری منزل ہے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ انسان کو جتنے بھی فرائض سونپے گئے ہیں، ان کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے ادا کرنا جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور صبر کے ساتھ ہر صورت حال کا مقابلہ کرنا اس کی استطاعت میں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

’’اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔‘‘

لہٰذا لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا اگر وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کو اپنی پوری کوشش کرنے کا دعوی کرنے کا سست رویہ ترک کرنا چاہئے جب وہ واضح طور پر اپنی پوری کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اگر وہ ہوتے تو بلاشبہ وہ تمام چیزیں پوری کر دیتے جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے۔ لہٰذا انسان کو صحیح رویہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا جوابدہ ہوگا اور ان کی طرف سے کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"... اس [یعنی روح [کو اس کا [نتیجہ [ملے گا جو اس نے حاصل کیا ہے، اور اس نے جو [برائی] کمائی ہے اس کا [نتیجہ [اٹھائے گا...

مزے کی بات یہ ہے کہ نیکی کمانے اور برائی کمانے کے لیے استعمال ہونے والے عربی الفاظ مختلف ہیں۔ نیکی کمانے کے لیے استعمال ہونے والا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نیکیاں جمع کرنا آسان ہے۔ جبکہ برائی کمانے کے لیے استعمال ہونے والا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گناہ کمانا نیکیوں کی کمائی سے زیادہ مشکل ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں اچھے کام کرنے کے لیے کم سے کم محنت، وقت، دولت اور دیگر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، کوئی اچھا بول کر یا خاموش رہنے سے ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2501 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لہٰذا جو شخص خاموش رہے، اس لیے کہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ اچھا نہیں ہے، اس کی خاموشی کا ثواب ہے۔ اس کے علاوہ نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے جبکہ گناہوں کے نتائج نہیں ہوتے، اس لیے نیکیاں کمانا گناہ کمانے سے آسان ہے۔ اس سے اچھے اعمال کے ذریعے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بھول جانے یا کسی حادثے سے ہونے والی غلطیوں کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

”اے ہمارے رب، اگر ہم بھول گئے یا خطا ہو گئے تو ہم پر الزام نہ لگانا“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ وہ صرف لوگوں کو آزماتا ہے اور انہیں ان کی استطاعت کے مطابق فرائض دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

”اے ہمارے رب، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے والوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے..."

یہ دعا مسلمانوں کو زندگی کی مشکلات سے صبر کے ساتھ نمٹنے کا ایک اہم پہلو بھی یاد دلاتی ہے۔ اپنی مشکلات کو کم کرنے کے لیے ہمیشہ دوسروں کی مشکلوں کو دیکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والی مشکلات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے جو ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کو درپیش مشکلات سے کہیں زیادہ تھیں۔ یہ رویہ مشکلات کا سامنا کرتے وقت صبر کو اپنانے میں مدد دے گا۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے فعل یا بات سے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ صرف وہی منتخب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ انہیں شکر گزاری کو اپنانے کی ترغیب بھی دے گا، کیونکہ وہ جس مشکل کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ عام طور پر، کسی کی نیت میں شکر گزاری میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 286:

‘‘اے ہمارے رب، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔’’

مسلمانوں کو غیر ضروری دنیاوی چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے اس دعا کی تائید کرنی چاہیے جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 4118 میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ ایک شخص سادہ طرز زندگی اپنا کر تناؤ اور مشکلات سے بچ سکتا ہے جس کے ذریعے وہ اسراف اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال رزق کماتا ہے۔ جبکہ جو شخص غیر ضروری دنیاوی چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے، جیسے کہ زیادہ دولت، اس کی زندگی میں صرف تناؤ ہی بڑھے گا اور یہ رویہ انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت اختیار کرنے سے روکتی ہیں اور انہیں روکتی ہیں۔ ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھنے سے۔ اس لیے یہ رویہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ اس لیے جو مسلمان اس دعا کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے اور اپنی زندگی کے تناؤ کو کم کرنا چاہتا ہے اسے سادہ طرز زندگی اختیار کرنا چاہیے۔

باب 2 البقرہ، آیت 286:

"...اور ہمیں معاف کر دو۔ اور ہمیں معاف کر دیں اور ہم پر رحم فرما..."

معافی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی غلط کرنے والے کو ان کے گناہ کا جوابدہ نہیں ٹھہراتا ہے لیکن یہ پھر بھی مستقبل میں ان کے تعلقات کو متاثر کرتا ہے۔ جبکہ معافی اس وقت ہوتی ہے جب گناہ کے بعد بھی دونوں کے درمیان رشتہ قائم نہ ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 4250 میں نصیحت فرمائی ہے کہ گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے گناہ نہ کیا ہو۔

اسلام کا ایک سادہ سا اصول ہے کہ جو دیتا ہے وہی ملے گا۔ اگر کوئی معاف کرنا اور دوسروں پر رحم کرنا سیکھ لے تو اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1922 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 24 النور آیت 22:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

لیکن جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، دوسروں کو معاف کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے سے بچانے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھائے۔ مثال کے طور پر، ایک بیوی کو اپنے شوہر کی طرف سے بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسے خود کو اور اپنے بچوں کو اس سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں، چاہے اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔ اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے یہ اقدامات کرنے کے بعد اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کی گزشتہ غلطیوں کو معاف کر دے تو اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشش حاصل ہو گی۔

باب 2 البقرہ، آیت 286:

"...اور ہمیں معاف کر دو۔ اور ہمیں معاف کر دیں اور ہم پر رحم فرما .آپ ہمارے محافظ ہیں..."

یہ خواہش مندانہ سوچ سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، خواہش مندانہ سوچ وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہے اور پھر دونوں جہانوں میں اس کی حفاظت، رحمت اور بخشش کی توقع کرے۔ اسلام میں اس رویے کی کوئی اہمیت نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ

،سے حقیقی امید، جیسا کہ آیت 286 میں اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرنا ہے جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی ہیں، ان گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنا۔ اس کا ارتکاب ہو سکتا ہے اور پھر دونوں جہانوں میں اللہ عزوجل کی حفاظت، رحمت اور بخشش کی توقع ہے۔ خواہش مند سوچ اور امید کے درمیان فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید اختیار کرتا ہے اسے زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی مدد حاصل ہوتی ہے تاکہ اسے سکون حاصل ہو۔ دماغ دونوں جہانوں میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رویہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے جگہ دیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

تو ہمارا کارساز ہے، تو ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما‘‘۔’’

،اللہ تعالیٰ پر حقیقی امید رکھنے والے مسلمان اپنی برتری کو بھی یقینی بنائیں گے۔ باب 3 علی عمران آیت 139 :

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

اگر برتری مسلم قوم کو حاصل نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے ایمان کی شرط پوری نہیں ہوئی۔ یہ شرط اسلام پر ایمان کے زبانی دعووں سے پوری نہیں ہو گی۔ یہ تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کوئی ان نعمتوں کو استعمال کرے جو انہیں قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق دی گئی ہیں۔ یہی رویہ تھا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فضیلت عطا کی۔ باب 24 النور، آیت 55:

”اللہ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین پر حکومت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو دیا تھا اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قائم کرے گا۔ جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور یہ کہ وہ ان کے خوف اور سلامتی کے بعد ان کی جگہ ضرور لے گا، کیونکہ وہ میری عبادت کرتے ہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ لیکن جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

باب 2 البقرہ، آیت 286:

”تو ہمارا کارساز ہے، تو ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما“۔

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح لوگوں کی خواہشات اور خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اور اس وقت ہوتا ہے جب یہ لوگوں کے لیے بہترین ہو اور اس طریقے سے جو لوگوں کے لیے بہترین ہو، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، اس یقین کے ساتھ کہ وہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں فتح عطا فرمائے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

اچھے کردار پر 500 سے زیادہ مفت ای بکس

500+ FREE English Books & Audiobooks / كتب عربية / اردو کتب/ Buku Melayu / বাংলা বই / Libros En Español / Livres En Français / Libri Italiani / Deutsche Bücher / Livros Portugueses:

https://shaykhpod.com/books/

Backup Sites for eBooks: https://shaykhpodbooks.wordpress.com/books/
https://shaykhpodbooks.wixsite.com/books
https://shaykhpod.weebly.com
https://archive.org/details/@shaykhpod

YouTube: https://www.youtube.com/@ShaykhPod/playlists

AudioBooks, Blogs, Infographics & Podcasts: https://shaykhpod.com/

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

روزانہ بلاگز: www.ShaykhPod.com/Blogs
AudioBooks: https://shaykhpod.com/books/#audio
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/urdu-podcasts
لائیو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/live

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe